اسلام، پاکستان اور جدید دنیا

(لازمی)

کورس کوڈ: 652 | بی ایڈ پروگرام | یونٹ 1 تا 9

www.KitaboSunnat.com

شعبۂ ارلی چائلڈ ہڈ ایجوکیشن اینڈ ایلیمینٹری ٹیچر ایجوکیشن

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام

محدث لائبریری

کتاب وسنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

KitaboSunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

www.KitaboSunnat.com

اسلام، پاکستان اور جدید دنیائے اسلام

کوڈ نمبر 652 بی ایڈ یونٹ: 1-9

شعبہ ارلی چائلڈ ہڈ اینڈ ایلیمنٹری ٹیچر ایجوکیشن
علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں)

ایڈیشن دوئم	2006ء
ایڈیشن سوئم	2010ء
اشاعت چہارم	2013ء
تعداد اشاعت	100000
قیمت	-/175 روپے
نگران طباعت	خلیل احمد رانا
طابع	انک لائن' پرنٹرز' راولپنڈی
ناشر	علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کورس ٹیم

انچارج .... ڈاکٹر فضل الرحمٰن

شعبہ ارلی چائلڈ ہڈ و ایلیمنٹری ٹیچر ایجوکیشن

مؤلف: .... ایس۔ ایم۔ شاہد

مصنفین: .... 1- ایس۔ ایم۔ شاہد

2- عطش درانی

3- فاروق سولنگی

4- اقبال بخت

5- ڈاکٹر افتخار فتحپوری

6- ڈاکٹر اظہر حمید

نظر ثانی: .... رشید احمد قاسمی۔ محمد یاسین۔ ڈاکٹر ذوالکیف احمد۔ عطش درانی۔ اقبال شاہ۔ امان اللہ۔ فاروق سولنگی۔ ڈاکٹر اظہر حمید۔ فضل الرحمٰن۔ غلام رسوم محمد۔ ڈاکٹر تنویر الزمان۔ ڈاکٹر محمود حسین اعوان۔ ڈاکٹر جاوید اقبال۔ بادشاہ سردار۔ افشاں ہما۔

نظر ثانی دوئم: .... ثروت مقبول۔

تدوین: .... انوار الحق۔ عنبرین اعجاز

پروڈیوسر: .... خلیل انصاری

ڈیزائنر: .... آفتاب احمد

کورس رابطہ کار: .... بشریٰ شاہین

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ترتیب

پیش لفظ		5
کورس کا تعارف		6
یونٹ نمبر 1	اسلام.....نظریہ حیات	7
یونٹ نمبر 2	اسلام کی تعلیمی تحریک	95
یونٹ نمبر 3	اساس پاکستان	135
یونٹ نمبر 4	پاکستان کی اقتصادی ترقی کا جائزہ	177
یونٹ نمبر 5	سائنس اور ٹیکنالوجی	216
یونٹ نمبر 6	اسلامی مفکرین	260
یونٹ نمبر 7	دنیائے اسلام کا سیاسی منظر	299
یونٹ نمبر 8	ملت اسلامیہ کو درپیش اہم مسائل	341
یونٹ نمبر 9	پاکستان کے ہمسایہ ممالک کے ساتھ تعلقات	434

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پیش لفظ

(نظر ثانی شدہ ایڈیشن)

کسی بھی ملک کی معاشی، معاشرتی اور صنعتی ترقی کے لیے بچوں کی تعلیم و تربیت بنیادی حیثیت رکھتی ہے جبکہ بہترین تعلیم و تربیت ایک عمدہ اور مہذب ماحول ہی میں ممکن ہوسکتی ہے۔ ماحول کی اثر پذیری کا اندازہ جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد سے لگایا جاسکتا ہے کہ ''ہر نومولود فطرت سلیم لے کر پیدا ہوتا ہے۔ مگر اس کے والدین اسے یہودی، عیسائی یا مجوسی بنا دیتے ہیں''۔ اسی طرح ایک اور حدیث ہے کہ ''سب سے اچھا انسان وہ ہے جس سے لوگوں کو فائدہ پہنچے''۔ ان احادیث کی روشنی میں ہمیں بچے کی تعلیم و تربیت پر اسی طرح سے توجہ دینے کی ضرورت ہے جو اسے معاشی طور پر مستحکم کر کے معاشرے کا مفید فرد بنانے کی ضامن ہو۔ آج کے صنعتی اور ایٹمی دور نے زندگی کا دائرہ بہت وسیع کر دیا ہے۔ اسی وجہ سے بچے کی شخصیت کی عمدہ تربیت کے لیے دینی تربیت اور ماضی کی شاندار روایات کے ساتھ ساتھ موجودہ دور کی ضروریات کو بھی پیش نظر رکھنا نہایت ضروری ہے۔ اس مقصد کے لئے اسلامی قدروں کے لفظ کی مؤثر صورت یہی ہے کہ موجودہ دور کے صنعتی اور معاشی و معاشرتی انقلاب کو سمجھا جائے اور تعلیم و تربیت کو اس کے حسب حال نئی شکل دی جائے۔

اس احساس کے پیش نظر بی ایڈ پروگرام کے کورس ''اسلام، پاکستان اور جدید دنیا'' کی نظر ثانی کی گئی ہے تاکہ زیر تربیت اساتذہ بچوں کی تعلیم و تربیت میں موجودہ دور کی ضروریات کو پورا کرنے کے ساتھ ساتھ اپنی مستقل اسلامی اقدار کا تحفظ بھی ممکن بنا سکیں۔

شعبہ ارلی چائلڈ ہڈ اینڈ ایلیمنٹری ٹیچر ایجوکیشن اس کاوش کے لیے خصوصی مبارکباد کا مستحق ہے۔

میں ان تمام اساتذہ کرام اور رفقائے کار کو مبارکباد پیش کرتا ہوں جنہوں نے مختلف مراحل پر زیر مطالعہ کورس کی نظر ثانی میں بھرپور حصہ لیا، بلکہ ان سب کے لیے دعاگو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کوششوں میں برکت عطا فرمائے اور طلبہ کو اس کورس سے پوری طرح مستفید فرمائے۔ آمین

پروفیسر ڈاکٹر نذیر احمد سانگی

شیخ الجامعہ

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کورس کا تعارف

بچے کی ہمہ گیر نشوونما کے لیے ضروری ہے کہ بچے کو قومی ورثے سے روشناس کرایا جائے۔ پاکستان کی آزادی کے بعد ماہرین تعلیم نے اس بات کی شدید ضرورت محسوس کی کہ بچوں کو قومی و مذہبی روایات، ملی ضروریات اور ملکی تقاضوں سے باخبر رکھا جائے کیونکہ جس قوم کے بچوں کو اپنے ماضی اور تاریخ کا علم نہ ہو ان کے ذہنوں میں اپنی تہذیبی روایات کا احترام کبھی پیدا نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا ضروری ہے کہ نونہالان وطن کو اعلیٰ قومی شخصیتوں اور قومی و مذہبی روایات سے متعارف کروایا جائے۔ اسی اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کے زیر نظر کورس کو بی ایڈ پروگرام میں شامل کیا ہے۔

پیش نظر کورس نو یونٹوں پر مشتمل ہے۔ پہلے یونٹ میں اسلام کے لغوی و اصطلاحی مفہوم، ارکان و عقائد، امتیازی اوصاف اور اسلام بحیثیت نام کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

دوسرے یونٹ میں اسلام کا تصور علم، بنیادی خصوصیات اور مقاصد کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے علمی و فنی کارناموں پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ جبکہ تیسرے یونٹ میں بتایا گیا ہے کہ پاکستان کس نظریے کی بنیاد پر وجود میں آیا اور نظریہ پاکستان کے تاریخی عوامل کیا تھے۔

یونٹ نمبر 4 اقتصادی ماڈل سے متعلق ہے۔ یونٹ نمبر 5 میں پاکستان میں سائنس اور ٹیکنالوجی کی موجودہ صورتحال، علمی کردار اور رجحانات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ یونٹ نمبر 6 میں مجدد الف ثانی، شاہ ولی اللہ، سرسید احمد خان اور علامہ اقبال کی سیاسی و معاشرتی خدمات کا ذکر کیا گیا ہے۔ یونٹ نمبر 7 میں یہ جائزہ لینے کی کوشش کی گئی ہے کہ قومیت پرستی، جمہوریت اور اسلام کے حوالے سے دنیائے اسلام میں سیاسی تحریکیں کب اور کیسے شروع ہوئیں اور ان کی وجوہات کیا تھیں۔

یونٹ نمبر 8 میں ملت اسلامیہ کو درپیش سیاسی، معاشرتی، معاشی اور اخلاقی مسائل کا تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔

آخری یونٹ میں خارجہ پالیسی کے حوالے سے بحث شامل کی گئی ہے۔

امید ہے کہ مذکورہ اسباق کا مطالعہ آپ کی علمی و تعلیمی افادیت میں اضافے کا باعث ہوگا۔

انچارج

شعبہ ارلی چائلڈ ہڈ و ایلیمینٹری ٹیچر ایجوکیشن

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یونٹ............1

اسلام..........نظریۂ حیات

تحریر: ایس۔ایم شاہد

نظر ثانی: رشید احمد قاسمی، محمد یاسین، فضل الرحمٰن، ثروت مقبول

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فہرست

یونٹ کا تعارف ---------- 10

یونٹ کے مقاصد ---------- 10

1- اسلام کا تعارف ---------- 11

1.1- اسلام کا مفہوم ---------- 11

1.2- اسلام کے بنیادی عقائد ---------- 12

1.3- اسلام کے بنیادی ارکان ---------- 14

1.4- اسلام کا تصور دین ---------- 15

1.5- دین اسلام کے امتیازی اوصاف ---------- 15

1.6- اہم نکات ---------- 24

1.7- خود آزمائی نمبر 1 ---------- 25

2- اسلام کا معاشرتی نظام ---------- 27

2.1- اسلام کا نظام معاشرت ---------- 27

2.2- اسلامی معاشرت کی خصوصیات ---------- 28

2.3- ادارے ---------- 33

2.4- اہم نکات ---------- 38

2.5- خود آزمائی نمبر 2 ---------- 39

3- اسلام کا روحانی و اخلاقی نظام ---------- 41

3.1- تعمیر سیرت کے اسلامی اصول اور طریقے ---------- 44

3.2- اہم نکات ---------- 48

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

-3.3 خود آزمائی نمبر 3 ---------- 49
-4 اسلام کا معاشی نظام ---------- 50
-4.1 قرآن کی معاشی تعلیمات ---------- 50
-4.2 اسلامی نظام معیشت کی خصوصیات ---------- 52
-4.3 اسلامی حکومت کے ذرائع آمدنی ---------- 58
-4.4 اہم نکات ---------- 66
-4.5 خود آزمائی نمبر 4 ---------- 67
-5 اسلامی کا سیاسی اور قانونی نظام ---------- 69
-5.1 بنیادی اصول ---------- 70
-5.2 اسلامی ریاست کے قیام کا مقصد ---------- 88
-5.3 اہم نکات ---------- 90
-5.4 خود آزمائی نمبر 5 ---------- 91
-6 جوابات ---------- 93
-7 کتابیات ---------- 94

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یونٹ کا تعارف

اسلام کسی ایسے مذہب کا نام نہیں جو صرف روحانیت پر زور دیتا ہو، نہ ہی اسلام رہبانیت کی تعلیم دیتا ہے۔ اسلام ایک مکمل نظام حیات ہے جو انسانی زندگی کے جملہ اعتقادی، فکری، اخلاقی اور عملی پہلوؤں کو پوری طرح گھیرے ہوئے ہے۔ اسلام کے پیروکار ایک ایسے معاشرے سے تعلق رکھتے ہیں جو دیگر معاشروں سے سفارتی روابط رکھتے ہوئے اپنی علیحدہ اقدار زندگی اور الگ تہذیب کے وارث ہوتے ہیں۔

زیر نظر یونٹ میں اسلام کی انہی منفرد اقدار کو واضح کرنے کے لیے اسلام کا لغوی و اصطلاحی مفہوم بیان کیا گیا ہے اور اس کے عقائد و ارکان، امتیازی اوصاف اور سیاسی، معاشرتی، معاشی اور اخلاقی نظام کے بارے میں مختصراً بحث کی گئی ہے۔

یونٹ کے مقاصد

ہمیں امید ہے کہ اس یونٹ کے مطالعے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ

1- دین اسلام کی بنیادی تعلیمات سے آگاہی کے بعد عملی زندگی میں ان سے استفادہ کر سکیں۔

2- بچوں کی ہمہ گیر نشوونما کے لیے اسلامی تربیت کے طریقے عملاً استعمال کر سکیں۔

3- اسلام کے معاشرتی، معاشی، سیاسی اور قانونی نظام کا دیگر لادینی نظاموں سے تقابلی جائزہ لے سکیں۔

4- اسلام کے معاشرتی نظام کے بنیادی خدوخال بیان کر سکیں۔

5- اسلام کے معاشی، سیاسی اور اخلاقی نظام کا جائزہ لے سکیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

1- اسلام کا تعارف

اسلام کے لفظی معنی ہیں ''گردن نہادن'' یعنی سرنیاز خم کرنا، گویا اسلام اللہ کی اطاعت کا دوسرا نام ہے۔ عربی زبان میں اسلام کے معنی اطاعت اور فرمانبرداری کے ہیں۔ اور یہ اللہ کی اطاعت اور فرمانبرداری ہے۔ لغوی لحاظ سے لفظ اسلام ''سلم'' سے مشتق ہے جس کے معنی امن اور سلامتی کے ہیں۔ یہ لفظ تسلیم اور سپردگی کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے۔ یعنی خود کو اللہ کی مرضی اور اس کی مشیت کے حوالے کر دینے کا نام اسلام ہے۔ یہ خالق کائنات پسندیدہ دین ہے۔ اس دین کے پیرو مسلمان کہلاتے ہیں۔

1.1- اسلام کا مفہوم

اسلام کی رو سے مذہب کے مفہوم کی وضاحت خود لفظ اسلام سے ہمارے لیے آسان ہو جاتی ہے۔ اسلام کے عنی امن اور تسلیم کے ہیں۔ اس کا مقصد بہتر زندگی بسر کرنا یا بالفاظ دیگر فلاح و بہبود ہے۔'' مقصد حیات، خود حیات ہے اور وہ اس طریقے پر بسر کرنی چاہیئے کہ تدریجاً پاکیزہ، صالح، آراستہ، مستحکم اور بلند تر ہوتی رہے۔ حیات اپنی اظہری ترتیب میں ہم آہنگیوں اور ایسی ہی بے آہنگیوں کو پیش کرتی ہے۔ انسان کے وجود کی غایت اور تمام اخلاقی کشمکش کا مقصد ان بے آہنگیوں پر غالب آنا ہے۔ یا تو انہیں درست کیا جائے یا پھر انہیں ختم کر دیا جائے۔ امن کا آرزومند ہونا انسان کی فطرت میں داخل ہے اس لیے ہر وجود اسلام یا امن کا آرزومند ہوتا ہے۔ امن، خوشحال اور مسرت یہ تینوں ایک ہی حالت کے مختلف نام ہیں۔

اسلام ایک مکمل الہامی دین ہے اور اس کی تعلیمات نہایت سادہ ہمہ گیر اور جامع ہیں۔ اسلام عقائد سے لے کر عمل تک انفرادی اور اجتماعی زندگی کے لیے ہر طرح سے ہدایت دیتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

''الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا''

آج میں نے تمہارا دین تمہارے لیے کامل کر دیا ہے اور تم پر اپنی نعمت کو پورا کر دیا اور تمہارا دین اسلام ہونے پر میں راضی ہوا۔ (المائدہ3)

مندرجہ بالا آیتِ قرآنی سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام وہ دین ہے جو اللہ کی حاکیت کی بنیاد پر ایک پورا ضابطہ زندگی پیش کرتا ہے اور انسان سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اسے قبول کرے اور اس کی پیروی کرے کیونکہ اللہ کے قانون

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے آگے جھکنے اور اس کی اطاعت کرنے کا نام ہی اسلام ہے۔

1.2- اسلام کے بنیادی عقائد

حدیث شریف میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت جبریلؑ نے پوچھا: ''ایمان کیا ہے؟''

آپ نے جواب دیا

ان نومن باللہ و ملآئکتہ و کتبہ و رسلہ والیوم الاخیر و نومن بالقدر خیرہ و شرہ

ایمان یہ ہے کہ تم ایمان رکھو اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر اور آخرت کے دن پر اور ایمان رکھو تقدیر کی بھلائی اور برائی پر۔

دین اسلام کے یہ چھ عقائد ہیں جن سے پورا نظام شریعت وجود میں آیا۔

قرآن وحدیث کی رو سے اسلام کے بنیادی ارکان درج ذیل ہیں۔

1- اللہ پر ایمان	2- آخرت پر ایمان
3- انبیاء پر ایمان	4- اللہ کی نازل کردہ کتابوں پر ایمان
5- فرشتوں پر ایمان	6- تقدیر پر ایمان

1- اللہ پر ایمان

(الف) اللہ پر ایمان لانے کا مقصد یہ ہے کہ اس کی ذات کے موجود ہونے پر یقین رکھا جائے۔

(ب) اسے ان تمام صفات سے جن کی وضاحت قرآن اور صاحب قرآن نے فرمادی ہے، پوری طرح متصف مانا جائے۔

(ج) ان اختیارات کو اسی کے لیے مخصوص رکھا جائے جو ان صفتوں کے لازمی تقاضے کی حیثیت رکھتے ہیں۔

(د) ان حقوق کو بھی اس کے لیے خاص مانا جائے جو ان صفتوں سے فطری طور پر وابستہ ہیں۔

2- آخرت پر ایمان

آخرت کا لفظ ''آخر'' سے ہے۔ جس کے معنی ''سب کے بعد سب سے پیچھے'' کے ہیں۔ قرآن پاک میں الیوم الآخر کی ترکیب استعمال کی گئی ہے۔ یوم آخر سے مراد موت کے بعد کی زندگی ہے اسی لیے اس کو حیات آخرت اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دارِ آخرت بھی کہا گیا ہے۔

قرآن مجید میں صاف صاف کہا گیا ہے کہ جو شخص اخروی زندگی پر یمان نہیں لاتا اس کے اعمال غارت ہو جاتے ہیں۔ عقیدہ آخرت سے مراد ہے کہ انسان مرنے کے بعد ہمیشہ کے لیے فنا نہیں ہوتا بلکہ اس کی روح باقی رہتی ہے۔ قیامت کے بعد اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے روح کو جسم میں منتقل کر کے دوبارہ زندگی عطا کرے گا اور اعمال کے مطابق جزا و سزا ملے گی۔

3- رسالت

خدا نے اپنے بندوں تک اپنے پیغام بھیجنے کا جو نظام قائم کیا ہے قرآن کی اصطلاح میں اس کا نام رسالت ہے اور رسول وہ پاک انسان ہے جس کو خود اللہ نے اپنا پیغام بندوں تک پہنچانے کے لیے منتخب فرما کر علم و صحت اور بصیرت سے نوازا ہے۔ تمام انبیاء کرام اللہ کے نیک بندے تھے اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے آخری نبی تھے۔

4- کتابوں پر ایمان

کتابوں پر ایمان لانے کا مطلب دراصل اسلامی تعلیمات پر ایمان لانا ہے۔ آسمانی کتب مختلف زبانوں میں نازل ہوتی رہیں یعنی تورات، زبور، انجیل اور قرآن۔ تمام الہامی کتب انہی تعلیمات کی تصدیق کرتی ہیں اور ان ہی تعلیمات کو کھول کھول کر بیان کرتی ہیں۔ تمام آسمانی کتابوں پر ایمان لانے کا حکم ہے کیونکہ وہ سب کتب اللہ تعالیٰ نے مختلف اوقات میں انسانوں کی رہنمائی کے لیے نازل کی تھیں۔

5- فرشتوں پر ایمان

قرآن کی تعلیمات کے مطابق فرشتے اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں۔ ان کا خدائی میں کوئی دخل نہیں، وہ حمد و تسبیح میں لگے رہتے ہیں۔ وہ خدا کے حضور سجدہ ریز رہتے ہیں اور احکام الٰہی کی بے چون و چرا تعمیل کرتے ہیں۔ ان پر ایمان لانے کا حکم ہے۔

6- تقدیر پر ایمان

تقدیر پر ایمان دراصل اللہ ہی پر ایمان کا ایک جزو ہے۔ تقدیر پر ایمان رکھنا ایسا ہی ضروری ہے جس طرح کہ اللہ کی دوسری صفتوں پر اور ان کے سارے تقاضوں پر ایمان رکھنا ضروری ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

1.3- اسلام کے بنیادی ارکان

اسلام کے پانچ بنیادی ارکان ہیں جنہیں ''اسلام کے ستون'' کہا گیا ہے۔ یہ پانچ چیزیں اسلام کی ایسی بنیادی تعلیمات ہیں جن کا وجود میں آنا دراصل پورے اسلام کے وجود میں آنے کی ضمانت ہے۔ اس طرح وہ اسلام کا ایک جز ہوتے ہوئے بھی گویا پورا اسلام ہیں۔

آپ ﷺ کا ارشاد ہے

بنی الاسلام علی خمس شهادة ان لا اله الا الله وان محمد رسول الله

واقامه الصلوة و ایتاء الزكوة والحج وصوم رمضان

(بخاری۔ ج۔ کتاب الایمان)

اسلام کی تعمیر پانچ چیزوں پر ہوئی ہے جن مین (i) اس بات کی شہادت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمدؐ اللہ کے رسول ہیں (ii) نماز قائم کرنا (iii) زکوۃ دینا (iv) حج کرنا (v) رمضان کے روزے رکھنا شامل ہیں۔

چنانچہ اسلام کے بنیادی ارکان درج ذیل ہیں۔

1- توحید ورسات کا اقرار 2- نماز 3- زکوۃ 4- روزہ 5- حج

اسلام کے بنیادی ارکان میں سے کسی ایک کو ترک کرنے والا مسلمان نہیں کہلا سکتا۔ یہ ارکان یا اعمال صرف چند نیکیاں اور عبادتیں نہیں بلکہ نیکی اور عبادت کے سرچشمے بھی ہیں۔ ان ارکان کے ذریعے ہر انسان کو اپنے اندر بندگی کا احساس اجاگر کرنے اور اسے مکمل کرنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ کوئی دوسرا عمل اس کے قائم مقام نہیں ہو سکتا اور پھر یہ سب مل کر مومن کو ایسا ذہن عطا کرتے ہیں جو اسلام کے بارے میں پوری طرح مطمئن ہوتا ہے۔ ایک ایسا دل عطا کرتے ہیں جو دین کے احکام پر برابر تکمیل کرتا ہے اور ایسی روح عطا کرتے ہیں جو رضائے الٰہی کی طلب سے سرشار ہوتی ہے۔ جس کے نتیجے میں انسان اللہ کی اطاعت گزاری کے لیے ایسا مستعد ہو جاتا ہے کہ اس کی جانب جو حکم بھی ملے، اس کی تکمیل کے لیے دوڑ پڑے۔ اس کے دل کی زمین جت کر کھاد اور پانی پا کر اس طرح تیار ہو جاتی ہے کہ دینی ہدایات کا جو تخم بھی اس میں ڈالا جائے اسے فوراً قبول کرے، یہی وجہ ہے کہ انہیں اسلام کے ستون کہا گیا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

1.4- اسلام کا تصور دین

اسلامی نقطہ نگاہ سے مذہب اور دین دو مختلف چیزیں ہیں۔ جن میں سے دین کُل ہے اور ''مذہب'' اس کی شاخ ہے۔ دین ایک مکمل قانون ہے جو انسانی زندگی کے لیے ضابطہ فراہم کرتا ہے۔ دین ایک ایسا قانون ہے جو انسانوں کی فلاح و بہبود کے لیے اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے اپنے آخری پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا۔ یہ دنیوی اور اخروی دونوں زندگیوں کے لیے مشعل راہ ہے۔ اس پر کاربند رہ کر انسان دنیا میں کامیابی اور آخرت میں سرخروئی حاصل کرسکتا ہے۔

مذہب، دین کی ایک شاخ ہے جو فقہ (ضمنی قانون) پر مشتمل ہے۔ دین اسلام (یعنی اسلامی قانون) میں مہارت رکھنے والے قانون کی تشریح اور تعبیر کرنے والوں (فقہاء) نے معاملات زندگی سے متعلق جو اصول و قواعد قرآن و سنت کی روشنی میں مرتب کیے ہیں ان کا مجموعہ ''مذہب'' کہلاتا ہے۔ اسلام میں چار مذاہب (مسالک) معروف ہیں۔ حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی بالفاظ دیگر ہر فقیہہ کا مسلک ''مذہب'' کہلاتا ہے۔

1.5- دین کے امتیازی اوصاف

اسلام ایک ایسا دین کامل ہے جو زندگی کے ہر شعبے میں فکر و عمل کی راہنمائی کا کام دیتا ہے۔ جب کہ دیگر مذاہب کے ساتھ یہی مشکل تھی کہ ان کا پیش کردہ تصور زندگی، انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں پر حاوی نہیں تھا۔ اس لیے جب دین اسلام کا جائزہ لیا جاتا ہے تو اس میں وہ تمام خصوصیات نظر آتی ہیں جن کے پیش نظر زندگی کے تمام شعبے میں دین اسلام کی امتیازی خصوصیات مندرجہ ذیل ہیں۔

1- تمام پیغمبروں کا دین ہے

دین اسلام ان تمام انبیاء علیہم السلام کا دین ہے جنہیں دین کے کسی نہ کسی پہلو کو لوگوں کے سامنے پیش کرنے کے لیے بھیجا گیا۔ آخر میں رسول کریم ﷺ نے اسلام کو ایک مکمل ضابطہ حیات کی شکل میں پیش کیا۔ ارشاد الٰہی ہے

''یقیناً دین اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے اور انہوں نے (جن کو کتاب دی گئی) اختلاف نہیں کیا
مگر اس کے بعد کہ ان کے پاس علم آچکا تھا۔ آپس کی ضد سرکشی سے جو شخص اللہ کی آیتوں کا انکار
کرتا ہے تو اللہ بھی جلد حساب لینے والا ہے''۔ (آل عمران:19:3)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں جو بھی پیغمبر مبعوث فرمایا اس کا دین اسلام رہا اور جو کتاب بھی وہ ساتھ لایا اس نے اسلام ہی کی تبلیغ کی۔ تمام انبیاء علیہم السلام نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے متعلق اپنی اپنی امتوں کو خبر دی تھی جن کا ذکر ان کی کتب میں موجود ہے اور اپنی امتوں سے کہا کہ جب وہ عظیم الشان نبی آئے تو اس کو مانیں اور اس کی مدد کریں۔ ارشاد الٰہی ہے

"اور جب اللہ نے نبیوں کے ذریعے عہد لیا کہ جو کچھ تم کو کتاب اور علم دوں پھر تمہارے پاس رسول آئے جو اس کی تصدیق کرنے والا ہو جو تمہارے پاس ہے تو تم نے ضرور ہی اس پر ایمان لانا ہوگا اور ضرور ہی اس کی مدد کرنا ہوگی کہا کیا تم اقرار کرتے ہو اور اس پر میرا عہد لیتے ہو انہوں نے کہا ہم اقرار کرتے ہیں۔ کہا پس گواہ رہو اور میں تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں۔"
(آل عمران 3:81)

یہ آیت ظاہر کرتی ہے کہ اسلام جملہ انبیاء علیہم السلام کا موعود مذہب ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سب نبیوں کے موجود ہونے کے لحاظ سے اول النبیین اور بعثت کے لحاظ سے خاتم النبیین ہیں۔

اسی مضمون کو ایک اور جگہ ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

"بے شک اس (قرآن) کا ذکر پہلی امتوں میں بھی ہے" (الشعراء 26:196)

2- عالمگیر مذہب

دنیا میں اسلام کے علاوہ کوئی مذہب ایسا نہیں جو پوری دنیا کے انسانوں کے لیے ہو۔ مثال کے طور پر ہندو مت صرف ہندوستانیوں خصوصاً آریانسل کے لوگوں کے لیے ہے۔ یہودیت صرف ان لوگوں کے لیے ہے جو ماں اور باپ کی طرف سے یہودی اسرائیلی ہوں۔ غیر اسرائیلی یہودیت اختیار نہیں کر سکتا۔ اسلام کے عالمگیر اور آفاقی ہونے کے بارے میں قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے

وما ارسلنک الا کافة للناس بشیرا و نذیرا (سبا)

آپ ﷺ کی نبوت عالمگیر ہے۔ آپ ﷺ کسی زمین کے خاص خطے یا کسی ایک قوم کے لیے ہی نبی بنا کر نہیں بھیجے گئے بلکہ پوری دنیا اور تمام انسانوں کے لیے بھیجے گئے ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

3- دین کامل

دین اسلام کا کامل ہو جانا اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ سلسلہ نبوت ترقی اور ارتقاء کی تمام منازل طے کر چکا ہے اور اب مزید ترقی کی کوئی گنجائش نہیں، گویا کمال دین خاتمہ نبوت ہے۔ نبوت کے ختم ہونے کے بارے میں قرآن مجید میں آتا ہے۔

''محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں۔ لیکن اللہ کے رسول، اور خاتم النبین ہیں۔'' (الاحزاب 40:33)

رسول کریم ﷺ نے خاتم النبین کی تفسیر ذیل کے ارشادات میں بیان فرمائی ہے۔

''میں خاتم النبین ہوں۔ (نبیوں کو ختم کرنے والا ہوں) میرے بعد کوئی نبی نہیں''

یعنی نبوت اور رسالت کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہے میرے بعد نہ کوئی نبی آ گے اور نہ رسول۔

4- خالص توحید کا علمبردار

دین اسلام ہی وہ دین ہے جس نے توحید خالص کا درس دیا ہے۔ پس اسلام ہی سچا دین ہے جس کو قبول کرنے کے سوا کوئی شخص خالص توحید پر قائم نہیں ہو سکتا۔ ہر مذہب میں توحید کا کسی قدر شرک کے ساتھ اختلاط ہو گیا ہے مگر قرآن نے اگر ایک طرف شرک کے مخفی مراتب کو بیان فرمایا تو دوسری طرف اس کی تعلیم تحریف سے بھی پاک ہے۔

قرآن مجید میں توحید سے متعلق ایک مکمل مگر مختصر، سورہ اخلاص موجود ہے۔ (ترجمہ)

''کہو وہ اللہ ایک ہے، اللہ سب حاجات سے بے نیاز ہے، نہ اس کی اولاد اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے اور نہ کوئی اس کا ہمسر ہے''۔

5- وحدت انسان کا علمبردار

اسلام ایک ایسا دین ہے جو اتحاد انسانی کا علمبردار ہے۔ ارشاد الٰہی ہے

''اے لوگو! اپنے رب کا تقویٰ اختیار کرو، جس نے تم کو ایک ہی اصل سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑ پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں اور اللہ سے ڈرو جس کے ذریعے سے تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور دوسروں کے حقوق کی نگہداشت کرو۔ بے شک اللہ تم پر نگہبان ہے۔''

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے

''اور (ابتداء میں) انسانوں کی ایک ہی امت تھی پھر الگ الگ ہو گئے۔'' (یونس 19)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ

''اے ہمارے اور ہر چیز کے پروردگار میں گواہی دیتا ہوں کہ سب انسان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔تم اللہ کے بندے اور آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ۔''

6- کامل مساوات کا حامی

اسلام زندگی کے ہر پہلو کو مدنظر رکھتے ہوئے مساوات انسانی کا درس دیتا ہے۔نماز میں خدا کے حضور ایک ہی صف میں تمام لوگ کھڑے ہوتے ہیں، روزوں میں سب لوگ یکساں حالت میں ہیں، حج میں سب لوگ ایک ہی لباس پہنتے ہیں اور ایک ہی طرح خدا کے حضور کھڑے ہوتے ہی اور ایک ہی طرح مناسک حج ادا کرتے ہیں۔اس کے بعد اگر ہم دیوانی قوانین کی جانب متوجہ ہوں تو ہم دیکھتے ہیں کہ تمام لوگوں کے ساتھ حق وانصاف پر معاملہ کیا جاتا ہے۔ قانون سازی کا اصل مقصد عدل وانصاف ہے۔پھر جب قانون فوجداری کا مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ہر شخص کے لیے یکساں سزا ہے۔جو چوری کرتا ہے سزا پاتا ہے، جو زیادتی کرتا ہے اس کی تادیب کی جاتی ہے۔قاتل خواہ عالم ہو یا جاہل، امیر یا غریب اس کو شریعت کے مطابق سزا ملے گی۔عربی ہو عجمی، مشرقی ہو یا مغربی، سب قانون کی نظر میں برابر ہیں۔ارشاد الٰہی ہے

''آزاد کا بدلہ آزاد ہے، غلام کا بدلہ غلام سے اور عورت کا بدلہ عورت سے لیا جاتا ہے۔''

حجۃ الوداع کے موقع پر رسول کریم ﷺ نے فرمایا

''لوگو! ہاں بے شک تمہارا رب ایک ہے اور بے شک تمہارا باپ ایک ہے ہاں عربی کو عجمی (غیر عرب) پر اور عجمی کو عربی پر، سرخ کو سیاہ پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقویٰ کے سبب سے۔''

7- مذہبی رواداری کا حامی

اسلام ہی ایک دین ہے جس نے دائرہ اسلام میں آنے کے لیے یہ ضروری قرار دیا کہ سابقہ تمام انبیاء علیہم السلام اور ان کی کتب پر ایمان لایا جائے۔اگر کوئی شخص ایک رسول کو مانتا ہے لیکن کسی دوسرے کو نہیں مانتا، تو وہ دائرہ اسلام میں داخل نہیں ہو سکتا۔ارشاد الٰہی ہے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"کہو ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر جو ہم پر اتارا گیا اور جو ابراہیم اور اسماعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور اس کی اولاد پر اتارا گیا اور جو موسیٰ اور عیسیٰ اور نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے دیا گیا ہم ان میں سے کسی ایک میں فرق نہیں کرتے اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں"۔

اسلام نے دین کو سنوارنے کے لیے کسی قسم کے جبر کو روا نہیں رکھا۔ ارشاد الٰہی ہے

"دین میں کوئی زبردستی نہیں، ہدایت کی راہ گمراہی سے واضح ہو چکی ہے"۔ (البقرہ 256:2)

-8 بین الاقوامی عدل وانصاف کا حامی

قرآن مجید میں عدل وانصاف کے متعلق بے شمار آیات موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

"اللہ تعالیٰ تمہیں عدل کرنے کا حکم دیتا ہے"

عدل وانصاف پر قائم رہنا اس وقت مشکل ہو جاتا ہے جب فریقین میں سے ایک فریض دشمن اور ایک فریق دوست ہو لیکن قرآن مجید میں ہے۔

"اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ کرے تم انصاف نہ کرو۔ یہ تقویٰ سے قریب تر ہے۔"

قرآن مجید میں اس تعلیم پر عمل پیرا ہونے کی بے شمار مثالیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی یں ملتی ہیں۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ کے پاس ایک مسلمان اور ایک یہودی کا مقدمہ آیا تو یہودی کو حق پر پا کر آپ ﷺ نے اس کے حق میں فیصلہ صادر فرمادیا۔

-9 تکمیل انسانیت

پہلی کتب سماوی میں انسانی قویٰ کی نشو ونما اور تربیت کے لیے افراط وتفریط پائی جاتی ہے۔ یہودی مذہب انتقامی جذبہ کو ابھارتا ہے۔ عیسائیت جذبہ رحم کی اس رنگ میں تربیت کرتی ہے کہ غصہ جو انسان میں طبعی جذبے کا نام ہے، بالکل ختم ہو جاتا ہے۔ یہی حال ہندو اور بدھ مذہب کا ہے لیکن تکمیل انسانیت کے لیے ایک ایسے دین کی ضرورت تھی جو انسانی قوموں کی اعتدال پر نشو ونما کرے اور اس مقصد کو پورا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اسلام نازل کیا۔

-10 قیام امن کا حامی

اسلام کا لفظ ہی سلامتی اور آشتی پر دلالت کرتا ہے۔ اسلام ایک ایسا دین ہے جو دنیا میں امن قائم کرنے کا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زبردست حامی ہے۔اس نے قیام امن کے لیے یک بنیادی اصول وضع کردی اہے،اگرتمام قومیں اس پر عمل کریں تو دنیامیں مکمل طور پرامن قائم ہوجائے ،وہ اصول یہ ہے:

''اور نیکی اور تقوی پرایک دوسرے کی مدد کرواور گناہ اور زیادتی پرایک دوسرے کی مدد نہ کرو''

اس آیت میں ایک اصول مقرر کیا گیاہ کہ قومیں ایک دوسرے سے بھلائی پر تعاون کریں، جب قومیں یہ اصول اپنالیں تو وہ نیکی کے کاموں میں دوسرے کا ساتھ دیں گی اور زیادتی اور گناہ کے خلاف صف آراء ہوجائیں گے یقیناً دنیامیں صلح وآشتی ہوجائے گی۔

11- بے نظیر محفوظیت

تعلیمات اسلامیہ کی بے نظیر محفوظیت پر انسانی عقل متحیر ہے۔رسول خدا ﷺ کو دنیا سے رحلت فرمائے چودہ سوسال سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے۔اس وقت سے اب تک دنیا میں ہزارر ہاانقلاب آئے۔مگراسلامی تعلیمات ذرہ برابر بھی ادھر سے ادھر نہیں ہوئی۔اسلامی تعلیمات اپنی اصلی صورت میں ازل سے موجود ہیں۔قرآن مجید میں آتا ہے

''یقیناً ہم نے ہی قرآن نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے''۔

سرولیم میور اپنی کتاب لائف آف محمد ﷺ میں لکھتے ہیں۔

''جہاں تک ہماری معلومات ہیں، دنیا بھر میں ایک بھی ایسی کتاب نہیں جو اس (قرآن مجید) کی طرح بارہ صدیوں تک ہر قسم کی تحریف سے پاک رہی ہو''

12- قومی التاثیر اور سریع التاثیر تعلیم

یہی وجہ ہے کہ تمام عرب تیئس سال کی مدت میں دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے اور اسلام بہت جلد عرب سے باہر کی دنیا میں پھیلنا شروع ہوگیا۔قرآن مجید میں ہے۔

''اور تو نے لوگوں کو اللہ کے دین میں فوج درفوج داخل ہوتے ہوئے دیکھ لیا''

مسٹر لیل قرآن مجید کے اپنے انگریزی ترجمے کے دیباچے میں لکھتے ہیں

دنیا میں اسی دین کو وہ قبولیت حاصل ہوئی جس کی کوئی مثال اور نظیر نہیں ملتی۔اس دین کو نہ صرف ان قوموں نے قبول کیا جن پر مسلمانوں نے کبھی فوج کسی نہ کی تھی بلکہ ان لوگوں نے بھی قبول کیا جنہوں نے اہل عرب کو ان فتوحات سے محروم اور ان کی سلطنت بلکہ ان کے خلیفوں کا خاتمہ کردیا اور جس میں کوئی بات اس بڑھ کر تھی جو ایک

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مذہب ہیں عموماً خیال کی جاتی اور جس کی وجہ سے اسے ایسی عجیب ترقی نصیب ہوئی۔

13- الہامی نظام حیات

دین اسلام کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ کسی انسان کے ذہن کی اختراع نہیں ہے بلکہ خالق کائنات اللہ کے احکامات پر مبنی ہے جو اس نے اپنے پیغمبروں کے ذریعے انسانیت تک پہنچائے۔ ان تعلیمات میں کمی و بیشی کرنے کا کسی کو اختیار نہیں۔ پھر اللہ نے اپنے احکامات پر عملدرآمد کے انتظام کے لیے انبیاء کو بھیجا جو ایک طرف اللہ کی کتب لے کر آتے تھے اور دوسری طرف انسانوں کی رہنمائی کے لیے ان احکامات پر عمل کر کے دکھاتے تھے۔ چنانچہ قرآن میں ہے

"اللہ تعالیٰ نے مومنین پر احسان کیا ہے کہ ان میں انہی میں سے ایک پیغمبر مبعوث کیا جو انہیں آیات پڑھ کر سنتا ہے، ان کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

(آل عمران 164)

14- مکمل ضابطہ زندگی

دین اسلام زندگی کا نہایت منظم ضابطہ ہے۔ حیات انسانی کا کوئی گوشہ انفرادی و اجتماعی، قومی و بین الاقوامی، معاشی، سیاسی، معاشرتی و قانونی گوشہ اسلام کی ہدایت سے محروم نہیں۔ اسلام مذہب کو ذاتی معاملہ نہیں قرار دیتا بلکہ یہ زندگی کی تعمیر ہی بنیادی عقائد کیا بنیاد پر کرتا ہے جس کا ہر شعبہ مرکز سے منسلک ہوتا ہے۔ اسلام انسان کی ہر انفرادی و اجتماعی عمل کی راہ متعین کرتا ہے اور اصول فراہم کرتا ہے۔ قرآن کی رُو سے:

"اے اہل ایمان، اسلام میں پوری طرح داخل ہو جاؤ اور شیطان کے نقش قدم پر مت چلو۔"

جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ زندگی کا ہر فعل اللہ کی مرضی و منشاء کے مطابق ہونا چاہئے اور اس کی خلاف ورزی شیطان کی پیروی کے مترادف ہے۔

15- ایمان و نفس کی اصلاح

اللہ تعالیٰ کی ہدایت سے ہٹ کر جتنے بھی فلسفے وضع ہوئے ان میں بڑی کمزوری یہ ہے کہ وہ انسانی زندگی میں محض خارج کی تبدیلی سے انقلاب لانا چاہتے ہیں لیکن اسلام کے نزدیک اصلاح کا نقطہ آغاز ایمان ہے جس سے مراد فکر و نظر اور دل و دماغ کی تبدیلی ہے۔ یہ نظریہ حیات پہلے انسان کے دل و دماغ سے غیر اللہ کی عقیدت و محبت ختم کر کے زاویے بدل دیتا ہے جس سے انسان کی پوری شخصیت خود بخود بدل جاتی ہے۔ چنانچہ ایمان کی بناء پر ایک ایسا انقلاب برپا ہوتا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے جہاں خلوت ہو یا جلوت، رات ہو یا دن، ہر انسان خود اپنا نگران و محاسب بن جاتا ہے۔ اس انقلاب کا یہ نتیجہ تھا کہ ایک انسان حضور ﷺ کے پاس آ کر کہتا ہے "یارسول اللہ! میں زنا کا مرتکب ہوا ہوں، مجھ پر حد جاری کیجئے۔" کسی کو کسریٰ کا تاج ملتا ہے تو خود ہی لا کر بیت المال میں جمع کرا دیتا ہے۔ غرض یہ کہ اسلام خارجی ماحول کی تبدیلی کے مقابلے میں قلب و ذہن کو بدل کر نفس کی اصلاح ایمان کے ذریعے کرتا ہے۔

16- دین و دنیا کی وحدت

دین اسلام کی ایک خوبی یہ ہے کہ یہ دین اور دنیا کو الگ الگ نہیں رکھتا۔ اسلام میں ترک دنیا کی کوئی حوصلہ افزائی نہیں کی گئی۔ اسلامی نظریئے کے مطابق اللہ کی خوشنودی صرف اعمال کے ذریعے سے حاصل کی جا سکتی ہے۔ اس نظریے نے انسان پر یہ فرض عائد کیا ہے کہ وہ اپنی ضروریات زندگی کے لئے اللہ کے احکامات کی روشنی میں جدوجہد کرے اور اپنے عیال اور لواحقین کی دیکھ بھال کرے۔ دنیاوی زندگی کی اصلاح ہی آخرت کی اصلاح کی ضامن ہے۔

17- انفرادیت و اجتماعیت

دین اسلام کی خوبی یہ ہے کہ وہ فرد اور جماعت کے مابین توازن قائم کرتا ہے۔ ایک طرف ہر انسان کو اعمال کے معاملے میں فرداً فرداً ذمہ دار ٹھہرا کر خدا کے سامنے مسؤل بناتا ہے اور اس کے بنیادی حقوق کی ضمانت دیتا ہے تو دوسری طرف افراد میں اجتماعی ذمہ داری کا احساس اجاگر کرتا ہے۔ رہبانیت کی مخالفت کی۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث ہے

> "تم میں سے ہر ایک چرواہے کی مانند ہے اور ہر ایک سے اس کے گلے کے بارے میں پوچھا جائے گا"۔ غرض یہ کہ اسلام ایک طرف انسان کی انفرادی زندگی کی اصلاح کا سامان کرتا ہے تو دوسری طرف اجتماعیت کو مربوط انداز میں فروغ دیتا ہے۔

18- مکمل توازن

دین اسلام کی ایک نمایاں خوبی یہ ہے کہ یہ زندگی کے مختلف پہلوؤں کے درمیان ایک حسین توازن پیدا کرتا ہے۔ یہ بڑا مشکل مسئلہ ہوتا ہے کیونکہ انسان میں اتنی جبلتیں اور محرکات کارفرما ہیں کہ اکثر ان میں تصادم ہوتا ہے۔ روحانی، اخلاقی، مادی، نفسیاتی اور معاشرتی ضروریات میں کبھی ہم آہنگی ہوتی ہے اور کبھی تضاد، اس لیے ان کے درمیان حقیقی توازن قائم کرنا بہت مشکل ہے۔ دنیا میں بے شمار مفکرین فلسفی اور مصلح بھی اس بنیادی مسئلے کو حل کرنے میں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ناکام رہے لیکن دین اسلام الہامی ہونے کی وجہ سے جب یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام مخفی رازوں سے بھی واقف ہے تو اسے انسانی زندگی کی ضروریات کے تعین و توازن میں کوئی دشواری نہیں ہوتی۔ لہٰذا دین اسلام انسان کی انفرادی واجتماعی زندگی میں ایسا توازن قائم کرتا ہے جس سے زندگی اپنی تمام وسعتوں کے ساتھ ترقی کر سکتی ہے۔

19- سادہ و عقلی مذہب

دین اسلام کی ایک خوبی اس کی تعلیمات کی سادگی ہے جن پر آسانی سے عمل کیا جاتا ہے۔ توحید، رسالت اور زندگی بعد الموت کے بنیادی عقائد ہیں جن کی تائید عقل و وجدان کے ذریعے ہو سکتی ہے۔ ہر شخص براہ راست اللہ کی کتاب سے استفادہ کر سکتا ہے۔ قرآن میں کئی مقامات پر لوگوں کو تلقین کی گئی ہے کہ وہ تفکر و تعقل کی قوتوں کو استعمال کریں۔ قرآن کہتا ہے ''وہ لوگ جو عقل سے کام نہیں لیتے جانوروں سے بدتر ہیں۔'' اسلام انسان کو فہم و عقل کے استعمال کی تعلیم دیتا ہے۔

20- ثبات و تغیر

دنیا میں آج تک جتنے فلسفے وجود میں آئے ان میں کوئی بھی ایسا نظریہ فکر و عمل پیش نہیں کیا جا سکا جو دائمی اور ابدی ہو۔ دین اسلام میں یہ خصوصیت ہے کہ ایک طرف زندگی کے ابدی اصول پیش کرتا ہے تو دوسری طرف انسانی معاشرے میں فطرت تغیرات کے ماتحت آمدہ مسائل کا حل فراہم کرتا ہے۔ اسلام نے کچھ بنیادی واساسی اصول فراہم کئے ہیں جو ہر زمانے میں ناقابل تغیر ہیں۔ دنیا میں جو کچھ رونما ہو رہا ہے، وہ ضوابط کے ماتحت ہے جن میں تبدیلی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ ضوابط زندگی کی بنیادیں فراہم کرتے ہیں جو زمان و مکان کی قید سے آزاد ہیں لیکن زندگی کی وہ ضروریات جو وقت اور حالات کے ساتھ بدلتی رہتی ہیں ان کا تعین ہر زمانے کے لحاظ سے اسلام کی مجموعی ہدایات کی روشنی میں کیا جا سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی نظریے ارسائنس کی ایجادات میں کوئی تصادم نہیں۔

21- اصلاحی وانقلابی تحریک

دین اسلام کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس کی تعلیمات محض ذہن میں رکھنے کے لیے نہیں ہیں بلکہ انہیں عملی طور پر رائج کرنا مقصود ہے۔ یہ صرف پیغام ہی نہیں ایک مکمل نظام ہے جو زندگی کے تمام شعبوں کو اپنی گرفت میں لے کر خصوص خطوط پر مستحکم کرتا ہے۔ چنانچہ قرآن کہتا ہے

''تم وہ بہترین امت جو لوگوں (کی اصلاح) کے لیے میدان میں لائی گئی ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہواور برائیوں سے روکتے ہو۔"

اس طرح اسلام ایک مذہب ہی نہیں ای اصلاحی و انقلابی تحریک ہے جو خدا کی زمین پر نیکی کو پھیلانے اور برائی کو روکنے کے لیے انفرادی و اجتماعی جدوجہد کرتی ہے اور زندگی کے تمام شعبوں کو مربوط انداز میں ترتیب دیتی تاکہ اللہ کے احکامات کی روشنی میں مقاصد حیات کی تکمیل ہو سکے۔

1.6- اہم نکات

1- عربی زبان میں اسلام کے معنی اطاعت وفرمانبرداری کے ہیں۔

2- اسلام خالق کائنات کا پسندیدہ دین ہے اور اس کا مفہوم و معنی امن و تسلیم کے ہیں۔ اصلاح حیات اس کا حقیقی مقصد ہے۔

3- اسلام کی عمارت اس کے بنیادی عقائد ہی استوار کرتے ہیں۔

4- رسول خدا ﷺ نے عقائد کے چھ اصول بیان کیے۔ اللہ پر ایمان، اللہ کے فرشتوں پر ایمان، اللہ کے رسولوں پر ایمان، اللہ کی کتابوں پر ایمان، اعمال کے جزا و سزا کے دن پر ایمان اور تقدیر پر ایمان۔

5- اسلام کے بنیادی ارکان توحید و رسالت کا اقرار نماز، زکوۃ، روزہ اور حج ہیں۔ یہ ارکان نیکی اور عبادت کے سرچشمے بھی ہیں۔

6- اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ اس کے تصور دین کا مقصد وہ نظام ہے جس میں انسان اجتماعی طور پر قوانین خداوندی کے مطابق زندگی بسر کرے۔

7- مذہب اور دین میں واضح فرق یہ ہے کہ مذہب خدا اور بندے کے درمیان تعلق کا نام ہے۔ دین اس نظام خداوندی کا نام ہے جس کے مطابق اجتماعی زندگی بسر کی جائے۔

8- اسلام مذہب نہیں دین ہے اور اس دین میں وہ تمام امتیازی خصوصیات ہیں۔ جو زندگی کے تمام شعبوں میں کامیابی کی ضامن ہیں۔

9- اسلام تمام پیغمبر کا دین ہے۔ اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے۔ دین اسلام کے بعد کوئی نیا دین اور نبی نہیں آئے گا اور نبی کریم ﷺ خاتم النبین ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

-10 اسلام خالص توحید اور اتحاد انسانی کا علمبردار ہے۔علاوہ ازیں اسلام کامل مساوات، مذہبی رواداری، بین الاقوامی عدل وانصاف اور قیام امن کا حامی ہے۔

-11 دین اسلام کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ الہامی نظام حیات ہے۔اسلام انسان کی ہر انفرادی و اجتماعی عمل کی راہ متعین کرتا ہے۔

-12 اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ۔ ہے یہ نفس کی اصلاح ایمان کے ذریعے کرتا ہے۔

-13 دین اسلام نہ صرف دنیاوی زندگی کی اصلاح کرتا ہے بلکہ فرد اور جماعت کے مابین ہے اور زندگی کے مختلف پہلوؤں کے درمیان خوبصورت توازن پیدا کرتا ہے۔

-14 اسلامی تعلیمات سادہ اور آسان ہیں۔ یہ دین ایک طرف انسان کو فہم و عقل کے استعمال کی تعلیم دیتا ہے تو دوسری طرف انسانی معاشرے میں فطری تغیرات کے تحت پیش آمدہ مسائل کا حل فراہم کرتا ہے۔

-15 اسلام ایک پیغام ہی نہیں بلکہ مکمل نظام ہے جو زندگی کے تمام شعبوں کو اپنی گرفت میں لے کر انہیں مخصوص خطوط پر مستحکم کرتا ہے۔

-1.7 خود آزمائی نمبر 1

سوال نمبر 1- مندرجہ ذیل فقرات میں درست اور غلط کی نشاندہی کریں۔

-1 اسلام کا مفہوم امن وتسلیم اور اس کا مقصد بہتر زندگی بسر کرنا اور انسانیت کی فلاح و بہبود ہے۔

-2 اسلام کے بنیادی عقائد چار ہیں۔

-3 اسلام کے بنیادی ارکان چھ ہیں۔

-4 دین اسلام زندگی کے مختلف پہلوؤں کے درمیان خوبصورت توازن قائم کرتا ہے۔

-5 دنیاوی کاموں میں اعتدال ضروری ہے۔

سوال نمبر 2- مندرجہ ذیل خالی جگہ پر کریں۔

-1 عربی زبان میں اسلام کے معنی............اور............ہیں۔

(1) اطاعت اور فرمانبرداری (2) امن اور تسلیم (3) عمل اور اعمال

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

2- اسلام کے بنیادی عقائد .... ہیں۔

(1) چھ (2) سات (3) آٹھ

3- اسلام کے بنیادی ارکان .... ہیں۔

(1) چار (2) پانچ (3) چھ

4- اللہ تعالی نے اپنے بندوں تک اپنے پیغام بھیجنے کا جو نظام قائم کیا ہے اسے قرآن کی اصطلاح میں .... کہا جاتا ہے۔

(1) واحدنیت (2) رسالت (3) خلافت

5- اسلام ایک ایسا معاشرہ چاہتا ہے جس میں .... کے پیمانے متعین ہوں۔

(1) خیروشر (2) ظلم وزیادتی (3) عدل وانصاف

سوال نمبر 3- عربی زبان میں اسلام کے کیا معنی ہیں؟

سوال نمبر 4- اسلام کے بنیادی عقائد تحریر کریں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

2- اسلام کا معاشرتی نظام

انسان فطری طور پر مل جل کر زندگی بسر کرنے کا قائل اور خواہش مند ہے۔ پیدائش سے لے کر مرتے دم تک وہ معاشرے کا محتاج ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بغیر اجتماعیت کے اس کی زندگی ناممکن ہے۔ ابتداء میں چند افراد نے مل جل کر رہنا شروع کیا۔ آہستہ آہستہ اس جماعت نے خاندان اور قبائل کی صورت اختیار کر لی۔ اس طرح گاؤں اور شہر وجود میں آئے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ انسان کی احتیاجات اور ضروریات بڑھتی گئیں۔ اپنی حفاظت کے لیے اس نے تنظیم شروع کی اور اس تنظیم سے مملکت نے جنم لیا۔ یوں انسان کا یہ طرز عمل زیادہ بہتر صورت اختیار کرتا چلا گیا۔ بالکل ابتدائی زندگی سے لے کر تمدن کی وسعت تک اجتماعیت اس کا گہوارہ زندگی رہی ہے۔

2.1- اسلام کا نظام معاشرت

معاشرتی نظام کسی بھی معاشرے کے لیے بنیادی اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اسلام کا معاشرتی نظام جامع، مربوط، ہمہ گیر اور زندگی کے تمام دائروں پر محیط نظام ہے۔ جس کی کہیں نظیر نہیں ملتی۔ یہ ایسا نظام ہے جس کے اصول محکم ہیں جس کا مزاج عدل وانصاف کا حسین امتزاج ہے۔

اسلام دین فطرت ہے۔ اس کا اپنا ایک مضبوط اور پائیدار نظام معاشرت ہے۔ یہ نظام ایسا جامع وہمہ گیر ہے کہ زندگی کے تمام مظاہر اور ہر طرح کی سرگرمیاں اس کے دائرہ کار میں آجاتی ہیں۔ یہ اپنی ہدایات اور قانون سازی میں دین و دنیا دونوں پر حاوی ہے۔ معاشرہ افراد کے مجموعے کا نام ہے اس لیے اسلام معاشرتی اصلاح کے ساتھ ساتھ فرد کو بھی نظر انداز نہیں کرتا بلکہ فرد کی اصلاح کو نقطہ آغاز قرار دیتا ہے کیونکہ وہ معاشرے کی بنیادی اکائی ہے۔ اسلام فرد کی انفرادیت کو بنیاد قرار دیتے ہوئے انسانوں کے باہمی میل جول سے پیدا ہونے والی اجتماعیت کو بھی تسلیم کرتا ہے اور ایسے فطری اصول وقوانین فراہم کرتا ہے، جن سے اس اجتماعیت کو بھی تقویت حاصل ہو اور اس میں بگاڑ پیدا کرنے والے تمام عوامل کا قلع قمع بھی ہو۔ عمومی طور پر اسلام ایک ایسے معاشرے کا متمنی ہے جو ہمہ گیر ہو، مصنوعی اختلافات و تعصبات سے پاک ہو، جہاں رنگ ونسل، وطن اور زبان کی کوئی حد بندی نہ ہو بلکہ معاشرہ ایک عالمگیر برادری کی بنیادی پر قائم ہو۔ اسلامی نظام معاشرت کے چند بنیادی اصول اور خصوصیات ہیں جن پر پورا معاشرتی ڈھانچہ استوار ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

2.2- اسلامی معاشرت کی خصوصیات

اسلامی نظام معاشرت اپنی خصوصیات کی بدولت دنیا کے تمام معاشرتی نظاموں سے مختلف اور منفرد ہے۔اس میں اسلن کی انفرادی اور اجتماعی بہبود کا پورا انتظام موجود ہے۔ان خصوصیات کو ہم ذیل میں مختصراً بیان کر رہے ہیں۔

1- وحدت نسل انسانی

دین اسلام اسانوں کے درمیان کسی بھی قسم کے تفرقے اور تعصب کا سخت مخالف ہے۔اس کے برعکس دیگر مذاہب میں قومی، لسانی اور نسلی امتیازات کی حد تک پائے جاتے ہیں۔اسلام وحدت نسل انسانی کا داعی ہے اور تمام انسانوں کو پس میں متحد ہو کر رہنے کا درس دیتا ہے۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ

''اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک ہی اصل سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور دونوں میں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں۔''

ایک جگہ یوں فرمایا کہ

''اور سب لوگ ایک ہی قوم ہیں اور وہ باہم جھگڑتے ہیں۔''

2- وحدت فکر انسانی

انسان کو انفرادی اور اجتماعی زندگی کے لیے جن اصولوں اور بنیادی فکر کی ضرورت تھی، اسے آسمانی کتب کی شکل میں مہیا کئے گئے ہیں لیکن انسان نے ان تعلیمات کو بھلا کر مصنوعی فکری خاکے مرتب کرنا شروع کر دیئے جس کی وجہ سے باہمی اختلافات روز بروز بڑھتے جا رہے ہیں۔دین اسلام نے غور و فکر سے منع نہیں کیا مگر عقل کو بے لگام چھوڑنے سے روکا ہے۔اس کے ساتھ ہی عقل کی رہنمائی کے کچھ اصول مقرر کیے ہیں جن کی پابندی ہر ایک پر لازم ہے۔لہذا وہی فکر صحیح ہے جو قدرتی اصولوں کی روشنی میں ہوگی۔قرآنی اصولوں کو چھوڑ کر جو بھی راستہ اختیار کیا جائے گا وہ ہلاکت و بربادی کی طرف لے جائے گا۔وحدت فکر انسانی کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

''اللہ کے نزدیک دین اسلام ہی ہے اور انہوں نے جن کو کتاب دی گئی، اختلاف کیا تو ایسی حالت کے بعد کہ ان کو دلیل پہنچ چکی تھی محض ایک دوسرے سے بڑھنے کے سبب۔''

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

3- شرفِ انسانیت

اسلامی نظام معاشرت کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس نے آدمی کو ہر قسم کی غلامی سے نجات دلا کر اشراف المخلوقات قرار دیا ہے۔ مختلف مذاہب میں انسان کو اس کے اصل مرتبے سے گرا کر بے شمار معبودوں کی پرستش کے لیے مجبور کیا جاتا ہے۔ تمام مذاہب عالم میں طرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جو حقیقی توحید کا علمبردار ہے اور جس نے انسان کو پوری کائنات پر برتری دی ہے۔ عظمت آدمیت اس آیت سے پوری طرح عیاں ہوتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

''اور یقیناً ہم نے بنی آدم کو بزرگی دی اور ہم نے ان کو خشکی اور تری میں سواری دی اور ان کو اچھی چیزوں سے رزق دیا اور ہم نے انہیں بہتوں پر فضیلت دی جنہیں ہم نے پیدا کیا۔''

4- احترامِ انسانیت

اسلامی نظام معاشرت کے مطابق انسان ہونے کی حیثیت سے سب لوگ برابر ہیں۔ دولت و ثروت کے لحاظ سے کوئی شخص باعث تکریم نہیں اور نہ ہی کسی کو رنگ و نسل کی بناء پر دوسروں پر فضیلت حاصل ہے بلکہ دنیا کا ہر فرد قابل احترام ہے۔ ارشاد الٰہی ہے کہ

''ہم نے آدم کے بیٹوں کو عزت کے قابل بنایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا مقرب اور پسندیدہ بندہ وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔''

5- مساوات

دین اسلام میں سب انسان بلا امتیاز رنگ و نسل، قومیت یا عقیدہ برابر ہیں۔ یہ تصور اس حقیقت کے عین مطابق ہے کہ دراصل سبھی انسان آدم و حوا کی اولاد ہیں۔ چنانچہ جغرافیائی حدود سے پیدا ہونے والا فرق کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

''لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک ہی جان سے پیدا کیا اور اسی جان سے جوڑا بنایا دو اور ان دونوں بہت سے مرد و عورت (پیدا کرکے) دنیا میں پھیلا دیئے۔'' (سورۃ النساء 10)

''اے انسانو! ہم نے تم کو ایک ہی مرد اور عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہیں مختلف گروہوں اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قبیلوں میں تقسیم کر دیا تا کہ ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ اللہ کے نزدیک تم میں برتر اور فضیلت والے وہی لوگ ہیں جو زیادہ تقویٰ شعار ہیں۔'' (الحجرات 13)

6- قیام خیر و رفع شر

اسلام ایک ایسا معاشرہ چاہتا ہے جس میں خیر اور شر کے پیمانے متعین ہوں۔ ہر فرد اس ضابطہ اخلاق کو نہ صرف خود اپنائے بلکہ دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ساتھ ہی معاشرے میں حسن و نظم پیدا ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ

''بھلائی اور نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو اور ظلم و زیادتی میں ایک دوسرے کی ہرگز مدد نہ کرو۔'' (المائدہ)

7- رواداری

دوسروں کی معمولی خطاؤں کو درگزر کرنا اور خیر خواہی سے کام لینا رواداری کہلاتا ہے۔ یہ دراصل احسان کی ایک شکل ہے۔ اسلام میں اس بات کی ہدایت دیتا ہے کہ دوسروں سے اچھا برتاؤ کیا جائے، فیاضانہ سلوک، درگزر اور باہمی سوجھ بوجھ سے کام لیا جائے، ایک دوسرے کا احترام کیا جائے۔ سماجی زندگی میں اس کی اہمیت انصاف سے کہیں زیادہ ہے۔ اگر انصاف معاشرے کے لیے ناگزیر ہے تو رواداری معاشرے کو صحت مند بنیادوں پر تعمیر کرتی ہے۔ انصاف اگر معاشرے کی تلخیوں سے نجات دلاتا ہے تو رواداری معاشرے کے ماحول کو خوشگوار بنانے میں مدد و معاون ثابت ہوتی ہے۔

حتیٰ کہ اسلام تمام مذاہب کی عبادت گاہوں کے قابل احترام سمجھتا ہے اور ان کی حفاظت کی تعلیم دیتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی حکم ہے کہ دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کے باطل عقائد کی بناء پر ان کو برا بھلا نہ کہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

''اور ان لوگوں کو گالی نہ دو جن کو یہ اللہ کے سوا پکارتے ہیں، ایسا نہ ہو کہ یہ زیادتی کر کے بے علمی سے اللہ کو گالی دیں۔''

8- میانہ روی

اسلام زندگی کے ہر شعبے میں اعتدال پسندی کی تعلیم دیتا ہے۔ اسلام کے نظام معاشرت میں بھی افراد و تفریط

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے روک کو میانہ پر زور دیا گیا ہے۔ جس طرح دنیاوی کاموں میں اعتدال ضروری ہے اسی طرح مذہبی امور میں بھی حد سے تجاوز کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ جیسا کہ کلام پاک میں ارشاد ہے کہ

''اللہ حد سے بڑھنے دلوں کو پسند نہیں کرتا۔''

اس سے صاف ظاہر ہے کہ کسی بھی معاملے میں اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ حدود سے تجاوز نہ کیا جائے۔ نماز جو کہ دین کو ستون ہے، کی ادائیگی میں بھی اعتدال سے کام لینے کی تاکید کی گئی ہے کیونکہ مومن پر صرف نماز فرض نہیں بلکہ بہت سے دوسرے حقوق و فرائض بھی اس کے ذمہ ہیں۔ ارشاد الٰہی ہے

''اور اپنے اپنے ہاتھ کو اپنی گردن سے بندھا ہوا نہ رکھ اور نہ اسے حد سے زیادہ کھول، ورنہ تو ملامت کیا ہوا در ماندہ ہو کر بیٹھ رہے گا۔''

9- اخلاقی اصول

کوئی بھی معاشرہ اس وقت تک ترقی نہیں کر سکتا جب تک وہاں اخلاق حسنہ کا پہلو نمایاں نہ ہو۔ بداخلاقی اور بدکرداری جب معاشرے میں پھیلنا شروع ہو جائے تو پھر اس معاشرے کو تباہی سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ اسلامی نظام معاشرت کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں اخلاقیات کو بنیادی حیثیت دی گئی ہے اور ہر شخص کو انفرادی طور پر برائی سے روکنے کی تلقین کی گئی ہے۔ قرآن جید میں دل کو برے خیالات سے پاک رکھنے کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

''اگر تم ظاہر کرو جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے یا اسے چھپاؤ، اللہ اس کا حساب لے گا۔''

ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

''بے حیائی کی باتوں کے قریب نہ جاؤ جو ان میں سے ظاہر ہوں یا چھپی ہوئی ہوں۔''

10- احساس ذمہ داری:

اجتماعی شعور پیدا کرنے اور اسے موثر بنانے کے لیے اسلام نے جو اقدامات کیے ہیں ان میں سب سے اہم فرد کا اپنا احساس ہے۔ فرد اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہے۔ چنانچہ وہ جس قسم کے بھی کام کرے گا اس کا اجر یا سزا کا وہ تنہا ذمہ دار ہوگا، لہذا ہر فرد کو اپنی ذات کا احتساب خود کرنا ہوگا۔ اسلامی نظام معاشرت میں ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اجتماعی ذمہ داری کے ساتھ ساتھ انفرادی ذمہ داری کا تصور بھی پیدا کرتا ہے اور پورے معاشرے میں یہ احساس پیدا کرتا ہے کہ وہ نیکیوں کو قائم کرنے اور برائیوں کو روکنے والا ہو، آنحضور ﷺ کا فرمان ہے کہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"تم سب نگہبان ہو اور تم سب اپنے ماتحتوں کے بارے میں جوابدہ ہو۔"

اسلام نے ہر انسان کے حقوق و فرائض متعین کر رکھے ہیں حتیٰ کہ جانوروں اور درختوں تک کے حقوق واضح کر دیئے ہیں تاکہ انسان محض جذبات کی رو میں بہہ کر ناانصافی نہ کر بیٹھے۔ احساس ذمہ داری کے متعلق قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

"اپنی فکر کرو، جب تم سیدھی راہ چل رہے ہے تو جو شخص گمراہ رہے تو اس سے تمہارا کوئی نقصان نہیں ہوگا۔"

11- اطاعت خداوندی

اسلامی تعلیمات کا بنیادی ستون توحید ہے یعنی اللہ تعالیٰ کو اس کی ذات وصفات اور اعمال میں ایک جاننا اور صرف اس کی عاوت کرنا۔ اسلامی نظام معاشرت کی سب سے اہم اور بڑی خصوصیت یہی ہے کہ اس کے تمام افراد صرف ایک خدا کو مانتے اور اور اس کی عبادت کرتے ہیں۔ دوسرے مذاہب میں دیکھا جائے تو مختلف مرادیں حاصل کرنے کے لیے مختلف خداؤں یا دیتاؤں کے سامنے سر جھکایا جاتا ہے لیکن اسلام ہی وہ مذہب اور دین ہے جس میں ہر کام کے لیے خدائے واحد کے حضور سرنگوں ہونے کا حکم دیا جاتا ہے اور یہی ایک وجہ ہے کہ اسلامی نام معاشرت دنیا کے تمام معاشرتی نظاموں سے منفرد ہے۔

12- اطاعت رسول ﷺ

کوئی بھی شخص صرف اسی حالت میں مسلمان کہلانے کا حق دار ہے جب وہ توحید پر ایمان لانے کے ساتھ ساتھ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبی آخر الزمان تسلیم کرے۔ جو شخص خدا کو تو ایک مانتا ہو لیکن اطاعت رسول سے انکار کرے تو وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ کلام اللہ میں اکثر مقامات پر اطاعت خدا کے ساتھ رسول کا حکم آیا ہے۔ ایک جگہ یوں ارشاد ہوتا ہے کہ

"تمہارے لیے اللہ کے رسول ﷺ میں عمل کا بہترین نمونہ ہے۔"

مطلب یہ ہے کہ آنحضور ﷺ جو کام کریں اور جو کچھ فرمائیں اس پر عمل کرو۔ دوسرے جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

"اے لوگو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول ﷺ کی اطاعت کرو۔"

"اور اللہ سے ڈرتے رہو اور باہمی مصالحانہ رویہ اختیار کرو، اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کرو۔"

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

2.3- ادارے

1- خاندان

خاندان ایک قدرتی ادارہ ہے جس کی ابتداء انسانی ضروریات کی وجہ سے ہوئی۔ انسان کو اپنی مختلف ضروریات کی تکمیل کے لیے ساتھیوں کی ضرورت رہی۔ خاندان کی بنیاد ایک مرد اور ایک عورت کی باہمی رفاقت سے وجود میں آئی۔ اسلام کے معاشرتی نظام میں خاندان کی بڑی اہمیت حاصل ہے کیونکہ یہ چھوٹا سا اجتماعی ادارہ انسان کی تمدنی زندگی کی سب سے پہلی کڑی ہے۔ مرد اور عورت کے درمیان یہ مستقل رفاقت نکاح کے ذریعے وجود میں آتی ہے۔ اسی طرح دونوں فریقوں پر ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں اور وہ ان کے پابند ہو جاتے ہیں۔ مرد گھر کا نگران اور ناظم اعلیٰ ہوتا ہے جبکہ عورت اس کی زیرنگرانی گھر کا نظم ونسق چلاتی ہے۔ شوہر کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اپنے اہل وعیال کی دنیوی ضروریات اور افرادی فلاح دونوں کا خیال رکھے۔ بیوی کے لیے ضروری ہے کہ وہ گھر کا نظم ونشق چلانے کے ساتھ ساتھ اپنے خاوند کی حقیقی رفیقہ حیات ثابت ہو اور اپنی عفت کی مکمل حفاظت کرے۔ مرد اور عورت کے اس ملاپ سے ایک نئی نسل وجود میں آتی ہے۔ اس سے رشتے، کنبے اور برادری کے دوسرے تعلقات پیدا ہوتے ہیں۔ یہ رشتے پھیلتے پھیلتے ایک معاشرے تک جا پہنچتے ہیں۔

خاندان ہی بچے کے لیے ابتدائی درس گاہ ہے جہاں ماں بچے کی جسمانی اور ذہنی پرورش کرتی ہے اور اسے مخرب الاخلاق کاموں سے روکتی ہے۔ خاندان شہرت کی بھی پہلی درس گاہ ہے۔ جہاں بچہ، نظم وضبط کی پابندی، سماجی بہبود اور حقوق وفرائض کی ادائیگی کا سبق سیکھتا ہے۔ خاندان ہی افراد میں سیاسی شعور پیدا کرتا ہے۔ خاندان ایک ریاست کی مانند ہے اس لیے جو شخص ایک خاندان کا نظام بہتر طریقے سے چلانے کی اہلیت رکھتا ہو وہ حکومت کا نظام بھی بڑی اچھی طرح چلا سکتا ہے۔ خاندان ایک معاشی ادارہ بھی ہے۔ جہاں باپ اپنے بچوں کے لیے دن رات محنت کرتا ہے اور بڑے ہونے پر بچے کنبے کی ضروریات کا بوجھ خود سنبھالتے ہیں۔ غرضیکہ خاندان ہر لحاظ سے ایک مکمل معاشرتی ادارہ ہے جہاں بہترین اور کامل انسان تیار کیے جا سکتے ہیں۔

خاندان کا ایک مظہر والدین کا وجود ہے۔ ماں باپ کی بقاء پر معاشرے کی بقاء کا انحصار ہے۔ عورت اور مرد کا سب سے اچھا روپ ماں اور باپ کا ہے۔ یہ روپ اللہ کی رحمت اور اس کے انتظام کا عکس ہے اور یہی انسانی رشتوں کی بنیاد ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ کے بعد اس کائنات میں اولین حیثیت والدین ہی کو حاصل ہے۔ قرآن پاک میں اکثر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جگہ پر والدین کے ساتھ اچھے سلوک کی تلقین کی گئی ہے۔

اسلامی معاشرت نے خاندانی نظام میں اقارب کو بھی بیان کیا ہے۔ والدین، زوجین، اولاد اور عزیز و اقارب خاندان کے عناصر ہیں۔ اسلام ان سب کو ایک دوسرے کا ہمدرد اور غمگسار دیکھنا چاہتا ہے۔ کیونکہ یہی وہ اجزاء ہیں جو خاندانی وحدت کو برقرار رکھتے ہیں۔ قرآن و حدیث میں عزیز رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کی بار بار تاکید کی گئی ہے لیکن اس کے ساتھ ہی اس بات کا بھی حکم ہے کہ بھلائی اور نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو مگر اسلام کے خلاف ناجائز کاموں میں ایک دوسرے کی ہرگز مدد اور تعاون نہ کرو۔ خون کے رشتوں کو اسلام نے قائم رکھا ہے۔ قانون وراثت کے ذریعے اسلام نے رشتہ داروں کو ایک خاص مقام دیا ہے۔

2- محلّہ

اسلام کے معاشرتی نظام میں محلّہ بھی ایک اہم حیثیت رکھتا ہے۔ قرآن کی رو سے ہمسایوں کی تین قسمیں ہیں۔ (1) رشتہ دار ہمسایہ (2) اجنبی ہمسایہ (3) عارضی ہمسایہ۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق یہ تمام ہمدردی، رفاقت اور نیک سلوک کے مستحق ہیں۔ قرآن و حدیث میں محلّہ دار کے حقوق بڑی تفصیل اور وضاحت سے بیان کیے گئے ہیں۔ آنحضور ﷺ کا فرمان ہے کہ ”مجھے ہمسایے کے حقوق کے متعلق اتنی تاکید کی گئی کہ مجھے خیال آیا شاید اسے بھی اب وراثت میں حصہ دار بنایا جائے گا۔ حدیث میں ہے کہ

”جس کا ہمسایہ اس کی شرارتوں سے امن میں نہیں وہ شخص مومن نہیں۔“

ایک اور حدیث ہے

”وہ شخص ایمان نہیں رکھتا جس کا ہمسایہ بھوکا رہے اور وہ خود پیٹ بھر کر کھانا کھائے۔“

اسلام ایک محلے میں رہنے والے تمام افراد کو آپس میں بھائی چارے کی تعلیم دیتا ہے تاکہ سب لوگ ایک دوسرے کی ہر لحاظ سے مدد اور تعاون کے لیے تیار رہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کے معاشرتی نظام میں ہر محلے کو معاشرے کا ایک فعال اور مؤثر جزو مانا گیا ہے۔

3- مسجد

مسلمانوں کی طویل تمدنی اور معاشرتی زندگی میں مسجد کی حیثیت بہت اہم ہے۔ آنحضور ﷺ کے دور سے لے کر اب تک اگرچہ یہ ادارہ (مسجد) بعض اہم تبدیلیوں سے دوچار ہوا ہے لیکن آج بھی مسلمانوں کی پوری زندگی پر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کی گہری چھاپ ہے۔معاشرتی تعلقات استوار کرنے کے لیے مسجد کی حیثیت ایک مستقل ادارے کی سی ہے۔اسلام کا معاشرتی پروگرام مسجد ہی کے ذریعے زیادہ کامیاب ہوسکتا ہے۔

مذہبی مرکز کی حیثیت سے مسجد کی سب سے بڑی خصوصیت نظام صلوٰۃ کا قیام ہے۔اس میں لوگ پانچوں وقت اکٹھے ہوتے ہیں۔اس کے ساتھ ہی ہر جمعہ کا اجتماع مسلمانوں کی اجتماعی زندگی میں بہت اہمیت رکھتا ہے۔سیاسی انتظام بھی چونکہ دین کا ایک لازمی جزو ہے، اسی لیے آنحضرت ﷺ سیاسی گفتگو اور معاہدے وغیرہ مسجد ہی میں کرتے۔کوئی اہم سیاسی مسئلہ درپیش ہوتا تو بھی مسجد ہی میں خطاب فرماتے۔مسلمانوں کے ابتدائی دور میں تمام انتظامی امور مسجد ہی میں زیر بحث آئے اور یہیں کو حل کیا جاتا۔ہر قسم کا عدالتی فیصلہ بھی مسجد میں پیش ہوتا تھا۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی حالت بھی بدلتی رہی جس کی وجہ سے مسجدی نظام میں بہت سی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔تاہم مسجد کی مذہبی اور تعلیمی مرکزیت بدستور قائم ہے۔لوگ آج بھی پنجگانہ نماز ادا کرنے میں جاتے ہیں اور مسلمان بچے بچیاں دینی تعلیم مسجد میں حاصل کرتے ہیں۔موجودہ دور میں بھی مسجد کا انتظام ایک اہم مسئلہ ہے۔عام مساجد کا انتظام لوگ انفرادی اور اجتماعی طور پر کرتے ہیں۔اسلامی نقطہ نظر سے مسجد کسی شخص کی ملکیت نہیں ہو سکتی۔صرف انتظامی حد تک ایک فرد یا چند افراد کچھ اختیارات کے مالک ہوسکتے ہیں۔

مسجد ایک انتہائی قابل احترام جگہ ہے جس میں داخل ہونے اور اٹھنے بیٹھنے کے چند آداب ہیں۔

1- مسجد میں داخل ہوتے وقت دعا کی جائے کہ اے اللہ! اپنی رحمت کے دروازے مجھ پر کھول دے اور باہر نکلتے وقت یہ کہا جائے اے اللہ! میں تجھ سے تیرا فضل چاہتا ہوں۔
2- کوئی بدبودار اور چیز جیسے لہسن یا پیاز وغیرہ کھا کر مسجد میں نہیں جانا چاہئے۔
3- مسجد میں تھوکنا گناہ ہے۔
4- مسجد میں قصاص لینے، اشعار پڑھنے اور حدود قائم کرنے سے منع کیا گیا ہے۔
5- احترام مسجد کے پیش نظر چھوٹے بچوں کو مسجد نہ لایا جائے۔
6- مسجد میں نماز جنازہ مکروہ ہے۔
7- مسجد عبادت گاہ ہے لہٰذا اسے آرام گاہ نہ بنایا جائے۔
8- مسجد میں دنیاوی گفتگو بھی منع ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مساجد کی تنظیم اگر صحیح طریقوں سے کی جائے تو مطلوبہ اسلامی معاشرے کا قیام یقینی ہے۔

4- مکتب یا مدرسہ

اسلامی معاشرے کے اجتماعی شعور اور انفرادی شخص کے ارتقا کا دار مدار زیادہ تر مدرسہ یا مکتب پر ہوتا ہے۔ اسلامی اقدار کے تحفظ اور نظام زندگی کو نئی نسلوں کی طرف منتقل کرنے میں مدرسہ بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ جس قسم کا ماحول مدارس میں ہوگا پورا معاشرہ اسی سانچے میں ڈھلے گا۔ یہی وجہ ہے کہ ہر قوم اپنے تعلیمی نظام اور تعلیمی درس گاہوں کو بہتر بنانے میں ہر دم کوشاں رہتی ہے۔

اسلام نے تعلیم کو سب سے زیادہ اہمیت دی۔ ہجرت مدینہ کے بعد جب مدینہ میں اسلامی معاشرہ قائم ہوا تو وہاں مسجد نبویؐ کے ایک کونے میں ''صفہ'' (سائبان) کے نام سے ایک مکتب قائم کیا گیا۔ اس مکتب میں رسول اکرم ﷺ کے علاوہ بڑے بڑے صحابہ کرامؓ بھی تعلیم دیتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہؓ بھی اسی مکتب (صفہ) سے تعلیم یافتہ تھے۔ یہاں سے تعلیم پانے کے بعد یہ لوگ تعلیم دین کے لیے اطراف مدینہ میں بھیج دیئے جاتے۔ مکتب کی اہمیت کے پیش نظر خلافت راشدہ میں تعلیم عام کر دی گئی۔

ڈیڑھ سو ہجری تک اسلامی ممالک میں تعلیم و تربیت کا ایک وسیع اور عظیم الشان سلسلہ قائم ہو چکا تھا۔ گھروں میں مسجدوں میں، الگ عمارتوں میں جا بجا مکتب کھلے ہوئے تھے اور لوگ علم و فضل سے سیراب ہو رہے تھے۔ 410 ہجری میں سلطان محمود غزنوی نے دارلسلطنت غزنین میں ایک بہت بڑا مکتب بنوایا۔ یہاں مختلف زبانوں کی تعلیم دی جاتی تھی اور علوم فنون کی بیشمار کتابیں موجود تھیں۔

سلطان محمود کے بھائی امیر نصر نے نیشاپور میں ''سعدیہ'' کے نام ایک عالیشان مکتب تعمیر کروایا۔ اسی مکتب سے امالی غزالیؒ کے استاد امام الحرمینؒ نے تعلیم پائی۔ 457 ہجری میں وزیر اعظم نظام الملک طوسی نے بغداد میں ایک عالیشان مکتب تعمیر کروایا جس کا نام 'نظامیہ بغداد' رکھا گیا۔ اس میں چھ ہزار طلباء تعلیم حاصل کرتے تھے۔ سعدی شیرازیؒ بھی اسی مکتب کے طالب علم تھے۔ متذکرہ حضرت مختصر تاریخ سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام میں تعلیم کی اہمیت مسلم تھی جس کی بناء پر مکتب کے نظام کو اس قدر عام کر دیا گیا کہ تمام لوگ بآسانی تعلیم حاصل کر سکیں۔

جن مدارس نے مسلمانوں کی تہذیبی و تمدنی زندگی میں اہم مقام حاصل کیا انہیں دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

(1) سرکاری - (2) غیر سرکاری

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان مدارس کو درجہ بندی کچھ اس طرح سے ہے:

(الف) ابتدارئی مدارس (ب) ثانوی مدارس (ج) تخصص کے مدارس

ابتدائی مدارس میں بچوں کو قرآن پاک پڑھایا جاتا اور کتابت سکھائی جاتی تھی۔ثانوی مدارس میں ذرا اونچے درجے کی تعلیم دی جاتی تھی۔اسی درجے میں دینی تعلیم وتربیت کے ساتھ ساتھ مختلف فنون جیسے طب، ہندسہ اور تعمیرات وغیرہ کی تعلیم کا بھی انتظام تھا۔اگرچہ دینی اور دنیاوی ضروریات کو بیک وقت پورا کیا جاتا تھا، مگر تخصص کے لیے کچھ فرق رکھا جاتا تھا۔مدارس کی ایک قسم وہ بھی تھی جہاں اعلیٰ تعلیم کا انتظام تھا۔اس درجے میں خصوصی تعلیم کے ساتھ ساتھ تحقیقی کام بھی کروایا جاتا تھا۔کسی ایک فن کے بلند پایہ عالم کی خدمات حاصل کی جاتی جو طلباء کی ایک مخصوص تعداد کو ماہر بناتا تھا۔آج اسلامی ممالک میں دنیا کی عظیم یونیورسٹیاں موجود ہیں جہاں مختلف النوع فنون کی تعلیم وتربیت کا انتظام موجود ہے۔ہر تعلیمی ادارے میں یہی کوشش کی جارہی ہے کہ مسلمان طالب علم خواہ کسی بھی شعبے میں جائے وہ دنیا کو دینی نقطہ نظر سے دیکھے اور پرکھے اور ترقی کی نئی نئی راہیں تلاش کرے۔

5- عدالت

معاشرے کی اصلاح کے لیے اسلام کے معاشرتی نظام میں حدود وتعزیرات کا بھی ایک مکمل نظام موجود ہے۔ جس کے ذریعے معاشرے کو ان افراد سے محفوظ کیا جاتا ہے جو تعلیمی، تربیتی اور اخلاقی اصلاح قبول نہیں کرتے۔ معاشرے میں بگاڑ پیدا کرنے والے اور قانون کو اپنے ہاتھ میں لینے والوں کے لیے مختلف سزائیں مخصوص ہیں تا کہ ہر شخص اپنی جان ومال کو محفوظ و مامون سمجھے۔اسلام کے نزدیک امیر وغریب اور خواص وعوام میں کوئی امتیاز نہیں۔مجرم خواہ کسی بھی طبقے سے تعلق رکھتا ہو بہرحال مجرم ہے اور جرم کے بدلے میں قرار واقعی سزا کا مستحق ہے۔یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے جب ایک یہودی عورت فاطمہ کے چوری کرنے پر ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا تو اس وقت کے روساء وامراء نے فاطمہ کے حق میں سفارش کرتے ہوئے معافی کی درخواست کی جس پر آپ نے فرمایا

''خدا کی قسم! اگر میری بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو اس کے بھی ہاتھ کٹوا دیتا''

تاریخ میں قانون کی بالادستی کی ایسی مثال کہیں نہیں ملتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ اسلام کا معاشرتی نام ہر لحاظ سے دنیا کے دوسرے تمام نظاموں سے منفرد حیثیت رکھتا ہے۔

قرآن پاک انسان کو تمام زندگی کے لیے انصاف کے اصول پر عمل کرنے کی تلقین کرتا ہے۔انصاف کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اصولوں کا سماجی زندگی کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔لوگوں سے تعلقات استوار کرتے وقت انصاف کا اصول روا رکھنا لازم ہے۔معاشی تعلقات میں تو اس کی اہمیت اور بھی زیادہ ہو جاتی ہے۔قرآن پاک میں منصفانہ سلوک پر بار بار زور دیا گیا ہے۔انصاف کا تقاضا ہے کہ ہمیں کسی بے گناہ کو دکھ نہیں پہنچانا چاہیے۔بغیر کسی معقول وجہ کے کسی کو دکھ اور اذیت دینا حقوق غصب کرنے کے مترادف ہے۔قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

''اور ظالم کبھی خوشحال نہ ہوں گے۔'' (السجدہ 37)

''اللہ ظلم کرنے والوں کو مطلق پسند نہیں کرتا۔'' (الاعراف)

اسلام اپنے دشمنوں اور مخالفوں کے ساتھ بھی انصاف کرنے پر زور دیتا ہے۔محض ان کی دشمنی کی بناء پر ان سے بے انصافی نہیں کی جاسکتی اور نہ ہی ان کے حقوق پامال کیے جاسکتے ہیں۔اسلام میں عدل وانصاف کا یہ تصور دنیا کے کسی اور مذہب میں نہیں ملتا۔

2.4- اہم نکات

1- اسام کا معاشرتی نظام جامع، مربوط، ہمہ گیر اور زندگی کے تمام دائروں پر محیط ہے۔

2- اسلامی نظام معاشرت کے چند بنیادی اصول اور خصوصیات ہیں جن پر پورا معاشرتی ڈھانچہ استوار ہوتا ہے۔

3- اسلام وحدت نسل انسانی اور وحدت فکر انسانی کا داعی اور حامی ہے۔دین اسلام میں سب انسان بلا امتیاز رنگ ونسل قومیت یا عقیدہ برابر ہیں۔

4- اسلامی نظام معاشرت انسان کو ہر قسم کی غلامی سے نجات دلاتا ہے اور ایسا معاشرہ چاہتا ہے جس میں خیر وشر کے پیمانے متعین ہو جائیں۔

5- اسلام میں کوئی جبر نہیں بلکہ یہ مذہبی رواداری کا علمبردار ہے۔اللہ تعالیٰ نے فرماتا ہے ''دین میں کوئی جبر نہیں۔''

6- اسلام واحد دین ہے جو اعتدال پسندی کی تعلیم دیتا ہے اور اخلاقیات کو بنیادی حیثیت دیتا ہے۔

7- اسلام نہ صرف اجتماعی ذمہ داری کا شعور دیتا ہے بلکہ انفرادی ذمہ داری کا تصور بھی پیدا کرتا ہے اور اللہ کی اطاعت کے ساتھ ساتھ اطاعت رسول کا بھی سبق دیتا ہے۔

8- اسلام کے معاشرتی نظام میں خاندان کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔مرد اور عورت کے درمیان مستقل رفاقت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نکاح کے ذریعے موجود میں آئی ہے۔

-9 خاندان بچے کے لئے ابتدائی درس گاہ ہے۔

-10 خاندان ایک اخلاقی، سیاسی اور معاشی ادارہ بھی ہے جہاں بہترین اور کامل انسان تیار کیے جا سکتے ہیں۔

-11 قرآن پاک کی رو سے ہمسایوں کی تین قسمیں ہیں۔ (i) رشتہ دار ہمسایہ (ii) عارضی ہمسایہ (iii) اجنبی ہمسایہ

-12 اسلامی معاشرے میں مسجد کی تمدنی اور معاشرتی زندگی میں اہم حیثیت ہے۔ معاشرتی تعلقات استوار کرنے کے لیے مسجد کی حیثیت ایک مستقل ادارے کی سی ہے۔

-13 مکتب یا مدرسہ بھی اسلامی نظام کا اہم ستون ہے۔

-14 اسلام کے معاشرتی نظام میں عدلیہ کو ایک بنیادی حیثیت حاصل ہے کیونکہ عدلیہ معاشرے میں تعلیمی، ترغیبی اور اخلاقی اصلاح کرتی ہے۔

-15 اسلام کے معاشرتی نظام میں محلے کو معاشرے کا ایک فعال اور مؤثر جزو قرار دیا گیا ہے۔

-2.5 خود آزمائی نمبر 2

سوال نمبر 1- مندرجہ ذیل فقرات کے صحیح یا غلط ہونے کی نشاندہی کریں۔

-1 فطری طور پر انسان میں الگ زندگی بسر کرنے کا رجحان ہے۔

-2 اسلامی نظام معاشرت میں انسان کو اشرف المخلوقات کا درجہ دیا گیا ہے۔

-3 اسلام نظام معاشرت مذہبی رواداری کا علمبردار ہے۔

-4 410 ہجری میں نظام الملک طوسی نے بغداد میں ایک عالی شان مکتب تعمیر کروایا جس کا نام نظامیہ بغداد رکھا گیا۔

-5 اسلام میں مذہبی امور میں بھی حد سے تجاوز کرنے سے منع فرمایا گیا ہے۔

سوال نمبر 2- مندرجہ ذیل خالی جگہ پر کریں۔

-1 اسلامی معاشرے میں تمام لوگوں کو............حقوق حاصل ہیں۔

(1) الگ (2) مساوی (3) امتیازی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

2- کوئی بھی معاشرہ اس وقت تک ترقی نہیں کرسکتا جب تک وہاں .... کا پہلو نمایاں نہ ہو۔

(1) اخلاقی حسنہ (2) زکوٰۃ کا سسٹم (3) قانون

3- مسلمانوں کی طویل تمدنی اور معاشرتی زندگی میں .... کی حیثیت بہت اہم ہے۔

(1) مسجد (2) کالج (3) محلّہ

4- اسلام ایک ایسا معاشرہ چاہتا ہے جس میں .... کے پیمانے متعین ہوں۔

(1) خیر و شر (2) ظلم و زیادتی (3) عدل و انصاف

5- دنیاوی کاموں میں .... ضروری ہے۔

(1) درگزر (2) اعتدال (3) امتیاز

سوال نمبر 3- اسلام کے نظام معاشرت کی خصوصیات تحریر کریں۔

سوال نمبر 4- اسلامی نظام معاشرت انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی پر کس طرح اثر انداز ہوتا ہے۔

سوال نمبر 5- کالم ملائیں۔

نظام الملک طوسی	نظامیہ بغداد
صفدر	مسجد
مذہبی مرکز	دار السلطنت غزنین
مسلمان	سائبان
410 ہجری	اطاعت رسول

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

3- اسلام کا روحانی و اخلاقی نظام

اسلام کا نظام اخلاق پوری زندگی پر حاوی ہے۔ یہ مخصوص تصور کائنات، معیار خیر وشر، قوت نافذہ اور قوت محرکہ کا حامل ہے۔ یہ سب مل کر اس کے فلسفہ اخلاق کو ایک مکمل عملی نظام کی شکل دیتے ہیں۔ اسلام ہمیں بتاتا ہے کہ تخلیق کائنات، انسانی زندگی اور موت وحیات کی اس تمام کشمکش کا واحد مقصد انسان کے اعمال و اخلاق کا امتحان ہے۔

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ نے موت وحیات کو پیدا کیا تا کہ تمہیں آزمائے کہ کون تم میں سے اعمال و اخلاق کے لحاظ سے بہتر ہے'' (الملک)

گویا اچھے اعمال و اخلاق ثانوی درجے کی چیز نہیں بلکہ طرز زندگی کے بنیادی معیار کی حیثیت رکھتے ہیں۔ مسلمان اگر ان معیار پر پورا نہ اتر سکے تو گویا پوری زندگی بے کار چلی گئی۔ اسلامی نظامِ اخلاق فقط عقل کو معیار خیر وشر نہیں ٹھہراتا۔ اگر ہر انسان یا انسانی گروہ اپنے لیے خود ضابطے وضع کرنے لگے تو انسانی معاشرہ انتشار کا شکار ہو جائے گا اس لیے اسلام زندگی کے ہر انفرادی اور اجتماعی پہلو کے لیے جامع اور مفصل نظام حیات پیش کرتا ہے جس کی بنیاد اللہ کی کتاب اور اس کے جلیل القدر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسوہ حسنہ ہے جو امیر، غریب سب کے لیے یکساں طور پر نافذ العمل ہے۔

اسلام نے حقوق اللہ (عبادت) کو درست طور پر انجام دینے پر زور دیا ہے۔ ان عبادتوں میں زکوٰۃ بھی داخل ہے جو مختلف معاشی مسائل کا حل ہے۔ روزے سے مفلس افراد کی پریشانیوں کا اندازہ ہوتا ہے۔ یہ عبادتوں کے ذیلی منافع ہیں۔ ذاتی منافع بہت ارفع و اعلیٰ ہیں، جن میں سے ایک یہ ہے کہ حقوق اللہ یعنی عبادات کو صحیح طور سے انجام دینے کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ حقوق العباد بے غرضی و بے لوثی سے ادا ہوتے ہیں۔ جب بندوں کے حقوق بے غرضی بے لوثی سے ادا ہوں گے تو امن وسکون نصیب ہوگا۔

اسلام میں بندے کے حقوق کی فہرست بہت طویل ہے اور زندگی کا کوئی کام ان کی حدود سے باہر نہیں۔ زندگی میں جو کام اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق سرانجام دیا جائے اسے عبادت اور بندگی میں شمار کیا جاتا ہے۔ یعنی معیار اخلاق پر پورے اترنے کے معنی یہ ہیں کہ وہ ہدایت کے معیار پر پورا اترتا رہے۔ کسی عمل کو قبیح سمجھنے کی یہ علامت ہے کہ جو عمل عالمگیر سطح پر مثبت ہونے کی صلاحیت نہ رکھے مثلاً سرقہ، زنا، قتل، دروغ گوئی، بدعہدی وغیرہ عالمگیر سطح پر برے سمجھے جاتے ہیں۔ بصورت دیگر نظام عالم درہم برہم ہو جائے گا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کسی عمل کو بہتر قرار دینے کی صورت یہ ہے کہ قوائے خطریہ کا افراط وتفریط سے بچ کر اعتدال کے ساتھ استعمال کیا جائے۔ مثلاً اسراف و بخل، دونوں یکساں طور پر معیوب ہیں اور ان کی درمیانی شکل کفایت شعاری محمود (پسندیدہ) ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

والذین اذا انفقوا لم یسرفو ولم یقتروا و کان بین ذلک قواما

''اور وہ کہ جب خرچ کرتے ہیں نہ حد سے بڑھیں اور نہ تنگی کریں اور ان دونوں کے بیچ اعتدال پر رہیں۔ (الفرقان: 67)

انسانی فطرت میں ایک حاشیہ اخلاقی (ضمیر) موجود ہے جس سے بھلائی اور برائی میں تمیز کی جا سکتی ہے مگر شرط یہ ہے کہ ضمیر مردہ نہ ہو۔ اس فیصلے کی رو سے افعال کی بھلائی یا برائی ایک روحانی اور وجدانی چیز ہے اور اس فیصلے پر عقل واستدلال کو کسی قسم کا کوئی دخل نہیں۔

روحانی طریقے پر زندگی بسر کرنے والے حکماء نے یہی طریقہ اختیار کیا ہے۔ صوفیائے کرام کا میلان بھی اسی طرف رہا ہے اور اسلام نے بھی اسے باقی رکھا ہے۔

نفس لوامہ انسان کو اس کے جرم پر سلامت کرتا ہے مگر انسان حیلے تراشتا ہے لیکن ضمیر مطمئن نہیں ہوتا۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نیکی اور بدی کی حقیقت اس طرح بیان کی ہے کہ

''نیکی حسن خلق کے تناسب اور موزنیت کا نام ہے اور گناہ وہ ہے جو تمہارے دل کو کھٹکے اور تم اس کو پسند نہ کرو کہ لوگ اس کو جانیں، یعنی تم اس کے اخفاء کی کوشش کرو۔'' (بخاری)

یہاں تک تو فلسفہ اسلام کا ساتھ دیتا ہے اور اسلام بھی فلسفہ کی تائید کرتا ہے۔ اس کے بعد اسلام ایک حقیقت پیش کرتا ہے کہ تم سب کو اپنے خالق و مالک کی بارگاہ میں حاضر ہونا اور ہر بات کی جواب دہی کرنا ہے۔

''ڈرو اس دن سے کہ جس میں تم اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹائے جاؤ گے پھر ہر نفس کو پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر ذرا بھی ظلم نہ ہوگا ان کی حق تلفی نہ ہوگی۔''

''جو تم دل کی بات ظاہر کرتے ہو یا چھپاتے ہو اللہ تعالیٰ اس کا محاسبہ کریں پھر اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے بخشتا ہے اور جس کو چاہتا ہے سزا دیتا ہے ہر شے پر اللہ تعالیٰ قادر ہے۔ اس کے احاطے سے کوئی نکل نہیں سکتا۔'' (البقرہ)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''اللہ تعالیٰ کو محاسبہ یا سزا دینے سے عاجز ہرگز نہ سمجھو۔ اللہ تعالیٰ ہر شے قادر ہے۔''

ضمیر اگر مردہ ہو جائے اور اس کی وجہ سے بھلائی اور برائی کی تمیز جاتی رہے تو دوسرے روشن ضمیر انسان کا اخلاقی فرض ہے کہ اس مردہ ضمیر انسان کو برے کاموں سے روکے۔ اسی طرح ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ دوسروں کو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا درس دے۔

اسلام میں حکم دیا گیا ہے کہ

''جو ناجائز کام دیکھے تو اس کی اصلاح اپنے ہاتھ سے کر دے، اگر ہاتھ سے نہ کر سکے تو زبان سے۔ اگر زبان سے بھی نہ کر سکے تو دل سے برا جانے اور یہ سب سے کمزور ایمان ہے۔''

اصطلاح شریعت میں ایک مسلم کے اس طریقہ عمل کا نام احتساب ہے۔ اخلاقی جرائم سے روک ٹوک کے لیے ایک اور اعلیٰ تر ضمیر کی ضرورت ہوتی ہے جو قوم میں اخلاقی روح اس طرح پیدا کر دے جو قوم کو تمام برائیوں سے روک دے۔ دین میں یہ کام پیغمبر کے بعد دین کے ہر اتباع کرنے والے کا ہے۔ پادری، برہمن کوئی فرقہ یا جماعت نہیں ہے جس کے لیے دینی کام مخصوص ہو۔ اس فریضہ کی ادائیگی کے بعد جس کو بعض افراد نے انجام دیا ہو، بقیہ امت کو دوسرے معاشی کاروبار میں مصروف رہنے کی اجازت ہے۔

اسلام میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی ہدایت کے لیے جو آسانیاں مہیا کی ہیں، ان میں فرشتوں کا گروہ بھی ہے جو انسان کے دلوں میں نیکی کا الہام کرتے ہیں۔

جب کوئی شخص نیک کام کرتا ہے تو اس کو مسرت ہوتی ہے، اس مسرت کا اثر اس شخص پر اور تمام لوگوں پر پڑتا ہے۔ اس کے برعکس جب وہ برائی کرتا ہے تو نہ صرف وہ پشیمان ہوتا ہے بلکہ اس کے برے اثرات دوسروں پر بھی مرتب ہوتے ہیں۔

''کوئی شخص خدا سے زیادہ غیرت مند نہیں اور اسی غیرت کی وجہ سے اس نے بدکاروں کو حرام کر دیا ہے۔'' (بخاری)

مندرجہ بالا تفصیل سے بدیہی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ مختلف فلسفیوں کے پاس جو اخلاقی نظریئے منتشر طور پر پائے جاتے ہیں، اسلام نے ان میں تمام قابل نظریوں کو جمع کر لیا ہے، اس لیے اسلام کا نظامِ اخلاق ہر لحاظ سے مکمل ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

3.1- تعمیر سیرت کے اسلامی اصول اور طریقے

انسان کے متعلق سب سے اہم چیز اس کا نظریہ زندگی ہوتا ہے جس کو اجمالی طور پر اس کا فلسفہ حیات کہہ سکتے ہیں۔ اس مفہوم میں ایک گڈریا بھی اپنا ایک فلسفہ رکھتا ہے۔ نظریات اعمال پر منتج ہوتے ہیں۔ اگر انسان عادتاً کسی طریقے پر عمل پیرا ہو تو اس سے سیرت کی تشکیل ہوتی ہے۔ گویا کسی شخص کے لیے نہایت اہم چیز اس کی سیرت ہوتی ہے۔ سیرت، ایک مکمل نظام ہے جو ایک خاص قسم کے ارادی افعال سے ترکیب پایا جاتا ہے۔ حیات انسانی میں کسی خاص موقع پر اچھے یا برے مقصد کا اتفاقی تسلط اس کی سیرت کی تشکیل نہیں کرتا۔ سیرت کا استحکام کسی مسلسل غالب نظریے سے ہوتا ہے جس کی نمو و خو خاص رنگ کے مستقل اعمال پر ہوتی ہے۔ سیرت، کردار کی بنیاد ہوتی ہے اور کردار بالعموم حالات کی حد بندیوں میں سیرت کا اظہار کرتا ہے۔ پھر بھی انسان کی سیرت میں ایسی بہت سی چیزیں ہو سکتی ہیں جن کا اظہار صریحی افعال میں کم یا بالکل نہیں ہوتا۔ سیرت بالآخر انسان کی فطرت بن جاتی ہے۔ اس کا کچھ حصہ اس کی اصل فطرت ہوتی ہے اور کچھ حصہ ایسی فطرت ہوتی ہے جس کی پرورش عادات سے ہوتی ہے۔ بالآخر یہ عادات ہی ہیں جو سیرت کی تشکیل کرتی ہیں۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ ''جیسا عمل کرو گے ویسی عادت پڑے گی۔ جیسی عادت رکھو گے ویسی سیرت بنے گی، اور جیسی سیرت ہوگی ویسی قسمت پاؤ گے۔'' آخر میں سیرت انسان کی قسمت بن جاتی ہے جس سے بچنا اس کے لیے مشکل یا ناممکن ہو جاتا ہے۔ حالات اس کے عمل کے لیے مناسب اوقات ہوتے ہیں۔ سیرت اور حالات میں کچھ عرصے کے لیے تفاعل ہوتا ہے جو ایک دوسرے کو بدلتا ہے لیکن سیرت کے پختہ ہو جانے کے بعد حالات ثانوی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں اور انسان اپنی قسمت کو زندگی کی تمام حالتوں میں ساتھ لے کر چلتا ہے۔ اس کے بعد حالات کا کوئی تغیر اس کی سیرت کی خامی کو درست نہیں کر سکتا۔ تغیر و تبدل کے زبردست فلسفی ہیریکلیٹس (Heraclitus) نے بھی سیرت کو مثل قسمت قرار دیا ہے۔ اس مرحلے پر سیرت ظاہر و باطن اور حرکت و سکون کا آئینہ اور زندگی کا کارفرما عنصر بن جاتی ہے۔

درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے اور کسی تہذیب کا ثمر اس کے مردوں اور عورتوں کی سیرت ہوتی ہے۔ کسی تہذیب کا اندازہ ان اعلیٰ سیرتوں سے کیا جا سکتا ہے جن کو وہ پیدا کرتی ہے۔ اس کی جانچ اس کے مجرموں، خطا کاروں یا گم کردہ راہوں سے نہیں ہوتی۔

ہمیں اس سیرت کے تصور کی تشریح کرنی چاہئے جس کو اسلام پیش کرتا ہے۔ ہم یہاں اس امر کا اعادہ کریں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گے کہ اسلامی اخلاق خالص دنیوی اخلاق نہیں۔ اسلام کی رو سے اخلاقیات خدا کی ذات اور اس پر ایمان سے وابستہ ہے۔ اس لیے قرآن جب کہیں ایک مثالی انسان کا ذکر کرتا ہے تو اسے ایک ایسے مہربان وجود حقیقی پر ایمان لانے والا جاتا ہے جو تمام اقدار حیات کو پیدا کرتا اور قائم رکھتا ہے۔ اسلامی اخلاقیات اس اعتقاد پر مبنی ہے کہ تمام حقیقی اقدار صداقت، حسن، خوشی و مسرت عین ذات کی حقیقتیں ہیں نہ کہ مظہر اقتباسات۔

مسلمانوں کے اخلاق کو سنوارنے اور عملی سانچوں میں ڈھالنے کی غرض سے ربوبیت کبریٰ نے جو ایک تدبیر اختیار کی وہ یہ تھی کہ ان کو ایسی جامع تعلیمات وارشادات سے بہرہ ور کیا جائے جو اخلاقی شعور واحساس کو بیدار کریں، اخلاقی ذہن و کردار کی تخلیق کریں، اخلاق سے متعلق ایسی بنیادی نیکیوں کو اختیار کرنے پر ان کو آمادہ کریں اور اپنی آغوش میں خیر مطلق اور نیکی کے تمام پہلوؤں کو لیے ہوئے ہوں۔

ان تعلیمات کو ہم دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ ایک حصے کا تعلق تو ذہن وفکر کے ان عمومی پیمانوں سے ہے جن سے اخلاق کا ہیولیٰ تیار ہوتا ہے اور دوسرے حصے میں اخلاق و کردار کے بارے میں ان جواہر پاروں کی تفصیل مذکور ہے۔ اسلام اس عالم ہست و بود کو ایک معروضی حقیقت قرار دیتا ہے اور اسے سازگار اور قابل تسخیر قرار دیتا ہے۔ آخرت میں ایمان لانے کے معنی زندگی کو ابدی ماننے کے ہیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان زندگی کی وسعتوں کو موت ہی تک سمٹا ہوا نہیں سمجھتا، بلکہ اس بات کا قابل ہے کہ یہ قافلہ حیات وزیست اس سے آگے بھی بڑھتا ہے۔

یہاں ہم تعلیمات کے صرف اسی حصے سے بحث کریں گے جس سے اسلامی اخلاقیات کے مزاج ونوعیت میں مدد مل سکتی ہے۔ تعلیمات کے اس حصے میں جن اخلاق عالیہ کو کردار و سیرت کا جزو قرار دینے کا ذکر قرآن حکیم میں موجود ہے، ان میں اہم درج ذیل ہیں۔

-1 عدل وانصاف کو غیر مشروط طور پر اختیار کرنا چاہیے

''اے ایمان والو! خدا کے لیے انصاف کی گواہی دینے کے لیے کھڑے ہو جایا کرو اور لوگوں کی دشمنی تم کو اس بات پر آمادہ نہ کر دے کہ انصاف چھوڑ دو انصاف کیا کرو یہی پرہیزگاری کی بات ہے اور خدا سے ڈرتے رہو، کچھ شک نہیں خدا تمہارے سب اعمال سے خبردار ہے۔'' (المائدہ)

-2 تمام بنی نوع انسان تکریم واحترام کا یکساں استحقاق رکھتے ہیں

''اور ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی اور اس کو جنگل اور دریا میں سواری دی اور پاکیزہ روزی عطا کی

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت دی۔" (بنی اسرائیل)

3- فضیلت کا معیار کردار و سیرت کی پاکیزگی ہے، رنگ و نسل اور جاہ و چشم نہیں

"لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کرو اور خدا کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔ بیشک خدا سب کو جاننے والا ہے۔"

4- تم نے امانت و عہد کی جن جن ذمہ داریوں کو قبول کیا ہے ان کو پورا کرو

"خدا تم کو حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں ان کے حوالے کر دیا کرو۔" (النساء)

"اے ایمان والو اپنے اقراروں کو پورا کرو۔" (المائدہ)

5- والدین کے ساتھ حسن سلوک روا رکھو

"اور تم نے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ بھلائی کرنے کا حکم دیا۔" (الانفاق 15)

6- ازدواجی زندگی میں حسن معاملہ کا اصول ہمیشہ مدنظر رہنا چاہیے

"اور ان کے ساتھ اچھی طرح سے رہو۔" (النساء)

7- پڑوسیوں کے حقوق کا خاص سے خیال رکھو

"اور ہمسایوں اور اجنبی ہمسایوں اور رفقاء کے ساتھ احسان کرو۔

8- غیب اور تجسس کے حقوق کا خصوصیت سے خیال رکھو

"اے اہل ایمان بہت گمان کرنے سے گریز کرو کہ بعض گمان گناہ ہیں اور ایک دوسرے کے بارے میں تجسس نہ کیا کرو اور نہ کوئی کسی کی غیبت کرے۔ کیا تم سے کوئی اس بات کو پسند کرے گا کہ وہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے۔ اس سے تم ضرور نفرت کرو گے اور خدا کا ڈر رکھو۔ بے شک خدا توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔" (الحجرات)

9- کسی کا نہ تو نام بگاڑو اور نہ کسی کو برے ناموں سے یاد کرو

"اور اپنے مومن بھائی کو عیب نہ لگاؤ اور نہ ایک دوسرے کا برا نام رکھو۔ ایمان لانے کے بعد برا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نام رکھنا گناہ ہے اور جو توبہ نہ کریں وہ ظالم ہیں۔'' (الحجرات)

-10 کسی کا مذاق نہ اڑاؤ

''اے اہل ایمان! کوئی قوم کسی قوم سے تمسخر نہ کرے ممکن ہے کہ وہ لوگ ان سے بہتر ہوں۔''
(الحجرات)

-11 ناپ تول میں کمی بیشی نہ کرو

''اور انصاف کے ساتھ ٹھیک تولو اور تول کم مت کرو۔'' (الرحمٰن)

-12 عفو اور درگزر کو اپنا شعار بناؤ

''اور اگر معاف کردو اور درگزر کرو اور بخش دو تو خدا بھی بخشنے والا مہربان ہے۔'' (تغابن)

-13 ہر معاملے میں میانہ روی اختیار کرو

''اور وہ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ بے جا اڑاتے ہیں اور نہ تنگی کو کام میں لاتے ہیں بلکہ اعتدال کے ساتھ ضرورت سے زیادہ نہ کم۔'' (الفرقان)

-14 جہلا سے نہ الجھو اور نہ کبر و غرور کا مظاہرہ کرو

''اور خدا کے بندے تو وہ ہیں جو زمین پر عاجز سے چلتے ہیں اور جب جاہل لوگ ان سے گفتگو کرتے ہیں تو کہتے ہیں ''سلام''۔'' (الفرقان)

-15 بات سوچ سمجھ کر منہ سے نکالو

''اے اہل ایمان خدا سے ڈرو اور بات سیدھی اور مضبوط کہا کرو۔'' (الاحزاب)

-16 زندگی میں ہمیشہ پر امید ہو

''اے پیغمبر! لوگوں سے کہہ دو کہ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے خدا کی رحمت سے ناامید نہ ہونا۔ خدا تو سب گناہوں کو بخش دے گا۔ وہ بخشنے والا مہربان ہے۔'' (زمر)

-17 صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑو

''تو اے پیغمبر صبر کرو خدا کا وعدہ سچا ہے۔'' (المومن)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

-18 احساس شکر سے بہرہ مند رہو۔

"خدا کے شکر گزار رہو۔ اس پر ایمان لے آؤ تو خدا تم کو عذاب دے کر کیا کرے گا اور خدا تو قدر شناس اور دانا ہے۔" (النساء)

-19 اپنے ہر کام میں اللہ پر بھروسہ رکھو

"اور مومنوں کو خدا ہی پر بھروسہ رکھنا چاہئے۔" (المائدہ)

-20 ہمیشہ سچ بولو اور سچائی پر عمل پیرا رہو

"اے اہل ایمان خدا سے ڈرتے رہو اور راست بازوں کے ساتھ رہو۔" (التوبہ)

3.2- اہم نکات

-1 اسلام کا روحانی اور اخلاقی نظام معاشرتی معاملات طے کرنے کا اصول متعین کرتا ہے۔ علاوہ ازیں اچھائی اور برائی میں تمیز پیدا کرتا ہے۔

-2 اخلاق قرآن مجید کی نظر میں باقاعدہ علم اور فلسفہ کی اہم شاخ ہے جو انسان کو خیر و شر، نیکی اور بدی کا پتہ دیتا ہے۔

-3 اسلام مسلمانوں کو ایسی تعلیمات دیتا ہے جو انسان کا اخلاقی شعور بیدار کرتی ہیں اور اخلاقی ذہن و کردار کی تخلیق کرتی ہیں۔

-4 اسلامی اخلاقیات میں عدل و انصاف کو بھی بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ اسے غیر مشروط طور پر اختیار کرنا چاہئے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے "اے ایمان والو! خدا کے لیے انصاف کی گواہی دینے کے لیے کھڑے ہو جایا کرو اور لوگوں کی دشمنی تم کو اس بات پر آمادہ نہ کردے کہ انصاف چھوڑ دو انصاف کیا کرو یہی پرہیز گاری کی بات ہے۔" (المائدہ)

-5 نیک لوگوں کا قرض ہے کہ وہ نیک کاموں کی یاددہانی کراتے رہیں اور برائیوں سے روکتے رہیں۔

سرگرمی
اسلامی نظام اخلاق سے متعلق قرآنی آیات و احادیث بمع ترجمہ تحریر کرکے اپنے اتالیق کو دکھائیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

3.3- خود آزمائی نمبر 3

سوال نمبر 1- مندرجہ ذیل میں صحیح اور غلط فقرات کی نشاندہی کریں۔

1- اخلاق با قاعدہ علم اور فلسفہ کی اہم شاخ ہے۔

2- اسلام کا نظام اخلاق انسان کی آزادی اظہار رائے میں ایک رکاوٹ ہے۔

3- حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تکمیل اخلاق کے لیے مبعوث کیا گیا ہے۔

4- ازدواجی زندگی میں حسن معاملات کا اصول ہمیشہ مدنظر رہنا چاہیے۔

5- فضیلت کا معیار کردار وسیرت کی پاکیزگی نہیں بلکہ نسل اور جاہ وحشم ہے۔

سوال نمبر 2- درج ذیل خالی جگہ پر کریں۔

1- اسلامی فطرت میں ایک ....موجود ہے جس سے بھلائی اور برائی میں تمیز کی جاسکتی ہے۔

(1) دماغ (2) دل (3) ضمیر

2- ....انسان کو اس کے جرم پر ملامت کرتا ہے۔

(1) شرم (2) روح (3) نفس لوامہ

3- اسلام.................. کے لیے اسلامی اصول وطریقے پیش کرتا ہے۔

(1) تعمیر صورت (2) تعمیر سیرت (3) تعمیر نو

4- تمام بنی نوع انسان.................. کا یکساں استحقاق رکھتے ہیں۔

(1) رنگ ونسل (2) تکریم واحترام (3) حسن سلوک

5- کسی تہذیب کا ثمر اُس کے.................. اور.................. کی سیرت ہوتی ہے۔

(1) مردوں اور عورتوں (2) بچوں اور بوڑھوں (3) افسران بالا اور طلبہ

سوال نمبر 3- قرآن حکیم کی روشنی میں تعمیر سیرت کے اصول اور طریقے تحریر کریں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

4- اسلام کا معاشی نظام

اسلامی نظریہ حیات انسان کی انفرادی واجتماعی زندگی کے تمام شعبوں کو اس طرح مربوط وہم آہنگ کرتا ہے کہ انہیں ایک دوسرے سے الگ کرنا ناممکن ہے۔ اصلاح معاشرے کے لیے اسلام رہنمائی کی ابتدا انسان کے انفرادی و اجتماعی اخلاق کی درستی کرتا ہے۔ پھر اس پر پورا معاشرتی ڈھانچہ تشکیل دیتا ہے جس میں انسان احکامات ربانی اور تعلیمات کو فروغ دیتا ہے۔ چنانچہ اسلام انسان کی مادی ضروریات کی تکمیل کا نظام بھی انہی بنیادی اصولوں پر مرتب کرتا ہے۔

4.1- قرآن کی معاشی تعلیمات

زندگی کی مادی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے قرآن مندرجہ ذیل ہدایات دیتا ہے۔

1- وہ تمام ذرائع جن پر انسان کی معاش کا انحصار ہے، اللہ کے پیدا کیے ہوئے ہیں۔ اللہ نے ان کو اس طرح بنایا اور ایسے قوانین فطرت پر قائم کیا ہے کہ وہ انسان کے لیے نافع ہیں۔ اللہ نے ہی انسان کو ان سے فائدہ اٹھانے کا موقع دیا اور ان پر تصرف کا اختیار بخشا ہے۔

2- انسان ان ذرائع کے اکتساب اور استعمال کے معاملے میں نہ تو آزاد ہونے کا حق رکھتا ہے اور نہ ہی اپنی مرضی سے خود حرام وحلال اور جائز و ناجائز کی حدود وضع کر لینے کا مجاز ہے بلکہ یہ حق خدا کا ہے کہ وہ اس کی حدود مقرر کرے۔

3- اللہ تعالیٰ کی بالاتر ملکیت کے ماتحت اور اس کی عائد کردہ حدود کے اندر قرآن شخصی ملکیت کا اثبات کرتا ہے۔

4- جہاں تک فطری عدم مساوات کا تعلق ہے تو قرآن اسے اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا اور اس کی تقسیم و تقدیر کا نتیجہ قرار دیتا ہے۔ قرآن ہدایت کرتا ہے کہ لوگوں کو یہ فطری عدم مساوات صدق دل سے قبول کرنی چاہیے اور دوسروں کو جو فضیلت خدا نے بخشی ہو اس پر رنج وحسد نہیں کرنا چاہیے۔

5- اسلامی طرز زندگی میں رہبانیت کو ناپسند کیا گیا ہے۔ قرآن اس حقیقت کو بار بار زور دے کر بیان کرتا ہے۔ کہ اللہ نے دنیا میں اپنی نعمتیں اسی لیے پیدا کی ہیں کہ اس کے بندے ان سے مستفید ہوں۔ اللہ کا منشا یہ ہرگز نہیں کہ انسان نعمتوں سے اجتناب کر کے رہبانیت اختیار کرے۔ البتہ جو کچھ وہ چاہتا ہے وہ یہ ہے کہ پاک اور ناپاک میں امتیاز کیا جائے۔ جائز و ناجائز طریقوں میں فرق کیا جائے۔ فائدہ یا منافع صرف حلال وطیب

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تک محدود رہے اور اس میں بھی حد اعتدال سے تجاوز نہ ہو۔

-6 قرآن یہ پابندی عائد کرتا ہے کہ دولت صرف حلال طریقوں سے حاصل کی جائے اور حرام طریقوں سے اجتناب کیا جائے۔

-7 قرآن کسب مال کے حرام طریقوں مثلاً جوا، چوری، سود، ناجائز اشیاء کی تجارت، غبن، ڈاکہ، دھوکہ وغیرہ کو ممنوع قرار دیتا ہے۔

-8 دولت حاصل کرنے کے غلط طریقوں کو حرام قرار دینے کے ساتھ ساتھ قرآن مجید جائز طریقوں سے حاصل شدہ دولت کو بھی جمع کر کے روک رکھنے کی سخت مذمت کرتا ہے اور ہمیں بتاتا ہے کہ بخل ایک بہت بڑی برائی ہے۔

-9 قرآن یہ بھی بتاتا ہے کہ زر پرستی، دولت دنیا کی حرص و ہوس اور خوشحالی پر فخر و غرور انسان کی گمراہی اور بالآخر اس کی تباہی کے اسباب میں سے ایک بڑا سبب ہے۔

-10 قرآن مجید اس بات کی بھی سخت مذمت کرتا ہے کہ انسان جائز طریقوں سے حاصل شدہ دولت کو ناجائز کاموں میں اڑائے یا اپنے ہی عیش اور لطف ولذت پر اسے صرف کرتا جائے یا معیار زندگی زیادہ سے زیادہ بلند کرنے کے علاوہ دولت کا کوئی اور مصرف اس کی نگاہ میں نہ ہو۔

-11 قرآن دولت کے صحیح مصارف کا تعین کرتا ہے۔

-12 قرآن مجید بعض گناہوں یا کوتاہیوں کی تلافی کے لیے مالی کفارے بھی مقرر کرتا ہے۔

-13 انفاق فی سبیل اللہ، قرآن کی رو سے صرف اسی صورت میں راہ خدا کا خرچ قرار دیا جا سکتا ہے جبکہ اس میں خود غرضی، ریاکاری اور نمائش نہ ہو، احسان جتانے اور اذیت دینے کی کوشش نہ ہو، اپنا بدتر مال چھانٹ کر نہ دیا جائے بلکہ عمدہ اور بہتر مال دیا جائے اور اس میں اللہ کی محبت اور اس کی خوشنودی کے سوا کوئی مقصد پیش نظر نہ ہو۔

-14 راہ خدا کا خرچ جسے قرآن کبھی انفاق، کبھی انفاق فی سبیل اللہ، کبھی صدقہ اور کبھی زکوٰۃ کے الفاظ سے تعبیر کرتا ہے، محض ایک نیکی اور خیرات نہیں بلکہ عین عبادت ہے۔

-15 قرآن لازمی زکوٰۃ اور اس کی شرح کے تعین کی ہدایت کرتا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

16- قرآن اموال غنیمت کے خمس کا اصول بیان کرتا ہے۔

17- قرآن زکوٰۃ کے مصارف مخصوص کرتا ہے۔

18- قرآن تقسیم میراث کا قانون تفصیل سے بیان کرتا ہے۔

19- قرآن مجید وراثت کا قانون مقرر کرنے کے ساتھ ساتھ آدمی کو یہ ہدایت بھی دیتا ہے کہ وہ مرنے سے پہلے ترکے کے بارے میں وصیت کر دے۔

20- جو لوگ خفیف العقل ہونے کی وجہ سے اپنی املاک میں صحیح تصرف نہ کر سکتے ہوں اور ان کو ضائع کر رہے ہوں یا اندیشہ ہو کہ ضائع کر دیں گے ان کے بارے میں قرآن ہدایت کرتا ہے کہ ان کی املاک ان کے اختیار میں نہ دی جائیں بلکہ وہ ان کے سرپرست یا قاضی کے انتظام میں رہیں اور انہیں صرف اس وقت سونپی جائیں جب اس امر کا اطمینان ہو جائے کہ وہ اپنے معاملات کو ٹھیک طرح سے نبھا سکیں گے۔

21- جو جائیدادیں، اموال اور آمدنیاں حکومت کی ملک ہوں ان کے بارے میں قرآن ہدایت کرتا ہے کہ ان کا تصرف محض دولت مند طبقوں کے لئے نہیں بلکہ عام لوگوں کے مفاد میں ہونا چاہئے اور خصوصیت کے ساتھ ان کے صرف کرنے میں معاشرے کے کمزور طبقات کی بھلائی کا زیادہ لحاظ رکھا جانا چاہئے۔

22- ٹیکس عائد کرنے کے بارے میں قرآن اس اصول کی طرف رہنمائی کرتا ہے کہ ٹیکسوں کا بار صرف ان لوگوں پر پڑنا چاہئے جو اپنی ضروریات سے زیادہ مال رکھتے ہوں اور ان کی دولت کے صرف کے اس حصے پر یہ بار ڈالا جائے جو ان کی ضرورت سے زائد ہے۔

4.2- اسلامی نظام معیشت کی خصوصیات

اسلام ہر معاملے میں انسان کو فطری حالت میں دیکھنا چاہتا ہے اور زندگی کے کسی پہلو میں بھی تصنع اور بناوٹ پسند نہیں کرتا۔ معیشت میں فطری حالت یہ ہے کہ قدرت نے انسان کے لیے زمین میں جو ذرائع فراہم کیے ہیں، اسے جائز طریقے اختیار کرتے ہوئے استفادہ کیا جائے۔ ذیل میں اسلامی نظام معیشت کی خصوصیات مختصراً بیان کی جاتی ہے۔

1- رزق من اللہ

دنیا میں تمام مخلوقات کو رزق فراہم کرنے والی ذات مبارک صرف اللہ تبارک تعالیٰ کی ہے۔ اگر وہ کسی کی روزی بند کر دے تو دنیا کی کوئی طاقت انسان کو رزق مہیا نہیں کر سکتی۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے، بے حساب اور بہترین

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رزق عطا کرتا ہے۔اس لیے اس کے سوا کسی سے رزق کی توقع نہیں رکھنی چاہئے جب کبھی انسان تنگ دستی میں مبتلا ہوتو مایوسی کی بجائے اللہ تعالیٰ سے رحم کی امید رکھے کیونکہ سب کچھ اسی کے قبضہ قدرت میں ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا

''جو اللہ تعالیٰ سے نہیں مانگتا اللہ اس پر غصہ فرماتا ہے۔''

قرآن پاک میں بھی جگہ جگہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ملتی ہیں۔

''اللہ تعالیٰ ہی سب کو زمین و آسمان میں روزی دیتا ہے اور وہی حقیقی معبود ہے۔''

اسی طرح ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے

''زمین پر چلنے والی کوئی ایسی مخلوق نہیں جس کی روزی کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے نہ لی ہو۔''

2- جائز اور ناجائز میں فرق

اسلام نے اپنے ماننے والوں کو نہ صرف کسب معاش کے ناجائز طریقوں سے منع فرمایا ہے بلکہ ان کے لیے سزا بھی تجویز کی ہے تاکہ برائی کا قلع قمع ہو سکے۔ اکتساب مال کے ایسے تمام ذرائع ناجائز ہیں جن میں ایک شخص کا فائدہ ہو اور دوسرے کا نقصان۔ اس کے برعکس حلال طریقوں سے کمائی ہوئی دولت کار ثواب ہے۔ رضائے الٰہی کا حصول اسی صورت میں ممکن ہے جب آدمی حرام کی بجائے جائز مال کما کر گزر بسر کرے۔ اگرچہ یہ جائز مال تھوڑا ہی ہو۔ اس میں نہ صرف اس کا ذاتی فائدہ ہے بلکہ معاشرہ بھی بہت سے مصائب اور پریشانیوں سے محفوظ رہے گا جبکہ ناجائز ذرائع اختیار کرنے سے بہت سے فسادات اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ

''جس بدن نے حرام مال سے پرورش پائی وہ جنت میں داخل نہ ہوگا۔''

قرآن میں آتا ہے

''اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال ناجائز طریقوں سے نہ کھاؤ۔'' (النساء)

ایک اور جگہ ارشاد ربانی ہے کہ

''اے ایمان والو! شراب، جوا، بت اور پانسے شیطان کے گندے کام ہیں۔ ان سے بچتے رہو تاکہ نجات پاؤ۔'' (المائدہ)

3- انفاق فی سبیل اللہ

اسلام مال و دولت کو ایک جگہ جمع کر کے رکھنے کے حق میں نہیں بلکہ دولت کو خرچ کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ یہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خرچ ایسا ہونا چاہئے جس سے مخلوق خدا کا فائدہ ہو۔ عام طور پر لوگوں کا خیال ہے کہ مال خرچ کرنے سے کم ہو جاتا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ اس کی راہ خرچ کیا ہوا مال بندے کے مال و دولت میں برکت ڈالتا ہے۔ بعض لوگ حیلے بہانے کرتے ہیں کہ آخر اللہ کی راہ میں کیسا اور کتنا مال خرچ کیا جائے۔ اس کے لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جتنا تیری ضرورت سے زائد ہے، غریبوں، مسکینوں اور محتاجوں کو دے دے۔ اگر لوگوں میں صدقہ و خیرات دینے کا جذبہ پیدا ہو جائے تو معاشرے کا ہر فرد خوشحال ہو سکتا ہے۔ اللہ کی راہ میں آدمی چھپا کر اور ظاہراً دونوں طریقوں سے دے سکتا ہے لیکن محض نمود و نمائش کی خاطر اپنے مال کو خرچ کرنے والا اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں۔ اس لیے خدا کی راہ میں عمدہ اور بہترین مال دیا جائے۔ قرآن و حدیث میں انفاق فی سبیل اللہ کے متعلق اکثر مقامات پر ارشادات ملتے ہیں۔

آنحضور ﷺ نے فرمایا

''جو شخص اللہ کے لیے کسی پر مہربانی کرتا ہے خداوند کریم اس کے مراتب بلند کرتا ہے۔''

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

''اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔''

4- حلال اور حرام کی حدود

اللہ تعالیٰ نے حلال اور حرام کی واضح حدود مقرر کر دی ہیں۔ اس کے بعد جو شخص ان حدود کی خلاف ورزی کرے گا وہ سخت عذاب میں ڈالا جائے گا۔ کوئی شخص اپنی مرضی سے کسی چیز کو حلال یا حرام قرار نہیں دے سکتا۔ اونٹ، گائے، بھیڑ، بکری اور اسی جنس کے پالتو اور جنگلی جانور حلال ہیں۔ مردار خون سور کا گوشت مسلمان کے لیے حرام ہیں۔ ایسا ہر جانور جو خدا کے نام کے سوا ذبح کیا جائے، حرام ہے۔ یتیم کے مال کو بے جا خرچ اور ناجائز طریقے سے حاصل کی ہوئی دولت سب حرام ہیں مثلاً چوری، رشوت خوری اور سود وغیرہ۔

''رشوت لینے اور رشوت دینے والا دونوں جہنمی ہیں۔''

5- زکوٰۃ

زکوٰۃ ''زکا'' کا مصدر ہے جس کے معنی اضافہ اور نشوونما کے ہیں۔ عربی زبان میں یہ اصطلاح عمدہ زرخیز زمین نیز طہارت اور پاکیزگی کے معنی میں بھی استعمال ہوتی ہے۔ فقہا نے اس کی یوں تعریف کی ہے

امام راغب اصفہانی فرماتے ہیں کہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''وہ حصہ جو مال سے حق الٰہی کے طور پر نکال کر فقراء کو دیا جاتا ہے۔''

امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ

''زکوٰۃ خاص قسم کے مال پر خاص قسم کے لوگوں کا حق ہے جو معینہ وقت گزر جانے کے بعد واجب ہوتا ہے۔''

اصطلاح فقہ میں زکوٰۃ سے مراد مالی عبادت ہے یعنی ہر صاحب نصاب اپنے مال میں سے شریعت کی مقرر کی ہوئی مقدار (ڈھائی فیصد سالانہ شرح) ان لوگوں کے لیے نکالے جو شریعت کی نظر میں زکوٰۃ کے مستحق ہیں۔

قرآن پاک میں کم از کم بتیس مقامات پر نماز اور زکوٰۃ کا ساتھ ساتھ ذکر ہوا ہے۔ بیاسی (82) مقامات پر اس کا تاکیدی حکم نازل ہوا ہے۔ سورۃ المومنون میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

''قد افلح المؤمنون الذین هم فی صلاتهم خشعون و الذین هم عن اللغو معرضون و الذین هم للزکوٰة فاعلون (23:1-4)''

''(وہ) ایمان لانے والے فلاح پا گئے جو اپنی نماز میں خشوع رکھنے والے ہیں۔ لغو باتوں کی طرف رخ نہیں کرتے اور جو زکوٰۃ دیا کرتے ہیں۔''

''اقیموا الصلوٰة واتوا الزکوٰة ......(2:110)''

''اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو......''

سورۃ الاعراف میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''ورحمتی وسعت کل شئی فسا کتبها للذین یتقون یوتون الزکوٰة...... (7-156)''

''اور میری رحمت ہر چیز پر چھائی ہوئی ہے۔ میں اس کو ان لوگوں کے لیے لکھ دوں گا جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں۔''

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے ایسا کام بتایئے جو مجھ کو جنت میں لے جائے۔'' جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے توحید کا اقرار اور نماز کی ادائیگی کے بعد زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم دیا (صحیح بخاری جلد دوم الزکوٰۃ)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زکوٰۃ کا مقصد صرف ناداروں کی کفالت اور تقسیم دولت کی تدبیر ہی نہیں ہے بلکہ اس فرض عبادت کے بغیر نہ تو قلب و روح کا تزکیہ ممکن ہے اور نہ ہی انسان خدا کا مخلص و مطیع بندہ بن سکتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے شکر کا اظہار ہے۔ جو لوگ اس کی ادائیگی سے اجتناب کریں ان سے حکومت قانوناً وصول کر سکتی ہے اور ادائیگی نہ کرنے والوں کو سخت ترین سزا دے سکتی ہے۔ یہ معاشرتی بہبود کی وسیع ترین سکیم ہے جو براہ راست ریاست کے نظام میں روبہ عمل ہونی چاہئے۔

6- اموال مفتوحہ اور مال غنیمت

مال غنیمت وہ ساز و سامان ہے جو جنگ کے دوران اور مفتوحہ علاقوں سے حاصل ہو۔ اسلام نے اس کی منصفانہ تقسیم کے لیے قاعدہ مقرر کر دیا کہ اس مال کے پانچ حصے کیے جائیں۔ چار حصے افواج میں، ان کی حوصلہ افزائی کے لیے اور پانچواں حصہ عام ملی مصالح کے لیے مختص کر دیا جائے۔ عام مصالح سے مراد رسول اللہ کے رشتہ دار (کیونکہ انہیں زکوٰۃ نہیں ملتی) یتیم، مسکین اور مسافر ہے۔ جنگ کیے بغیر حاصل شدہ مال کو عام مصالح کے ساتھ ساتھ غریب مہاجرین میں بھی تقسیم کرنا چاہئے۔

7- حکومت کی محدود مداخلت

ریاست کے بارے میں اسلام کا نقطہ نظر توازن و اعتدال پر مبنی ہے۔ وہ نہ تو ایک لاتعلق اور غیر جانبدار ادارہ بن کر فرد کو کھل کر کھیلنے کا موقع دیتا ہے اور نہ ہی اسے اجتماعیت کے شکنجے میں کس کر بے بس کر دیتا ہے۔ اسلام فرد اور ریاست کے درمیان ایسا رشتہ استوار کرتا ہے جس کی بدولت فرد ریاست کا خلوص دل سے اطاعت گزار بن جاتا ہے اور ریاست فرد کی سراپا خدمت گزار بن جاتی ہے۔ دونوں کے مفاد میں تصادم کی بجائے ہم آہنگی اور مطابقت پیدا ہو جاتی ہے۔ ریاست فرد کے لیے امن و سکون اور معاشی تحفظ کا موثر اہتمام کرے اس کی فطری صلاحیتوں کی نشوونما کا سازگار ماحول پیدا کرے تو فرد اپنے تعمیری فکر و عمل اور اطاعت و تعاون کے ذریعے سے مستحکم بنانے کے لیے اپنی توانائیاں صرف کر دیتا ہے۔ اسلامی ریاست کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ ایسا معاشرہ وجود میں لایا جائے جو عدل و انصاف کا گہوارہ ہو جہاں افراد کو معاشی تحفظ کی ضمانت حاصل ہو اور وہ معاشی وسائل کے حصول کے لیے فکر و ضمیر کی آزادی کے ساتھ کام کر سکیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام نے ریاست کو بے جا مداخلت کرنے کی بجائے جائز اور محدود مداخلت کی اجازت دی تاکہ ریاست قرآن کے اس حکم کو مدنظر رکھ کر ایک خوشحال معاشرہ قائم کرے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قرآن پاک میں ارشاد ربانی ہے

"وہ لوگ جنہیں ہم زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں زکوٰۃ کی ادائیگی کا اہتمام کریں بھلائیوں کا حکم دیں اور برائیوں سے روکیں۔" (الحج:61)

8- قانون میراث

اسلام نے وارث کا جو قانون تجویز کیا ہے اس کی رو سے متوفی جو مال چھوڑتا (منقولہ یا غیر منقولہ) ہے وہ اس کے دور نزدیک کے رشتہ داروں میں حسب حصہ تقسیم کر دیا جائے۔ اگر کسی کا کوئی قریبی رشتہ دار نہ ہو تمام میراث بیت المال کی تحویل میں دے دی جائے تاکہ اس سے پوری قوم کا استفادہ کر سکے۔ یہ قانون مکمل اور اٹل ہے اور وقتی مصلحتوں کے باوجود اس میں تبدیلی یا ترمیم نہیں کی جا سکتی۔

9- حرمت سود

اسلام اور دیگر نظاموں میں سب سے بڑا فرق یہی ہے کہ اسلام نے سود لینا اور دینا حرام قرار دیا ہے اور اس قسم کے مذموم کاروبار کرنے والوں کو سختی سے روکا ہے۔ سود اگرچہ کتنا ہی زیادہ کیوں نہ ہو، انجام کار وہ کمی کی طرف پلٹتا ہے۔ برکت صرف اسی مال میں ہوتی ہے جو اللہ کی راہ میں خرچ کیا جائے۔ قرآن پاک میں سود کے لیے جس قدر سخت الفاظ میں وعید آئی ہے وہ کسی دوسرے گناہ کے لیے نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

"اللہ سے ڈرو اور جو سود تمہارا لوگوں پر باقی ہے اس کو چھوڑ دو۔ اگر تم ایمان رکھتے ہو اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے جنگ کا اعلان قبول کرو۔" (البقرہ)

10- قرض کی ترغیب

جو لوگ معاشی لحاظ سے کمزور ہیں انہیں عموماً قرض لینا پڑتا ہے۔ جب کوئی دولت مند بغیر کسی صلے یا بدلے کے کسی ضرورت مند کی حاجت روائی کرے تو اسے قرض حسنہ کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر مقروض تنگ دست ہو تو کشائش تک مہلت دینی چاہیے اور اگر بخش دیا جائے تو زیادہ بہتر ہے۔ اگر قرض کچھ مدت کے لیے لیا جائے تو آپس میں بھول چوک اور نزاع کو مٹانے کی خاطر معاہدہ تحریر کر لیا جائے تو زیادہ اچھا ہے۔

11- عاریت

کسی شخص کا اپنی ملکیت کو بغیر معاوضہ دوسرے کی ملک بنا دینا عاریت کہلاتا ہے۔ عاریت نہ صرف جائز ہے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بلکہ مستحسن اور مستحب ہے۔اس طرح ضرورت مند کی حاجت روائی اور نادار کی امداد ہوتی ہے۔جولوگ اپنی چیز عاریت پر دینے سے گریز کرتے ہیں قرآن میں ان کے لیے سخت وعید آئی ہے۔اسی طرح عاریت کی واپسی لینے والے کی اہم ذمہ داری ہے۔

-12 امانت وصداقت

صداقت و دیانت اعلیٰ اخلاق کی خصوصیات ہیں۔جب کوئی شخص کسی کے پاس کوئی چیز امانت کے طور پر رکھوائے تو اس چیز کو اسی حالت میں واپس کرنا چاہئے۔اس طرح باہمی اعتماد بڑھتا ہے۔اگر امین کو بوقت ضرورت تصرف کی اجازت دے دی جائے تو یہ ایک مستحسن قدم ہے۔یہ طریقہ صاحب دولت کو ہلاکت سے بچاتا ہے اور ضرورت مند کی حاجت پوری ہو جاتی ہے۔

-13 درجات میں تفاوت

اگر چہ معیشت میں سب برابر ہیں لیکن درجات میں فرق کسی حد تک فطری ہے۔یہ فرق ایک قسم کی آزمائش ہے۔سورہ انعام میں ارشاد ہوتا ہے۔

”تم میں سے بعض کو بعض پر مرتبے دیئے ہیں تاکہ جو کچھ تمہیں دیا ہے اس میں تمہاری آزمائش کرے۔“

مقصد یہ ہے کہ مال دار اپنی دولت کا تکبر وغرور نہ کرے بلکہ احسن طریقے سے کمائے اور اس کا بہترین تصرف کرے تاکہ دنیا وآخرت میں فلاح پائے۔

-14 احتکار واکتناز

جب گردش زر رک جائے تو معاشرے میں طرح طرح کی برائیاں جنم لینا شروع کر دیتی ہیں۔اسلام ذخیرہ اندوزی جیسی معاشرہ سوز برائیوں کا سرے سے ہی قلع قمع کر دینا چاہتا ہے تاکہ مال ایک جگہ جمع ہو کر نہ رہ جائے بلکہ زکوٰۃ،صدقہ اور خیرات کے ذریعے پھیلتا رہے۔اسی میں پورے معاشرے کی بھلائی ہے۔

-15 درست ناپ تول

انصاف اور میزان قائم نہ رہے تو کائنات کا سارا نظام درہم برہم ہو جائے اس لیے اسلام نے توازن قائم

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رکھنے کے لیے درست ناپ تول کی تاکید کی ہے۔خرید وفروخت میں دھوکہ بازی اور ہیر پھیر کی سخت مذمت کی گئی ہے۔ قرآن پاک میں کئی جگہ درست ناپ تول کا حکم آیا ہے کہ

''ناپ پورا بھر کر دو اور نقصان دینے والے مت بنو۔لوگوں کو ان کی چیزیں گھٹا کر مت دو اور ملک میں خرابی پیدا نہ کرو۔''

16- وصیت

اسلامی شریعت میں کسی شے کو یا اس کے منافع کو بطریق احسن سلوک یہ کہہ دینا یا لکھ دینا کہ ''میری موت کے بعد فلاں کے لیے ہے'' وصیت کہلاتا ہے۔شرعی ورثا کے لیے وصیت نہیں کی جاسکتی۔ناجائز کام کے لیے کی گئی وصیت پر عمل نہیں کیا جائے گا۔اگر وصیت کرنے والے کے ذمہ قرض ہو تو ادائیگی قرض کے بعد جو مال بچے اس کے حصے کیے جائیں۔وصیت زبانی ہو یا تحریری، دونوں صورتوں میں دو قابل اعتماد گواہوں کا ہونا ضروری ہے۔جو شخص اپنے وارث کی میراث کاٹے گا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کا حساب لے گا۔

17- زمین کی ملکیت

زمین کی نجی ملکیت کے لیے کوئی خاص حد مقرر نہیں ہے۔جائز کمائی سے حاصل کی ہوئی لاکھوں ایکڑ اراضی کو اسلام درست تسلیم کرتا ہے اور مالک کو قانونی و آئینی تحفظ بھی مہیا کرتا ہے۔لیکن جس شخص کے پاس ناجائز ذرائع سے حاصل کی ہوئی زمین ہو تو اسلام اسے حرام سمجھتے ہوئے ساقط کر دیتا ہے۔حدیث میں آتا ہے کہ

''جس نے بالشت بھر زمین ظلم سے حاصل کی، اس زمین کے ٹکڑے کے ساتویں طبقے قیامت کے دن اس کی گردن میں طوق کے طور پر ڈالے جائیں گے''

اسی طرح فرمایا

''جو شخص بنجر زمین کو کاشت کرے وہ اسی کی ہے اور ظالم کی اولاد کا کوئی حق نہیں۔''

18- بیت المال کا قیام

اسلام کے معاشی نظام کو کامیابی سے بروئے کار لانے کے لیے کاروبار حکومت چلانے کی خاطر سرکاری خزانے کا وجود ضروری ہے، جسے بیت المال کہا جاتا ہے۔بیت المال قلمرو خلافت کی ان تمام آمدنیوں کا حامل ہوتا ہے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جو اسلامی احکام کے مطابق سرکاری خزانے میں داخل ہونی چاہئیں ۔ یہ مالیات قوم کی امانت ہیں جو اسلامی حکومت کی تحویل میں ہوتی ہیں لہٰذا ان کو بڑی احتیاط سے خرچ کرنا چاہیے ۔

19- اقتصادی کاوش

مسلمان کو دنیا میں اپنا فرض بجا لانے ، اپنا مشن پورا کرنے اور ان کی رضا حاصل کرنے کے لیے جسمانی قوتیں بھی درکار ہیں ۔ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ مسلمان روزی حاصل کرنے کی کوشش بھی کرے بلکہ حلال کمائی کو عبادت کہا گیا ہے ۔ جو قومیں معاشی جدوجہد میں سرگرم ہیں وہ کامیاب ہیں ۔ قرآن میں آتا ہے کہ

''نماز ختم ہو جائے تو زمین پر پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو ۔''

20- میانہ روی

معاشی توازن برقرار رکھنے کے لیے اسلام انسان کو اعتدال کی راہ بتاتا ہے ۔ اسلام میں صرف جائز ضروریات پر خرچ کرنے کی اجازت ہے ۔ آرائش و تزئین کی بھی جائز حد تک اجازت ہے لیکن فضول خرچ کو شیطان کہا گیا ہے ۔ قرآن میں آتا ہے کہ

''اللہ کے نیک بندے وہ ہیں کہ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف کرتے ہیں اور نہ بخل سے کام لیتے ہیں بلکہ ان دونوں کے مابین معتدل رہتے ہیں ۔''

21- ذاتی ضروریات کے لیے مال جمع کرنا

اسلام ہر شخص کو اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ وہ اپنی جائز کمائی کا وہ حصہ جو اس کی ضرورت سے زائد ہو ، جمع کرے ، کسی کو قرض دے دے یا کسی کاروبار میں لگا دے ۔ مقصد یہی ہے کہ گردش زر رہے لیکن ایسا کرتے وقت اسے چند قواعد و ضوابط کا پابند ہونا پڑے گا مثلاً زکوٰۃ ادا کرے ، سود نہ لے ، ذخیرہ اندوزی نہ کرے ، مضر صحت اور مضر اخلاق کاروبار نہ کرے ، اسی طرح زیادہ نفع اندوزی نہ کرے ۔

22- صحیح منصوبہ بندی

اسلامی تعلیمات سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بھی کام شروع کرنے سے پہلے اس کی پیش بندی کر لینی چاہئے اور اس کی خوبیوں اور خامیوں کا پوری طرح جائزہ لینا چاہئے ۔ دور خلافت میں خراج ، عشر اور زکوٰۃ کی وصولی باقاعدہ سوچی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سمجھی سکیم کے تحت انجام پاتی ہے۔ ہر قسم کے اعداد وشمار کا باقاعدہ انتظام تھا۔ اسلام مالیاتی پالیسی کے علاوہ عباداتی اور معاملاتی امور میں بھی منصوبہ بندی کا قائل ہے۔ روزانہ پانچ وقت نماز، ہر سال زکوۃ کی ادائیگی اور فریضہ حج کی تکمیل، رمضان کے روزے، یہ سب باتیں منصوبہ بندی کی روشن مثالیں ہیں۔

23- پیشے کا انتخاب

اسلام نے پیشے کے انتخاب کے لیے کوئی خاص پابندی نہیں لگائی بلکہ ہر وہ کام جس کے ذریعے حلال روزی کمائی جا سکے، کرنے کی اجازت دی ہے۔ مختلف ادوار میں انبیائے کرام نے مختلف پیشے اختیار کیے۔ البتہ جن کاموں سے حرام کی روزی حاصل ہو ان کے انتخاب سے منع فرمایا ہے مثلاً جوا، قحبہ گری اور سود وغیرہ۔

24- قدر محنت

محنت کے بغیر کوئی کام یا کاروبار سرانجام نہیں دیا جا سکتا۔ محنت سے ایک طرف تو اقتصادی اشیاء وجود میں آتی ہیں تو دوسری طرف محنت کنندہ کے معاشی حالات بہتر ہوتے ہیں۔ اگرچہ رزق اللہ کے ہاتھ میں ہے تاہم محنت کرنا ضروری ہے۔ محنت جسمانی بھی ہو سکتی ہے اور ذہنی بھی۔ مزدور کی محنت کا معاوضہ اسے فوراً ادا کرنا چاہیے۔ حدیث میں ہے کہ مزدور کی اجرت اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کرو۔ بہترین اجر وہ ہے جو طاقتور بھی ہو اور امانت دار بھی۔ یعنی مزدور کو منافع میں بھی شریک کرنا چاہیے۔

25- قانون شفعہ

یہ ایک طرح سے جائیداد کا تحفظ ہے تاکہ کوئی حصہ دار نہ بن جائے۔ عام طور پر یہ قانون غیر منقولہ جائیداد پر لاگو ہوتا ہے۔ اگر ایک فریق اپنا حصہ کسی غیر متعلقہ شخص کے ہاتھ فروخت کر دے تو دوسرے فریق کو شفعہ کرنے کا حق ہے لیکن جب حدود مقرر ہو جائیں اور ہر ایک کا حصہ علیحدہ ہو جائے تو پھر شفعہ باقی نہیں رہتا۔ شفعہ کے معاملے میں پڑوسی کا حق دوسرے لوگوں پر فائق ہے۔ وہ اس جائیداد کو اسی قیمت پر خرید سکتا ہے جس پر وہ فروخت ہوئی تھی۔

26- منافع

اسلام میں اس بات کی مکمل اجازت ہے کہ سرمایہ دار اپنے مال کو تجارتی، صنعتی اور زراعتی کاروبار میں لگانے کے علاوہ اپنی منقولہ اور غیر منقولہ جائیداد کو کرایہ پر دے کر منافع حاصل کر سکتا ہے۔ البتہ منافع کا تعین کیا گیا ہے۔ تاہم ضروری ہے کہ بنی نوع انسان کی مجبوری کو مدنظر رکھتے ہوئے حد سے زیادہ منافع نہ لیا جائے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

27- انسداد گرانی

آج ساری دنیا افراط زر کے چنگل میں گرفتار ہے اور یہ مسئلہ روز بروز سنگین صورت اختیار کرتا جا رہا ہے۔ اسلام نے اس کی روک تھام کے لیے قابل عمل ہدایات دے رکھی ہیں۔لیکن عام حالات میں ان کی اجازت نہیں کیونکہ ایسا کرنے سے پیدا کنندگان اور تاجروں کی آزادی سلب ہوتی ہے، مفاد عامہ مجروح ہوتا ہے اور اگر قیمتوں پر کنٹرول کیا جائے تو مارکیٹ سے اشیاء غائب ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔اشیاء کی قیمتیں چڑھنے کا ایک سبب ٹیکسوں کی بہتات بھی ہے۔اگر ٹیکس کم کر دیے جائیں تو یہ مسئلہ کافی حد تک حل ہو سکتا ہے۔

28- اعداد و شمار کی اہمیت

جب تک کسی ملک کی مردم شماری نہ کی جائے اس وقت تک معاشی عدل و انصاف کا حقیقی توازن قائم نہیں رکھا جا سکتا۔ دور خلافت میں اعداد و شمار اکٹھے کر کے عطیات اور وظائف دینے کے لیے قبائل اور منازل کے لحاظ سے رجسٹر تیار کرائے گئے۔اسلام میں اعداد و شمار کی اہمیت پر اس لیے زور دیا گیا ہے تاکہ خلق خدا کی فلاح و بہبود پر سرمایہ خرچ ہو اور ناداروں کی دادرسی ہو۔اس سے پورا معاشرہ آسودہ اور خوشحال ہو سکتا ہے۔

4.3- اسلامی حکومت کے ذرائع آمدنی

1- زکوٰۃ

زکوٰۃ ہر صاحب نصاب پر ڈھائی فیصد سالانہ شرح کے حساب سے فرض ہے۔زکوٰۃ کے معنی پاکیزگی اور نمو کے ہیں۔اس کی ادائیگی سے نہ صرف مال میں پاکیزگی پیدا ہوتی ہے بلکہ مال میں برکت بھی ہوتی ہے۔حکومت زکوٰۃ کے ذریعے حاصل کردہ روپیہ عوام الناس کی بھلائی اور فلاح و بہبود کے لیے خرچ کرتی ہے۔لیکن زکوٰۃ انفرادی طور پر بھی مستحقین کو دی جا سکتی ہے۔زکوٰۃ کی ادائیگی اسی طرح فرض ہے جس طرح روزانہ پانچ وقت نماز فرض ہے اور قصداً اس کو ادا نہ کرنے والا اسلام کے دائرے سے خارج ہو جاتا ہے۔اس سلسلے میں ہمیں قرآن پاک میں واضح آیات ملتی ہیں۔

- ''یقیناً جن لوگوں نے نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا کی ان کے لیے ان کے رب کے پاس بہترین اجر ہے۔'' (البقرہ)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا ہے کہ:

''اور نماز قائم کرو اور زکوۃ دو اور تم جو نیکی اپنے لیے آگے بھیجو گے اسے اللہ کے ہاں پاؤ گے۔ بے شک تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اسے دیکھتا ہے۔'' (البقرہ)

2- عشر

مسلمانوں کی مملوکہ اراضی کے ایک بڑے حصے کی سالانہ مال گزاری عشر کہلاتا ہے۔عشر کا مقررہ حصہ زمینی پیداوار ہی سے لیا جاتا ہے۔ بارانی زمین سے پیداوار کا دسواں، چاہی زمین سے پیداوار کا بیسواں حصہ وصول کیا جاتا ہے۔اس ذریعے سے حاصل کی ہوئی رقم بھی حکومت غرباء میں تقسیم کر دیتی ہے۔

3- عشور

مسلمان جب اپنا مال تجارت ایران اور روم لے کر جاتے تو سرحد پر ان سے کسٹم ڈیوٹی وصول کی جاتی، لیکن اسلامی ریاست ایسا کوئی محصول نہ لیتی تھی جس کی وجہ سے مسلمان خسارے میں رہتے۔ جب حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا تو آپ نے حکم دیا کہ نہ صرف غیر مسلم بلکہ جو مسلمان اور ذمی بھی دار الحرب اور دار الاسلام میں تجارتی غرض سے آئے، اس سے یہ محصول لیا جائے، بشرطیکہ یہ مال دوسو درہم یا بیس مثقال قیمت سے کم نہ ہو۔اس طرح مسلمانوں کے مال تجارت سے چالیسواں، ذمی کے مال تجارت سے بیسواں اور حربی کے مال تجارت سے دسواں حصہ لیا جاتا تھا۔

4- خراج

جو علاقے اسلامی حکومت کے قبضہ میں آجائیں اور وہاں کے غیر مسلموں سے صلح ہوگئی ہو تو وہ لوگ ذمی کہلاتے ہیں اور ان کی زمین خراجی کہلاتی ہے۔اسلامی حکومت یہ زمین ذمیوں کے قبضہ میں رکھتے ہوئے ان سے خراج وصول کرتی تھی جو ایک قسم کا محصول ہوا کرتا تھا۔لیکن آج کل ایسا شاذ ہی ہوتا ہے۔

5- جزیہ

اسلامی مملکت کی امان میں رہنے والے غیر مسلم اس امان کے بدلے جو معاوضہ ادا کرتے ہیں اسے قرآن کی زبان میں جزیہ کہا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ ان سے کسی قسم کا دوسرا یا مذہبی ٹیکس نہیں لیا جاتا اور نہ ہی ان سے فوجی خدمات لی جاتی ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

6- صدقات وخیرات

صدقہ وخیرات فرض نہیں بلکہ نوافل میں شامل ہوتا ہے اور اس کا اجر وثواب بہت زیادہ ہے۔ خیرات انفرادی اور اجتماعی دونوں طریقوں سے دی جا سکتی ہے۔ اس کے لیے کوئی خاص حد مقرر نہیں بلکہ اپنی ضرورت سے زائد کوئی بھی چیز ہو، اسے ضرورت مند کو دے دینا کار ثواب ہے۔ اگر معاشرے کے ہر فرد میں یہ جذبہ اجاگر ہو جائے تو پھر کوئی بھوکا، ننگا اور بیکار نہیں رہ سکتا۔

7- مال غنیمت

مال غنیمت وہ ساز و سامان ہوتا ہے جو اسلامی حکومت کو دشمن کے ساتھ جنگ کے دوران حاصل ہوا ہو۔ قرآن مجید میں ارشاد الٰہی ہے کہ مال غنیمت کے پانچ حصے کیے جائیں، چار حصے فوج پر ان کی حوصلہ افزائی کی خاطر اور پانچواں حصہ عوام الناس کی فلاح و بہبود کے لیے خرچ کیا جائے۔ مال غنیمت میں رسول خدا کے رشتہ داروں کا حصہ بھی ہے کیونکہ وہ زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہوتے ہیں۔

8- فیئے

فیئے وہ مال ہے جو بغیر لشکر کشی کے اسلامی حکومت کے ہاتھ آیا ہو مثلاً دفینے، لاوارث مال، گری پڑی اشیاء اور وہ مال جو دشمن ملک کے باشندوں کی جائیداد تھا لیکن جنگ کی وجہ سے اسلامی مملکت نے اسے اپنے قبضہ میں لے لیا۔ اس طرح حاصل شدہ مال بیت المال میں جمع کر کے فلاحی مقاصد پر خرچ کیا جاتا ہے۔

9- خمس

مال غنیمت کی تقسیم دفینہ اور کانوں سے نکلے ہوئے سونے یا چاندی سے نفع حاصل کرنے سے پہلے ان میں سے پانچواں حصہ نکال کر بیت المال میں جمع کرانا ضروری ہے تاکہ اسے مستحقین میں تقسیم کیا جائے۔

10- اوقاف

اوقاف اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا بہترین وسیلہ ہے۔ اسلام اہل ثروت کے اجتماعی حقوق سے تغافل کو دور کرنے اور اخلاق حسنہ کی روح پیدا کرنے کے لیے بار بار توجہ دلاتا ہے کہ آدمی موت آنے سے پہلے اپنی زائد پونجی کا ایک حصہ صدقہ جاریہ کے طور پر وقف کر دے تاکہ اس کا شمار اللہ تعالیٰ کے محبوب بندوں میں ہو۔ صحابہ کرام نے اس کا بہترین عملی مظاہرہ کیا۔ جس سے اسلامی مملکت کو بڑا فائدہ پہنچتا رہا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

11- اموال فاضلہ

دیگر تمام اقسام کی آمدنیوں کے علاوہ جو بھی متفرق وصولیاں بیت المال کی ملک قرار دی جائیں انہیں اموال فاضلہ کہا جاتا ہے۔ مثلاً کوئی ذمی یا مسلمان انتقال کر جائے اور اس کا مال لاوارث ہو تو اسے بیت المال میں جمع کرا دیا جاتا ہے۔ اسی طرح جب کوئی ذمی بغاوت کر کے یا کوئی مسلمان مرتد ہو کر دارالحرب سے فرار ہو جائے تو ان کا سارا مال ضبط ہو جاتا ہے۔

12- نوائب وضرائب

زمانہ جنگ، قحط سالی، طغیانی، دیگر ناگہانی آفات سے پیدا شدہ مسائل کو حل کرنے کے لیے زکوٰۃ اور صدقات کے علاوہ جو ٹیکس اہل ثروت پر لگائے جاتے ہیں انہیں نوائب وضرائب کہا جاتا ہے۔ اسلامی نظام معیشت میں جتنے بھی محصول کیے جاتے ہیں اور ان کا مقصد صرف مفاد عامہ ہوتا ہے۔

13- کراء الارض

ایسی سرکاری زمین جس پر نہ عشر لیا جاتا ہے اور نہ ہی خراج بلکہ حکومت اس زمین کو سالانہ اجرت پر کاشت کے لیے دے اس سے حاصل شدہ محصول کراء الارض کہلاتا ہے۔ یہ عام طور پر ایسی زمین ہوتی ہے جو لاوارث ہو یا لشکر کسی کے بعد مسلمانوں کے لیے وقف کر کے اجیروں کو اجرت پر دی جائے۔

14- معدنی ذخائر

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

"اور زمین میں برکت رکھی اور چاروں طرف اس کے اندر ایک خاص انداز سے خوراکیں رکھ دیں جن سے ضرورت منداپنی ضرورت کے مطابق فائدہ اٹھائیں گے۔"

اس سے پتہ چلتا ہے کہ زمین میں جتنے بھی معدنی ذخائر ہیں ان پر کسی شخص کا انفرادی قبضہ نہیں ہوسکتا ہے۔ یہ تمام قوم کی ملکیت ہوتے ہیں۔ اسلامی ریاست ان ذخائر سے حاصل شدہ آمدنی کو افراد مملکت کی بہتری کے لیے ان کی ضروریات کے مطابق خرچ کر سکتی ہے۔

15- متفرق ذرائع

مندرجہ بالا ذرائع آمدنی کے علاوہ اسلامی مملکت مزید وسائل اور ذرائع پیدا کر سکتی ہے۔ آمدنی کے ذرائع

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زمانے کے تقاضوں کے مطابق پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ لہٰذا ان سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اسلامی مملکت کو مضبوط اور مستحکم بنایا جا سکتا ہے۔

4.4- اہم نکات

1- اسلامی معاشی نظام ایک بہتر اور خوشحال معاشرے کی تشکیل کرتا ہے اور معاشی انصاف اور استحکام کی ضمانت دیتا ہے۔

2- قرآن مجید تعلیم دیتا ہے کہ دولت صرف حلال طریقوں سے حاصل کی جائے ،قرآن پاک کسب مال کے حرام طریقوں کو ممنوع قرار دیتا ہے۔ دولت جمع کرنے کو بھی ناپسندیدہ قرار دیا گیا ہے۔

3- قرآن انفاق فی سبیل اللہ،صدقہ ،زکوۃ کو بنیادی حیثیت دیتا ہے۔

4- قرآن پاک نے وراثت کا قانون مقرر کیا ہے۔

5- رزق فراہم کرنے والی ذات مبارک اللہ تبارک وتعالیٰ کی ہے، ناجائز مال اور جائز مال میں فرق بتایا گیا ہے۔ اسلام دولت کو خرچ کرنے کی ترغیب دیتا ہے جس سے مخلوق خدا کو فائدہ ہو۔

6- اللہ تعالیٰ نے حلال اور حرام کی واضح حدود مقرر کر دی ہیں۔

7- زکوۃ کو اسلام کے معاشی نظام میں روح کی سی اہمیت حاصل ہے۔

8- اموال مفتوحہ اور مال غنیمت کی منصفانہ تقسیم کے لیے قاعدہ مقرر کر دیا گیا ہے۔

9- اسلام سود سے پاک معاشرے کو ترجیح دیتا ہے۔ اسلام میں سود لینا اور سود دینا حرام ہے۔

10- اسلامی معاشی نظام میں ضرورت مند کی دوائی کے لیے قرضہ حسنہ مقرر کیا گیا ہے۔ اور اس نظام کے ڈھانچہ میں عاریت ، امانت اور صداقت کو خاص اہمیت دی جاتی ہے۔

11- اسلام ناجائز ذرائع سے حاصل کی ہوئی ملکیت کو درست تسلیم کرتا ہے۔

12- اسلامی حکومت میں سرکاری خزانہ کو بیت المال کہا جاتا ہے جہاں مالیت قوم کی امانت ہیں۔

13- اسلام فضول خرچی کو تسلیم نہیں کرتا بلکہ اعتدال کی راہ کو پسند کرتا ہے۔

14- اسلام مالیاتی پالیسی میں صحیح منصوبہ بندی کا قائل ہے اور پیشے کے انتخاب کے لیے کوئی خاص پابندی نہیں ہے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بلکہ ہر وہ کام جس کے ذریعے حلال روزی کمائی جا سکے، کرنے کی اجازت ہے۔

15- انسداد گرانی یا افراط زر کی روک تھام کے لیے اسلام نے قابل عمل ہدایات دے رکھی ہیں۔

16- اسلام میں اعداد و شمار کی اہمیت پر زور دیا گیا ہے تاکہ خلق خدا کی فلاح و بہبود پر سرمایہ خرچ ہو۔

17- اسلامی حکومت کے ذرائع آمدنی کے لیے زکوٰۃ، عشر، خراج، جزیہ، مال غنیمت، فئے، خمس، اوقاف، اموال فاضلہ، نوائب وضرائب، کراء الارض، معدنی ذخائر کو مقرر کیا گیا ہے۔ جو اسلامی مملکت کو مضبوط اور مستحکم بناتے ہیں۔

18- مالِ غنیمت وہ مال ہے جو اسلامی حکومت کو دشمن کے ساتھ جنگ کے دوران حاصل ہو۔

19- اسلامی نظام معیشت میں تمام محصولات کا اصل مقصد صرف اور صرف مفاد عامہ ہے۔

20- معاشرے میں گردشِ زر کا رک جانا معاشرے میں طرح طرح کی برائیوں کو جنم دیتا ہے۔

4.5- خود آزمائی نمبر 4

سوال نمبر 1- مندرجہ ذیل فقرات غلط ہیں یا صحیح؟

1- قرآن دولت کے صحیح مصارف کا تعین کرتا ہے۔ صحیح / غلط

2- قرن پاک میں حلال اور حرام کی واضح حد بندی کی گئی ہے۔ صحیح / غلط

3- اسلام میں اس بات کی مکمل اجازت ہے کہ سرمایہ دار اپنے مال کو تجارتی، صنعتی اور زراعتی کاروبار میں نہ لگائیں۔ صحیح / غلط

4- معاشی توازن برقرار رکھنے کے لیے اسلام انسان کو اعتدال کی راہ بتاتا ہے۔ صحیح / غلط

5- مسلمانوں کی مملوکہ اراضی کے ایک بڑے حصے کی سالانہ مال گزاری خراج کہلاتا ہے۔ صحیح / غلط

سوال نمبر 2- مندرجہ ذیل خالی جگہ درست لفاظ سے پر کریں۔

1- اسلام مالیاتی پالیسی کے لیے .... کا قائل ہے۔

(1) منافع (2) عشر (3) صحیح منصوبہ بندی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

2- .... سازو سامان ہوتا ہے جو اسلامی حکومت کو دشمن کے ساتھ جنگ کے دوران حاصل ہوا ہو۔

(1) خمس (2) عشر (3) مالِ غنیمت

3- زکوٰۃ ہر صاحب نصاب پر .... فیصد سالانہ شرح کے حساب سے فرض ہے۔

(1) دو فیصد (2) ڈھائی فیصد (3) پونے تین فیصد

4- اسلام اور دیگر نظاموں میں سب سے بڑا فرق یہ ہے کہ اسلام نے سود کو .... قرار دیا۔

(1) حلال (2) حرام (3) آزمائش

5- ریاست کے بارے میں اسلام کا نقطہ نظر .... پر مبنی ہے۔

(1) احتساب (2) توازن و اعتدال (3) معاشرتی بہبو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

5- اسلام کا سیاسی اور قانونی نظام

اسلام کی آمد سے قبل حکومتوں پر نگاہ دوڑائیں تو ان میں ایک بات مشترک نظر آتی ہے اور وہ ہے ''مطلق العنانی''، یعنی شخصی بادشاہی۔ مصر، چین، فارس، ہندوستان غرض کرۂ ارض کے جس حصے پر بھی نظر ڈالیں جابر بادشاہ، بے مہار شہزادے اور موروثی حاکم انسانوں کی قسمت کے فیصلے کرتے نظر آتے ہیں۔ اسلام نے اس صورتحال کو یکسر بدل کر دنیا کو الہامی قوانین کی روشنی میں جمہور کی مرضی کے مطابق شورائی نظام کی بنیاد پر حکومت قائم کرنے کی تلقین کی اور دنیا کو حریت فکر اور آزادی رائے کی دولت عطا کی، دنیا کی تاریخ میں یونان اور روم کو کافی شہرت حاصل ہوئی تاہم یہ حکومتیں بھی اسلام کے مقابلے میں ناقص اجتماعی تصور کی حامل تھیں۔ یونانی ریاست کے بارے میں جرمن سیاست دان بلنخیلی لکھتا ہے

''اس حکومت کی حدود ارضی مختصر تھی، طاقت محدود تھی مادی حالت بہت حقیر اور اس کی حیثیت طفلانہ تھی۔''

افلاطون نے شخصی مؤتمری حکومت کی تائید کی اور لوگوں کو چار طبقوں میں تقسیم کیا۔

(1) حکمران طبقہ (2) فوجی طبقہ (3) کاریگر طبقہ (4) مزدور طبقہ

جبکہ اسلام نے تمام انسانوں کی برابری کا اعلان کیا ہے۔

''لوگ خواہ وہ اونچے طبقے کے ہوں یا معمولی طبقے کے، اللہ کے نزدیک سب برابر ہیں۔''

(عمر بن الخطاب)

پنڈت جواہر لال نہرو لکھتے ہیں

''اسلام کی سادگی سمجھ آنے والی حقیقت ہے۔ جمہوریت اور مساوات نے بنی نوع انسان پر اثر ڈالا۔ مطلق العنان بادشاہ اور انہی کی طرح خودسر ظالم مذہبی پیشوا انہیں کچل رہے ہیں وہ تنگ آ چکے تھے اور انقلاب کے لیے تیار تھے۔ اسلام یہ انقلاب لے آیا اور وہ اِن کے حق میں نعمت ثابت ہوا۔ نئی بھلائیاں ابھر آئیں اور پرانی برائیوں کا خاتمہ ہو گیا۔'' (بحوالہ جگ بیتی صفحہ 226)

اسلام میں ریاست کا مفہوم

سیاست کے لغوی مفہوم نگرانی اور ضروریات و حوائج کرنے کے ہیں جبکہ اصطلاح میں سیاسۃ القوم سے مراد

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قوم کی ضروریات مہیا کرنے، انہیں مصائب سے بچانے اور ان کی منفعت اور کامرانی کے لیے جملہ تدابیر اختیار کرنا ہے شریعت کی نظر میں قوم کی دنیوی اور اخروی سعادت اور بھلائی کے لیے جدوجہد اور مفید وسائل اختیار کرنا سیاست ہے۔

اسلام میں ریاست کی اہمیت

قرآن پاک ہمیں بتاتا ہے کہ بہت سے انبیاء علیہم السلام نے بذات خود سلطنت اور حکومت کے امور میں حصہ لیا ہے جیسے حضرت یوسفؑ، حضرت داؤدؑ، حضرت سلیمانؑ جبکہ بہت سے انبیاء علیہم السلام نے ظالم اور غیر فطری حکومتوں کی مخالفت کی اور علم و حکمت کی تعلیم کے ذریعے عوام اور حکومتوں کی اصلاح کا کام کیا جیسے حضرت موسیٰؑ کو حکم ہوا

''جاؤ فرعون کے پاس اس نے اللہ کے احکامات سے بغاوت کی ہے''

آخری پیغمبر خاتم النبین اُن تمام کمالات کے جامع تھے۔ آپ ﷺ نے مدینہ میں انسانوں کی دنیوی اور اُخروی کامیابیوں کی حامل مثالی حکومت قائم فرمائی آپ ﷺ نے فرمایا

''تم میں نبوت کی حکومت رہے گی، وہ ختم ہو جائے تو منہاج نبوت پر خلافت قائم ہوگی۔''

5.1- بنیادی اصول

اسلام کے سیاسی نظام کے بنیادی اصول مندرجہ ذیل ہیں۔

1- اقتدار اعلیٰ

اسلامی ریاست کسی مخصوص شخصیت یا چند اشخاص کے مخصوص گروہ حتیٰ کہ ریاست کے تمام شہریوں کے اقتدار اعلیٰ کو بھی تسلیم نہیں کرتی بلکہ اقتدار اعلیٰ صرف اللہ کے مخصوص کرتی ہے۔ قرآن اللہ کی مخلوق پر کسی مخلوق کو حکم چلانے کا حق نہیں دیتا۔ اقتدار اعلیٰ کی خصوصیت یہ ہے کہ مطلق العنان، لامحدود، ناقابل انتقال، منزہ عن الخاط جامع، بلاشرکت غیرے، ناقابل تقسیم اور مستقل اعلیٰ ہے۔

اسلامی ریاست میں اقتدار اعلیٰ کی حامل ذات خداوندی ہے جس میں وہ تمام خصوصیات پائی جاتی ہیں جو اقتدار اعلیٰ کے ساتھ منسوب کی جاتی ہیں۔ قرآن اللہ کو ان الفاظ میں مختار مطلق قرار دیتا ہے۔

''اس سے کوئی سوال نہیں کیا جا سکتا اور وہ کسی کے سامنے جوابدہ نہیں۔''

''وہ تمام اقتدار کا مالک ہے۔''

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''اس کے اختیار کو محدود کرنے والا کوئی نہیں''

''اس کی ذات خطا سے بالاتر ہے۔''

''وہ خالق ہے اور اس لیے حکم بھی اس کا چلے گا۔''

اسلامی ریاست کا سرچشمہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور عوام کو صرف اس کے اطاعت اور فرمانبردار بندوں کی حیثیت حاصل ہے بلکہ انسان اپنی فلاح و بہبود کو اتنی اچھی طرح خود نہیں سمجھ سکتا جس طرح خالق حقیقی سمجھتا ہے۔ان وجوہ کے پیش نظر اسلامی ریاست میں قانونی مقتدر اعلیٰ بھی اللہ ہے اور سیاسی اقتدار اعلیٰ بھی وہی ہے۔

-2 رسالت

اسلامی ریاست کا دوسرا بنیادی اصول یہ ہے کہ دنیا میں خدائی اقتدار اعلیٰ کی نمائندگی اس کے بھیجے ہوئے انبیاء علیہم السلام کرتے ہیں۔ دراصل ان ہی کے ذریعے خدائی قانون اور احکامات ہم تک پہنچتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اگر انہیں پیغمبرانہ منصب عطا کیا ہے تو ان کی غیر مشروط اطاعت بھی اپنے بندوں کے لیے لازم قرار دی ہے۔ اللہ نے جو بھی رسول بھیجا اس نے قرآنی الفاظ میں یہی اعلان کیا ہے

''اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔'' قرآن نے قطعی طور پر اس اصول کو واضح کر دیا ہے کہ

''ہم نے جو رسول بھی بھیجا ہے اسی لیے بھیجا ہے کہ اللہ کے اذن سے اس کی اطاعت کی جائے۔''

قرآن نے ان الفاظ میں رسول ﷺ کی اطاعت کو اللہ کی اطاعت قرار دیا

''جو رسول ﷺ کی اطاعت کرے اس نے دراصل اللہ کی اطاعت کی۔''

یہی نہیں بلکہ جو شخص رسول ﷺ کو آخری فیصلہ دینے والی اتھارٹی تسلیم نہ کرے قرآن اسے مسلمان نہیں قرار دیتا۔

-3 خلافت

اللہ تعالیٰ نے، جو اسلامی ریاست میں اقتدار اعلیٰ کا حامل ہے، بنی آدم کو زمین پر اپنا خلیفہ مقرر کیا ہے۔ خلافت یا نیابت کا یہ حق کسی فرد واحد کے لیے یا کسی خاندان کے لیے یا افراد کی کسی جماعت کے لیے مخصوص نہیں کیا گیا بلکہ وہ تمام لوگ جو اسلامی نظریہ حیات کے قائل ہیں جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو مقتدر اعلیٰ تسلیم کرتے ہیں جو اہل ایمان ہیں اور اللہ کے رسول ﷺ کے دیئے ہوئے قانون کو بالاتر قانون مانتے ہیں، انہیں خدا کی نیابت اور خلافت کا حق حاصل ہے۔ قرآن میں ارشاد ہے کہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''اللہ نے وعدہ کیا ہے ان لوگوں سے جنہوں نے تم میں سے ایمان قبول کیا اور عمل صالح کیا کو وہ ان کو زمین میں اپنا خلیفہ بنائے گا۔''

اس آیت سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام میں پاپائیت یا ظل سبحانی جیسی بادشاہت کی کوئی گنجائش نہیں۔ نہ تو اسلام نام نہاد قسم کے مذہبی رہنماؤں یا مذہبی پروہتوں کو حکمرانی کے اختیارات تفویض کرتا ہے اور نہ ہی کسی موروثی بادشاہ کو آسمانی حقوق کا حامل قرار دیتا ہے۔ اس کے برعکس اسلامی ریاست میں تمام اہل ایمان اور صالحین کو خدا کی خلافت کا منصب حاصل ہے اور وہ اپنوں میں سے کسی کو امیر یا صدر منتخب کر سکتے ہیں جو حکومت کا انتظام اسلامی نظریہ حیات کے مطابق چلا سکے۔

4- صدر ریاست

ہجرت ثانی کے بعد جب مدینہ منورہ میں پہلی اسلامی ریاست تشکیل دی گئی تو اس ریاست کے صدر بھی آنحضور ﷺ خود ہی تھے۔ ان کی حیثیت انتخابی صدر کی سی نہ تھی بلکہ وہ اللہ کی طرف سے مامور کیے گئے تھے۔ دس برس تک آپ ﷺ نے امارت یا صدارت کے فرائض سرانجام دیئے اور وصال کے وقت آپ ﷺ نے کسی کو قطعی طور پر اپنا جانشین مقرر نہیں کیا۔

5- طریق انتخاب

طریق انتخاب کے بارے میں صحابہ کرام کا جو طرز عمل رہا ہے اس کا اور دیگر تاریخی شواہد کا تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اسلامی ریاست کے نہ تو زبردستی امیر بن جانے کا حق حاصل ہے اور نہ ہی کسی خاندان یا انسانی گروہ کو منصب صدارت پر اجارہ داری حاصل ہے بلکہ صدر ریاست عام لوگوں کی مرضی سے منتخب ہونا چاہئے اور انتخاب کے وقت مسلمانوں پر کسی قسم کا جبر نہیں کیا جانا چاہئے۔ اب یہ سوال رہ گیا کہ مسلمانوں کی رائے کیسے معلوم کی جائے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام نے کوئی خاص طریق انتخاب مقرر نہیں کیا بلکہ وقت کی ضرورت اور حالات کے تقاضوں کے مطابق مختلف طریقے اختیار کیے جا سکتے ہیں جیسا کہ خلفائے راشدہ کے انتخاب میں کیے گئے لیکن یہ دریافت کرنا لازم ہے کہ کون سا شخص مکمل مکمل اعتماد کے قابل ہے۔

تاریخی حقائق سے صدر ریاست کی پوزیشن کے بارے میں جو اصول فراہم کیے جا سکتے ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

(الف) صدر ریاست صرف عوامی نمائندوں کے سامنے ہی جوابدہ نہ ہو بلکہ خود عوام بھی اس سے باز پرس کر سکیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(ب) صدر ریاست اپنے فرائض منصبی شوریٰ کے مشورے سے انجام دے۔

(ج) وہ اپنے اعمال کے لیے عوام کے آگے جواب دہ ہو۔

(د) نظام حکومت، پارٹی بازی سے بالا ہو۔

(ھ) حکومت کی ذمہ داریاں، واضح طور پر متعین ہوں۔

(و) عوام کے لیے حساب لینا اور خرابیوں کی نشاندہی کرنا آسان ہو۔

(ز) حکومت کی ذمہ داریاں ان لوگوں کے سپرد کی جائیں جو اسلامی اخلاق و کردار کے حامل ہوں۔

6- مجلس شوریٰ

اسلامی ریاست میں تمام اہم امور باہمی مشورے سے طے کیے جاتے ہیں۔قرآن میں بیان کیا گیا ہے۔ ''**وامرھم شوری بینھم**'' ارشاد باری تعالیٰ ہے'' اور جو اپنے رب کی آواز کو قبول کر لیتے ہیں اور نماز باجماعت ادا کرتے ہیں اور ان کا طریق یہ ہے کہ اپنے ہر معاملے کو باہمی مشورہ سے طے کرتے ہیں۔'' رسول اکرم ﷺ نے مدنی ریاست کے قیام سے قبل بھی اور اس کے بعد بھی تمام اہم امور صحابہ کے مشورے سے طے کیے اور جو مجلس شوریٰ ان کے عہد میں قائم ہوئی وہ بعد میں خلفائے راشدہ زمانے میں بھی قائم رہی۔

حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے

''مشورے کے بغیر خلافت کی کوئی حیثیت نہیں۔''

حضور ﷺ پر شب و روز وحی نازل ہوتی تھی اس لیے وہ مشورے کے محتاج نہ تھے پھر بھی آپ ﷺ کو مشورے کا حکم ہوا۔

ترجمہ: ''اور ان (صحابہ) سے مشورہ کرو اور جب بات پر تمہارا عزم قائم ہو جائے تو پھر اللہ پر بھروسہ رکھو اور اسے نافذ کرو۔''

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ ان آیات میں عزم سے کیا مراد ہے

''امیر کا اہل الرائے سے مشورہ کرنا اور پھر ان کے مشورے کا پابند ہونا ہی عزم ہے۔''

ان تاریخی شواہد سے یہ اصول ثابت ہوتا ہے کہ اسلامی ریاست کے صدر کو ارکان شوریٰ سے مشورہ کرنا چاہیے جو مندرجہ ذیل خصوصیات کے حامل ہوں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(الف) ارکان شوریٰ پر عوام کا مکمل اعتماد ہو۔

(ب) وہ مخلص دیانت دار اور عوام کے خیر خواہ ہوں۔

(ج) ان کی اہلیت اور صلاحیت سے لوگ پوری طرح مطمئن ہوں۔

(د) مجلس شوریٰ ایک ایسا ادارہ ہو جس کے ارکان کا سب کو علم ہو۔

(ھ) وہ ایسے لوگ ہوں جن کے شریک مشورہ ہونے سے حکومت میں عوام کی شمولیت کا حق ادا ہو سکے۔

ظاہر ہے کہ ان خصائص کے حامل وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو عوام کے نمائندے ہوں۔ آج کے حالات میں انہیں ذاتی صلاحیتوں کی بناء پر جماعت بندی کے تعصّبات سے بے نیاز ہو کر منصفانہ طریقوں سے منتخب کیا جا سکتا ہے۔

اسلامی ریاست میں مجلس شوریٰ کے ارکان کو اپنی رائے کا اظہار کرنے کی پوری آزادی حاصل ہوتی ہے۔ چاہے وہ صدر ریاست کی ذاتی رائے کے موافق ہو یا مخالف۔ اس اصول کی وضاحت کرتے ہوئے ایک موقع پر حضرت عمرؓ نے اہل شوریٰ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ

> ''میں نے آپ لوگوں کو جس غرض کے لیے تکلیف دی ہے وہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ مجھ پر آپ کے معاملات کی امانت کا جو بار ڈالا گیا ہے اسے اٹھانے میں آپ میرے ساتھ شریک ہوں۔ میں آپ ہی کے افراد میں سے ایک فرد ہوں اور آج آپ ہی لوگ وہ ہیں جو حق کا اقرار کرنے والے ہیں۔ آپ میں سے جس کا جی چاہے مجھ سے اختلاف کرے اور جس کا جی چاہے میرے ساتھ اتفاق کرے۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ آپ میری خواہش کی پیروی کریں۔''

7- صدر ریاست اور اہل شوریٰ کے اوصاف

صدر ریاست اور ارکان شوریٰ کے طریق انتخاب اور ان کے کام کی نوعیت کا جائزہ لینے کے بعد سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کن اوصاف کے مالک ہونے چاہئیں؟ اسلامی ریاست کی کامیابی اور ناکامی کا تمام تر انحصار اس بات پر ہے کہ اس کا نظام حکومت چلانے والے لوگ کس اہلیت کے حامل ہوں۔ قرآن اور حدیث کی روشنی میں انہیں مندرجہ ذیل اوصاف کا حامل ہونا چاہئے۔

(الف) پہلی اور بنیادی اہلیت یہ ہے کہ صدر ریاست اور ارکان شوریٰ مسلمان ہوں۔ قرآن میں ارشاد ہے کہ

''اے ایمان لانے والو اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور ان لوگوں کی جو تم سے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اولی الامر ہوں۔"

یعنی اولی الامر کا تم میں سے ہونا (مسلمان ہونا) لازمی شرط ہے۔

(ب) شوریٰ کی رکنیت کے لیے عاقل و بالغ ہونا بھی لازم ہے۔

"اور اپنے مال، جنہیں اللہ نے تمہارے لیے ہستی کا سہارا بنایا ہے، نادان لوگوں کے حوالے نہ کرو۔"

(ج) اولی الامر کا دارالسلام کا یعنی اسلامی ریاست کا باشندہ ہونا بھی چاہیے۔

"اور جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کر کے (دارالسلام میں) نہ آ گئے تمہارا ان کی ولایت میں کوئی حصہ نہیں جب تک کہ ہجرت نہ کریں۔"

(د) ان کے لیے متقی ہونا ایک اور شرط ہے۔

"تم میں سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو تم میں سے زیادہ متقی ہے۔"

(ر) اولی الامر کے اوصاف میں یہ بھی شامل ہے کہ وہ امانت دار ہو۔

"اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتیں (یعنی ذمہ داری کے مناسب) اہل امانت (یعنی امین لوگوں) کے سپرد کرو۔"

(ز) حکمران طبقے کے افراد کو علم میں فضیلت حاصل ہونی چاہیے اور جسمانی طور پر بہتر ہونا چاہیے۔

(ژ) وہ خود غرض نہ ہوں بلکہ اللہ کی یاد کرنے والے ہوں اور حدود اللہ سے آشنا ہوں۔

"کسی ایسے شخص کی اطاعت نہ کرو جس کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور جس نے اپنی خواہش نفس کی پیروی اختیار کر لی اور جس کا کام حدود آشنا نہیں ہے۔"

(ط) ایک اور ضروری شرط یہ ہے کہ وہ خود حکومت کا طلب گار نہ ہو۔

حدیث میں ہے کہ

"ہمارے نزدیک تم میں سے بڑا خائن وہ ہے جو خود اس کا (حکومت کا) طالب ہو۔"

8- اولی الامر کی اطاعت

قرآن نے اولی الامر کی اطاعت کو لازم قرار دیا ہے لیکن اس پر دو شرائط عائد کر دی ہیں۔ ایک یہ کہ اولی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الامر تم میں سے ہوں اور دوسرے یہ کہ ان کی اطاعت کا درجہ اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کے بعد رکھا گیا ہے یعنی ان کی اطاعت اس وقت تک ضروری ہے جب تک ان کا حکم اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے احکامات کے منافی نہ ہو۔ قرآن میں ارشاد ہے کہ

> "اے ایمان لانے والو! اطاعت کرو اللہ کی اطاعت کرو رسول کی اور ان لوگوں کی جو تم سے صاحب امر ہوں پھر اگر تمہارے درمیان کسی معاملے میں نزاع ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف پھیر دو اگر تم واقعی اللہ اور روز آخر پر ایمان رکھتے ہو۔"

اولی الامر کی اطاعت اور فرماں برداری مسلمانوں کے لیے ضروری قرار دی گئی ہے تاکہ زندگی کا نظام بہ حسن وخوبی چلتا رہے اور بے وجہ اس میں اختلافات واقع نہ ہوں لیکن اولی الامر کی یہ اطاعت خدا اور اس کے رسول ﷺ کے طابع ہے۔ اگر وہ کوئی ایسا حکم دیں جو قرآن وسنت کے خلاف ہو تو اس کی اطاعت نہیں کی جا سکتی حضور ﷺ کا ارشاد ہے

> "مسلمان کو لازم ہے کہ اپنے اولی الامر کی بات سنے اور مانے خواہ اسے پسند ہو یا ناپسند تاوقت یہ کہ معصیت کا حکم نہ دیا جائے اور جب اسے معصیت کا حکم دیا جائے تو پھر اسے نہ کچھ سننا چاہئے اور نہ ماننا چاہئے۔" (بخاری ومسلم)

اسلامی ریاست کا مقصد کسی شخص یا قوم کا اقتدار قائم کرنا نہیں بلکہ زندگی کا متوازن اور عادلانہ نظام متعارف کرانا ہے جو خدا کے پیغمبر دنیا میں پیش کرتے آئے ہیں اور جسے آخر نبی ﷺ نے کامل اور مکمل صورت میں دنیا والوں کے سامنے پیش کیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

> ترجمہ: "بلاشبہ ہم نے اپنے پیغمبروں کو روشن ہدایت دے کر بھیجا اور اُن کے ساتھ کتاب میزان اتاری تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں۔

احکام الٰہی کے مطابق لوگوں میں عدل وانصاف کا قیام اسلامی ریاست کے اولین مقاصد میں سے ہے۔

9- قانون کی حکومت

اسلامی ریاست میں قانون کی حکومت کے اصول پر عمل ہوتا ہے۔ قانون کی حکومت کے دو پہلو ہیں۔ عدل اور مساوات۔ ذیل میں ہم ان کو علیحدہ علیحدہ بیان کریں گے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(i) عدل: عدل کا تقاضا ہے کہ کسی بھی فرد، گروہ یا حکومت کو دوسرے افراد پر ایسی برتری حاصل نہ ہو جو ناانصافی کا باعث بنے۔ حکومت اور شہری دونوں پر قانون کو برتری حاصل ہو۔ حکومت کو کسی کی آزادی میں مداخلت کرنے کا اختیار صرف اسی وقت ہو جب کوئی شخص قانون شکنی کرے۔ مجرم کو سزا دینے کا اختیار باقاعدہ قانونی عدالت کو حاصل ہو اور کسی سزا کا حکم سنانے سے پیشتر ملزم کے خلاف کھلی عدالت میں مقدمہ چلایا جائے اور ملزم کو نکتہ نظر پیش کرنے کی کامل آزادی حاصل ہو۔ جب کھلی عدالت میں ملزم کے خلاف جرم ثابت ہو جائے اور سزا کا فیصلہ صادر کر دیا جائے تو اسے اختیار ہو کہ وہ عدالت عالیہ میں اپنی بے گناہی ثابت کرنے کی کوشش کرے۔

اصول عدل پر عمل کرنے سے اس بات کی گنجائش نہیں رہ جاتی کہ حکومت اپنی انتظامی مصلحتوں کی خاطر شہریوں کی آزادی سلب کر سکے اور انہیں عدالت میں مجرم ثابت کیے بغیر قید و بند میں ڈال سکے یا ان کے خلاف یکطرفہ کارروائی کر سکے۔ سورہ مائدہ میں ارشاد خداوندی ہے

''پس تم لوگوں کے درمیان اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلے کرو۔''

اسی سلسلے میں قرآن کے ان لوگوں کو کافر، ظالم اور فاسق قرار دیا ہے جو اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلے نہ کریں۔ اسی طرح حدیث نبوی میں ارشاد ہے کہ

''تم پر لازم ہے کہ کتاب اللہ کی پیروی کرو۔ جس چیز کو اس نے حلال کیا ہے اسے حلال سمجھو اور جسے اس نے حرام کیا ہے اسے حرام سمجھو۔''

(ii) مساوات: قانون کی حاکمیت کا دوسرا پہلو مساوات ہے۔ مساوات سے مراد یہ ہے کہ عام شہریوں اور حکومت کے ارکان کے لیے ایک ہی قانون نافذ ہو۔ ان کے مقدمات کی سماعت کے لیے ایک ہی عدالتی نظام ہو اور ہر فریق مقدمہ کے ساتھ عدالت میں مساویانہ سلوک برتا جائے۔ دوسرے الفاظ میں قانون کا اطلاق سب پر مساوی ہو اور قانون کی نظروں میں سب لوگ مساوی ہوں۔ اسلامی ریاست میں ادنیٰ ترین آدمی سے لے کر صدر ریاست تک سب پر قانون کا یکساں طور پر اطلاق ہوتا ہے۔ اس میں کسی کے ساتھ امتیازی سلوک کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ حلال و حرام جائز و ناجائز گناہ و ثواب حقوق و فرائض کے معاملہ میں سب شہری برابر ہیں اور کسی کو دوسرے پر فوقیت یا برابری حاصل نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ

''تم سے پہلے جو امتیں گزری ہیں وہ اسی لیے تباہ ہوئیں کہ وہ لوگ کم تر درجے کے مجرموں کو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قانون کے مطابق سزا دیتے تھے اور اونچے درجے والوں کو چھوڑ دیتے تھے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے اگر محمد ﷺ کی اپنی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں ضرور اس کا ہاتھ کاٹ دیتا۔"

(10) ماخذ قانون

مختلف ماخذ سے جو قانونی اصول فراہم ہوتے ہیں ان کے مجموعے کو اسلامی اصطلاح میں فقہ کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ اسلامی قانون قرآن وسنت اور عملی تشریحات کی صورت میں تحریری طور پر موجود ہے۔

خدائی قانون میں عبادات، خاندانی نظام، معاشرتی انصاف، اقتصادی نظام، سیاسی زندگی اور تغیرات کے بارے میں اصول وضوابط ملتے ہیں۔ قرآنی آیات نوعیت کے اعتبار سے دو قسم کی ہیں۔ محکمات اور متشابہات۔ محکمات میں امر و نہی کے بارے میں قطعی اور واضح احکامات موجود ہیں جبکہ متشابہات وہ آیات ہیں جن کی توضیح کرنا پڑتی ہے۔ اسلامی قانون زیادہ تر محکمات میں بیان کیا گیا ہے۔ اسلامی قانون کو چار درجوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے جو مندرجہ ذیل ہیں۔

اولاً۔ فرائض: وہ اعمال جن کا قطعی حکم موجود ہو اور جن کے کرنے پر جزا اور نہ کرنے پر سزا مقرر ہو۔ بعض فرائض انفرادی کے ہیں مثلاً روزہ اور بعض اجتماعی نوعیت کے مثلاً جہاد۔

ثانیاً مستحب: وہ اعمال جن کی سفارش کی گئی ہو۔ ان کے کرنے پر ثواب مقرر ہو لیکن نہ کرنے پر کوئی عذاب نہ ہو۔

ثالثاً مباح: وہ اعمال جو بنیادی اہمیت کے حامل نہ ہوں، ان کے کرنے پر ثواب مقرر نہ ہو اور نہ کرنے پر عذاب بھی مقرر نہ ہو۔

رابعاً۔ حرام: وہ باتیں جو قطعی طور پر ممنوع ہوں جن کے کرنے پر شدید عذاب مقرر ہے۔

اسلامی قانون کے ماخذ مندرجہ ذیل ہیں۔

(الف) قرآن: اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے جو آیات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیں ان کے مجموعہ کو قرآن کہا جاتا ہے۔ قرآن کے لیے اپنے الفاظ میں یہ ہدایت اور رہنمائی کی کتاب ہے، جس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ قرآن حکیم ایک سو چودہ سورتوں پر مشتمل ہے جن میں سے بعض طویل ہیں اور بعض مختصر۔ قرآن کو تیس حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ہر حصے کو پارہ کہا جاتا ہے۔ قرآن کی سورتیں ابواب کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حیثیت رکھتی ہیں۔لہٰذا بعض سورتیں کئی پاروں تک پھیلی ہوئی ہیں اور بعض اوقات ایک پارے میں کئی سورتیں آ گئی ہیں۔قرآن کی اساس ان آیات پر ہے جنہیں محکمات میں شمار کیا جاتا ہے۔متشابہات کے ضمن میں آنے والی آیات کی تفسیر کے ذریعہ تعبیریں کی گئی ہیں۔اسلامی قانون کے تمام بنیادی مسائل محکمات میں بیان کیے گیے ہیں۔

(ب) سنت: قرآن کے بعد اسلامی قانون کا سب سے اہم ماخذ سنت کہلاتا ہے۔سنت کے لغوی معنی ہیں طرز عمل، مسلک، قاعدہ، طریقہ یا راستہ، اسلامی اصطلاح میں سنت سے مراد سنت رسول لی جاتی ہے، یعنی وہ طریقہ یا قاعدہ جو رسول کی پیروی میں اختیار کیا جائے۔وہ اعمال جو رسول اللہ نے امت کو کر کے دکھائے، سنت کے ضمن میں آتے ہیں۔وہ اقوال جن کے ذریعہ آپ ﷺ نے امت کو کسی عمل کی تلقین کی احادیث کہلاتی ہیں۔ حدیث کے لغوی معنی ہیں 'قول'۔لیکن رسول ﷺ کے قول و فعل کو سنت ہی کہا جاتا ہے۔سنت رسول ﷺ کا ذخیرہ احادیث نبوی میں محفوظ ہے۔اس لیے مواد کے اعتبار سے سنت اور حدیث ایک ہی چیز ہیں۔سنت رسول کا تذکرہ احادیث میں کیا گیا ہے۔راویوں کا سلسلہ ہر حدیث کو بالآخر آنحضور ﷺ تک پہنچا دیتا ہے۔ قرآن کتاب الہدیٰ ہونے کی وجہ سے ہمہ گیر اصولوں اور فرائض کا ذکر کرتا ہے۔ان اصولوں کی وضاحت اور اس عبارت کی تفصیل سنت کے ذریعے ہوتی ہے۔لہٰذا اکثر مذہبی ارکان کا تفصیلی ذکر قرآن میں نہیں آتا، مثلاً قرآن میں نماز جیسے اولین فریضہ کی تفصیلات موجود نہیں اور ان کی وضاحت احادیث میں ملتی ہے۔ رسول اللہ پیغمبر خدا ہونے کی حیثیت سے جہاں قانون الٰہی بندوں تک پہنچانے کے ذمہ دار تھے، وہاں اس قانون کے مطابق ایک معاشرتی، سیاسی، اخلاقی اور اقتصادی نظام رائج کر کے دکھانا بھی ان کا کام تھا۔لہٰذا قرآنی نظام کو رائج کرتے وقت انہوں نے قول و فعل سے اس کی توضیح و تشریح کی اور جن معاملات میں قرآن نے تفصیل فراہم نہیں کی۔ان کے بارے میں آپ نے سنت کے ذریعے تفصیل مہیا کر دی۔آپ نے اسلامی نظام حیات قائم کرتے وقت ہزاروں نکات کی تشریح فرمائی۔

یہی وجہ ہے کہ محدثین نے احادیث نبوی کو بڑی محنت اور عرق ریزی سے جمع کیا اور ان کی روایت اور متن کو باقاعدہ طور پر پرکھا۔قرآن میں تحریف ناممکن ہے لیکن حدیث کے بارے میں ایسا نہیں۔یہی وجہ ہے کہ کسی حدیث پر عمل کرنے سے بیشتر، اس کی صحت کا یقین کر لینا ضروری ہے۔محدثین نے حدیث کو جانچنے کے اصول متعین کیے ہیں۔ہر حدیث کے دو حصے ہوتے ہیں ایک روایت کا سلسلہ اور دوسرا حدیث کا متن۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

روایت کو پرکھنے کا یہ اصول ہے کہ راویوں کا سلسلہ کسی مقام پر ٹوٹنے نہ پائے۔ تمام راوی حقیقی ہوں، قابل اعتبار ہوں، نیک مخلص اور متقی مسلمان ہوں۔ روایت کو پرکھنے کے لیے راوی کی سیرت اور اس کے عہد کا علم ضروری ہے۔ اگر راوین ہر لحاظ سے قابل اعتبار ہو تو پھر حدیث کے متن کا جائزہ لیا جانا چاہئے تا کہ اس کا مفہوم کسی حکم الٰہی، آیت قرآنی یا اسلام کے بنیادی اصول کے منافی نہ ہو۔ حدیث کیوں کہ قرآن کی تشریح کرتی ہے اس لیے اس کا مفہوم قرآن کے منافی نہ ہونا چاہئے۔

(ج) اجتہاد: قرآن وسنت کے بعد اسلامی قانون کا تیسرا ماخذ اجتہاد ہے۔ یہ لفظ 'جہد' سے مشتق ہے جس کے معنی انتہائی کوشش اور کاوش کے ہیں ج اصطلاحی معنوں میں اجتہاد سے مراد یہ ہے کہ اپنی تمام صلاحتیں اور قابلیتیں کسی قانونی مسئلہ کے حل میں اس طرح صرف کر دینا کہ نتیجہ اسلامی مزاج سے ہٹنے نہ پائے۔ جب قرآن و سنت میں کسی مسئلے کے حل کے لیے واضح رہنمائی نہ ملے تو فیصلہ کرنے کے لیے اجتہاد کیا جاتا ہے۔ عہد نبوی میں خود رسول اللہ نے اور صحابہ کرام نے اجتہاد سے کام لیا۔ خلفائے راشدین نے اجتہاد کی تمام تر ذمہ دار خود نہیں اٹھائی بلکہ ارکان شوریٰ کے سامنے ہر اہم مسئلہ پیش کیا جاتا اور انہیں کے مشورہ سے تمام فیصلے کئے جاتے۔ ارکان شوریٰ اولاً قرآن کی روشنی میں فیصلہ کرتے اس کے بعد حیث سے رہنمائی لیتے اور ان دونوں کے بعد اجتہاد سے کام لیتے لیکن اجتہاد قرآن وسنت ہی میں بیان کردہ اصولوں میں استدلال کے مترادف ہوتا ہے۔

(د) اجماع: اس لفظ کا مادہ جمع ہے یعنی جمع ہونا، اکٹھا ہونا۔ اصطلاحی معنوں میں اجماع سے مراد کسی تصفیہ طلب امر کو سلجھانا اور طے کرنا ہے۔ جب کسی قانونی مسئلہ پر کسی دور کے مجتہدین اور ماہرین قانون اتفاق کر لیں تو وہ اجماع ہوگا۔ اجماع دراصل اجتہاد ہی کی ایک شکل ہے۔ اجتہاد اور اجماع کے ذریعہ جو قانون طے کیے جاتے ہیں بعد میں ان کی ترمیم بھی کی جا سکتی ہے۔

(ھ) قیاس: اسلامی قانون کا چوتھا ماخذ قیاس ہے۔ قیاس سے مراد عدل، انصاف اور مساوات ہے۔ قیاس دراصل ایسا عمل ہے جو عدالتوں کے ذریعہ قانون کا ماخذ ہوتا ہے۔ عدالتوں کا عام طور پر یہ فرض ہوتا ہے کہ مقننہ کے بنائے قانون کے مطابق مختلف مقدمات کا فیصلہ کریں۔ اسلامی ریاست کی عدالتیں قانون کے بنائے ہوئے قانون کے مطابق مختلف مقدمات کا فیصلہ کریں۔ اسلامی ریاست کی عدالتیں قانون الٰہی کے مطابق فیصلے دیتی ہیں اور قرآن وسنت میں قانون الٰہی بیان کیا گیا ہے۔ جس معاملے میں قرآن وسنت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خاموش ہوں، وہاں اجتہاد اور اجماع کے ذریعہ مقنّنہ یعنی مجلس شوریٰ قانون سازی کر سکتی ہے لیکن عدالت میں ایسے مقدمات بھی زیر سماعت آ سکتے ہیں جن پر مقنّنہ کے کسی قانون کا اطلاق نہ ہوتا ہو یا جہاں کسی قانون کا اطلاق جج کی صوابدید پر مبنی ہو۔ ایسے مواقع پر جج اصول عدل کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے قانون کی رو کے مطابق فیصلہ صادر کر سکتا ہے۔ یہ فیصلہ بعد میں قانون کی حیثیت حاصل کر لیتا ہے اور اس قسم کے مقدمات کا عدالتیں ویسا ہی فیصلہ کرنے لگتی ہیں لیکن جو قانون قیاس پر مبنی ہوا سے قرآنی قانون کی طرح قطعیت حاصل نہیں ہوتی بلکہ اس میں ترمیم کی جا سکتی ہے۔

11- حکومت کے اختیارات

اسلامی ریاست اللہ کی خلافت ہے اور اس میں اللہ ہی اقتدار اعلیٰ کا حامل ہوتا ہے۔ خدا کی قانونی برتری کا تقاضا ہے کہ اسلامی ریاست خدا کے مقرر کردہ حدود کے اندر کام کرے، لہذا قرآن حکیم میں آتا ہے کہ

''یہ اللہ کی حدیں ہیں ان سے تجاوز نہ کرو۔''

اور پھر ارشاد ہوا ہے کہ

''اور جو لوگ اللہ کی حدود سے تجاوز کریں وہی ظالم ہیں۔''

کسی ریاست کا نظم و نسق چلانے کے لیے حکومت تین قسم کے اختیارات استعمال کرتی ہے۔ اور ان اختیارات کے حامل حکومت کے تین علیحدہ شعبے قائم ہوتے ہیں۔ مقنّنہ ریاست کے لیے قانون سازی کرتی ہے۔ انتظامیہ قوانین کے نفاذ کی ذمہ دار ہوتی ہے۔ ملکی نظم و ضبط قائم رکھتی ہے اور عدلیہ قانون کے مطابق مقدمات کے فیصلے کرتی ہے۔ اسلامی ریاست میں بھی حکومت کو کم و بیش یہی تین اختیارات حاصل ہوتے ہیں۔

12- عدلیہ کے فرائض

اسلامی ریاست میں عدلیہ کو مکمل طور پر خود مختاری حاصل ہوتی ہے اور انتظامیہ کی خواہشات اور مصلحتیں انصاف پر اثر انداز نہیں ہو سکتیں۔ اگرچہ ریاست ججوں اور مجسٹریٹوں کا تقرر کرتا ہے تاکہ وہ دیوانی اور فوجداری مقدمات کا فیصلہ کریں لیکن عدلیہ کے اختیارات سے وہ خود بھی مستثنیٰ نہیں۔

ججوں کے لیے لازم ہے کہ وہ قرآن و سنت کے مطابق مقدمات کا فیصلہ کریں۔ فریقین مقدمہ کے ساتھ برابری کا سلوک کریں اور شہریوں کی آزادی اور حقوق کا پوری طرح تحفظ کریں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں حکم دیا ہے کہ

''پس تم لوگوں کے درمیان اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلے کرو اور اس حق کو چھوڑ کر جو تمہارے پاس آیا ہے لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کرو۔''

لہٰذا جوں کا تقرر کرتے وقت صدر ریاست اطمینان کر لیتا ہے کہ جس شخص کو وہ عدلیہ کے کسی عہدے پر فائز کر رہا ہے وہ قابلیت، اہلیت اور صلاحیت کے لحاظ سے اس منصب کے لیے موزوں ہے۔ خلفائے راشدین قاضیوں کو سختی سے ہدایت کرتے تھے کہ وہ انصاف کرتے وقت امیر وغریب میں کوئی امتیاز نہ برتیں اور ہر شخص کی ان تک آسانی رسائی ہو سکے۔ علاوہ ازیں خلفائے راشدہ اس بات کا اہتمام بھی کیا کرتے تھے کہ قاضی اچھی تنخواہ پائیں، تنگ دستی سے بے نیاز ہوں اور اپنے گھریلو معاملات بھی مطمئن زندگی بسر کر رہے ہوں۔ اس بات پر اس لیے توجہ دی جاتی تھی تاکہ قاضی دولت یا دیگر کے لالچ میں آ کر انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے۔ تمام مادی ضرورتوں سے بے نیاز ہو کر ہی وہ صحیح معنوں میں انصاف کے تقاضے پورے کر سکتا ہے۔

13- مقنّنہ کے فرائض

قانون سازی کے معاملے میں اسلامی ریاست کا پہلا اصول یہ ہے کہ اللہ کے احکامات اور رسول کی تعلیمات قانونی لحاظ سے مقتدر اعلیٰ کی حامل ہیں۔ اس لیے اللہ کے احکامات اور رسول ﷺ کی سنت میں جو بھی ہدایات شامل ہیں، اسلامی ریاست میں ان کا نفاذ لازم ہے۔ لہٰذا قرآن میں ارشاد ہے کہ

''اور کسی مومن مرد اور عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ اللہ اور رسول ﷺ جب کسی معاملے کا فیصلہ کر دیں تو ان کے لیے پھر خود اپنے معاملے میں فیصلہ کرنے کا اختیار باقی رہ جائے اور جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرے وہ کھلی گمراہی میں پڑ گیا۔''

اسلامی ریاست کی مقنّنہ اس واضح حکم کے منافی کوئی قدم اٹھائے گی تو وہ غیر آئینی ہوگا۔ اگر پوری مجلس شوریٰ (مقنّنہ) مل کر بھی قرآن وسنت کے کسی حکم کو بدلنا چاہے تو وہ اس کی مجاز نہ ہوگی کیونکہ اسلامی ریاست میں سیاسی اقتدار اعلیٰ ابھی مقدر اعلیٰ (یعنی خدا) کے پاس ہوتا ہے۔

اسلامی ریاست میں مقنّنہ کی جب یہ پوزیشن ہے تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون سے فرائض سرانجام دیتی ہے؟ اسلامی ریاست میں قانون ساز ادارہ مندرجہ ذیل فرائض انجام دیتا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اولاً جن معاملات میں کتاب وسنت میں واضح اور قطعی احکامات موجود ہیں اگرچہ مقنّنہ انہیں بدل نہیں سکتی لیکن ان کے نفاذ کے لیے ضروری قواعد وضوابط مقرر کر سکتی ہے۔ ثانیاً کتاب وسنت کے جن احکامات کی ایک سے زیادہ تعبیریں ممکن ہوں اور ان میں مقنّنہ فیصلہ کرتی ہے کہ کون سی تعبیر کو قانون کا درجہ دیا جائے۔ لیکن مقنّنہ کو تعبیر کی حد سے بڑھ کر تحریف کرنے کا اختیار ہرگز نہیں۔ ثالثاً جن معاملات میں کتاب وسنت میں کوئی احکامات موجود ہوں، ان میں مقنّنہ اسلامی روح کے مطابق نئے قوانین بنا سکتی ہے یا پھر فقہی مسالک میں سے کسی مسلک کو قانونی حیثیت دے سکتی ہے۔ رابعاً جن معاملات میں کتاب وسنت میں کسی قسم کی رہنمائی نہیں ملتی، ان کے بارے میں مقنّنہ مناسب قانون بنانے کا اختیار رکھتی ہے۔ لیکن یہاں بھی شرط یہ ہے کہ وہ قانون کتاب وسنت کے کسی اصول یا حکم کے خلاف نہ ہو۔

مقنّنہ قانون سازی میں اور انتظامیہ کو مشورے دینے اور پالیسی مرتب کرتے وقت ان چار اصولوں پر عمل کرتی ہے۔ انتظامیہ کو اسلامی ریاست میں مقنّنہ کے سامنے جوابدہ بھی قرار دیا جا سکتا ہے لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہوگا کہ انتظامیہ خدا یا امت کے سامنے جوابدہ نہیں رہی۔

14- انتظامیہ کے فرائض

اسلامی ریاست کی انتظامیہ کا بنیادی فرض یہ ہے کہ احکام خداوندی کو نافذ کرے اور اس کے لیے معاشرے میں مناسب ماحول پیدا کرے۔ یہی چیز اسلامی ریاست کی انتظامیہ کو دوسری ریاستوں کی انتظامیہ سے ممتاز کرتی ہے اور اسی لیے اولی الامر کی اطاعت کو قرآن نے اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کے ساتھ مشروط کر دیا ہے۔ حدیث نبوی صلعم میں اس بات کو پوری طرح واضح کر دیا گیا ہے۔

"اگر تم پر کوئی نکٹا غلام بھی امیر بنا دیا جائے جو کتاب اللہ کے مطابق تمہاری قیادت کرے تو اس کی سنو اور اطاعت کرو۔"

انتظامیہ کا اگر ایک طرف یہ فرض ہے کہ وہ خدا اور رسول ﷺ کی اطاعت کرے تو دوسری طرف اس کے لیے یہ حکم ہے کہ مسلمانوں کے اجتماعی معاملات باہمی مشورے سے انجام پانے چاہئیں۔ یہ اصول اتنا اہم ہے کہ اللہ تعالیٰ بحیثیت صدر ریاست خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیتا ہے کہ

"اور ان سے معاملات میں مشورہ کرو۔ پھر (مشورے کے بعد) جب تم عزم کر لو تو اللہ کے بھروسے پر عمل کرو۔"

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسلامی ریاست حکومت کے اختیارات کو خدا اور مسلمانوں کی امانت قرار دیتی ہے لہٰذا کوئی حکام من مانے طریقے پر یا اپنی ذاتی اعرض کی تسکین کے لیے حکمرانی کا مجاز نہیں۔

قرآن میں ارشاد ہے کہ

"اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہل امانت کے سپرد کرو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو۔ اللہ تمہیں اچھی نصیحت کرتا ہے یقیناً اللہ سب کچھ سننے والے اور دیکھنے والا ہے۔"

15- نظریہ قومیت

اسلام قومیت کے ایسے کسی تصور کو تسلیم نہیں کرتا جس کی بنیاد وطنی، نسلی، لسانی، اقتصادی ثقافتی یا کسی مادیت و عصبیت پر قائم ہو۔ اسلامی قوم یا اسلامی پارٹی میں ہر وہ شخص شامل ہو جاتا ہے، جو اسلامی نظام حیات پر ایمان لے آئے۔ دوسرے الفاظ میں اسلامی ریاست میں قومیت نظریہ اسلام کی بنیاد پر قائم ہوتی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کے ساتھ حضرت سلمان فارسی، حضرت بلال حبشی اور حضرت صہیب رومی رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی یکساں طور پر ایک ہی قوم کے افراد تھے۔ حالانکہ ان میں نسلی، خاندانی، وطنی، لسانی اختلافات پائے جاتے تھے۔ اس کے برعکس ابوجہل اور دوسرے مشرکین مکہ اس قوم سے خارج تھے حالانکہ وہ بھی قبیلہ قریش کے افراد تھے۔ عربی زبان بولتے تھے اور اسی ملک میں پیدا ہوئے تھے۔ اسلامی نظریہ بھائی بھائی، باپ بیٹا اور دوست دوست میں قومی اختلافات پیدا کر سکتا ہے اور دنیا کے مختلف ممالک کے افراد کو ایک ہی قومی رشتہ میں منسلک کر سکتا ہے۔ تمام عصبیتیں اسلام پر قربان کی جا سکتی ہیں۔ لہٰذا قرآن مسلمانوں سے یوں خطاب کرتا ہے کہ

"تم سب مل کر اللہ کی رسی کو تھامے رہو اور آپس میں متفرق نہ ہو جاؤ۔ اپنے اور اللہ کے احسان کو یاد رکھو کہ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے اس نے تمہارے دلوں میں باہمی الفت پیدا کر دی اور تم اس کی نعمت (اسلام) کی بدولت بھائی بھائی بن گئے۔ تم (آپس میں مصیبت کی بدولت) آگ سے بھرے ہوئے ایک گڑھے کے کنارے کھڑے تھے۔ اللہ نے تم کو اس سے بچا لیا۔"

اسی سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ

"مسلمانوں کے ساتھ مسلمان کا تعلق ایسا ہے جیسے ایک دیوار کے اجزاء جن میں سے ہر ایک دوسرے سے قوت پاتا ہے۔"

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسلام میں قوم کو حزب، جماعت اور ملت کے ناموں سے موسوم کیا گیا ہے مثلاً احادیث میں یوں آتا ہے کہ

''جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہے جو اس سے بچھڑا وہ آگ میں گیا۔''

''جو ایک بالشت بھر بھی جماعت سے جدا ہوا اس نے اسلام کا حلقہ اپنی گردن سے اتار پھینکا۔''

''جو تمہاری جماعت میں تفریق پیدا کرنے کی کوشش کرے اس کو قتل کر دو۔''

قرآن تمام انسانی آبادی کو دو پارٹیوں میں تقسیم کرتا ہے۔ ایک حزب اللہ اور دوسری حزب الشیطان۔

''شیطان ان پر غالب آ گیا اور اس نے خدا سے ان کو غافل کر دیا۔ وہ شیطان کی پارٹی کے لوگ ہیں اور جان رکھو کہ شیطان کی پارٹی آخر کار نامرادہی رہنے والی ہے۔''

''یہ اللہ کی پارٹی کے لوگ ہیں اور جان رکھو کہ آخر کار اللہ کی پارٹی والے ہی فلاح پانے والے ہیں۔''

''تم وہ بہترین امت ہو جسے نوع انسانی کے لیے نکالا گیا ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو، بدی سے روکتے ہو اور خدا پر ایمان رکھتے ہو۔''

اسلامی قومیت جغرافیائی، لسانی، ثقافتی، نسلی، اقتصادی اور تاریخی بنیادوں پر نہیں بنتی بلکہ دین کی بنیادوں پر قائم ہوتی ہے۔ اسلامی نظریہ حیات مسلمانوں کو ایک ملی اور جماعتی رشتے میں منسلک کر دیتا ہے۔ کفر و اسلام کے علاوہ تفریق کی اور کسی صورت کو اسلام تسلیم نہیں کرتا۔

-16 شہریت

اسلامی ریاست میں شہریت کی دو اقسام ہیں، مسلم اور ذمی۔

(i) **مسلم:** شہری کے دو خصائص بیان کیے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ وہ اسلام پر ایمان لایا ہو اور دوسرا یہ کہ وہ اسلامی ریاست کی پہلے سے رعایا ہو یا بن جائے۔ اگر کوئی شخص ایمان لانے کے بعد کفر کی اطاعت ترک کر کے دارالسلام میں ہجرت نہ کر آئے تو وہ محض مسلم ہونے کی بناء پر اسلامی ریاست کا شہری نہیں کہلا سکتا۔ لہٰذا قرآن میں ارشاد ہوتا ہے کہ:

''جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور اپنی جان و مال سے راہ خدا میں جہاد کیا اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جن لوگوں نے ان کو جگہ دی اور ان کی مدد کی وہ ایک دوسرے کے ولی ہیں۔ اور جو لوگ ایمان لائے مگر ہجرت کر کے نہ آئے تمہارے لیے ان کی ولایت میں سے کچھ نہیں ہے۔ جب تک کہ وہ ہجرت نہ کریں۔"

یہی مسلم شہری ہیں جن پر اسلامی ریاست کی تمام تر ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ وہ اسلام کے تمام احکامات کے پابند ہوتے ہیں۔ چاہے ان کی نوعیت اقتصادی، اخلاقی، مذہبی ہو یا سیاسی ہو۔ وہی ریاست کے صدر اور مجلس شوریٰ کا انتخاب کرنے اور ان عہدوں پر منتخب ہونے کے مجاز ہیں۔ وہ اسلامی ریاست کے دفاع کے ذمہ دار ہیں اور وہی ریاست کی پالیسی مرتب کرنے کا حق رکھتے ہیں۔ صدر ریاست اور اراکین شوریٰ کے علاوہ گورنر، جج، وزیر یا فوجی کمانڈر بھی وہی بن سکتے ہیں غرضیکہ اسلامی ریاست کے مسلم شہریوں کو تمام شہری اور سیاسی حقوق حاصل ہیں اور ان پر تمام شہری اور سیاسی فرائض ادا کرنے کی ذمہ دار عائد ہوتی ہے۔

(ii) ذمی: شہریوں کی دوسری قسم ذمیوں کی ہے۔ یہ وہ غیر مسلم افراد ہیں جو اسلامی ریاست کی حدود میں رہیں اور اس کی اطاعت کا اقرار کریں۔ ذمی اسلامی ریاست میں پیدا ہو کر بھی ذمی شہری کہلا سکتے ہیں اور باہر سے آ کر ذمی شہری بننے کی درخواست کر سکتے ہیں۔ ان شہریوں کو اسلامی ریاست تمام شہری حقوق عطا کرتی ہے۔ ان کی جانیں ان کے اموال اور ان کی عزت کا تحفظ اسلامی ریاست کے ذمہ ہوتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ انہیں مذہبی، ثقافتی اور شخصی قانون کی آزادی بھی حاصل ہے۔ یہ کلیدی عہدوں کے علاوہ دوسری سرکاری عہدوں پر فائز ہو سکتے ہیں۔ اقتصادی نظام میں وہ مسلمانوں کے ساتھ برابر کے شریک ہیں۔ وہ اسلامی ریاست کے دفاع کی ذمہ داری سے آزاد ہیں کیونکہ یہ ذمہ دار مسلمانوں پر عائد ہوتی ہے۔ کیونکہ غیر مسلم شہری اسلامی نظریہ حیات پر ایمان نہیں رکھتے اس لیے اسلامی ریاست کا کام ان کے سپرد نہیں کیا جا سکتا۔ باقی تمام امور میں وہ آزاد ہیں اور مسلم شہریوں کے مساوی حقوق رکھتے ہیں۔ اگر چہ ذمی اسلامی ریاست کے دفاع کی ذمہ داری سے آزاد ہیں لیکن اسلامی ریاست نے ان کے بنیادی حقوق کے تحفظ کا ذمہ لیا ہوتا ہے، اس لیے وہ ریاست کو جزیہ ادا کرتے ہیں۔ دوسری طرف ذمی زکوٰۃ اور عشر سے آزاد ہیں جو صرف مسلمانوں پر فرض ہے۔

-17 بنیادی حقوق

اسلامی ریاست شہریوں کے جن بنیادی حقوق کو تسلیم کرتی ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

(i) جان و مال اور عزت و آبرو کے تحفظ کا حق: ہر شہری کی جان، مال عزت و آبرو کی حفاظت کرنا اسلامی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ریاست کا اولین فرض ہے۔ جائز قانونی وجوہ کے بغیر کسی کی جان نہیں لی جا سکتی، نہ کسی کی املاک پر تصرف کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح قانونی جواز کے علاوہ کسی کی عزت و آبرو سے تعرض نہیں کیا جا سکتا۔ رسول خدا صلعم نے حجتہ الوداع کے موقع پر اعلان فرمایا کہ

''تمہاری جانیں اور تمہارے مال اور تمہاری آبروئیں ویسی ہی حرمت رکھتی ہیں جیسی حج کے اس دن کی حرمت ہے۔''

(ii) شخصی آزادی کا حق: اسلامی ریاست میں کسی شخص کی آزادی اس وقت تک سلب نہیں کی جا سکتی جب تک اس پر قانونی جرم عائد کر کے اور اسے صفائی کا موقع فراہم کر کے قانونی طور پر جرم ثابت نہ ہو جائے۔ اسلامی ریاست کسی شخص کو شبہ کی بناء پر گرفتار کرنا درست نہیں سمجھتی۔ ایک روایت کے مطابق مدینہ میں کچھ لوگوں کو شبہ کی بناء پر گرفتار کیا گیا۔ آنحضور صلعم سے ایک شخص نے خطبہ کے دوران سوال کیا کہ ''ہمارے ہمسایوں کو کس جرم میں پکڑا گیا ہے؟'' آپ ﷺ نے دوبارہ یہ سوال سن کر خاموشی اختیار کی کہ شاید پولیس کا کوتوال کوئی جواب دے لیکن جب تیسری مرتبہ یہ سوال دہرایا گیا تو آپ ﷺ نے حکم دیا کہ ''خلوالہ جیرانہ'' یعنی ''اس کے ہمسایوں کو رہا کر دو'' کسی شخص کو الزام کی تفتیش کے سلسلے میں روکنے اور عدالت میں سزا پانے کے بعد قید کرنے کے علاوہ اور کسی طریقے سے شخصی آزادی سے محروم نہیں کیا جا سکتا۔ جب کسی ملزم کو عدالت میں پیش کیا جائے تو اس پر فرد جرم عائد کرنا ضروری ہے۔ ملزم کو اپنی صفائی پیش کرنے کا موقع فراہم کرنا ضروری ہے اور اگر مدعی جرم ثابت نہ کر سکے تو عدالت کے لیے رہائی کا حکم سنانا ضروری ہے۔

(iii) آزادی رائے کا حق: اسلامی ریاست ہر شہری کو آزادی رائے کا حق دیتی ہے۔ اس سلسلے میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ارشادات اسلامی قانون کی مکمل طور پر وضاحت کرتے ہیں۔ آپ کے عہد خلافت میں خوارج پوری طرح سرگرم عمل تھے جو اپنے زمانے کے شرپسند تھے۔ وہ ریاست کے وجود کو ختم کرنا چاہتے تھے اور اسی مقصد کے لیے طاقت استعمال کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ان کو پیغام بھیجا کہ تم جہاں چاہے رہو اور ہمارے اور تمہارے درمیان شرط یہ ہے کہ تم خونریزی اور رہزنی نہ کرو اور ظلم کرنے سے باز رہو۔'' ایک دوسرے موقع پر آپ نے انہی لوگوں سے کہا کہ ''جب تک تم فساد نہ کرو گے ہم تمہارے خلاف لڑائی کی ابتداء نہ کریں گے۔''

ان ارشادات سے ظاہر ہوتا ہے کہ کوئی گروہ اپنے خیالات پر قائم رہ سکتا ہے بلکہ پرامن طریقے سے اپنے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خیالات کا اظہار بھی کرسکتا ہے لیکن وہ زبردستی اسلامی ریاست کے نظام کو درہم برہم نہیں کرسکتا۔

(iv) بنیادی ضروریات کا حق: اسلامی ریاست اپنے شہریوں کو یہ حق بھی دیتی ہے کہ وہ زندگی کی بنیادی ضروریات سے محروم نہیں ہیں۔ لہٰذا مسلمانوں کے لیے زکوٰۃ کی ادائیگی فرض کی گئی ہے۔ زکوٰۃ کی رقم محتاج، بے سہارا اور مقروض شہریوں کی مدد کے لیے خرچ کی جاتی ہیں اس سلسلے میں مسلم شہری اور ذمی میں کوئی تمیز نہیں برتی جاتی۔ زکوٰۃ کے بارے میں رسول خدا ﷺ نے فرمایا ہے کہ

''ان کے مالداروں سے لی جائے اور ان کے محتاجوں میں تقسیم کردی جائے گی۔''

''حکومت ہر اس شخص کی مددگار اور دست گیر ہے جس کا کوئی ولی نہ ہو۔''

''جس مرنے والے نے ذمہ داریوں کا کوئی بار (مثلاً قرضہ یا بے سہارا کنبہ) چھوڑا ہو وہ ہمارے ذمہ ہے۔''

(v) حقوق و فرائض کی واضح تقسیم: اسلامی حکومت میں شہریوں اور حکومت کے حقوق و فرائض بالکل واضح اور متعین ہیں جن کی ادائیگی سب پر لازم ہے۔ کوئی فریق کسی دوسرے کے حق میں دخل اندازی نہیں کرسکتا اسی طرح کسی غیر منصفانہ قانون کی غلطی یا اپنے جائز حقوق کے ثبوت کے لیے ضروری نہیں کہ پہلے پارلیمینٹ میں اکثریت پیدا کی جائے اور اس کے بعد قانون کی مخالفت کی جائے بلکہ ایک عام شہری بھی کسی بات کو قرآن و سنت کی روح کے مخالف پاکر انفرادی طور پر سربراہ مملکت پر تنقید کرسکتا ہے۔

(vi) حقیقی فلاحی ریاست: اسلامی حکومت صحیح معنوں میں ایک فلاحی ریاست ہے جس کا کام فقط ٹیکس وصول کرنا اور اندرونی و بیرونی امن و امان قائم رکھنا نہیں بلکہ زندگی کے ہر شعبے میں عدل و انصاف کا قیام تمام شہریوں کے بنیادی حقوق اور ضروریات زندگی کی فراہمی بھی اس کے فرائض میں شامل ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے

ترجمہ: ''دیکھو تم میں سے ہر شخص چرواہا ہے اور ہر شخص اپنے ریوڑ کا ذمہ دار ہے پس امام (یعنی حکومت) جو لوگوں پر مقرر ہے اپنے ریوڑ کے بارے میں جواب دہ ہے۔

5.2- اسلامی ریاست کے قیام کا مقصد

اسلامی ریاست کے بنیادی اصولوں کو ہم نے اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اب آپ پڑھیں گے کہ اسلامی ریاست کن مقاصد کے لیے قائم کی جاتی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جیسا کہ آپ پہلے پڑھ چکے ہوں گے کہ دین اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اور اس کا تعلق صرف دنیاوی زندگی سے ہی نہیں بلکہ حیات بعد ممات سے بھی ہے۔ دراصل اسلامی نکتہ نظر سے اس دنیا کی زندگی اخروی زندگی کی تیاری میں صرف ہونی چاہئے کیونکہ یہاں کی زندگی عارضی ہے جبکہ وہاں کی زندگی مستقل ہوگی۔ اخروی زندگی میں فلاح اس صورت ممکن ہے کہ دنیاوی زندگی کو ان اصولوں کے مطابق اور ان حدود کے اندر بسر کیا جائے جو اسلام نے مقرر کیے ہیں۔ لہٰذا اسلامی ریاست کا قیام محض امن وامان رکھنے، قومی سرحدوں کا تحفظ کرنے یا لوگوں کا معیار بلند کرنے کی غرض سے نہیں ہوتا بلکہ اسلامی ریاست کا وجود اس لیے قائم ہوتا ہے کہ ان اچھائیوں کو رائج کیا جائے جن کا فروغ اللہ تعالیٰ نے پسند کیا ہے اور ان برائیوں کو روکا جائے جو انسانیت کو تباہی کی طرف لے جانے والی ہیں۔ اسلامی ریاست کا بنیادی اور اولین مقصد نیکی کا فروغ اور برائی کا قلع قمع کرنا ہے۔ لوگوں کا معیار زندگی بلند کرنا، سرحدوں کا تحفظ کرنا اور ملک کے اندر امن وامان قائم رکھنا ثانوی مقاصد ہیں۔ قرآن نے اسلامی ریاست کے مقاصد کو ان آیات میں بیان کیا ہے۔

"ہم نے اپنے رسول روشن دلائل کے ساتھ بھیجے اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان اتاری تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں۔"

"یہ لوگ وہ ہیں جنہیں اگر ہم زمین میں اقتدار عطا کریں تو یہ نماز قائم کریں گے اور زکوۃ دیں گے نیکی کا حکم دیں گے اور بدی سے روکیں گے۔"

"تم وہ بہترین امت ہو جسے لوگوں (کی اصلاح ہدایت) کے لیے نکالا گیا ہے تم نیکی کا حکم دیتے ہوں اور بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان لاتے ہو۔"

مسلمانوں کی تمام تر جدوجہد کا مقصد یہ بیان کیا گیا ہے کہ

"دین پورے کا پورا صرف اللہ کے لیے ہو جائے۔"

امت کے لیے اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہے کہ

"یکسو ہو کر اللہ کی بندگی کریں، اپنے دین کو اسی کے لیے خالص کرتے ہوئے۔"

"نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرو اور گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو۔"

نبی کریم صلعم کا ارشاد ہے کہ:

"تم میں سے جو شخص کوئی برائی دیکھے اسے چاہئے کہ اس کو ہاتھ سے روکے، اگر ایسا نہ کر سکے تو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زبان سے روکے، اگر یہ بھی نہ کر سکے تو دل سے برا سمجھے اور یہ ایمان کا ضعیف ترین درجہ ہے۔"

حکومت کی طاقت کا مقصد رسول خدا نے ان الفاظ میں بیان کیا۔

"اللہ حکومت کے ذریعہ ان چیزوں کا سدباب کرتا ہے جن کا سدباب قرآن (یعنی تلقین اور نصیحت) کے ذریعہ سے نہیں کرتا۔"

یہی نہیں بلکہ اگر حکومت اسلامی ریاست کے مقاصد کو پس پشت ڈال دے تو مسلمان کے فرائض احادیث میں اس طرح بیان کیے گئے۔

"سب سے افضل جہاد ظالم حکمران کے سامنے انصاف کی (یا حق کی) بات کہنا ہے۔"

"جس نے کسی حاکم کو راضی کرنے کے لیے وہ بات کی وہ جو اس کے رب کو ناراض کردے وہ اللہ کے دین سے نکل گیا۔"

5.3- اہم نکات

1- اسلام ایک مکمل دین ہے اور زندگی کے تمام مسائل کا حل پیش کرتا ہے۔

2- اسلام کا سیاسی نظام اسلامی ریاست کے ظہور کا ایک ذریعہ ہے جبکہ ریاست کا ادارہ سب سے زیادہ اہم اور بنیادی ہے۔

3- اجتماعی زندگی کے لیے ریاست کا وجود ناگزیر ہے۔ اور یہ وہ ادارہ ہے جو معاشرتی تعلقات، معاشی لین دین اور تمدنی معاملات کی استواری کا نگران و محافظ ہے۔

4- اسلام کے سیاسی نظام کے بنیادی اصول یہ ہیں: اقتدار اعلیٰ، رسالت، خلافت، صدر ریاست، طریق انتخاب، مجلس شوریٰ، اولی الامر کی اطاعت، قانون کی حکومت اور اس کے اختیارات، عدلیہ کے فرائض مقننہ کے فرائض، انتظامیہ کے فرائض، نظریہ قومیت، بنیادی آزادی کا حق، رائے اور مسلک کی آزادی، قانونی مساوات اور معاشرتی مساوات جیسے بنیادی اصول اسلام کے سیاسی نظام کو استوار کرتے ہیں۔

5- اقتدار اعلیٰ اسلامی ریاست کا وہ اصول ہے جو ریاست صرف اللہ پاک کے لیے مخصوص کرتی ہے۔

6- رسالت کے تحت خدائی اقتدار اعلیٰ کی نمائندگی اس کے بھیجے ہوئے انبیاء علیہم السلام کرتے ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

-7 خلافت کے تحت اللہ پاک نے بنی آدم کو زمین پر خلیفہ مقرر کیا ہے۔

-8 پہلی اسلامی ریاست کے صدر آنحضورﷺ خود ہی تھے۔ مجلس شوریٰ آپ ﷺ کے عہد میں قائم ہوئی اور اسلامی ریاست کے تمام اہم باہمی مشورے سے طے کیے جاتے ہیں۔

-9 اسلامی ریاست میں اولی الامر کی اطاعت کو لازم قرار دیا ہے اور ان کی اطاعت کا درجہ اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کے بعد رکھا گیا ہے۔

-10 اسلامی قانون کے ماخذ قرآن، سنت، اجتہاد، اجماع اور قیاس بنیادی ماخذ ہیں۔

-11 ریاست کا بنیادی اور اولین مقصد نیکی کا فروغ اور برائی کا قلع قمع کرنا اور لوگوں کا معیار زندگی بلند کرنا ہے۔ اگر حکومت اسلامی ریاست کے مقاصد کو پس پشت ڈال دے تو مسلمان کے فرائض احادیث میں اس طرح بیان کیے گئے ہیں کہ ''سب سے افضل جہاد ظلم حکمران کے سامنے انصاف کی (یا حق کی) بات کہنا ہے۔''

-12 اسلامی ریاست کی نوعیت اپنے جداگانہ نظریہ سیاست پر ہے جسے خلافت کا نام دیا گیا ہے۔

5.4- خود آزمائی نمبر 5

سوال نمبر 1- مندرجہ ذیل میں سے کون سے فقرات صحیح ہیں اور کون سے غلط ہیں؟

-1 اسلامی ریاست میں اختیار کا سرچشمہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

-2 مدینہ منورہ، مسلمانوں کی پہلی اسلامی ریاست تھی۔

-3 اسلامی ریاست میں مجلس شوریٰ کے ارکان کو اپنی رائے کا اظہار کرنے کی آزادی حاصل نہیں ہوتی۔

-4 اسلامی ریاست کی انتظامیہ کا بنیادی فرض احکام خداوندی کو نافذ کرنا اور معاشرے میں مناسب ماحول پیدا کرنا ہے۔

-5 لفظ اجتہاد ''جہد'' سے مشتق ہے جس کے معنی انتہائی کوشش کے ہیں۔

سوال نمبر 2- مندرجہ ذیل خالی پر کریں۔

-1 ہجرت ثانی کے بعد.................پہلی اسلامی ریاست تھی۔

(1) بغداد (2) مکہ (3) مدینہ منورہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

2- قانون کی حاکمیت کا دوسرا پہلو.................. ہے۔

(1) خلافت (2) رسالت (3) مساوات

3- اسلامی قانون کا چوتھا ماخذ.................. ہے۔

(1) عدل (2) اجتہاد (3) قیاس

4- اسلامی ریاست حکومت کے..................کو خدا اور مسلمانوں کی امانت قرار دیتی ہے۔

(1) احکامات (2) اختیارات (3) معاملات

5- قرآنی آیات نوعیت کے اعتبار سے..................قسم کی ہیں۔

(1) دو (2) تین (3) چار

سوال نمبر 3- مندرجہ ذیل پر نوٹ تحریر کریں۔

1- اقتدار اعلیٰ

2- صدر ریاست اور اہل شوریٰ کے اوصاف

3- اسلامی قانون کے ماخذ

4- اسلامی نظریہ قومیت

5- اسلامی ریاست میں شہریوں کے بنیادی حقوق

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

6- جوابات

خود آزمائی نمبر 1

سوال نمبر 1- (1) صحیح (2) غلط (3) غلط (4) صحیح (5) درست

سوال نمبر 2- (1) اطاعت و فرمانبرداری (2) 6 (3) 5

(4) رسالت (5) خیر و شر

سوال نمبر 3 تا 6 کے جوابات یونٹ کے متعلقہ حصے سے تلاش کریں۔

خود آزمائی نمبر 2

سوال نمبر 1- (1) غلط (2) صحیح (3) صحیح

سوال نمبر 2- (1) مساوی (2) اخلاق حسنہ (3) مسجد

سوال نمبر 6- (1) صفہ، سائبان (2) مذہبی مرکز/مسجد (3) مسلمان/اطاعت رسول

(4) ہجری/دارالسلطنت

خود آزمائی نمبر 3

سوال نمبر 1- (1) صحیح (2) غلط (3) صحیح (4) صحیح (5) غلط

سوال نمبر 2- (1) ضمیر (2) نفس لوامہ (3) تعمیر سیرت (4) تکریم و احترام

(5) مردوں اور عورتوں

سوال نمبر 3- جواب یونٹ کے متعلقہ حصے سے تلاش کریں۔

خود آزمائی نمبر 4

سوال نمبر 1- (1) صحیح (2) صحیح (3) غلط (4) صحیح

سوال نمبر 2- (1) صحیح منصوبہ بندی (2) مال غنیمت (3) ڈھائی (4) حرام

(5) توازن و اعتدال

سوال نمبر 3- جواب یونٹ کے متعلقہ حصے سے تلاش کریں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خود آزمائی نمبر 5

سوال نمبر 1- (1) صحیح (2) صحیح (3) غلط (4) صحیح (5) صحیح

سوال نمبر 2- (1) مدینہ منورہ (2) مساوات (3) قیاس (4) اختیارات (5) دو

سوال نمبر 3- جواب یونٹ کے متعلقہ حصے سے تلاش کریں۔

7- کتابیات

1- ایس۔ ایم۔ شاہد، اسلام کا فلسفہ حیات، نیو بک، پیلس چوک اردو بازار، لاہور۔

2- ایس۔ ایم۔ شاہد، جدید مسلمان مفکرین کے سیاسی نظریات، نیو بک پیلس، چوک اردو بازار، لاہور۔

3- ایس۔ ایم۔ شاہد، اسلامی ادارے اور تہذیب و تمدن، نیو بک پیلس، چوک اردو بازار، لاہور۔

4- ایس۔ ایم۔ شاہد، مسلمانوں کے سیاسی افکار و ادارے، نیو بک پیلس، چوک اردو بازار، لاہور۔

5- ایس۔ ایم۔ شاہد، فلسفہ و تاریخ تعلیم، مجید بک ڈپو، اردو بازار، لاہور۔

6- ایس۔ ایم۔ شاہد، مسلم فلاسفی، پبلشرز ایمپوریم، اردو بازار، لاہور۔

7- اسلام اور سائنس، ایور نیو بک پیلس، سرکلر روڈ، اُردو بازار، لاہور۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یونٹ 2

اسلام کی تعلیمی تحریک

تحریر: عطش درانی

نظرثانی: ڈاکٹر ذوالکیف احمد، فضل الرحمٰن

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فہرست مضامین

یونٹ کا تعارف ---------- 98

یونٹ کے مقاصد ---------- 98

1- اسلام بطور فعال ثقافتی تحریک ---------- 99

1.1- اسلام بطور ثقافت ---------- 99

1.2- اسلام بطور تحریک ---------- 102

1.3- اہم نکات ---------- 104

1.4- خود آزمائی نمبر 1 ---------- 105

2- اسلام کا تصور علم ---------- 107

2.1- بنیادی خصوصیات ---------- 107

2.2- تعلیمی مقاصد ---------- 109

2.3- عملی تربیت ---------- 110

2.4- حکمت اور تجربی علم ---------- 111

2.5- مختصر تاریخی جائزہ ---------- 112

2.6- تعلیم بطور تبلیغی تحریک ---------- 114

2.7- اہم نکات ---------- 115

2.8- خود آزمائی نمبر 2 ---------- 116

3- مسلمانوں کے علمی وفنی کارنامے ---------- 118

3.1- قبل اسلام تعلیمی حالت ---------- 118

3.2- مسلمان اور حصول علم ---------- 118

3.3- خلفائے اسلام کا دور ---------- 119

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

-3.4 مسلمانوں کے تجربی حاصلات ---------- 121

-3.5 مسلمانوں کے سائنسی انکشافات ---------- 123

-3.6 علم ریاضی اور مسلمان ---------- 125

-3.7 علم الکیمیا اور مسلمان ---------- 127

-3.8 تکنیکی ایجادات ---------- 130

-3.9 اہم نکات ---------- 130

-3.10 خود آزمائی نمبر 3 ---------- 131

-4 جوابات ---------- 133

-5 کتابیات ---------- 134

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یونٹ کا تعارف

زیر تربیت اساتذہ کو اسلام کی تعلیمی فعالیت سے آگاہ کرنے اور ان میں تجربی علم کا شعور پیدا کرنے کے لئے یہ یونٹ پیش کیا جا رہا ہے۔ یونٹ کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلے حصے میں اسلام کا ایک فعال ثقافتی تحریک کے طور پر جائزہ لیا گیا ہے اور اس کے دونوں پہلوؤں (ثقافت اور تحریک) کی خصوصیات بیان کی گئی ہیں۔

دوسرے حصے میں اسلام تعلیم کا بطور تحریک اور تربیت جائزہ پیش کیا گیا ہے اور اسلامی تعلیم کی بنیادی خصوصیات اور تعلیمی مقاصد میں اس کے تحریک پہلو پہ بحث کی گئی ہے۔ پھر عملی تربیت کے اصول بیان کئے گئے ہیں، بعد ازاں حکمت اور تجربی علم کے بارے میں اسلام کے احکام اور اسلامی تعلیم کا مختصر جائزہ تاریخی انداز سے پیش کیا گیا ہے آخر میں تعلیم بطور تبلیغی تحریک پر تبصرہ بھی شامل ہے۔

تیسرے حصے میں مسلمانوں کے علمی وفنی کارناموں خصوصاً تجربی علم اور سائنس و ایجادات سے متعلق ان کے انکشافات اور حاصلات بیان کئے گئے ہیں۔

یونٹ کے مقاصد

ہمیں امید ہے کہ اس یونٹ کے مطالعے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں کہ:

1- اسلامی ثقافت کے عناصر ترکیبی کی تشریح کرسکیں۔

2- اسلام کے تصور علم اور اس کی بنیادی خصوصیات بیان کرسکیں۔

3- اسلامی تعلیم کے بنیادی مقاصد کی وضاحت کرسکیں۔

4- مسلمانوں کے علمی اور فنی انکشافات و حاصلات کا جائزہ لے سکیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

1- اسلام بطور فعال ثقافتی تحریک

اسلام فرمانبرداری اور اخلاص کے ایک ضابطے، ایک نظام اور ایک نظریے کا نام ہے جو نہ صرف فکری اور علمی پہلوؤں سے کیسے ہے بلکہ تربیتی وعملی پہلوؤں کا بھی حامل ہے۔ اس لئے اسے دین کے نام سے پکارا گیا ہے۔ اصطلاحاً دین کو اللہ تعالیٰ کے لئے خالص کرنے کا نام اسلام ہے اور جب اس عمل کو ظاہری صورت میں پیش کیا جاتا ہے تو یہ ایک ثقافتی صورت اختیار کر لیتا ہے اور جب یہ ثقافت عوام کے ذہنوں میں اتر کر آگے بڑھتی، پھلتی پھولتی اور فتوحات حاصل کرتی ہے تو اسے تحریک کا نام ملتا ہے۔ اس ثقافتی تحریک کا منتہائے مقصود رضائے الٰہی ہے۔ خواہ ثقافت پر عمل پیرا ہوں اور اسے سیکھیں یا اس کی تبلیغ کریں، ہر دو صورتوں میں رضائے الٰہی کا حصول ہی ایک مسلمان کا نصب العین ٹھہرتا ہے۔

1.1- اسلام بطور ثقافت

دیکھنا یہ ہے کہ کیا اسلام الگ طور سے کوئی ثقافت فراہم کرتا ہے۔ اگر ہم ثقافت کے بشریاتی معنی مراد لیں جو بقول ای جی ٹیلر اس مجموعے یا ضابطے کا نام ہے جس میں عقائد، علوم، فنون، اخلاقیات، عادات، رسوم اور وہ تمام رجحانات اور امور شامل ہیں جو انسان سیکھ کر انجام دیتا ہے تو بھی ہمیں اسلام کے رجحانات اور امور کا جائزہ لینا پڑتا ہے جو عقائد سے لے کر زندگی کے تمام مراحل کے بارے میں ہیں۔ اگر ہم ثقافت پر اثر انداز ہونے والے عوامل میں عقائد، سماجی معیارات، تعلیم، ادب، تجربہ، طبعی حالات، ضرورت، فکر و احساس اور ایجادات کے حوالے سے دیکھیں تو بھی ہمیں اسلام کا جائزہ ان منفرد امور میں لینا ہوگا۔

ہمارے نزدیک دین اسلام ایک مکمل ثقافت ہے جس کا نصب العین رضائے الٰہی کا حصول اور اس کا واحد معیار تقویٰ ہے، جو زندگی اور اس کے طرز کو پرکھتا ہے۔ اقرار توحید وہ بنیاد ہے جس پر اسلامی ثقافت کی عمارت استوار ہوتی ہے اور تجربہ وحکمت وہ روح ہے جو اس ثقافت کو لے کر آگے بڑھتی اور اسے تحریک دیتی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

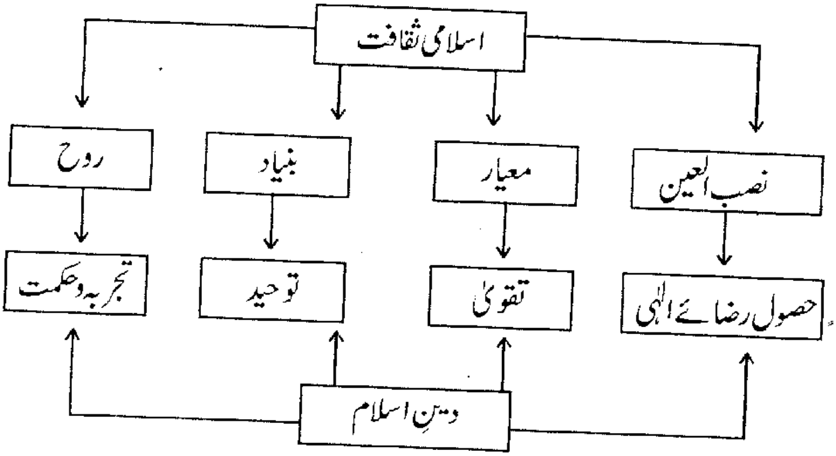

قرآن کے نزدیک زندگی مسلسل حرکت ہے۔ اس کی ابتداء بندگی ہے اور انتہا ربوبیت پر ہے۔ یہ سوال کہ رب کی رضا کیا ہے جو زندگی کو مسلسل حرکت میں رکھے ہوئے ہے؟ اس کا اسلام نے ایک سادہ سا جواب دیا ہے۔ زندگی میں انقلاب برپا کرنا یعنی خود کو اللہ کے لئے خالص کرنا۔ چونکہ زندگی میں تبدیلی کسی ولولہ انگیز نصب العین کو حاصل کرنے سے آتی ہے۔ اس لئے اسلام انفرادی زندگی کی اصلاح سے اجتماعی زندگی کے مثالی قیام تک ہر مرحلے کو اہمیت دیتا ہے۔ چنانچہ ثقافت صرف اس وقت اسلامی ہوگی جب اس کا نصب العین خدا کی خوشنودی حاصل کرنا ٹھہرے گا جب زندگی کا نصب العین رضائے الٰہی ٹھہرا تو انسان کا ہر فعل، خیال اور ارادہ چلنا پھرنا، اٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا، رہنا سہنا، معاملات، معاشرت، دوستی دشمنی، معیشت اور معاشرت وغیرہ محض اللہ کے لئے ہوتی ہے اور انسان اللہ کے لئے خالص ہو جاتا ہے، قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

”اے پیغمبر کہہ دو کہ میری نماز اور میری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا سب کچھ اللہ کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے جس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ اسی کا حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلے اس کے آگے سر جھکانے والا ہوں۔“ (الانعام۔162-163)

اسلام اس نصب العین کے حصول کے لئے انسانی زندگی کو جس معیار پر پرکھتا ہے اور اس کی ثقافتی حدود کا تعین کرتا ہے، وہ تقویٰ ہے۔ تقویٰ دراصل ذمہ داریوں کو مکمل طور پر نبھانے کا نام ہے۔ انسان دنیا میں صرف نیابت الٰہی کے لئے آیا ہے۔ چنانچہ اسے ان اقدامات سے پرہیز کرنا پڑے گا جو اللہ کے حکم کے مطابق نہیں ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے

”تم میں اللہ کے نزدیک محترم و مکرم وہ ہے، جو تقویٰ اختیار کرتا ہے۔“ (الحجرات۔13)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لا الہ الا اللہ وہ بنیادی کلمہ ہے جس پر توحید کی عمارت تعمیر ہوتی ہے۔ اللہ کی ہستی کو ہر طرح کے رک اور جبر سے پاک ماننے کا نام توحید ہے۔ اللہ کے وجود کے لئے کوئی ایسا تصور نہیں کیا جا سکتا جو عقل سوچ سکے۔ انسانی نگاہیں اسے نہیں دیکھ سکتیں۔ اس کے لئے تخیل سے مثالیں بھی نہیں گھڑی جا سکتیں۔ اس کے مشابہ یا مشترک کوئی چیز نہیں۔ توحید کے دو پہلو ہیں۔

(i) اللہ کی ذات میں توحید اور

(ii) اس کی صفات میں توحید۔

دونوں پہلوؤں سے اللہ پاک ہے، ذات میں بھی اور صفات میں بھی اس کا کوئی شریک، ہم سر یا ثانی نہیں۔ ارشاد ہوتا ہے

''کہہ دے کہ اللہ ایک ہے۔ اسے کسی شئے کی محتاجی نہیں۔ نہ اس کا کوئی بیٹا ہے اور نہ وہ کسی کا بیٹا ہے اور کوئی چیز اس کے ہم سر نہیں''۔ (اخلاص)

تصور توحید کا سب سے بڑا ثقافتی پہلو یہ ہے کہ اس سے انسان فکر و تدبر میں سائنسی اور علمی اسلوب اختیار کر لیتا ہے۔ اس کا ذہن توہمات سے پاک اور اس کی زندگی صاف ستھری گذرنے لگتی ہے۔ چنانچہ انسان کا نفس پاکیزگی اور قناعت، صبر و توکل، سعی و محنت کا عادی ہو جاتا ہے۔ وہ ہر قسم کے تعصبات سے نجات حاصل کر لیتا ہے اور بنی نوع انسان کو ایک وحدت خیال کرنے لگتا ہے۔ اسے کائنات میں ہر طرف وحدت کا قانون نظر آنے لگتا ہے اور یوں وہ قانون کا پابند بن جاتا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے

''صرف اہل عقل ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں۔'' (البقرہ: 269)

''اور جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ تمہارے کام پر لگا رکھا ہے۔ اس میں فکر سے کام لینے والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔'' (الجاثیہ: 13)

توحید ہی انسان کے عقل و فہم کو تجربے میں لانے کی طرف مائل کرتی ہے۔ جب انسان سمجھ لیتا ہے کہ کائنات میں وحدت ہی جاری ہے اور اللہ کی سنت اور طریقہ کبھی اور کہیں نہیں بدلتا تو وہ محسوسات کو دنیا کو اور اس کے طبعی قوانین کو دیکھنے، سمجھنے اور تسخیر کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان وہ پہلے لوگ ہیں، جنہوں نے دنیا میں تعلیم اور تبلیغ کے لئے تجربے اور حکمت کو ہمیشہ ملحوظ رکھا۔ تعلیم میں تجربے کو تبلیغ میں حکمت کو اہمیت دی۔ ارشاد ہوتا ہے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"اللہ کی طرف دعوت عقل وحکمت، موعظہ حسنہ اور بہتر طریقے سے بحث کے ذریعے دو"

(النحل:125)

1.2- اسلام بطور تحریک

ثقافت سیکھنے اور سکھانے کا نام ہے۔ جب ایک بار صحیح ثقافت کا علم حاصل ہو جائے، جس میں نصب العین ہی رضائے الٰہی کا حصول ہو تو مسلمان اس نصب العین کو پہچانے گا اور اسے بطور تحریک لے کر آگے بڑھے گا۔ چنانچہ اسلام کی اشاعت اور تبلیغ میں صرف رسول ﷺ ہی نے اپنا فریضہ سرانجام نہیں دیا بلکہ ختم نبوت کا تصور ہی اس لئے دیا گیا تھا کہ تبلیغ و اشاعت کا کام اب پوری امت مسلمہ کا ہے۔ ہر مسلمان خواہ وہ عالم ہے یا سپاہی، سیاستدان ہے یا تاجر، ہر حال میں اسلام کا مبلغ ہے اور تبلیغ ایک تحریک کی صورت اختیار کر لیتی ہے جب یہ ایک اعلیٰ ثقافت کے طور پر دنیا میں ظاہر ہوتی ہے۔ چنانچہ اسلام بطور تحریک آفاقی، فکری، تجربی اور ربانی حیثیت اختیار کر لیتا ہے۔

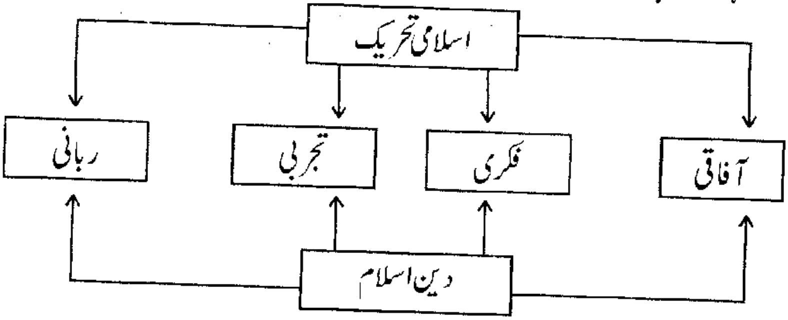

(الف) آفاقی

اسلامی ثقافت جب تحریک کا روپ دھارتی ہے تو اسے کسی علاقے، نسل، زبان، قبیلے، رنگ، قبیلے یا گروہ سے وابستگی نہیں ہوتی۔ اسلام نہ عربی ہے نہ عجمی، نہ گورے کو کالے پر فضیلت ہے اور نہ کالے کو گورے پر۔ تنگ نظری اور تعصب اسلام میں نہیں بلکہ وحدت انسانی کا تصور دیا گیا ہے چنانچہ اس لحاظ سے اسلامی تحریک پوری دنیا، ہر خطے، ہر علاقے، ہر قوم اور ہر مذہب وملت کے لئے ہے۔ قرآن دنیا کے تمام لوگوں کے لئے ہدایت ہے اور تمام جہانوں کے لئے نصیحت۔

(ب) فکری

اسلامی تحریک جذبائیت کی بجائے فکر وحکمت کی بناء پر اپنی راہیں تلاش کرتی ہے۔ اسلامی دعوت کی بنیاد فکر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وحکمت ہے۔ دلائل کے ساتھ بات کرنا اور بلا جبر لوگوں کو اس عظیم ثقافت کی طرف بلانا ہر مبلغ کا بنیادی فرض ہے۔ حکم ہوتا ہے

''اللہ کی طرف دعوت عقل وحکمت، موعظہ حسنہ اور بہتر طریقے سے بحث کے ذریعے دو۔''

(النحل:125)

یہی فکری دعوت اسلام کی وسیع اشاعت کا سبب بنی ہے۔

(ج) تجربی

اسلام اس بات کو تحریک دیتا ہے کہ علم اس وقت تک ظنی (Tentative) ہے جب تک وہ یقین کی صورت اختیار نہیں کر لیتا اور یقین کے بھی تین درجے ہیں۔ پہلا معلومات کا، دوسرا مشاہدے کا اور تیسرا تجربے کا۔ انہیں علم الیقین، حق الیقین اور عین الیقین کا نام دیا گیا ہے۔ اسلام محض قیاس اور نظریات پر مبنی مذہب کو روکتا ہے اور ایک ایسا عقیدہ پیش کرتا ہے جو سراسر تجربی اور سائنسی ہے۔ اسے دنیا میں کہیں بھی آزما کر دیکھ لیا جائے۔ اس کی صداقت اٹل ہوگی۔ ارشاد ہوتا ہے۔

''تو رحمان کی تخلیق میں کوئی اختلاف نہ دیکھے گا۔ پھر نظر کو واپس لا کیا تو کوئی بگاڑ دیکھتا ہے پھر نظر کو واپس لا، بار بار لا، تیری نظر تیری طرف حیرت سے تھک کر واپس آ جائے گی۔''

(الملک:3 تا 4)

''سو تو اللہ کے طریق (سنت) میں کوئی تبدیلی نہ پائے گا اور نہ تو اللہ کے طریق کو ٹلتا ہوا پائے گا۔''

(فاطر:43)

یہی چیز تھی، جس نے دنیا کو پہلی بار تعقلی اور سائنسی طرز فکر دیا، تجربی استدلال مہیا کیا اور یوں سائنس کی بنیاد رکھی۔

(د) ربانی

اسلامی تحریک اپنی خصوصیت دین کو اللہ کے لئے خالص کرنے کے لئے ہے تاکہ دنیا کی وحدت توحید کے تصور سے مغلوب ہو جائے اور ہر طرف ربانی احکام قائم ہوں، عدل و مساوات قائم ہو جائے اور تمام جذبات میلانات اور شعور کا واحد معیار اللہ کے احکام کی بجا آوری ٹھہرے۔ اس لحاظ سے ہر اسلامی تحریک کو ربانی قرار دیا جا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سکتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے

''جنوں اور انسانوں کو صرف بندگی کے لئے پیدا کیا ہے۔'' (الذاریات:56)

''خدا کے ساتھ شریک ٹھہرایا جائے تو تم، ایمان لاتے ہو، پس حکم تو اللہ ہی کا ہے، جو بلند اور بڑا ہے۔'' (المومن:12)

ومن لم یحکم بما انزل اللّٰہ فاؤلئک ھم الظّٰلمون

ترجمہ: ''اور جو اللہ کے اتارنے پر حکم نہ کرے تو وہی لوگ ظالم ہیں۔''

(المائدہ:45)

یاَیّھا الّذین امنوا کونوا قوّامین للّٰہ شھدآء بالقسط ولا یجرمنّکم شنان قومٍ علٰی الّا تعدلوا۔ اعدلوا۔ ھو اقرب للتقوی واتّقوا اللّٰہ۔ انّ اللّٰہ خبیرٌ بما تعملون

''اے ایمان والو، اللہ کے حکم پر خوب قائم ہو جاؤ انصاف کے ساتھ گواہی دیتے اور تم کو کسی قوم کی عداوت اب پر نہ ابھارے کہ انصاف نہ کرو انصاف کرو وہ پرہیز گاری سے زیادہ قریب ہے اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے۔'' (المائدہ:8)

1.3- اہم نکات

1- اسلام ایک مکمل ثقافت ہے۔

2- اس کا نصب العین رضائے الٰہی کا حصول ہے۔

3- اس کا واحد معیار تقویٰ ہے۔

4- اس کی بنیاد توحید ہے۔

5- اس کی روح تجربہ وحکمت ہے۔

6- اسلامی ثقافت متحرک ہے۔

7- اسلام بطور تحریک آفاقی، فکری، تعقلی و تجربی اور ربانی ہے۔

8- اسلام قیاسی ونظریاتی مذہب کو رد کرتا ہے اور ایک ایسا عقیدہ پیش کرتا ہے جو سراسر تجربی اور سائنسی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

9- اللہ کی سنت اور طریقہ کبھی نہیں بدلتا۔

10- اسلام تعلیم میں تجربے کو اور تبلیغ میں حکمت کو بنیاد بناتا ہے۔

11- اسلامی تحریک اپنی خصوصیات میں دین کو اللہ کے لیے خالص کرنے کے لیے ہے تاکہ دنیا کی وحدت توجہ کے تصور سے مغلوب ہو جائے۔

12- اسلام کی تبلیغ واشاعت کا کام پوری امت مسلمہ کا ہے۔

13- تعلیم میں تجربے کو اور تبلیغ میں حکمت کو اہمیت حاصل ہے۔

14- اسلامی ثقافت کا نصب العین رضائے الٰہی کا حصول اور اس کا واحد معیار تقویٰ ہے۔

15- اقرار توحید ہی اصل بنیاد ہے جس پر اسلامی ثقافت کی عمارت استوار ہے۔

سرگرمی قرآن مجید اور احادیث میں ان آیات کو تلاش کریں جو اللہ کی عبادت توحید، تقوی، علم، فکر اور تعقل کی دعوت دیتی ہیں۔ انہیں با ترجمہ درج کر کے اپنے اتالیق کو دکھائیں

1.4- خود آزمائی نمبر 1

سوال نمبر 1 درج ذیل جگہ درست الفاظ سے پر کریں۔

1- دین کو اللہ تعالیٰ کے لئے خالص کرنے کا نام ہے.................. ہے۔

2- .... وہ بنیاد ہے جس پر اسلامی ثقافت کی عمارت استوار ہوتی ہے۔

3- اسلام بطور تحریک آفاقی، تجربی اور.............. حیثیت اختیار کر لیتا ہے۔

4- اسلام اس بات کی تحریک دیتا ہے کہ علم اس وقت تک.............. ہے جب تک وہ یقین کی صورت اختیار نہیں کر لیتا۔

5- یقین کے تین درجے ہیں پہلا معلومات کا دوسرا.............. کا اور تیسرا.............. کا۔

سوال نمبر 2 درج ذیل بیانات میں صحیح یا غلط کی نشاندہی کریں۔

1- دین اسلام ایک مکمل ثقافت ہے جس کا نصب العین رضائے الٰہی کا حصول ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

2- توحید انسان کے عقل وفہم کو تجربے میں لانے کی طرف مائل کرتی ہے۔

3- اسلامی ثقافتی تحریک کی وابستگی کسی علاقے، نسل، زبان اور قبیلے سے ہوتی ہے۔

4- توحید کے دو پہلو ہیں اللہ کی ذات میں توحید اور اس کی صفات میں توحید۔

5- تصورتوحید کا سب سے بڑا ثقافتی پہلو انسانی فکروتدبر میں سائنسی اور علمی اسلوب کا اختیار کر لینا۔

سوال نمبر3 اسلامی تحریک کی آفاقی، فکری، تجربی اور زبانی پہلوؤں کا جائزہ لیں۔

سوال نمبر4 اسلامی ثقافتی تحریک پر مختصر نوٹ لکھیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

2- اسلام کا تصور علم

اسلامی ثقافت بنیادی طور پر ایک تعلیمی تحریک ہے۔رسول اکرم ﷺ نے فرمایا **"انما بعثت معلماً"** بے شک مجھے معلم بنا کر بھیجا گیا ہے اور مزید فرمایا "علماء انبیاء کے وارث ہیں" گویا آنحضور ﷺ کے بعد تعلیم دینا قیامت تک علماء کا فریضہ ٹھہرا ہے۔

اسلام واحد مذہب ہے جس نے تمام انسانوں کے لئے علم حاصل کرنا فرض قرار دیا اور اس فرض کی انجام دہی کو معاشرے کی ایک ذمہ داری بنایا۔

حضور اکرم ﷺ پر جو پہلی وحی نازل ہوئی وہ علم کے مقام اور اس کی اہمیت کو اجاگر کرتی ہے۔اس میں تعلیم وتعلّم کی ضرورت واہمیت ہی کو واضح نہیں کیا گیا بلکہ ذرائع تعلیم، پڑھنا اور لکھنا کی طرف بھی واضح اشارات موجود ہیں۔

> "پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا۔ انسان کو خون سے پیدا کیا۔ پڑھ اور تیرا رب کریم ہے۔ وہ جس نے قلم سے تعلیم دی انسان کو ان چیزوں کی تعلیم دی جن کو وہ نہ جانتا تھا۔"
>
> (سورۃ علق 1-5)

2.1- بنیادی خصوصیات

1- علم کا سرچشمہ ذات باری ہے: اسلامی تعلیم کا تصور علم یہ ہے کہ علم کا سرچشمہ ذات باری تعالیٰ ہے علم اشیاء اس کا دیا ہوا ہے اور انسان کی ہدایت کا علم بھی اس کی طرف سے ہے۔ حواس اور عقل، تجربہ وغیرہ اہم ذرائع علم ہیں جو اسی کے دیئے ہوئے ہیں لیکن وحی سب سے اعلیٰ ذریعہ تعلیم ہے۔

2- علم مقصد حیات ہے: علم ہی مقصد حیات ہے انسان کو علم کی خاطر زندگی کی ہر مصیبت اٹھانا چاہیے۔ تعلیم بجائے خود منزل نہیں، منزل کے حصول کا ایک ذریعہ ہے۔ تعلیم کا اولین مقصد یہ ہونا چاہیے کہ طلبہ میں ان کے مذہب اور نظریہ حیات کی تفہیم و آگہی پیدا کرے۔ اس کی معنی یہ ہوں گے کہ زندگی کا مفہوم اور مقصود دنیا میں انسان کی حیثیت، توحید، رسالت آخرت اور انفرادی اور اجتماعی زندگی پر ان کے اثرات اخلاقیات کے اسلامی اصول، اسلامی ثقافت کی نوعیت اور ایک مسلمان کے فرائض سے انہیں آگاہ کیا جائے۔

3- تربیت تعلیم کا حصہ ہے: اسلام میں تعلیم کو تربیت سے علیحدہ نہیں کیا جا سکتا۔ تربیت سے مراد انسان کو اللہ کا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خالص بندہ بنانا ہے۔ یعنی تعلیم ایسا عمل ہے جس سے انسانوں کی فطری صلاحیتوں کو اجاگر کیا جائے اور ان کے طبعی رجحانات کو صحیح رخ پر ڈالا جائے جس سے وہ اس درجے تک پہنچ جائیں کہ اپنے اعمال کو اللہ کے لئے خالص کر دیں۔

4- تعلیم حصول بصیرت کا ذریعہ ہے: اسلام نے تعلیم کو علم و بصیرت کی دولت حاصل کرنے کا ذریعہ قرار دیا ہے یعنی مشاہدات اور تجربات کے ذریعے زندگی کے ابدی روحانی حقائق اور سائنسی و معاشرتی قوانین فطرت کو سمجھا جائے، پھر یہ حقائق دوسروں کو سکھا کر انہیں عمل پر آمادہ کیا جائے۔

(الف) روحانی حقائق جن سے وہ عبادت کی لذت سے روشناس ہو سکیں۔

(ب) فلسفیانہ حقائق کے اخلاق و اقدار کی ماہیت کو تسلیم کر سکیں۔

(ج) سائنسی حقائق کو لسانی تصرف میں لا سکیں۔

5- تعلیم سب کے لئے ہے: اسلام پہلا دین اور پہلی ثقافت ہے جس میں تعلیم کو تمام انسانوں کے لئے بنیادی ضرورت قرار دیا گیا ہے۔ اس میں تعمیر کردار کو اولیت اور وحدت افکار کو ثانوی حیثیت دی گئی ہے۔ حدیث ہے" **طلب العلم فريضه على كل مسلم** "علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان (مرد اور عورت) پر فرض ہے۔

6- علم عمل کرنے کے لئے ہے: اسلام میں علم برائے عمل کو بڑی اہمیت حاصل ہے، علم برائے علم کی کوئی حیثیت نہیں۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا

"تم دوسروں کو تو نیکی کا راستہ اختیار کرنے کے لئے کہتے ہو مگر اپنے آپ کو بھول جاتے ہو۔"

(البقرہ:44)

7- تعلیم تحریک ہے: اسلام میں تعلیم ایک تحریک ہے۔ وہ لوگ جو علم حاصل کر لیں ان پر فرض ہے کہ وہ آگے بھی سکھائیں اور کچھ نہ چھپائیں۔ ارشاد ہوتا ہے۔

"ان اہل کتاب کو وہ عہد بھی یاد دلاؤ جو اللہ نے ان سے لیا تھا کہ تمہیں کتاب کی تعلیمات کو لوگوں میں پھیلانا ہوگا۔ انہیں پوشیدہ نہیں رکھنا ہوگا۔" (آل عمران 87)

8- تعلیم تبلیغ ہے: اسلام میں اشاعت تعلیم ایک مذہبی تبلیغ ہے۔ ہر مسلمان اس تبلیغ کا مکلف ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

2.2- تعلیمی مقاصد

چونکہ اسلامی تعلیم بنیادی طور پر انسان کو اللہ کے لئے خالص بنانا چاہتی ہے اس لئے وہ اسے اس حد تک مہذب بنا دینا چاہتی ہے کہ وہ اپنے رب کو پہچان لے، اپنی زندگی کو پہچان لے، اپنے آپ کو پہچان لے اور اپنی زندگی کا مقصد جان لے۔ اس لحاظ سے اسلامی تعلیم کے مقاصد ذیل میں مختصراً بیان کیے جا رہے ہیں۔

1- توحید: اللہ کو مطلق حقیقت، خالق، پروردگار اور کائنات کا حاکم مطلق تسلیم کرنا اور توحید کے تصور کو اس کے تمام مضمرات سمیت پیش کرنا۔

2- ضابطہ حیات: اسلام کو مکمل ضابطہ حیات کے طور پر پیش کرنا جو دنیا اور آخرت دونوں زندگیوں سے تعلق رکھتا ہو۔

3- متحرک تحریک: اسلام کو ایک متحرک تحریک کے طور پر پیش کرنا۔

4- توازن: زندگی کا ایک متوازن نقطہ نظر پیش کرنا جو انسان کی شخصیت کی مناسب تعمیر و تشکیل کے لئے تزکیہ اور تقویٰ سے وابستہ ہو اور اس میں سماجی ذمہ داریوں کا احساس بھی پیدا کرے۔

5- معاونات: تعلیمی عمل میں سمع (آڈیو)، بصر (ویڈیو) اور مواد (تخلیق و تحقیق) کے اصولوں کو استعمال کرنا۔

6- کردار سازی: کردار کی صحیح معنوں میں تشکیل کرنا۔

7- تربیت: طلبہ کو دنیا میں فعال، ذمہ دار اور جاندار زندگی گزارنے کے لئے تیار کرنا۔

8- ہم آہنگی: طالب علم میں صحیح فطرت اور مثبت جبلتوں کے ساتھ ہم آہنگی پیدا کرنا۔

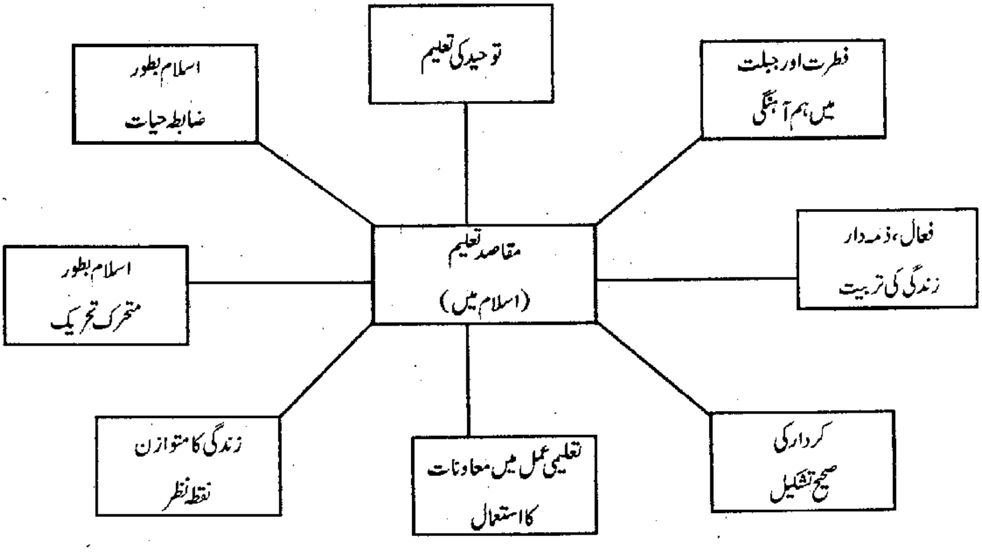

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

2.3- عملی تربیت

اسلام نے تعلیم کو عملی تربیت سے وابستہ کیا ہے اور اس کا مقصد شخصیت سازی قرار دیا ہے۔ اس کے لئے اسلام نے دو طریقے اختیار کئے ہیں۔ پہلے، انسان کے سامنے اس کے دنیا میں قیام، اس کی بے ثباتی اور اس کے حقیر ہونے کو واضح کیا ہے پھر تنبیہ کی ہے کہ دنیا کی محبت اس قدر زیادہ نہ ہو کہ آخرت کے تصور پر غالب آ جائے۔ پھر اسلام بتاتا ہے کہ دنیا میں تعمیر و ارتقاء کے عمل اور سعی و جہد کا مقصد دنیا کو دریافت کرنا، نامعلوم کو معلوم کرنا اور خیر اور عدل پر مبنی نظام قائم کرنا ہونا چاہیے۔ گویا اسلام شخصیت کی نشو و نما اور تربیت پر زور دیتا ہے۔

(الف) اسلامی شخصیت: تربیت میں اہم چیز اسلامی شخصیت کی نشو و نما ہے۔ اس کی نمایاں صفات درج ذیل ہیں۔

1- احساس و شعور، فکر و تصور اور اعمال و تصورات کے ہر پہلو میں جاہلیت اور اس کے اثرات سے قطعاً پاک ہو۔

2- اسلامی احکام پر پوری طرح عمل کرے اور اسلام ہی اس کی زندگی کا محور بن جائے۔

3- اللہ کے کلمہ کو روئے زمین میں بلند کرنے کے لئے جہاد اس کے وجود کی بنیاد ہو اور اس مقصد کے حصول کے لئے اس میں جہاد کی تمام خصوصیات اور صلاحیتیں موجود ہیں۔

(ب) تربیت کے مطالبات: اسلامی تربیت کے مطالبات مندرجہ ذیل ہیں۔

1- منہاج سلیم: وہ صحیح طریقہ جس کی ایک مسلم کی تیاری کے لئے لازمی ضرورت ہو۔ یہ منہاج صرف وہی ہے جو داعی اسلام حضرت محمد ﷺ نے اختیار کیا تھا، یعنی حکم اور دلائل۔

2- مثالی سیرت: تربیت کنندہ یعنی معلم یا استاد کے لئے خود بھی مثالی شخصیت کا حامل ہونا ضروری ہے نہ صرف یہ کہ وہ عالم، خطیب، فقیہہ ہو بلکہ پارسا، متقی اور باعمل ہو کیونکہ اگر عمل علم کے خطاب ہوگا تو نور علم بکھر جائے گا اور تعلیم کی تاثیر ختم ہو جائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ معلم انسانیت نے دنیا کو دعوت دینے سے پہلے اپنی سیرت کا نمونہ پیش کیا۔

3- موزوں اور صالح ماحول: تربیت کے لئے ایسی فضا کا ہونا ضروری ہے جس میں افراد معاشرے کی برائیوں سے کٹ کر کچھ دیر کے لئے نیکی اور اخلاق کی فضا میں رہیں۔ اسی وجہ سے آنحضور ﷺ نے پہلے ابن ارقم کے مکان کو اور پھر ہجرت کو ترجیح دی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

2.4- حکمت اور تجربی علم

اسلام نے حکمت اور تجربی علم پر جس قدر زور دیا ہے، اتنا عبادات کے علاوہ کسی اور چیز پر نہیں دیا۔ قرآن حکیم میں نماز کے بعد سب سے زیادہ تفکر، تدبر، حکمت عملی، تعقل وغیرہ سے کام لینے کا حکم آیا ہے۔ اسلام کو پیش کرنے کا طریقہ عقلی اور فکری کے ساتھ تجربی بھی ہے۔ امام غزالی علوم کے تین درجات پر یقین رکھتے تھے۔

1- عمومی علم منحصر بہ حواس

2- تجربی علم

3- وجدانی یا الہامی

امام غزالی نے تجربی علم کے تصور کی اساس سات اصولوں پر رکھی ہے جو مندرجہ ذیل ہیں۔

1- علوم کی تحقیق کے لئے تحریک

2- فنون کا روزمرہ اطلاق

3- عملی علوم کی ترقی اور ان کا عملی زندگی میں اطلاق

4- تجربی علوم وفنون کی ترقی اور ترویج

5- عملی فنون کی حوصلہ افزائی

6- معلم ومتعلم کے لئے انفرادی دلچسپیوں کے مطابق تعلیمی مواقع فراہم کرنا

7- اعلیٰ معیار کا حصول

مسلمانوں میں تجربی طریق وتحقیق کا آغاز المکندرمی نے کیا تھا۔ اس کے بعد تجربی علم خصوصاً تجربی علم کیمیاء کا باقی جابر بن حیان تھا۔ تجربے کے بارے میں وہ لکھتا ہے

''جو شخص اپنے علم کی بنیاد تجربے پر نہیں رکھتا وہ ہمیشہ غلطی کرتا ہے۔''

ابن سینا نے تجربی علم کو منطقی انداز سے ترتیت دیا تھا اور ابوالبرکات البغدادی نے تجربے میں شامل دیگر متبدل عوامل کا جائزہ لینے پر توجہ دلائی تھی۔ ان کے بعد زکریا رازی ہے جو کسی ایسی شے کو سرے سے تسلیم ہی نہیں کرتا جو تجربے میں آ کر صحیح ثابت نہ ہو۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

2.5- مختصر تاریخی جائزہ

(الف) ابتدائی عہد: مسلمانوں کی پہلی درس گاہ مسجد نبوی اور پہلے معلم پیغمبر اکرم ﷺ تھے۔ اس درسگاہ میں کم از کم پانچ بار طلبہ کی حاضری ضروری تھی۔ انہیں پہلے عقائد، پھر اولیات اخلاق اور آخر میں سیاسی و مدنی زندگی کی تعلیم دی گئی۔ مسجد نبوی میں یہ پانچ اوقات پانچ وقتہ نماز تھی۔ تاہم اصحاب صفہ کے نام سے طالبان علم کی ایک باقاعدہ جماعت بھی رہائش پذیر تھی۔ ان ستر، اسی طلبہ کو تعلیم دینے کے لیے وقتاً فوقتاً اصحاب بھی مقرر کیے جاتے تھے۔ پھر ان تعلیم یافتہ افراد کو تبلیغ کے لیے باہر بھیجا جاتا تھا۔ یہیں سے مسجد اور مکتب کے الحاق کی صورت پیدا ہوئی۔ یہیں سے طلبہ اور اساتذہ کے مقام اور رتبے کا آغاز ہوا۔ یہیں سے تعلیم کی حتمی ذمہ داری اسلامی معاشرے اور حکومت کے سپرد ہوئی۔ جس کے لیے بیت المال پر اولین حق تعلیم کا قرار پایا۔ ابتدائی عہد میں اعلیٰ تعلیم شخصی اکادمیوں کی طرز پر تھی۔ نبی اکرم ﷺ کے بعد صحابہ اور آئمہ کے دبستان میں تعلیم و تدریس کا کام انجام دیا جاتا تھا۔

(ب) دوسرا دور: اسلامی تعلیم کا دوسرا اور قدرے مربوط دور عہد عباسیہ سے شروع ہوتا ہے۔ جب مسجد مکتب نے باقاعدہ مدرسے کی صورت اختیار کر لی۔ باقاعدہ نصاب مقرر ہوا اور تعلیم کے ابتدائی، ثانوی اور اعلیٰ درجات مقرر ہوئے۔ اس دور میں خلفاء تعلیم کی سرپرستی کرتے تے۔ ان کی دیکھا دیکھی وزراء اور امراء بھی علم اور اہل علم کے سرپرست بننے لگے۔ علمی مذاکرات منعقد ہونے لگے۔ تجربہ گاہیں، رصدگاہیں اور کتب خانے قائم ہوئے۔ تمام طلبہ و اساتذہ کے اخراجات سرکاری طور پر برداشت کیے جاتے تھے۔

(ج) جدید تعلیم کا آغاز: ملک شاہ سلجوق شاہ ایران کے لائق وزیر نظام الملک طوسی نے پہلی بار اسلامی تعلیم کو جدید خطوط پر استوار کیا، اس کا نصاب تیار کرایا اور درس نظامیہ کے تحت ملک بھر میں درس گاہوں کا جال بچھا دیا۔ نظام الملک طوسی تعلیم کو اپنے تمام کاموں سے زیادہ سمجھتا تھا۔ اس کا اندازہ اس ایک جملہ سے کیجئے جو نظام الملک طوسی نے ملک شاہ سلجوق کے جواب میں کہا۔ ہوا یوں کہ شاہ کو ایک موقع پر تعلیم پر غیر معمولی اخراجات سے کچھ تشویش ہوئی۔ اس نے کہا کہ اس زر کثیر سے تو ایک لشکر جرار تیار ہو سکتا ہے۔ نظام الملک نے کہا کہ ''اے بادشاہ! تیری فوج کے تیر تو فقط چند قدم پر کام دے سکتے ہیں لیکن میں جو فوج تیار کر رہا ہوں اس کے تیر زمین کے سارے طول و عرض میں موثر ہیں اور اس کی دعاؤں اور حسنات کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تیر تو آسمان کی سیر سے بھی نہیں روک سکتے۔'' پہلی اسلامی یونیورسٹی نظامیہ کے نام سے 1066ء میں نیشا پور میں قائم ہوئی۔ اس کا وائس چانسلر امام الحرمین اور پہلا عظیم طالب علم امام غزالی تھے۔ نظامیہ یونیورسٹی میں فلسفہ، ادب، شاعری، فنون اور سائنس کی تعلیم دی جاتی تھی۔ یہاں طلبہ کی مالی اعانت بھی کی جاتی تھی۔ فاطمی خلیفہ الزاہر کے نام پر قاہرہ میں ایک یونیورسٹی 972ء میں بننا شروع ہوئی تھی۔ اسے جامعہ الازہر کا نام دیا گیا۔ صلاح الدین ایوب کے فرزند ملک الظاہر نے اس کی عمارت میں بے حد توسیع کی اور 1016ء تک یہ مکمل ہو چکی تھی۔

(د) جدید تدریسی یونیورسٹی: جدید تدریسی انداز میں پہلی یونیورسٹی اسپین میں جامعہ قرطبہ تھی جس کی بنیاد عبدالرحمٰن سوم نے رکھی تھی۔ اسے الحکم نے مزید ترقی دی۔ اس کے علاوہ/شبیلیہ، ملاغہ اور غرناطہ میں بھی جامعات قائم تھیں۔ یورپ کو سائنس اور ادب کا ذوق انہی درس گاہوں سے ملا۔ یہاں ادب، لسانیات، فلسفہ اور دینیات کے ساتھ ساتھ فلکیات، طبیعات، کیمیاء، جغرافیہ، طب اور تاریخ فطرت تجربی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔ جب خلافت کا مرکز ترکی قرار پایا تو عثمانی خلفا نے تعلیمی نظم ونسق پر خاصی توجہ دی۔ پہلی بار تعلیم کو سیاسی مقصد کے ساتھ ہم آہنگ کیا گیا اور اساتذہ کو پنشن دی گئی۔

(ر) پہلی ہندوستانی درس گاہ: سلطان نصیر الدین نے پہلی بار 1211ء میں دھلی میں نصیریہ کے نام سے ایک مدرسہ کھولا۔ اس کے جانشین غیاث الدین بلبن نے ان درس گاہوں کی تعداد میں اضافہ کیا۔ فیروز تغلق نے اپنے بجٹ کا 20 فیصد حصہ تعلیم کے لئے وقف کر دیا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہندوستان کا کوئی گاؤں ایسا نہ رہا جہاں مدرسہ قائم نہ تھا۔ مغلیہ دور میں تو اس طرف خاص توجہ دی گئی۔ تکنیکی تعلیم کا آغاز بھی اس دور میں ہوا۔ سلطان محمود تغلق کے دور میں دہلی کے اندر ایک ہزار اسلامی مدارس قائم تھے۔ مدرسین کے لیے شاہی خزانے سے تنخواہیں مقرر تھیں۔ مغل حکمران تعلیم پر اس قدر فیاضی سے رقم خرچ کرتے تھے کہ محمد شاہ رنگیلا جیسے بادشاہ نے بھی شاہ ولی اللہ کے مشہور دارالعلوم کی بنیاد رکھنے میں مدد دی۔

(س) مفت تعلیم: اسلامی تعلیم کی تاریخ میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ تعلیم ہمیشہ مفت رہی۔ فیس دے کر تعلیم حاصل کرنا مغرب کی پیداوار ہے۔ اسلامی نظام تعلیم میں تعلیمی اخراجات حکومت اور امراء برداشت کرتے تھے۔

(ص) آزادانہ تعلیم: اگرچہ حکومتیں اور امراء تعلیم کے لئے روپیہ صرف کرتے تھے لیکن وہ مدارس پر نگرانی نہیں رکھتے تھے اور نہ احتساب کرنے کی طاقت رکھتے تھے۔ نصاب تعلیم بھی حکومت کا تابع نہیں تھا۔ ہر مدرسہ اپنا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نظام چلانے کے لئے آزاد تھا۔ اساتذہ کو علمی برتری حاصل تھی اور تعلیمی فضا آزاد نہ تھی۔

(ط) موجودہ رجحانات: جدید دور میں اسلامی تعلیم ایک خاص قسم کے دینی مدارس تک محدود ہو کر رہ گئی ہے جہاں محض دینیات، علم الکلام، تفسیر، حدیث فقہ وغیرہ کی تعلیم دی جاتی رہی ہے لیکن مسلمانوں کی آزادی اور نشاۃ ثانیہ کی بدولت جدید مغربی تعلیم اور روایتی دینی تعلیم کو ہم آہنگ کرنے کی طرف بھی توجہ دی جا رہی ہے۔ اسلام آباد میں بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اس طرف پہلا بڑا قدم ہے جس کے ثمرات ظاہر رہے ہیں۔

2.6- تعلیم بطور تبلیغ تحریک

اسلام ایک تبلیغی دین ہے اور اسلامی تعلیم ایک تبلیغی تحریک ہے۔ ان امور پر بحث آپ پچھلے صفحات میں پڑھ چکے ہوں گے۔ اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ محض دین کی تبلیغ کوئی معانی رکھتی ہے یا تبلیغ تعلیمی تحریک کی وساطت ہی سے موزوں طریق کار ہے۔

یہ درست ہے کہ عالم اسلام میں تبلیغی جماعتیں اس کام کو انجام دے رہی ہیں اور پورے خلوص و جذبے سے اجتماعی طور پر دنیا کے مختلف حصوں میں اسلام کی تبلیغ کر رہی ہے ہیں جہاں صبح شام افراد کو اخلاقی تلقین کی جاتی ہے عذاب الٰہی سے ڈرایا بھی جاتا ہے تا کہ اسلام کو دین حق کو ثابت کیا جائے تاہم ضرورت اس امر کی ہے کہ اسلام کے جو فوائد ہیں وہ تجربی طور پر دنیا کو صاف طور پر دکھائے جائیں اور یہ کام صرف تعلیم کے ذریعے ہی ممکن ہے۔

اگر چہ اسلام نے طاقت کے حصول پر زور دیا ہے اور کفر کے مقابلے میں جہاد کی طرف توجہ دلائی ہے مگر یہ سعی پورا اسلام نہیں یہ طریق کار اسلامی شان وشوکت کو برقرار رکھنے کے لئے ہے جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے۔

”اور ان (کافروں) کے لئے جس قدر تم سے ہو سکے، قوت سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے سامان درست رکھو تا کہ اس طرح سے تم رعب جمائے رکھو، ان پر جو کہ اللہ کے دشمن ہیں اور تمہارے دشمن ہیں۔“ (الانفال:60)

اس قسم کی تحریک سید احمد شہید، ایرانی تحریک مسلم فدائین، مصری تحریک اخوان المسلمون (حسن البنا شہید) وغیرہ نے اختیار کر رکھی تھیں۔

ایک اور تصور یہ ہے کہ اسلام صرف ثقافتی طریق تبلیغ پر مبنی ہے۔ گویا یہ صرف تعلیمی اور فکری طریق کار ہے، چنانچہ باطل افکار کو توڑنا ہی اسلامی تحریک ہے۔ یہ کام حزب اسلامی سرانجام دے رہی ہے۔ ان کے نزدیک ثقافتی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مرحلہ ختم ہوتو عملی مرحلہ شروع ہوگا۔ 1964ء تک ان کا طریقہ کار یہ تھا کہ دوسری قوتوں سے مدد حاصل کی جائے اور اسلامی لٹریچر شائع کیا جائے۔

اسلامی تحریک ان تمام طریقوں کا مجموعہ ہے۔ یہ طریقے تبلیغی بھی ہیں اور تعلیمی بھی، فکری بھی ہیں اور عملی بھی، کارزار دنیا میں بھی ہیں اور میدان جہاد میں بھی۔ اسلامی تحریک کی خصوصیات آفاقیت، فکری، علمی، ربانی کا ذکر آپ گزشتہ صفحات میں پڑھ چکے ہوں گے۔ یہاں یہ اعادے کے طور پر صرف اتنا ذکر کریں گے کہ یہاں اسلامی تعلیم کو ان خصوصیات سے مزین ہونا چاہیے۔

اسلام	تبلیغ ہے جہاد ہے فکری تحریک ہے تعلیمی تحریک ہے	ان سب کا مجموعہ ہے	

سرگرمی

مختلف اسلامی تحریکوں کے بارے میں مختلف کتابوں میں پڑھ کر دیکھیں کہ وہ کس قسم کی تحریکیں ہیں۔

1- تبلیغی مشنری انداز سے

2- جہاد، سیاسی اور فوجی انداز سے

3- ثقافتی، فکر اور تعلیمی تحریک یا کوئی اور

2.7- اہم نکات

1- اسلامی ثقافت بنیادی طور پر تحریک ہے۔

2- اسلامی تعلیم کی بنیادی خصوصیات میں علم کے سرچشمے، تربیت، فطری صلاحیتوں، علم و بصیرت، روحانی فلسفیانہ اور سائنسی حقائق، تعلیم بطور ضرورت، علم برائے عمل، تعلیم بطور تحریک اور تعلیم بطور مذہبی تبلیغ پر زور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دیا گیا ہے۔

3- تعلیمی مقاصد میں، توحید، ضابطہ حیات، اسلامی تحریک، متوازن نقطہ نظر فعال زندگی، اسلامی کردار، تعلیمی عمل اور فطرت وجلبت میں ہم آہنگی اہم ہیں۔

4- اسلام نے تعلیم کو تربیت سے وابستہ کیا ہے۔

5- اسلامی تربیت کا مقصد شخصیت کی تعمیر ہے۔ جو منہاج سلیم، مثالی سیرت اور موزوں اور صالح ماحول کا تقاضا کرتی ہے۔

6- اسلام نے حکمت اور تجربی علم پر زور دیا ہے۔

7- مسلمانوں کے تمام ادوار میں تعلیم اس کی تحریک بنی رہی اگرچہ حکومت رقم صرف کرتی تھی لیکن تعلیم آزادانہ اور مفت ہوتی ہے۔

8- علم مقصد حیات ہے اور انسان کو علم کی خاطر زندگی کی ہر مصیبت اٹھانا چاہیئے۔

9- تربیت تعلیم کا حصہ ہے۔ اسلام میں تعلیم کو تربیت سے علیحدہ نہیں کیا گیا۔

10- اسلام پہلا دین اور ثقافت ہے جس میں تعلیم کو تمام انسانوں کے لیے ضروری قرار دیا گیا۔

2.8- خود آزمائی نمبر 2

سوال نمبر 1- مندرجہ ذیل میں سے کون سے بیانات صحیح ہیں اور کون سے غلط؟

(1) اسلامی ثقافت بنیادی طور پر تعلیمی تحریک ہے۔

(2) اسلام نے عبادت کے بعد حکمت اور تجربی علم پر زور دیا ہے۔

(3) مسلمانوں کی پہلی درسگاہ مسجد قبا تھی۔

(4) اسلامی تعلیم کا دوسرا دور عہد امیہ سے شروع ہوتا ہے۔

(5) پہلی اسلامی یونیورسٹی نظامیہ کے نام سے 1066ء میں نیشاپور میں قائم ہوئی۔

سوال نمبر 2- مندرجہ ذیل خالی جگہ موزوں الفاظ سے پر کریں۔

(1) مسلمانوں کی پہلی درسگاہ............تھی۔

1- مسجد اقصیٰ 2- مسجد نبوی 3- مسجد قبا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(2) .... نے پہلی بار اسلامی تعلیم کو جدید خطوط پر استوار کریں۔

1- نظام الدین اولیاء 2- نظام الملک طوسی 3- ملک شاہ سلجوق

(3) جامعہ قرطبہ اسپین کی جدید تدریسی یونیورسٹی جس کی بنیاد .... نے رکھی۔

1- موسیٰ بن نذیر 2- شاہ سلجوق 3- عبدالرحمٰن سوم

(4) سلطان نصیر الدین نے پہلی بار سن .... میں دہلی میں منصوبہ کے نام سے مدرسہ کھولا۔

1- 1210 2- 1211 3- 1212

(5) فاطمی خلیفہ الزہرا کے نام پر قاہرہ میں ایک یونیورسٹی .... میں بننا شروع ہوئی جسے جامعہ الازہر کا نام دیا گیا۔

1- 1066ء 2- 903ء 3- 972ء

سوال نمبر 3- اسلامی تعلیم کی بنیاد خصوصیات تحریر کریں۔

سوال نمبر 4- اسلامی تعلیم کے مقاصد لکھیں۔

سوال نمبر 5- امام غزالی کے تجربی علم کے تصور کے اصول بیان کریں۔

سوال نمبر 6- اسلام کا حکمت پر مبنی اور تجربی علم کیا ہے؟ تفصیل سے تحریر کریں۔

سوال نمبر 7- ''اسلامی تعلیم بطور ایک تبلیغی تحریک'' تفصیلی جائزہ پیش کریں۔

سوال نمبر 8- اسلامی تعلیم کی بنیادی خصوصیات پر نوٹ تحریر کریں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

3- مسلمانوں کے علمی وفنی کارنامے

مسلمانوں کے علمی وفنی کارناموں کی تفصیل اس قدر ہے کہ اسے مختصراً بیان کرنے کے لئے بھی جارج سارٹن جیسے مورخِ علم کو کئی جلدیں درکار تھیں۔ یہ اسلامی عہد کی برکت تھی جس کی بدولت یورپ ذہنی، اخلاقی اور اجتماعی طور پر زندہ ہوا۔ وہاں علمی نشاۃ ثانیہ کا آغاز ہوا اور جدید سائنس کی بنیادیں استوار ہوئیں۔

3.1- قبل اسلام تعلیمی حالت

عیسائیت نے تعلیم پر اس قدر پابندیاں لگا دی تھیں کہ مسیحی عہد سلطنت میں پورے یورپ میں ایک بھی مدرسہ قائم نہ ہو سکا اور نہ کہیں کتابیں موجود تھیں۔ اسکندریہ کا قدیم اور عظیم کتب خانہ کچھ تو جولیس سیزر نے اور باقی عیسائیوں نے تباہ کر رکھ دیا تھا۔

ظاہر ہے کہ کتابیں نہ رہیں گی تو علم کہاں ہو گا؟ اس لئے عرصہ دراز تک یورپ پر جہالت کی تاریکی چھائی رہی۔ اس وقت اگر مسلمان نہ ہوتے اور وہ اپنے مذہب کے احکام کے مطابق علم کی مشعلیں روشن نہ کرتے تو انصاف کی بات یہ ہے کہ یونانیوں کے علمی سرمائے کا موجودہ یورپ تک پہنچنا مشکل ہی نہیں، ناممکن بھی ہوتا۔ لوگوں نے یونانی علم بھلا دیا تھا، مسلمانوں نے بڑی تلاش اور تحقیق کے بعد اسے اکٹھا کیا، اسے عربی لباس پہنایا اور تحقیق کی کسوٹی پر پرکھنا شروع کیا۔

بریفالٹ اپنی کتاب (Making of Humanity) میں لکھتا ہے

> "سائنس کی ابتداء عرب تہذیب سے ہوئی اس سے پہلے دنیا سائنس سے ناآشنا تھی۔ یونانیوں نے علم کو مرتب کیا نظریات پیش کیے لیکن سائنسی طریقہ کار، تجربات، تحقیق اور دقیق مشاہدے سے وہ بالکل واقف نہیں۔ یونانیوں نے تھے۔ یورپ میں سائنس نے جو ترقی کی اس کی بنیادیں یونانیوں نے نہیں بلکہ عربوں نے مہیا کیں۔"

3.2- مسلمان اور حصول علم

ساتویں صدی عیسوی میں مسلمان وسط ایشیاء فارس، شمالی افریقہ اور یمن تک پھیل چکے تھے۔ ان کے تجارتی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قافلے شاہراہوں پر رواں دواں تھے جن میں سامان تجارت کے ساتھ ساتھ دیگر دنیا سے علوم وفنون بھی منتقل ہوئے۔ یونان، ہند اور ایران کی سائنس بھی مسلمانوں کے پاس جمع ہو چکی تھی۔ اس زمانے میں علوم ایک ملک سے دوسرے ملک کو منتقل ہونا بہت مشکل تھا۔ اکثر کتب سریانی (شامی) سے عربی میں ترجمہ ہوئیں بعد ازاں عربی سے لاطینی میں ترجمہ ہو کر بالآخر یورپ کی دوسری زبانوں میں منتقل ہوئیں۔

عیسائی دنیا کے برعکس اسلامی دنیا میں زبانوں پر قفل نہیں چڑھائے گئے، نہ غور وفکر پر پابندی لگائی گئی، نہ حکما وعلماء کے پیچھے خفیہ پولیس متعین کی گئی، نہ مفکروں اور فلسفیوں کو مذہب کے نام پر زندہ جلایا گیا بلکہ عالموں، انجینئروں اور سائنسدانوں کی بہت زیادہ سرپرستی کی گئی، یہی وجہ تھی کہ صرف چند ہی صدیوں میں اسلامی علوم کے ساتھ ساتھ سائنسی تحقیقات میں بھی اضافہ ہوا۔

تاریخ کے مطالعے سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ مسلمانوں نے جس ملک کو فتح کیا، وہاں علم کے خزانوں کی تلاش شروع کی اور جتنی بھی کتابیں دستیاب ہوتیں، دار الحکومت کو بھیج دی جاتیں۔ وہاں ان کی حفاظت اور ترجمے کا کام ہوتا تھا۔ بغداد کے عباسی خلفاء نے ہندوستان اور قسطنطنیہ تک سفارتی مہمیں بھیجیں تاکہ وہاں سے ہر قیمت پر علمی حیثیت کی کتابیں خریدی جائیں۔ نادر قلمی نسخوں کی تلاش، خرید وفروخت اور کتب خانے قائم کرنے کے لئے خلفاء، وزراء، امراء اور عوام میں مقابلہ تھا۔ مدرسوں اور علماء کی سرپرستی بڑھ چڑھ کر کی جاتی تھی۔ نہ صرف مرد بلکہ خواتین بھی خلیفہ کے دربار میں علمی مناظروں میں حصہ لیتیں۔

3.3- خلفائے اسلام کا دور

بنوامیہ نے 681ء میں دمشق میں اپنا سلسلہ خلافت قائم کر کے علماء کو جمع کرنا شروع کر دیا تھا، اگرچہ وہ روما کے پہلے دور سے متاثر تھے۔ لیکن افادہ پسندی کے ساتھ ساتھ تجربی تحقیق پر بھی ان کی نظر تھی۔ انہوں نے دمشق میں ایک فلکی رصدگاہ بنا رکھی تھی۔ لیکن امویوں کے ہاں مذہب کی اس تحریک سے کام لینے کی صلاحیت کم تھی، جسے تجربی علم کی بنیاد قرار دیا گیا ہے۔ 749ء میں ان کا زوال ہوا تو عباسی خلفاء نے ان کی روایت پر عمل کرنا شروع کر دیا۔

عباسی خلفاء میں منصور اور مامون الرشید اس سلسلے میں مشہور ہیں۔ منصور نے ایرانی کتابوں کے تراجم پر زور دیا اور مامون نے بغداد میں ایک بہت بڑا کتب خانہ "بیت الحکمت" قائم کیا۔ یہ کتب خانہ 833ء میں قائم کیا گیا تھا، اس کے لئے یوحنا بن ماسویہ اور حنین ابن اسحٰق جیسے بلند پایہ مفکرین کو علماء اور مترجمین کی خدمات مہیا کی گئی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھیں۔ دنیا کے کونے کونے سے علوم وفنون کے ماہرین کو اعلیٰ معاوضوں پر طلب کیا گیا۔ انہیں اس قدر گراں معاوضے دیئے جاتے تھے کہ ان کے ذکر ہی سے حیرت ہوتی۔ ابوالفرح لکھتا ہے

''مامون الرشید نے مؤلفین اور مترجمین کے لئے بیش قرار وظائف اور تنخواہیں مقرر کی تھیں حتیٰ کہ وہ ان تراجم کو، جو اس کے لئے کئے جاتے تھے، سونے سے وزن کر کے لیتا تھا، اس بارے میں اس کی عنایت اور توجہ کا یہ عالم تھا کہ وہ ہر اس کتاب پر جو اس کے لئے ترجمہ کی جاتی، اپنی خاص مہر لگاتا اور لوگوں کو ان کے مطالعے اور درس کی ترغیب دیتا تھا۔''

کتابوں کے ضمن میں مسلمان عربوں کی ایک اور بات قابل ذکر ہے کہ انہوں نے صرف علمی کتابوں کو جمع کرنے کا بیڑہ اٹھایا اور یونانی شعراء، مؤرخوں اور ڈرامہ نگاروں کی نگارشات کو نظر انداز کر دیا۔ چنانچہ ثالیس سے اپولونیئوں تک جتنے بھی یونانی فلسفی گزرے ہیں، ان سب کی علمی کاوشیں عربی میں ترجمہ ہو چکی تھی۔

جس وقت یورپ میں علم کا کوئی ایک دیا بھی روشن نہیں تھا، مسلمان ارسطو افلاطون اور سقراط کے افکار پر تنقید و تحقیق کی روشنیاں بکھیر رہے تھے۔ انہیں علم اشیاء کے متعلق یونانی نظریات کھوکھلے اور سطحی معلوم ہوئے تو انہوں نے اپنے مشاہدات اور عملی تجربوں سے ان میں ترمیم اور اصلاح کی۔

مامون کے بعد تقریباً ہر خلیفہ اور سلطان نے کتب خانے قائم کئے اور علماء کی سرپرستی کی۔ مسلمانوں کے پاس اس قدر کتابیں جمع ہو چکی تھیں کہ جب منگولوں نے صرف بغداد کی کتابیں دریائے دجلہ میں پھینکیں تو دریا کا پانی سیاہی گھلنے سے کالا ہو گیا اور دریا کے آرپار ایک بند سا لگ گیا۔ ان کی تعداد چار لاکھ کے لگ بھگ تھی۔

عباسیوں کے عہد اندلس کے اموی خلفاء نے علم کی سرپرستی کا بیڑا اٹھایا۔ خلیفہ الحکم بن ناصر نے زر کثیر خرچ کر کے کتابیں جمع کیں۔ ایک ایک کتاب ہزار دینار میں خریدی جاتی تھیں۔ کتابوں کی فہرست بنانے کا جو طریقہ اس کے کتب خانے میں وضع ہوا، وہی آج تک چلا آ رہا ہے۔

بغداد اور اندلس کی تقلید میں مصر لے فاطمی خلفاء نے بھی کتب خانے قائم کئے اور لاکھوں کتابیں جمع کیں۔ اس دور میں طرابلس میں ایک بڑا کتب خانہ تھا جس میں تین لاکھ کتابیں تھی، انہیں بعد میں انگریزوں نے جلا دیا۔ ان بڑے بڑے کتب خانوں کے علاوہ امراء اور عوام کے سینکڑوں چھوٹے چھوٹے کتب خانے تھے۔ جہاں لاکھوں کی تعداد میں کتابیں موجود تھیں۔ انہی کتابوں کی بدولت مسلمانوں نے سائنس اور علم کو وہ مقام دیا، جو آج تک کسی قوم نے علم کو نہیں دیا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بریفالٹ اپنی کتاب (Making of Humanity) میں لکھتا ہے

’’اگرچہ یورپی تاریخ کا کوئی پہلو ایسا نہیں ہے جس پر مسلمانوں کی کوششوں کے اثرات نہ ہوں لیکن سائنس اور سائنسی طریق جو کہ یورپی تہذیب کو ترقی کی راہ پر ڈالنے کے ذمہ دار ہیں۔ مسلمانوں کا یہی دیا ہوا خزینہ ہے۔‘‘

3.4- مسلمانوں کے تجربی حاصلات

مسلمانوں نے صرف یونان، ہندوستان اور ایران کی مشہور کتابیں ترجمہ کرنے اور رٹ لینے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ علوم کی مختلف شاخوں کو ترقی بھی دی، جگہ جگہ رصدگاہیں قائم کیں، ستاروں کی چال ڈھال پر غور وفکر کے بعد کائنات کے متعلق بہت سی باتیں دریافت کیں۔ علم تشریح الاعضاء کی جانب توجہ دی، امراض کے اسباب بیان کئے اور علاج کے طریقے دریافت کئے۔ شفا خانے بنوائے۔ جغرافیہ، فلسفہ، کیمیا، طبیعات، ریاضی اور فن تعمیر میں کمال پیدا کیا۔ باغات لگائے، بند بنائے، نہریں تعمیر کیں، روشنی کا انتظام کیا اور دنیا میں حسین تعمیرات اجاگر کیں۔

یونانی سائنس اس وجہ سے ایک خاص حد سے آگے نہ بڑھ سکی کیونکہ اس میں نجوم اور دیو مالا کو بے جا اہمیت دی گئی تھی۔ افلاطون جیسا مفکر سورج کی روح کی عبادت پر زور دیتا تھا۔ یونانیوں کی تمام تر سائنسی معلومات کا تعلق تصور، مشاہدہ اور منطق تک حدود تھا۔ مسلمانوں نے نجوم اور دیو مالا جیسی خرافات کو سائنس میں سے نکال کر اسے مضبوط علمی استحکام بخشا۔ انہوں نے سائنسی نظریات کو تجربے کی کسوٹی پر پرکھا۔ یوں انہوں نے سائنس میں نئی نہج کا آغاز کیا اور جدید سائنس کے لئے راہ ہموار کی۔

3.4.1- سائنس، مسلمانوں سے پہلے

رابرٹ بریفالٹ کی رائے ہے کہ ’’عہد قدیم میں سائنس کا وجود ہی نہ تھا۔ یونانیوں کے ہاں علوم فلکیات اور ریاضی باہر سے پہنچے جو ان کی تہذیب وتمدن میں جذب نہ ہو سکے۔ یونانیوں کی تگ ودو محض نتائج اخذ کرنے اور نظریاتی طریقوں تک محدود ہی لیکن صحیح تحقیقاتی طریقے، معلومات کی فراہمی، تفصیلی اور دیرپا مشاہدات اور تجرباتی تحقیقات یونانی مزاج کے سراسر ناموافق تھے۔ قدیم دور میں صرف ہیلن کے یونان میں سائنسی تحقیقات کا تھوڑا بہت کام ہوا۔‘‘

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وہ مزید لکھتا ہے کہ ''عربوں کے پاس یونانی سائنس کی منتقلی کم از کم تین سلسلوں میں عمل میں آئی اور یہ تینوں سلسلے ایک دوسرے سے بے حد گھتے ہوئے تھے۔ پہلا سلسلہ تو یونان کے ان سائنسی مصنفین کا ہے جن کی کتابوں کے عربی تراجم ہوئے، جن کا عرب علماء نے مطالعہ کیا، ان پر شرحیں لکھیں اور اختصارہ قلمبند کئے۔ دوسرا سلسلہ ان نتائج علمیہ اور سائنسی اصولوں کا ہے جسے عربوں نے اخذ کیا، ان کو فروغ اور ترقی دے کر مالا مال کیا، لیکن عرب ہمیں ان ماخذوں کا پتا نہیں دیتے۔ تیسرا سلسلہ ان سوالات کا ہے جو بعد کے زمانہ میں پیدا ہوئے، جن پر عربوں نے اپنے مخصوص انداز میں بحثیں کیں اور ان کے حل نکالے۔''

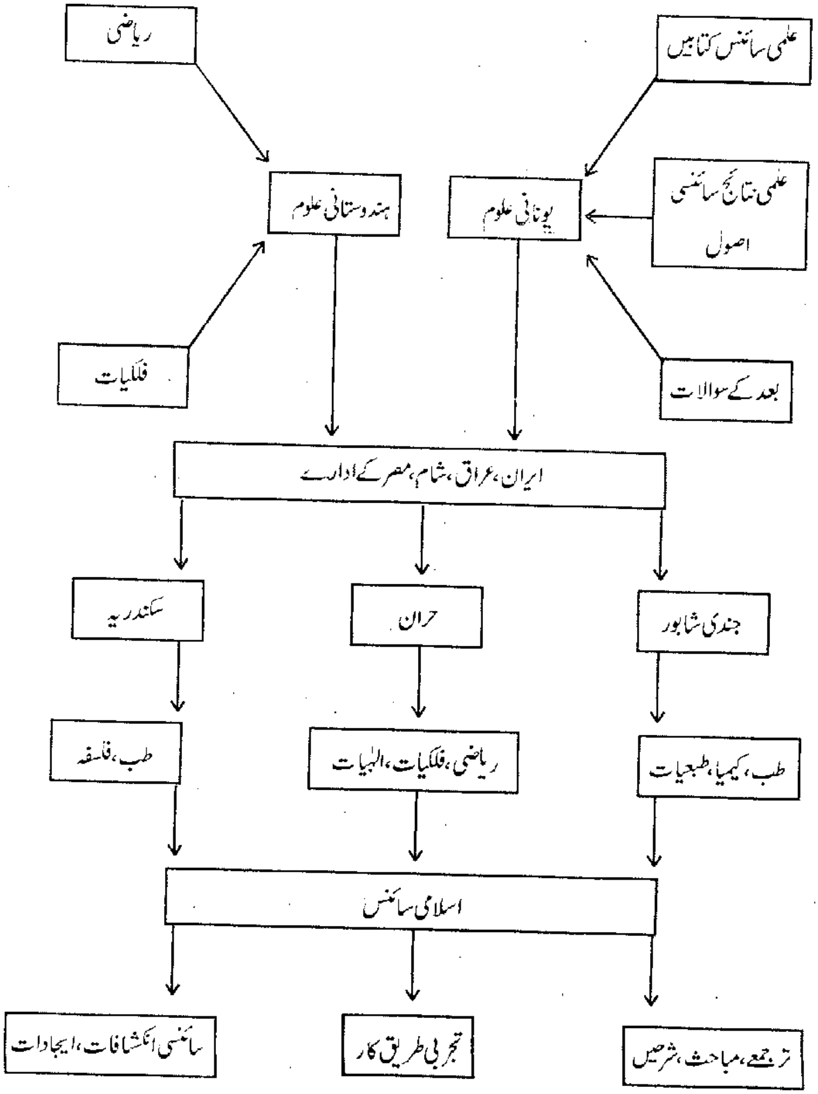

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

3.4.2- مسلمانوں میں علوم کی منتقلی

جہاں تک یونان سے آنے والے علوم کا تعلق ہے اولیری خود ہی اپنے نظریے کو رد کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ ایک اور ماخذ ہندوستانی تفکر بھی ہے جہاں سے ریاضی اور فلکیاتی علوم کا بالواسطہ منتقلی کی ایک موج آئی۔''

اسلام سے پہلے مشرق کے بہت سے شہران یونانی علوم وفنون کے مراکز بن چکے تھے۔ ان میں سکندریہ، جندی شاپور اور حران کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ سکندریہ کے سکول کے طب، کیمیا، طبیعات وغیرہ میں شہرت حاصل کی تھی۔ البتہ ان کے ہاں تمام مباحث میں جادو، دیومالا اور علم نجوم وغیرہ کی آمیزش پائی جاتی تھی۔ یہاں کہ عیسائیت کے غلبہ کے تحت نو افلاطونیت اور نسطوریت کے اثرات غالب تھے۔ حران علوم وفنون کا ایک بڑا مرکز تھا۔ جہاں ریاضی ارفلکیات کو بہت فروغ حاصل ہوا اور جندی شاہ پور میں طلب وفلسفہ نے بہت زیادہ ترقی کی۔

جب اسلامی فکر دو واضح گروہوں معتزلہ اور اشعریہ میں تقسیم ہوگئی اور اس اختلاف نے شدت اختیار کر لی تو ارسطو کی تعلیمات کے پیروکار مسلمان مفکرین نے جنہیں مشائین کہا گیا، عقل اور الہام کی بحث سے قطع نظر کرتے ہوئے ہر قسم کے حسی علم کو مشاہدے اور تجربے کی کسوٹی پر پرکھنا شروع کیا اور یوں جو نتائج سامنے آئے محض انہی کو معتبر مانا گیا۔ مختصراً یہ کہ مسلمانوں نے نظری علوم کو تجربی علوم کی کسوٹی پر رکھ کر پرکھنا شروع کیا اور یوں سائنس اپنی حقیقی بنیادوں پر وجود میں آئی۔

مشہور مسلمان سائنس دان جنہوں نے سائنس کی دنیا میں انقلاب برپا کیا ان کے نام درج ذیل ہیں۔

1- حسن بن حسین الہیثم
2- جابر بن حیان الکوفی
3- محمد بن موسیٰ الخوارزمی
4- ابوموسیٰ علی بن زین الطبری
5- ابوعباس احمد الفرغانی
6- ابوبکر محمد ابن الزکریا الرازی
7- بوعلی الحسین ابن عبداللہ ابن سینا
8- ابوبکر محمد ابن یحییٰ ابن ماجہ
9- ابوبکر محمد ابن طفیل
10- ابوالولید محمد ابن رشد
11- علی ابن العباس مجوسی
12- حسنین ابن اسحاق

3.5- مسلمانوں کے سائنسی انکشافات

ان مسلمان سائنسدانوں کے سائنسی انکشافات اور ایجادات کی فہرست یوں تو بہت طویل ہے مگر مختصراً یہ کہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انہوں نے روشنی، نظر، کسوف، بادوباراں، حیوانات، نباتات، طب، کیمیا اور خواص اشیاء پر متعدد کتابیں لکھیں اور تجربے کئے۔ بارود اور تیزاب ایجاد کیا۔ زمین کے محیط اور قطر کی صحیح پیمائش کی اور یہ کہا کہ سالانہ گردش میں زمین کو نہیں بلکہ سورج کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ انہوں نے سیاروں کے مداروں کے بیوض ہونے کا اعلان کیا۔ کمپاس یعنی مقناطیسی سوئی کو قطب نما میں استعمال کیا۔ اگرچہ کاغذ کے موجد چینی تھے لیکن مسلمانوں نے اس صنعت کو ترقی دی اور دور تک پھیلایا۔ انہیں ساتویں صدی سے پہلے ہی ہوائی چکیوں کا علم ہو چکا تھا۔ شیشہ گری میں انہیں مہارت حاصل تھی۔ دوربین کی ایجاد بھی انہوں نے کی تھی۔

وہ صدیوں تک بارود استعمال کرتے تھے۔ جدید بارود کی تیاری تیرھویں صدی میں شام میں ہوئی، اس وقت تک وہ آتش یونانی -گریک فائر) استعمال کرتے رہے تھے۔ آتشِ یونانی یونانیوں یا قسطنطنیوں نے ایجاد نہیں کی تھی بلکہ عربوں ہی نے سب سے پہلے اسے جنگی مقاصد کے لئے استعمال کیا تب کہیں قسطنطنیہ والوں کو اس کا پتا چلا لیکن انہوں نے اسے الہامی عطیہ کہہ کر عوام سے اس کا راز چھپائے رکھا۔ اس طرح توپ سب سے پہلے افریقہ کے ایک سردار یعقوب نے بنائی تھی۔

خلیفہ مامون کے دور میں عرب جغرافیہ دانوں نے پروثوق انداز میں زمین کے گول ہونے کا اعلان کیا۔ انہی جغرافیہ دانوں نے اعلان کیا کہ زمین سے اٹھاون میل کی بلندی تک ہوا ہے اور اس کے اوپر خلا ہے جبکہ ارسطو اور دوسرے یونانی مفکرین بلکہ نشاۃ ثانیہ کے بعد کے کئی مفکرین بھی خلا کے وجود سے انکار کرتے رہے تھے۔ مامون کے منجموں نے درجہ عرض بلد کی قیمت 3/2-56 عربی میل مساوی 2/1-69 انگریزی میل معلوم کی تھی۔ اس نے زمین کا نقشہ بھی بنوایا تھا۔

مذہبی تقاریب اور قمری مہینوں کی تقویم کے لئے مسلمانوں کو علم فلکیات کی ضرورت تھی اس لئے انہوں نے ابتداء ہی سے اس علم پر مشاہدات سے دسترس حاصل کر لی۔ البتانی نے زمین کی روزانہ محوری گردش کو ممکن ثابت کیا تھا۔ اویسی (66-1100) نے سب سے پہلے زمین کا چاندی کا کرہ بنایا تھا جس میں پہاڑ، دریا، جنگل اور وادیاں بنائی گئی تھیں۔

مختلف امراض اور ان کے علاج میں مسلمان اپنا خاص مقام رکھتے تھے۔ دورِ جدید تک جس قدر ادویات تیار کی جاتی رہیں، ان کی تیاری کے لئے عربی ''قرابادین'' کو سامنے رکھا جاتا رہا ہے۔ ابن سینا کی کتب ''القانون'' بصری کی کتاب ''الحیوان'' اور ابو القاسم کی ''جراحی'' سترھویں صدی عیسویں تک یورپ میں نصابی کتب کے طور پر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پڑھائی جاتی رہیں۔ ان کتابوں میں انسانی دماغ اور اعصاب کی تصاویر بنی ہوئی تھیں۔ ابن سوری کی کتاب میں خشک بوٹیوں کی رنگین تصاویر تھیں۔ یہ کتاب عربوں کی پہلی رنگین مصور کتاب قرار دی جا چکی ہے۔ مردوں پر عمل تقطیع اگرچہ اسلام کی رو سے حرام ہے لیکن ابن ماسویہ نے خلیفہ کے ایک لنگور پر عمل جراحی کر کے اعضاء کی صحیح صحیح تصویر پیش کی تھی۔ دوران خوان کا جدید نظریہ ولیم ہاروے سے منسوب کیا جاتا ہے۔ حالانکہ اس سے بہت پہلے ابن نفیس نے یہ نظریہ پیش کیا تھا۔ مسئلہ ارتقاء جدید نظریہ سمجھا جاتا ہے حالانکہ اس مسئلے کی تعلیم مسلمانوں کے مدارس میں دی جاتی تھی۔ عثمان الجاحظ (پ 869ء) نے ارتقاء حیات کا نظریہ پیش کیا تھا۔ اس کے بعد المسعودی اور پھر ابن مسکویہ نے اس کی تشریح کی۔ ابن رشد نے سب سے پہلے اس نظریے کا اظہار کیا کہ قانون ارتقاء کا اثر حیوانات، نباتات اور جمادات سب پر یکساں ہوتا ہے۔ ابو القاسم الزاہری نے مثانہ کی پتھری نکالنے کے لئے جسم کا جو مقام چیر پھاڑ کے لئے تجویز کیا تھا، آج تک اسی پر عمل ہو رہا ہے۔ تپ دق (ٹی بی) کا علاج اور چیچک کا ٹیکہ مسلمانوں ہی کی ایجاد ہے۔

3.6- علم ریاضی اور مسلمان

علم ریاضی سے مسلمانوں کو خصوصی دلچسپی تھی آٹھویں صدی عیسوی میں دنیا کی ریاضی اور فلکیات میں چینیوں کے بعد مسلمانوں نے بلند پایہ تحقیقات کا اگلا قدم اٹھایا اور علم حساب کو زیادہ عملی رنگ دینے کی کوشش کی۔ موجودہ دنیا پر اعداد کے موجودہ طریقہ تحریر کے علاوہ مسلمانوں کا الجبرے اور مثلثات (ٹرگنومیٹری) کا بہت زیادہ احسان ہے۔ اعداد لکھنے کی عربی علامتیں مسلمانوں نے ہندوؤں سے سیکھیں اور ان میں متعدد اضافے کئے۔

علم حساب کو پروان چڑھانے کے لئے مسلمانوں نے سب سے پہلے اقلیدس کی ''مبادیات'' کے تراجم کئے۔ الکندی نے اس کی اصلاح کی اور ''رسالہ فی اصلاح کتب اقلیدس'' لکھا۔ ابن الہیثم نے اسے مناسب ترتیب دی۔ ابو الفالبوز جاتی نے اس کی شرح کا آغاز کیا۔ اس کے شاگردوں نے اس شرح کو جمع کیا جو تیرہ کتابوں پر مشتمل تھی۔ بوعلی سینا نے اس کا اختصار کیا اور محقق طوسی نے اس کی شرح لکھی۔ اس کی مرتب کردہ ''تحری اقلیدس'' خود ''مبادیات'' سے زیادہ مقام رکھتی ہے۔

الجبرا خصوصی طور پر مسلمانوں کی ایجاد ہے۔ ڈاکٹر ڈریپر لکھتا ہے ''الجبرا کے لئے ہم عربوں کے ممنون ہیں۔ کلیسا نے بارہ سو برس کی آمرانہ حکومت میں ایک بھی ریاضی دان پیدا نہیں کیا، جو عربوں کا ہم پلہ ہو سکتا ہے اور حقیقت بھی یہی ہے۔ المامون کے عہد میں محمد بن موسیٰ الخوارزمی (780-850ء) نے علم حساب میں الجبرے کا اضافہ کیا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور کتاب ''الجبر والمقابلہ'' لکھی۔ اس نے اس کتاب میں دودرجی مساوات کے لئے (لا) کے حل سے بحث کی ہے۔
خوارزمی کے اس رسالے کا 1831ء میں ایف روزن نے انگریزی میں ترجمہ کیا۔ اس نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ مسلمانوں نے یہ علم ہندوؤں سے حاصل کیا۔ اس مقصد کے لئے اس نے بھاسکر آچاریہ کی کتاب ''لیلاتی'' اور ''وجے گیتا'' کا حوالہ دیا۔ لیکن وہ یہ بھول گیا کہ خوارزمی نویں صدی عیسویں میں گزرا تھا اور بھاسکر اچاریہ بارہویں صدی عیسوی میں۔

خوارزمی کے بعد احمد النہاوندی (وفات 1040ء) نے کسور کی تقسیم اور جذر المربع دریافت کرنے کے طریقوں کی وضاحت کی اور ابراہیم انفرازی نے مکعب مساواتوں کے حل معلوم کرنے کے لئے خوارزمی کا ہندسی طریقہ استعال کیا۔ عمر خیام (وفات 1124ء) نے الجبرے کو بہت ترقی دی اور سہ درجی مساوات کے حل کو فروغ دیا۔ گیارہویں صدی عیسویں میں سیف الدولہ ہمدانی کے درباری ریاضی دان القرشی نے سہ درجی مساوات کے ہندسی اور حسابی حل تلاش کرنے کے علاوہ مقادیراہم کے متعلق بعض بنیادی معلومات حاصل کیں۔ اس نے قدرتی اعداد (n) کے مربعوں اور مکعبوں کے مجموعے کی قیمتیں بھی دریافت کیں۔ بعد ازاں انہی بنیادوں پر ابوالونا، ابن الہیثم اور ثابت بن قرہ نے تحقیقات جاری رکھیں۔

لطف اللہ المہندس بن استاد احمد المعمار لاہور کے اس نامی گرامی خاندان سے تعلق رکھتے تھے جس کی تین پشتوں نے بڑے بڑے ریاضی دان اور انجینئر پیدا کیے۔ استاد احمد اور استاد حامد نے دہلی کا لال قلعہ، جامع مسجد اور تاج محل آگرہ تعمیر کیا حاشیہ علی شرح خلاصہ الحساب پر متعدد کتابیں لکھیں جو خود ریاضی کے میدان می ایک بہت بڑا خزانہ ہیں ان میں: (1) بحر الحساب۔ علم حساب پر ایک مضبوط کتاب تھی۔ (2) خلاصۃ الحساب۔ اس کتاب میں علم الحساب کے قواعد کو آسان زبان میں دس ابواب میں لکھا گیا ہے۔ یہ کتاب ایران اور ہندوستان میں متعدد بار چھپ چکی ہے۔

علامہ تفصّل حسین خان جنہوں نے ابر سالنہ فی المخروطات اور الکتاب فی الجبر مشہور تصانیف لکھیں۔
الجبرے کے بعد مسلمانوں کی ایک بڑی ایجاد علم مثلثات (ٹرگنو میٹری) تھی۔ یہ ایجاد البتانی (877ء تا 918ء) نے کی تھی۔

علم المثلثات میں عبدالرحمٰن الصوفی کا نام صف اول پر ہے، جو ماہر فلکیات بھی تا۔ اس نے اپنے مشاہدات پر مبنی باتصویر کتاب ''صورۃ الکواکب'' لکھی جو اب بھی بڑی مدت کے متغیر ستاروں اور سست رفتار ستاروں کی تحقیق

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں ممد ثابت ہوتی ہے۔

اس کے بعد الزرقالی اور دوسرے ریاضی دانوں نے گیارہویں صدی عیسویں کے دوسرے نصب حصے میں جدول طیطلی مرتب کی۔ ابو الوفا نے جیب کی جدولیں آدھے درجے کے وقفے سے نو مراتب اعشاریہ تک صحیح مرتب کیں یہی وجہ ہے جارج سلاڈن نے ابو الوفا کو ریاضی کی اہم شخصیت قرار دیا۔

تیرھویں صدی میں علم مثلثات کو جو ترقی ہوئی، وہ مسلمانوں ہی کی کوشش کا نتیجہ تھی۔ اس صدی کے پہلے نصف حصے میں زیادہ توجہ مبذول کی۔ نصیر الدین طوسی نے 1259ء میں اپنی کتاب ''شکل الاقطاع'' لکھی۔ اس میں علوم ہندسہ اور مثلث کے جدید ترین مسائل اور تصورات شامل ہیں۔

گویا مسلمان ماہرین ریاضی نے کسور اعشاریہ، عددی سلسلے اور ریاضی سے متعلق ایسے ہی شعبوں کو ترقی دی مسلمانوں نے الجبرے کو ترقی دی اور منضبط کیا نیز الجبرے اور جیومیٹری کا باہمی ربط ہمیشہ قائم رکھتا مسلمان ریاضی دانوں نے نہ صرف یونانیوں کے مستوی اور مجسماتی ہندسے کے کام کو آگے بڑھایا بلکہ مسلمانوں ہی نے مثلثی ہندسے بہ حیثیت مستوی اور مجسمانی کو ترقی دی اور تفاعل کے درست جدول تیار کیے اور مثلثی نسبتوں کے باہمی تعلق دریافت کئے۔

یہ تھا مسلمانوں کے الجبرے اور ریاضی کا حال، جس کے متعلق مسکینزی کہتا ہے کہ ''مسلمانوں نے اسے ادھر ادھر سے سیکھ کر جوں کا توں آگے بڑھا دیا'' حقیقت یہ تھی کہ مسلمانوں کی تحقیقات کو یورپ والوں نے مصلحتاً یا تعصباً اپنے نام سے منسوب کر لیا تھا۔ لیکن مسلمان اتنے متعصب نہیں تھے۔ انہوں نے اپنے علوم کا نام یونانی، ہندی اور فارسی ہی رکھا۔ جہاں سے انہوں نے انہیں حاصل کیا تھا۔ ادھر یورپ والوں نے جابر بن حیان کو گیبر، ابن رشد کا اویرو، ابن سینا کو ایووِنا اور ابن الہیثم کو الہیزن کہنا شروع کیا تاکہ ان کا عرب ہونا ثابت نہ ہو۔

3.7- علم الکیمیا اور مسلمان

مشہور مورخ گبن کہتا ہے ''علم الکیمیا کی ابتدا و اصلاح کا سہرا عرب مسلمانوں کے سر ہے۔ یہ عرب ہی تھے جنہوں نے سب سے پہلے تیزاب اور الکلی میں امتیاز پیدا کیا ان کا باہمی تعلق معلوم کیا نیز زہروں (Poisons) کے ادویاتی پہلوؤں پر روشنی ڈالی اور انہیں علاج معالجے میں استعمال کیا۔''

آٹھویں صدی میں جابر بن حیان مسلمانوں کا سب سے پہلا کیمیا گزرا ہے۔ کیمیائی تحقیق کے متعلق اس کے نظریات واصول بہت واضح ہیں۔ اس نے کئی کیمیائی مرکبات تیار کئے۔ گندھک کے تیزاب (H_2SO_4) کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تیاری کا سہرا بھی اسی کے سر ہے جو آج کل وسیع پیمانے پر صنعتی مقاصد کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں اس نے کچ دھاتوں سے خالص دھاتوں کے استخراج کے طریقے بھی معلوم کیے۔ اس نے کیمیائی فنی استعمال پر بھی بہت زور دیا۔ مزید برآں فولاد کی تیاری، پارچہ اور چمڑے کی رنگائی، کپڑے کو واٹر پروف بنانے، لوہے کو زنگ سے محفوظ رکھنے، شیشے کو میگا نیز ڈائی آکسائیڈ (M_nO_2) سے رنگین بنانے، آئرن پائرائیڈ سے سونے پر لکھنے اور سرکہ (ایسٹک ایسڈ) تیار کرنے کی تدابیر دریافت کیں۔ آب سلطانی یا ماء الملوک بھی اسی کی ایجاد ہے جو سونے جیسی غیر عامل دھات کو بھی اپنے اندر حل کرنے کی خصوصیت رکھتا ہے۔

دھاتوں کے متعلق اس کا نظریہ یہ تھا کہ تمام دھاتیں گندھک اور پارے سے بنتی ہیں اور دونوں اشیاء کا خالص صورت میں کیمیائی ملاپ سونا بناتا ہے اور ناقص صورت میں دوسری دھاتیں ظہور پذیر ہوتی رہیں۔ یہی نظریہ اٹھارھویں صدی تک قائم رہا۔

جابر بہت سے کیمیائی عوامل یہاں تک کہ کسری کشید (Distillation Frotional) سے بھی واقف تھ۔ عمل تکلیس پر اس کی جامع کتاب بڑی مشہور ہوئی اس نے مادے کو ارسطو کے عناصر اربعہ یعنی آگ، پانی، ہوا اور مٹی کے طلسم سے نکال کر جدید نظریے کی بنیاد رکھی۔ سولھویں صدی کے تدریسی کیمیا دان اس کی تعلیمات اور تجربات سے اس قدر متاثر ہوئے کہ برسٹل کا نامور کیمیاان ناس مارٹن خود کو اس کا باورچی کہلانے میں فخر محسوس کرتا تھا۔

جابر کے بعد نمایاں مسلمان کیمیا دان محمد ذکریا الرازی (825-925) کا نام آتا ہے۔ اس کی اعلیٰ قسم کی ذاتی تجربہ گاہ تھی اس وقت کے لحاظ سے ہر قسم کے سامان سے آراستہ تھی۔ اس نے کیمیائی مرکبات کو مندرجہ ذیل چار اقسام میں تقسیم کیا۔

(i) متعدی مرکبات (ii) نباتاتی مرکبات

(iii) حیواناتی مرکبات (iv) ماخوذ مرکبات (Derived Chemicals)

3.7.1- مشہور مسلمان کیمیا دان اور اُن کی اہم تصانیف و ایجادات

(1) خالد بن یزید 850ء/704ھ۔ ایک اموی شہزادہ جس سے فردوس الحکمت منسوب کی جاتی ہے۔

(2) جابر بن حیان۔ تجرباتی کیمیا کا بانی جابر خود لکھتا ہے کہ کیمیا میں سب سے ضروری چیز تجربہ ہے جابر نے اپنی کتابوں میں فولاد بنانے، کپڑا رنگنے، دھاتوں کے مرکبات بنانے، دھاتوں کو مصفا کرنے، موم جامہ بنانے، لوہے کو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زنگ سے بچانے کے لیے اس پر وارنش کرنے، بالوں کو سیاہ کرنے کے لیے خضاب تیار کرنے اور اس قسم کی بیسیوں اشیاء تیار کرنے کے طریقے بتائے، جابر ہی نے سفید (Lead Carbonate) سنکھیا (Arsenic) اور سرمہ (Antimony) کو ان کے سلفائیڈ سے حاصل کرنے کے طریقے بتائے۔

(3) ابن الوحیشہ نے ''الفلاحتہ البنطیہ'' کے علاوہ علم کیمیا سے متعلق بعض دلچسپ معلومات فراہم کیں۔

(4) یعقوب بن اسحٰق الکنی (م 873ء)۔ یہ مشہور فلسفی پہلا شخص تھا جس نے جابر بن حیان اور دوسرے کیمیا دانوں کے اس نظریے کی پرزور تردید کی کہ کسی کیمیائی عمل سے کم قیمت دھاتوں کو سونے میں تبدیل کیا جا سکتا ہے۔

(5) ابوبکر محمد بن الذکریا الرازی (288ھ/ 900ء)۔ مشہور طبیب جس نے الکیمیا پر بے شمار کتابیں لکھیں اپنی زندگی کا آغاز کیمیا گری سے کیا اس دوران اسے دواؤں اور دوا سازی سے دلچسپی پیدا ہوگئی اور وہ شہرہ آفاق طبیب بنا۔

(6) ابن امیل التیمی۔ ابن امیل التیمی نے مفتاح ''الحکمہ'' کے نام سے علم کیمیاء پر کتاب لکھی تھی۔

(7) الفارابی (339ھ/950ء)۔ مشہور فلسفی جس نے فن الفنون یعنی الاکسر کے ضروری ہونے پر ایک کتاب (فی مقالنتہ وجوب ضاعتنہ الکیمیا) لکھی تھی۔

(8) ابن سینا (م 1037ء)۔ مشہور فلسفی، طبیب اور عالم جس نے اپنی کتاب الشفاء میں اپنے معاصرین اور معتدمین کی عام رائے سے اختلاف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ کسی اور دھات کو سونے میں تبدیل کرنا ناممکن ہے اور جو لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں وہ یا تو سفیدہ جن پر سونے کا گمان ہو سکے تو وہ سونا نہیں بلکہ سونے کی مانند کوئی شے ہو سکتی ہے ایسے قدیم زمانے میں اپنے صحیح خیالات کا اظہار تو علی سینا کی صحت فکر کی دلیل ہے۔

(9) ابوالحکیم محمد بن عبدالملک الخوارزمی الکاثی (425ھ/ 1034ء)۔ نے عین الفقہ وعون الصناع لکھی، الکاثی کے نام اعلیٰ درجے کی کیمیائی تحقیقات کے سلسلے میں جابر بن حیان کے بعد سب سے زیادہ ممتاز ہے۔ اس کی تصانیف صدیوں تک مستند مانی جاتی رہیں۔

(10) ابوالحسن بن موسیٰ بن ارفع راسہ (م 593ھ/ 1197ھ)۔ شندور الذہبی کا مصنف تھا جس کی بہت سی شرحیں لکھی گئیں۔

(11) ابوالقاسم محمد بن احمد العراقی (حدود 700ھ/1300ء)۔ المکتب فی زراعت الذہب اسی کی تصنیف ہے الجلد نے اس کی شرح لکھی تھی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

3.8- تکنیکی ایجادات

مسلمانوں نے صرف نظری سائنس ہی پر توجہ نہیں دی تھی بلکہ عجیب وغریب تکنیکی ایجادات بھی کی تھیں۔ اموی خلفاء کے وقت پہاڑی چشموں کا پانی گھر گھر پہنچتا تھا۔ المامون کا عہد تکنیکی ایجادات کے لئے بہت مشہور ہے۔ ہارون الرشید نے شارلیمان کو جو تحائف بھیجے تھے، ان میں ایک میکانکی کلاک بھی شامل تھا جو مسلمانوں کی خصوصی ایجاد ہے۔ اس عباسی خلیفہ کے حوض میں مصنوعی چڑیاں بنی ہوئی تھیں، جو ہوا چلنے پر گاتی تھیں۔ حکم بن ہاشم ابن المقنع نے ایک مصنوعی چاند بنایا تھا جو ماہ نخشب کے نام سے مشہور تھا یہ نخشب نامی کنویں سے طلوع ہوتا تھا اور تقریباً دوسو مربع میل کا علاقہ منور کرتا تھا۔ یہ سورج نکلتے ہی ڈوب جاتا اور اس کے غروب ہوتے ہی نکل آتا۔ حکم اس کا راز سینے میں لئے تیزاب کے مٹکے میں تحلیل ہو گیا تھا ادھر سپین میں ایک چھاپہ خانہ تھا جس میں عبدالرحمٰن اول (756ء تا 788ء) کے احکام چھپتے تھے۔ تبریز وہ پہلا مقام ہے جہاں تیرھویں صدی میں بلاک پرنٹنگ کے استعمال کا پتا چلا ہے۔

ول ڈیوران لکھتا ہے کہ سپین کے ایک مسلم سائنسدان ابوالقاسم ابن فرناس نے تین چیزیں ایجاد کر کے دنیا کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا تھا۔ اول عینک کا شیشہ، دوم وقت ناپنے والی گھڑی اور سوم ایک مشین جو ہوا میں اڑ سکتی تھی۔ اس طرح ابراہیم الفرازی، خلیفہ منصور کے عہد کا پہلا مسلمان سائنس انجینئر تھا جس نے پہلا اصطرلاب تیار کیا تھا۔ ابن سینا کے استاد ابوالحسن نے پہلی دوربین ایجاد کی تھی۔ حسن الزراح راکٹ سازی کی طرف توجہ دی اور اس میں تارپیڈو کا اضافہ کیا۔ مسلمانوں کے بنائے ہوئے پانچ کرّے آج بھی یورپ کے عجائب گھروں میں رکھے ہوئے ہیں۔ دیگر صنعتی ایجادات میں بارود، قطب نما، گھڑی، کاغذ، زیتون کا تیل، عرق گلاب، خوشبوئیں، عطر سازی، ادویہ سازی، معدنی وسائل میں ترقی، پارچہ بافی، صابون سازی، شیشہ سازی اور آلات حرب وغیرہ اہم ہیں۔ جنہیں مسلمان معرض وجود میں لائے۔

3.9- اہم نکات

1- اسلام سے قبل یورپ علمی جہالت کا شکار تھا۔

2- اسلام نے تعلیم کو عام کیا۔

3- خلفائے اسلام نے کتب خانے، مدرسے، رسدگاہیں اور تجربہ گاہیں قائم کیں۔

4- مسلمانوں نے سائنس کی بنیاد رکھی اور تجربات کو استعمال میں لایا گیا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

5- مسلمانوں کے سائنسی انکشافات کی فہرست بہت طویل ہے انہوں نے ہر میدان میں کارنامے انجام دیئے۔

6- علم ریاضی خصوصاً مسلمانوں کا مرہون منت ہے۔ الجبرا اور علم مثلثات مسلمانوں کی ایجاد ہے۔

7- مسلمانوں نے عجیب وغریب تکنیکی ایجادات بھی کی تھیں۔ جن میں بارود، قطب نما، گھڑی اور کاغذ اہم ہیں۔

8- تپ دق اور چیچک کا ٹیکہ مسلمانوں کی ایجاد ہیں۔

9- یورپ میں مسلمانوں کی کتابوں سے خاطر خواہ استفادہ کیا جاتا رہا ہے۔

10- محمد بن ذکریا الرازی کی تجربہ گاہ اُس وقت کے لحاظ سے ہر قسم کے بہترین سامان سے آراستہ تھی۔

11- محمد بن ذکریا الرازی نے کیمیائی مرکبات کو چار اقسام میں تقسیم کیا۔

(1) معدنی مرکبات (2) نباتاتی مرکبات

(3) حیوانی مرکبات (4) ماخوذ مرکبات

12- طب کے میدان میں مسلمانوں کی لکھی گئی کتابوں کو اتنی شہرت حاصل ہوئی کہ آج بھی یورپ میں مسلمانوں کی لکھی گئی کتابوں کو نصابی کتب کے طور پر پڑھایا جاتا ہے۔

13- ابن رشد نے سب سے پہلے اس نظریے کا اظہار کیا کہ قانون ارتقاء کا اثر، حیوانات، نباتات اور جمادات سب پر یکساں ہوتا ہے۔

14- سب سے پہلے ابو القاسم نے مثانہ کی پتھری نکالنے کے لیے جسم کے جس مقام کو چیر پھاڑ کے لیے تجویز کیا آج میڈیکل سائنس اُس پر عمل پیرا ہے۔

15- مغربی دنیا مسلمانوں کے کارناموں کی معترف ان الفاظ میں ہے

"الجبراء کے لیے ہم عربوں کے ممنون ہیں۔ کلیسا نے بارہ سو برس کی آمرانہ حکومت میں ایک بھی ریاضی دان پیدا نہیں کیا جو عربوں کا ہم پلہ ہو سکتا۔"

3.10- خود آزمائی نمبر 3

سوال نمبر 1- مندرجہ ذیل میں سے درست یا غلط بیانات کی نشاندہی کریں۔

(1) قبل اسلام یورپ تعلیم کا گہوارہ رہا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(2) الجبرا یورپ کے سائنسدانوں کی ایجاد ہے۔

(3) ماموں کے دور میں مسلمان جغرافیہ دانوں نے زمین کے گول ہونے کا اعلان کیا۔

(4) تپ دق (ٹی بی) کا علاج اور چیچک کا ٹیکہ ہندوؤں کی ایجاد ہیں۔

(5) ابن سوری کی کتاب میں خشک بوٹیوں کی رنگین تصاویر تھیں۔

سوال نمبر 2- مندرجہ ذیل میں سے خالی جگہ درست الفاظ سے پر کریں۔

(1) کتب خانہ ''بیت الحکمۃ'' .... حکمران نے قائم کیا۔

(1) منصور (2) مامون رشید (3) ہارون رشید

(2) ....وہ پہلا مسلمان ریاضی دان تھا جسے الجبرے کا بانی کہا جاتا ہے۔

(1) الکندی (2) محمد بن موسیٰ الخوارزمی (3) عمر خیام

(3) ....مسلمانوں کا سب سے پہلا کیمیا گر گذرا ہے۔

(1) جابر بن حیان (2) محمد زکریا الرازی (3) ابن سینا

(4) میکانکی کلاک................کی خصوصی ایجاد ہے۔

(1) ہندوؤں (2) عیسائیوں (3) مسلمانوں

(5) کاغذ کے موجد................تھے۔

(1) مسلمان (2) چینی (3) یونانی

سوال نمبر 3- مندرجہ ذیل پر دس دس سطروں کا نوٹ تحریر کریں۔

(1) مسلمانوں کے تجربی حاصلات

(2) مسلمانوں کے سائنسی انکشافات

(3) علم ریاضی اور مسلمان

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

4- جوابات

خود آزمائی نمبر 1

سوال نمبر 1- (1) اسلام (2) اقرار توحید (3) ربانی (4) ظنی

(5) مشاہدے، تجربے

سوال نمبر 2- (1) صحیح (2) صحیح (3) غلط

سوال نمبر 3 تا 4 کے لئے یونٹ کے متعلقہ حصے کا مطالعہ کریں۔

سوال نمبر 1- (1) صحیح (2) صحیح (3) غلط (4) غلط

سوال نمبر 2- (1) مسجد نبوی (2) نظام الملک طوسی (3) عبدالرحمٰن سوم

(4) 1211ء (5) 972ء

خود آزمائی نمبر 2

سوال نمبر 1- (1) غلط (2) غلط (3) صحیح

(4) غلط (5) صحیح

سوال نمبر 2- (1) مامون رشید (2) محمد بن موسیٰ الخوارزمی

(3) جابر بن حیان (4) مسلمانوں

(5) مسلمان

سوال نمبر 3- کے لئے یونٹ کے متعلقہ حصوں کا مطالعہ کریں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

5- کتابیات

-1 امیر علی سید، روح اسلام (ترجمہ)، لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ

-2 انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی سٹڈیز، ''تعلیم،، اسلام آباد، شمارہ 2، جولائی تا دسمبر 1985ء

-3 انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی سٹڈیز، ''تعلیم،، اسلام آباد، 3 جنوری تا جون 1986ء

-4 ایس ایم شاہد، اسلامی فلسفۂ حیات، لاہور: نیو بک پیلس۔

-5 ایس ایم شاہد فلسفہ و تاریخ تعلیم، لاہور: مجید بک ڈپو۔

-6 حمید عسکری، نامور مسلم سائنس دان، لاہور: مجلس ترقی ادب، 1962ء

-7 خورشید احمد، پروفیسر، اسلام کا نظریہ تعلیم، لاہور: تنظیم اساتذہ پاکستان، 1987ء

-8 عطش درانی، اسلامی فکر و ثقافت، لاہور: مکتبہ عالیہ، 1987ء

-9 عطش درانی، علم، سائنس اور اسلام، لاہور: مکتبہ عالیہ، 1988ء

-10 نور احمد سید، مسلمانوں کے تہذیبی کارنامے (ترجمہ) لاہور: فیروز سنز لمیٹڈ، 1970ء

-11 ندوی مسعود عالم، ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک، : لاہور: ادارہ مطبوعات سلیمانی، 1979ء

-12 اسلام اور سائنس، ایور نیو بک پیلس، سرکلر روڈ، اُردو بازار، لاہور۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یونٹ 3

اساسِ پاکستان

تحریر: فاروق سولنگی
نظرِ ثانی: ڈاکٹر اظہر حمید، بادشاہ سردار

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فہرست مضامین

یونٹ کا تعارف ---------- 138

یونٹ کے مقاصد ---------- 138

1- قیام پاکستان کا پس منظر ---------- 139

1.1- سرسید احمد خان اور ان کی تحریک ---------- 141

1.2- انڈین نیشنل کانگریس ---------- 142

1.3- بنگال کی تقسیم ---------- 143

1.4- آل انڈیا مسلم لیگ کی بنیاد ---------- 144

1.5- معاہدہ لکھنؤ ---------- 145

1.6- سائمن کمیشن اور گول میز کانفرنس ---------- 146

1.7- کیبنٹ مشن ---------- 149

1.8- اہم نکات ---------- 150

1.9- خود آزمائی نمبر 1 ---------- 151

2- نظریہ پاکستان ---------- 153

2.1- دو قومی نظریہ ---------- 153

2.2- نظریہ پاکستان: توضیح و تعریف ---------- 154

2.3- نظریہ پاکستان اور سرسید احمد خان ---------- 155

2.4- نظریہ پاکستان، فکر اقبال کی روشنی میں ---------- 157

2.5- نظریہ پاکستان، ارشادات قائداعظم کی روشنی میں ---------- 162

2.6- اہم نکات ---------- 167

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

-2.7 خود آزمائی نمبر 2 ---------- 168

-3 قیام پاکستان کے اغراض و مقاصد ---------- 169

-3.1 اسلامی اقدار کی حکمرانی ---------- 169

-3.2 جمہوریت کا قیام ---------- 169

-3.3 اغیار کے تسلط سے نجات ---------- 170

-3.4 وحدت امت ---------- 171

-3.5 اسلام کا ہندومت میں ادغام سے بچاؤ ---------- 171

-3.6 جداگانہ تشخص کا تحفظ ---------- 171

-3.7 معاشی مفادات کا تحفظ ---------- 172

-3.8 اتحاد عالم اسلامی کا فروغ ---------- 173

-3.9 اہم نکات ---------- 173

-3.10 خود آزمائی نمبر 3 ---------- 174

-4 جوابات ---------- 175

-5 کتابیات ---------- 176

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یونٹ کا تعارف

فرد اور معاشرے کی عظمتوں کا نشان اور کامیابیوں کی راہیں اس کے نظریہ حیات سے تلاش کی جاتی ہیں۔ کوئی فرد یا معاشرہ کسی واضح نظریۂ حیات کے بغیر ایک گم کردہ راہ مسافر کی مانند ہے جو منزل کا کوئی تصور نہ رکھتے ہوئے یونہی آگے بڑھتا جا رہا ہو۔ اس لیے کسی بھی قوم کے بارے میں جاننے کے لیے اس کے نظریہ حیات، تعلیم اور تاریخ کا مطالعہ کرنا پڑتا ہے۔ مطالعہ پاکستان سے نہ صرف پاکستان کی تعلیم کے بنیادی خدوخال بلکہ اس کے نظریہ حیات اور قیام کے مقاصد کو بھی بخوبی سمجھا جا سکتا ہے۔ زیر نظر یونٹ میں مطالعہ پاکستان کے انہی پہلوؤں کو اجاگر کیا گیا ہے۔

یونٹ کے مقاصد

امید ہے کہ اس یونٹ کے مطالعے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ

1- تحریک پاکستان کے نمایاں پہلوؤں کی وضاحت کر سکیں۔

2- نظریہ پاکستان کو بیان کر سکیں اور اس کے پس منظر کا جائزہ لے سکیں۔

3- پاکستان کے قیام کے اہم مقاصد پر تبصرہ کر سکیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

1- قیامِ پاکستان کا پس منظر

پاکستان کا تاریخی، سیاسی و معاشرتی پس منظر بہت وسیع اور شاندار ہے۔ جنوبی ایشیا کا یہ خطہ عرصہ دراز تک مسلمان حکمرانوں کے زیر اثر رہا۔ کثیر تعداد میں مسلمان بادشاہوں اور ان کی نسلوں نے کئی علاقوں پر حکومت کی ہے، برصغیر اور پاکستان کی قومی زندگی کے تمام پہلوؤں پر کبھی نہ مٹنے والے نقوش چھوڑے ہیں۔ علم و فن، فن تعمیر، ادب اور معاشرتی و سیاسی اداروں کے لحاظ سے مسلمان حکمرانوں کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکا اور اس طرح اہل وطن کے کارہائے نمایاں پر بجا طور پر فخر کر سکتے ہیں۔ ہندو مذہب اکثر دیگر مذاہب اور ثقافتوں کو اپنے آپ میں جذب کر لیتا تھا لیکن اس حقیقت کو جھٹلایا نہیں جا سکتا کہ ہندوستان میں اسلام نے اپنا آپ ہندو مذہب میں جذب نہیں ہونے دیا اسلام نے ہندو مذہب کے اس رجحان کا مقابلہ کیا اور اپنے بنیادی اصولوں کو ان کی اصلی حالت میں محفوظ رکھا۔ اس سے مسلمانوں کو ایک قوم کی تمام خصوصیات کے ساتھ اپنا ایک علیحدہ تشخص قائم رکھنے میں بڑی مدد ملی۔

دراصل جنوبی ایشیا کے اس خطہ زمین پر نور اسلام کی کرنیں ابتدائی عرب تاجروں کی وساطت سے پڑیں۔ تاہم اسلامی تہذیب و تمدن کا بھرپور اظہار اس وقت دیکھنے کو ملا جب محمد بن قاسم نے 712ء میں سرزمین سندھ پر حملہ کر کے راجہ داہر کو شکست فاش دی اور یہاں عملاً اسلامی اصولوں پر مبنی نظام حکومت قائم کیا' ملتان تک کا علاقہ فتح کر لیا اور یہاں اسلام کا پرچم نصب کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ چنانچہ بجا طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ آٹھویں صدی کی ابتداء ہی میں پاکستان کی بنیاد رکھ دی گئی تھی۔ پھر اس خطہ ارض میں اسلام کا پیغام پھیلانے کے لیے بزرگان دین کی آمد کا سلسلہ شروع ہو گیا جو گیارہویں صدی کی ابتداء تک جاری رہا۔ ان صوفیاء کرام میں حضرت علی ہجویریؒ' حضرت داتا گنج بخشؒ، میراں حسین زنجانی، خواجہ بختیار کاکیؒ، سخی سرورؒ، بہاء الدین ذکریاؒ، بابا فرید گنج شکرؒ، حضرت نظام الدین اولیاءؒ، خواجہ معین الدین چشتیؒ، پیر مکیؒ اور سید جلال بخاریؒ کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔ مذکورہ مبلغین کی تبلیغ سے مقامی آبادی متاثر ہوئی اور تحریک اسلامی کا اثر پھیلتا گیا۔ اس کے بعد درج ذیل خاندان اور سلسلہ سلاطین نے تاریخ کے مختلف ادوار میں ہندوستان پر حکومت کی۔

(1) سلاطین غزنویہ 1961ء سے 1168ء تک

(2) سلاطین غوری 1167ء سے 1206ء تک

(3) خاندان غلاماں 1206ء سے 1290ء تک

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(4) خلجی سلاطین 1290ء سے 1321ء تک

(5) سلاطین تغلق 1321ء سے 1414ء تک

(6) سلاطین سید 1414ء سے 1450ء تک

(7) خاندان لودھی 1450ء سے 1525ء تک

(8) خاندان مغلیہ 1525ء سے 1857ء تک

1526ء میں ظہیر الدین بابر نے مغلیہ سلطنت کی بنیاد رکھی اور شمالی ہندوستان تک کا علاقہ فتح کر لیا۔ بابر کے بعد ہمایوں اور اکبر اعظم برصغیر پر حکمرانی کرتے رہے۔ اکبر نے مغلیہ سلطنت کو عروج بخشا مگر جہانگیر، شاہجہان اور اورنگ زیب عالمگیر کے بعد مغلیہ سلطنت زوال کا شکار ہوگئی۔

جیسا کہ آپ پہلے پڑھ چکے ہوں گے کہ مختلف خاندانوں نے یکے بعد دیگرے حکومت کی، ان خاندانوں میں ایسے بلند کردار اور مضبوط ارادے والے بادشاہ بھی تھے جنہوں نے رفاہ عامہ کے بہت سے کام کیے اور برصغیر کی تاریخ پر گہرے اثرات چھوڑے لیکن ایسے حکمران بھی تھے جو کمزور ثابت ہوئے اور مملکت کی ذمہ داریوں کو زیادہ دیر تک سنبھال نہ سکے۔

1739ء میں نادر شاہ نے دہلی کو تباہ کیا جو ایک طویل مدت سے مسلمانوں کی تہذیب وتمدن کا مرکز رہ چکا تھا۔ جنوب میں مرہٹوں نے بھی طاقت پکڑ لی۔ اس طرح مغل حکمرانوں کے وقار کو زبردست ٹھیس پہنچی۔ برصغیر کے طول وعرض میں انتشار پھیل گیا اور بعد ازاں طوائف الملوکی کا دور دورہ ہوا برصغیر کے مختلف صوبوں میں کئی خودمختار حکومتیں قائم ہوگئیں۔ مغل حکمرانوں کی نااہلی کی بناء پر مرکزی انتظامیہ بھی کمزور ہوگئی جس کی وجہ سے ملک کے دور دراز کے صوبے خودمختار ہو گئے۔ اس طرح مغل سلطنت ان تمام صوبوں سے محروم ہوگئی جو حکومت کے لیے ذریعہ آمدنی اور سرچشمہ قوت تھے۔ ان ابتر حالات کے دوران ایسٹ انڈیا کمپنی نے برطانوی حکومت کے لیے راستہ ہموار کر دیا۔ 1757ء میں برطانوی فوجوں نے سراج الدولہ کو شکست دی اور 1799ء میں سلطنت برطانیہ خطہ کی سب سے بڑی طاقت بن گئی۔

انیسویں صدی کے وسط میں کمزور مغل بادشاہ اور برطانوی حکومت کے درمیان جو کشمکش جاری تھی، وہ ایک انتہائی صورت اختیار کر گئی تھی۔ علاوہ ازیں مسلمانوں کی معاشرتی ومعاشی زندگی بھی نئے خیالات اور نئی طاقتوں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی وجہ سے تباہ ہو رہی تھی۔ مرکزی حکومت کی کمزوری کی بناء پر حیدر آباد، دکن، بنگال، سندھ اور پنجاب میں آزاد اور خود مختار حکومتیں قائم ہوگئیں جس سے حکومت کا شیرازہ بکھر گیا اور وہ انگریزوں کا مقابلہ نہ کر سکے بلکہ یہ ریاستیں ایک دوسرے کے خلاف انگریزوں سے ملتی رہیں جس سے برطانوی قوت میں اضافہ ہوتا رہا۔ ان حالات کے تحت مسلمانوں کے لیے کوئی اور چارہ کار نہ تھا کہ وہ برطانیہ کے خلاف ایک آخری اور فیصلہ کن جنگ لڑیں۔ اس مقصد کے لیے ملک کے غیر مطمئن عناصر سے مدد حاصل کرنے کی کوشش کی گئی لیکن یہ کوشش ناکام رہی اور اس کشمکش میں مغل بادشاہ کو سخت ناکامی ہوئی اور برطانوی حکومت مضبوط بنیادوں پر قائم ہوگئی۔

1.1- سر سید احمد خان اور ان کی تحریک

مسلمان چونکہ برصغیر کے سابق حاکم تھے اور صلیبی جنگ کے زمانے سے یورپین اقوام ان کو اپنا دشمن سمجھتے تھے اس لئے ان کے سات سو برس کے اثرات حکومت زائل کرنے کے لیے انگریزوں نے غدر کی تمام ذمہ داری مسلمانوں پر عائد کر دی اور اس کے انتظام میں ان کو خوب تباہ کیا۔ مغلیہ سلطنت کا زوال برصغیر کے مسلمانوں کے لیے ایک بہت بڑی مصیبت ثابت ہوئی، انگریزوں نے جنگ آزادی میں قتل عام اور نظم ونسق میں ہر قسم کے خلل کا ذمہ دار مسلمانوں کو ٹھہرایا اور ان کی ترقی کے تمام راستوں کو محدود کرنے کی کوشش کی جس کے نتیجے میں مسلمانوں کو اپنا مستقبل بہت تاریک نظر آنے لگا۔ ایسے حالات جن میں مسلمان قوم ہر اعتبار سے زوال پذیر ہو، ان کے پاس نہ سیاسی اقتدار، نہ معاشی خوشحالی، نہ مذہب کی صحیح روح کا علم اور نہ تعلیم جیسی ضروری شے ہو ایسے حالات میں خدا کچھ ایسے اسباب پیدا کرتا ہے جس سے صورت حال بہتر ہو جاتی ہے۔ ان تمام اسباب میں سب سے اہم کسی ایسے شخص کا منظر عام پر آنا ہوتا ہے جو نہ صرف ان تمام مسائل کو اچھی طرح سے سمجھتا ہو بلکہ ان کو حل کرنے کے لیے جذبہ ہمت اور صبر بھی رکھتا ہو۔ چنانچہ ان حالات نے سر سید احمد خان جیسی شخصیت کو جنم دیا۔ 1870ء میں سر سید نے یورپ سے واپسی پر مسلمانوں کے لیے دن رات کام کیا۔ رسالہ تہذیب الاخلاق جاری کیا۔ مسلمانوں میں سیاسی شعور بیدار کیا اور ان کے اندر قبیح رسومات کو ختم کرنے کی کوشش کی۔

انہوں نے بجا طور پر یہ محسوس کیا کہ مسلمانوں کی سب سے بڑی ضرورت تعلیم ہے۔ ان کے خیال میں مسلمانوں کی مادی وتمدنی پسماندگی کا ایک ہی علاج تھا کہ تعلیم کو پھیلایا جائے۔ انہوں نے تعلیم کی کمی کو شدت سے اس لیے محسوس کیا کہ برصغیر کی دوسری قومیں یعنی ہندو وغیرہ تعلیم کے میدان میں بہت آگے نکل چکے تھے لہٰذا وہ پرانے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

روایتی نظام کی بجائے ایسا نظام تعلیم لانا چاہتے تھے جو علم وفن کے نئے دور کی صورت کو جاننے اور سمجھنے میں مدد دے۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے جون 1875ء میں علی گڑھ کے مقام پر محمڈن اینگلو اورینٹل کالج قائم کیا۔ بالآخر یہ کالج برصغیر میں مسلمانوں کی بیداری کا مرکز بن گیا۔ دو سال بعد اسے یونیورسٹی کا درجہ دے دیا گیا جس نے وسیع پیمانے پر مسلمان عوام میں شعور بیدار کرنے اور تعلیم عام کرنے جیسے اہم فریضے کو نہایت خوش اسلوبی سے سرانجام دیا۔

سرسید مسلمانوں کے مذہبی اور سیاسی مقامات پر بھی کافی اثر انداز ہوئے۔ وہ اسلام کو چند ایک ایسے عناصر سے پاک کرنا چاہتے تھے جو دیگر مذاہب سے اس میں داخل ہو گئے تھے، وہ مسلمان قوم کی ذہنی اور اخلاقی ترقی کے لیے اس امر کو بہت ضروری خیال کرتے تھے۔ اس مقصد کے لیے اسلامی تصورات اور نظریات پر انہوں نے کئی کتابچے اور مضامین شائع کیے۔ سیاست کے میدان میں بھی سرسید نے بہت کام کیا۔ برطانوی ہند میں سیاسی خیالات کی ترقی کا بڑی سنجیدگی سے جائزہ لیتے رہے۔ انہوں نے ہندوؤں اور مسلمانوں کی ثقافت میں موجود نمایاں فرق کو جھٹ بھانپ لیا جو دن بدن بڑھتا جا رہا تھا۔ ان حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے انہوں نے مسلمانوں کو بحیثیت ایک علیحدہ قوم کے متحد ہونے کا مشورہ دیا۔ انیسویں صدی کے آخری سالوں میں ہندو قوم پرستوں نے اردو ہندی زبان کا جھگڑا کھڑا کر دیا۔ اس سے سرسید احمد کا یہ یقین اور بھی پختہ ہو گیا کہ مسلمانوں کے مسائل کا حل قومی اتحاد میں ہے۔ یہ مقصد حاصل کرنے کے لیے انہوں نے مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی بنیاد ڈالی۔ یہ ادارہ مسلمانوں کی ذہنی اور اخلاقی بیداری میں ایک طاقتور آلہ کار ثابت ہوا۔ علاوہ ازیں مسلم لیگ کے قائم ہونے سے پہلے اس ادارے کی بدولت مسلمانوں کو ان کی سیاسی سرگرمیوں کے مواقع بھی مہیا ہوتے رہے۔ اس کانفرنس نے مسلمانوں میں جہالت اور ناخواندگی کو دور کرنے کا جذبہ پیدا کیا اور ان کی توجہ اپنی قوم کی تعلیمی، سیاسی اور اقتصادی حالت کو سنوارنے کی طرف دلائی۔

1.2- انڈین نیشنل کانگریس

1885ء میں انڈین نیشنل کانگریس کی بنیاد ایک انگریز آفیسر اے، او ہیوم نے رکھی۔ اس سیاسی جماعت کی تنظیم کا مقصد یہ تھا کہ تعلیم یافتہ لوگوں کو نئے دور کے تقاضوں سے آگاہ کیا جائے، یہ جماعت تعلیم یافتہ ہندوؤں پر مشتمل تھی۔ علاوہ ازیں اس کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ حکومت کو اس بات کی ترغیب دی جائے کہ وہ لوگوں سے فیاضانہ سلوک کرے لیکن کانگریس کے قیام کے فوراً بعد ہی یہ جماعت غلط قسم کے لوگوں کے زیر اثر آ گئی۔ اس کے حامیوں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے ملک کے سیاسی و انتظامی نظام میں فوری اصلاحات کا پرچار شروع کر دیا۔ مزید یہ کہ یہ جماعت ہندو سیاسی لیڈروں کے زیر اقتدار تھی جنھوں نے مسلمانوں کو اس جماعت سے دور رکھنے کے لیے ہر قسم کے ہتھکنڈے استعمال کیئے۔ بے شک چند ایک مسلمان نمائندے اس جماعت کے سالانہ اجلاس میں شرکت کرتے لیکن سیاسی میدان میں یہ جماعت بحیثیت ایک ہندو سیاسی جماعت کے قائم ہوئی۔ کانگریس کے وجود میں آنے کے بعد سرسید احمد خان نے اپنے خدشات کا اظہار کیا انہوں نے محسوس کیا کہ اب جبکہ ہندوؤں نے اپنی ایک سیاسی جماعت انگریزوں کی سرپرستی میں بنالی تو ظاہر تھا کہ وہ اپنی قوم کو متحد کرنا چاہتے ہیں۔ سرسید احمد خان نے مسلمانوں کو آگاہ کیا اور ان کو سمجھایا کہ یہ صرف ہندوؤں کی جماعت ہے۔ ہندوؤں کے تیزی سے بڑھتے ہوئے اثر ورسوخ نے سرسید کو دوقومی نظریہ پیش کرنے پر مجبور کیا جس پر بعد میں پاکستان حاصل کرنے کی تحریک کو استوار کیا گیا۔

ایک مجاہد کی طرح کام کرنے کے بعد اس رہبر قوم نے 1898ء میں وفات پائی لیکن مسلمانوں کی آزادی کی جو شمع سرسید نے روشن کی تھی اسے ان کے وفادار رفقاء آگے لے کر بڑھے۔ انہوں نے اپنے رہنما کے مشن کو کامیاب بنانے کے لیے بڑی تندہی سے کام کیا۔ ان میں سب سے اہم نواب محسن الملک اور نواب وقار الملک تھے جب بیسویں صدی شروع ہوئی تو زبان کا جھگڑا اہم صورت اختیار کر چکا تھا۔ برطانوی حکومت کے رویہ سے مسلمان اور بھی زیادہ افسردہ خاطر ہو گئے' انہیں حکومت سے تعاون کی سرسید پالیسی کو ترک کرنا پڑا اور حکومت سے احتجاج اور بے اطمینانی کا اظہار کرنا شروع کر دیا۔ موقع کی نزاکت نے مسلمانوں کو مجبور کر دیا کہ وہ بھی ایک منظم سیاسی جماعت قائم کریں جو ان کے جائز سیاسی و آئینی حقوق کی حفاظت کر سکے۔ مسلمانوں نے اس صورتحال کو کنٹرول کرنے کی غرض سے 1906ء میں ڈھاکہ کے مقام پر آل انڈیا مسلم لیگ کی بنیاد ڈالی اور کانگریس کے کئی ارکان اس جماعت میں شامل کیے اور علیحدہ وطن کے قیام کے لیے کوششیں شروع کر دیں۔

1.3- بنگال کی تقسیم

اردو ہندی جھگڑے کے بعد مسلم قوم کو ایک اور کٹھن محاذ کا سامنا کرنا پڑا اور وہ ہندوؤں کی طرف سے تقسیم بنگال کی مخالفت تھی۔ بنگال ایک بہت بڑا صوبہ تھا۔ اس کا رقبہ ایک لاکھ نواسی ہزار مربع میل تھا اور آبادی ساتھ کروڑ اسی لاکھ نفوس پر مشتمل تھی۔ انتظامی اعتبار سے اتنے بڑے صوبے کو چلانے کے لیے کئی مشکلات درپیش تھیں۔ بنگال کے باسیوں اور خصوصاً اڑیسہ کے لوگوں کی درخواستوں اور عرضداشتوں کے پیش نظر لارڈ کرزن نے 1905ء میں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بنگال کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک مشرقی بنگال اور آسام جس کا صدر مقام ڈھاکہ بنا دیا گیا۔ دوسرا مغربی بنگال جس کا صدر مقام کلکتہ ہی رہا۔ مغربی بنگال میں ہندوؤں کی اکثریت رہی اور مشرقی بنگال میں مسلمانوں کی۔ مسلمانوں نے بڑے جوش سے تقسیم بنگال کا خیر مقدم کیا۔ کلکتہ کے ہندوؤں نے اس پر سخت شورش کی کانگریس نے ہندوستان بھر میں مخالفت کی کیونکہ اس سے ملمانوں کو نفع پہنچ رہا تھا۔ کانگریس کی یہ شورش سوائے فرقہ وارانہ عداوت، تعصب وحرص کے اور کچھ نہ تھی۔

اگرچہ برطانوی حکمرانوں نے مسلمانوں کو یقین دلایا تھا کہ تقسیم بنگال کا فیصلہ تبدیل نہیں ہو گا مگر ہندوؤں کی بڑھتی ہوئی مخالفت کے آگے ان کا زور ماند پڑ گیا اور آخر کار 1911ء میں اسے منسوخ کر کے انگریزوں نے ہندوؤں کو خوش کر دیا اور مشرقی بنگال کے مسلمان جن کی حالت بہتر ہو رہی تھی' پھر ہندوؤں کے رحم وکرم پر چھوڑ دیئے گئے۔ ہندوؤں کے اس رویّے نے جو صاف طور پر فرقہ وارانہ تھا، دونوں فرقوں میں اور زیادہ بیگانگی اور تلخی پیدا کر دی۔ تقسیم بنگال کی مخالفت اس قدر تندی سے کی گئی کہ اکثریت رکھنے والے فرقے کی دیانت داری اور نیک ارادے پر سے مسلمانوں کا اعتبار بالکل اٹھ گیا۔ اس مصیبت کے موقع پر یکم اکتوبر 1906ء کو مسلمانوں نے لارڈ منٹو کی خدمت میں ایک وفد بھیجا۔ یہ وفد مسلمانوں کا نہایت بااثر نمائندہ تھا۔ اس نے وائسرائے کو یقین دلایا کہ علیحدہ انتخابات اور مسلمانوں کے اس دعویٰ کی منظوری کہ وہ ایک علیحدہ قومی فرقہ ہیں، اشد ضروری ہے۔

1.4- آل انڈیا مسلم لیگ کی بنیاد

وائسرائے سے اس ملاقات نے مسلمانوں میں سیاسی شعور پیدا کیا اور یہ فیصلہ کیا گیا کہ ملک بھر میں مسلمانوں کی سیاسی بیداری کے لیے منظّم طریقے پر ایک تحریک چلائی جائے۔ اس مقصد کے لیے مسلمان لیڈروں نے 30 دسمبر 1906ء کو ڈھاکہ میں ایک میٹنگ کی اور اس میں آل انڈیا مسلم لیگ کی بنیاد رکھی۔ سر سلیم اللہ نواب ڈھاکہ اس میٹنگ کے روح رواں تھے۔ اس جماعت کے اہم مقاصد مندرجہ ذیل تھے۔

(1) مسلمانوں کے سیاسی حقوق کی حفاظت کرنا اور انہیں آگے بڑھانا، ان کی ضروریات اور تمناؤں کی برطانوی حکومت کے سامنے ترجمانی کرنا۔

(2) مسلمان قوم اور برطانوی حکومت کے درمیان اچھے تعلقات استوار کرنا اور حکومت برطانیہ کی طرف سے وفاداری کے جذبات کو ترقی دینا اور مسلمانوں کے خلاف بدگمانی ختم کرنا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(3) برصغیر میں رہنے والی مختلف اقوام کے درمیان خیر خواہی اور برادرانہ تعلقات قائم کرنا۔ دوسری جماعتوں کے خلاف مسلمانوں میں عداوت کے جذبات کو روکنا۔

برصغیر کے سیاسی نقشے پر آل انڈیا مسلم لیگ کا قیام اس خطے کی مسلمان قوم کے لیے پہلا ٹھوس قدم ثابت ہوا جس نے مسلمانوں میں مکمل اتحاد اور سیاسی حقائق کو سمجھنے کا شعور پیدا کیا۔ اس اثناء میں انتہا پسند ہندوؤں نے تقسیم بنگال کے واقعہ سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے برطانوی حکومت اور مسلمانوں کے خلاف جارحانہ فسادات شروع کر دیئے اور ملکی امن و امان میں گڑ بڑ پیدا کرنے کی پوری کوشش کی۔ مسلم لیگ نے اپنے پہلے اجلاس میں ہی حکومت کو بڑے سخت الفاظ میں خبردار کر دیا کہ اگر حکومت نے ہندوؤں کے رعب میں آ کر تقسیم بنگال کو ختم کر دیا تو مسلمان اسے اپنے لئے ایک خطرناک صورتحال خیال کریں گے۔ تقسیم بنگال کی اس حمایت سے آل انڈیا مسلم لیگ کا اثر ورسوخ اور بھی بڑھ گیا اور یہ ایک ہر دلعزیز سیاسی جماعت بن گئی۔ لارڈ منٹو جو اس وقت ہندوستان کے وائسرائے تھے، کے نام پر 1909ء کی اصلاحات کو منٹو مارلے اصلاحات کہا جاتا ہے۔ ان اصلاحات سے مسلمانوں کی حوصلہ افزائی ہو کیونکہ انہوں نے علیحدہ انتخابات کے بنیادی اصول کو تسلیم کر لیا تھا لیکن دو سال بعد ہی مسلمانوں کو سیاسی طور پر پہلا دھچکا لگا جب برطانوی حکومت نے اپنے وعدوں کے باوجود 1911ء میں تقسیم بنگال کی تنسیخ کر دی۔ مغربی طاقتوں نے سلطنت عثمانیہ کی بنیادوں کو کھوکھلا کر دیا۔ اٹلی نے طرابلس پر حملہ کر دیا اور بلقان کی جنگوں نے ترکی سلطنت کے استحکام کو تہہ و بالا کر دیا۔ ہندوستان کے مسلمان ہمیشہ دیگر ممالک کے مسلمانوں کے مقاصد کی حمایت کرتے رہے۔ ان تمام مسائل کے متعلق حکومت برطانیہ کا رویہ نہایت مخالفانہ تھا۔ ان تمام حالات نے مسلم لیگ کو حکومت کے ساتھ اپنا رویہ بدلنے پر مجبور کر دیا۔ اس لیے ایک کمیٹی مقرر کی گئی تاکہ وہ نئے حالات کی روشنی میں مستقبل کے متعلق پروگرام بنائے۔ اس نے ہندوستان کے لیے خود مختاری کا مطالبہ کیا۔ اس بات سے کانگریس اور مسلم لیگ ایک دوسرے کے اس قدر نزدیک آ گئے کہ جب 1915ء میں بمبئی کے مقام پر مسلم لیگ کا سالانہ جلسہ ہوا تو صدر کانگریس بھی پلیٹ فارم پر بیٹھے تھے۔ یہ صاف طور پر دونوں قوموں کے تعاون کا مظاہرہ تھا۔

1.5- معاہدہ لکھنؤ

قائداعظم محمد علی جناح انگلستان سے تعلیم مکمل کرنے کے بعد ہندوستان واپس آئے تو کانگریس میں شامل ہو گئے ان کا مقصد ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان ایسی فضا پیدا کرنا تھا جو دونوں قوموں کو ایک دوسرے کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قریب لے آئے۔ تاہم چند مسلمان رہنماؤں کی دعوت پر انہوں نے مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کیا۔ دعوت قبول کرتے ہوئے قائداعظم نے مسلم لیگ کے اجلاس منعقدہ لکھنؤ 1913ء میں شرکت کی۔ اس اجلاس میں ہندوستان کے لیے خودمختاری حاصل کرنے کا عزم کیا کہ یہ خودمختاری برصغیر جیسے حالات میں موزوں بھی ہو اور اس میں مختلف قوموں کے درمیان تعاون کی راہیں ہموار کی جائیں۔ مسلم لیگ کی اس قرارداد سے کانگریس کے رہنما بھی خوش ہوئے۔ قائداعظم چونکہ اس وقت دونوں سیاسی جماعتوں کے ممبر تھے اس لیے انہوں نے دونوں جماعتوں میں تعاون کو فروغ دینے کی کوششیں شروع کر دیں۔ ملکی سیاست کے متعلق نئے نظریے کو عملی شکل دینے کے لیے 1916ء میں ایک معاہدہ ہوا جسے معاہدہ لکھنو کہتے ہیں۔ اس سال انڈین نیشنل کانگریس اور مسلم لیگ دونوں کا اجلاس ایک ہی وقت میں لکھنو میں ہوا اور فرقہ وارانہ مسائل کو حل کرنے اور بالآخر ہندوستان کو برطانوی تسلط سے آزاد کرانے کے لیے ایک مشترکہ پروگرام بنایا گیا اس اہم تحریک کے بانی قائداعظم محمد علی جناح تھے اس تعاون کے سلسلے میں پہلی جنگ عظیم ختم ہونے پر تحریک خلافت بھی شروع کی گئی۔

ہندوؤں نے گاندھی جی کی زیر قیادت انگریزوں کے خلاف عدم تعاون کی تحریک شروع کر دی۔ دوسری طرف جب بعد از جنگ معاہدے کے مطابق سلطنت عثمانیہ کے حصے بخرے کیے جانے لگے تو مسلمانوں نے مولانا محمد علی کی زیر قیادت تحریک خلافت شروع کر دی۔ یہ تحریک عوام میں پھیل گئی اور اس طرح کافی حد تک مسلمانوں کی سیاسی بیداری کا موجب بنی۔ ترکی کے نئے حکمران مصطفیٰ کمال پاشا کے ماتحت جب خلافت کا خاتمہ کر دیا گیا تو یہ تحریک بھی ختم ہو گئی اور اس کے ساتھ ہی برصغیر کے مختلف علاقوں میں فرقہ وارانہ فسادات ہوئے۔ 1924ء میں فریقین کے اتحاد کے لیے ایک آخری کوشش کی گئی جو ناکام ثابت ہوئی۔

1.6- سائمن کمیشن اور گول میز کانفرنس

1920-30ء کے درمیان برطانوی حکومت نے چند اور آئینی اصلاحات تجویز کیں۔ اس معاملے پر غور و خوص اور تحقیقات کرنے کے لیے 1927ء میں سائمن کمیشن مقرر کیا گیا۔ اس کمیشن کے ساتھ کانگریس اور مسلم لیگ نے عدم تعاون کا رویہ اختیار کیا۔ اس موقع سے قائداعظم محمد علی جناح نے مسلم اقلیت کے مفاد کی حفاظت کے لیے 14 نکات کی مشہور قرارداد پیش کی۔ 31 اکتوبر 1920ء کو وائسرائے نے حکومت برطانیہ کے اس فیصلے کا اعلان کیا اور لندن میں ایک گول میز کانفرنس منعقد ہوئی جس میں تمام سیاسی جماعتوں کے رہنماؤں نے شرکت کی۔ پہلی کانفرنس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

12 اکتوبر 1930ء کو لندن میں ہوئی۔ دوسری گول میز کانفرنس ستمبر 1931ء میں ہوئی جس میں گاندھی جی نے کانگریس کے واحد نمائندہ ہونے کی حیثیت سے شرکت کی دوسری کانفرنس اس لحاظ سے زیادہ اہم ہے کہ اس میں شرکت کرنے والے تمام ہندوؤں نے اقلیتوں کے اہم مسئلے حل کرنے کی انتہائی کوشش کی لیکن یہ تمام کوششیں بے سود ثابت ہوئیں اور ہندو مسلم اختلافات تیزی سے بڑھنے لگے۔ اس موقع پر علامہ اقبال نے مسلمان عوام کے سامنے ایک علیحدہ آزاد ملک کا تصور پیش کیا۔ ابھی تک مسلمان لیڈر برطانوی حکومت اور اکثریت رکھنے والے فرقے سے صرف یہی طے کر رہے تھے کہ نئی آئینی اصلاحات کے تحت جو اسمبلیاں بنیں گی، ان میں مسلمانوں کی نمائندگی کس طرح کی جائے گی اور مسلمان نمائندوں کی تعداد کیا ہوگی۔ اسی سال مسلم لیگ کا سالانہ جلسہ الہ آباد میں ہوا اور ڈاکٹر اقبال کو اس کا صدر منتخب کیا گیا۔ ڈاکٹر اقبال نے اپنے خطبہ صدارت میں مسلمانوں کے سیاسی مستقبل کا ذکر کیا ان کے لیے ایک علیحدہ آزاد ملک کا مطالبہ کیا۔ انہوں نے کہا:

> ''ہندوستانی معاشرے کے مختلف فرقے جغرافیائی طور پر یورپین ممالک کی طرح منقسم نہیں ہیں بلکہ برصغیر ہندوستان میں مختلف لوگوں کے گروہ بستے ہیں جو مختلف نسلوں سے تعلق رکھتے ہیں، مختلف زبانیں بولتے ہیں اور مختلف مذاہب کو مانتے ہیں۔ اس لیے مختلف فرقوں کے وجود کو تسلیم کئے بغیر یورپ کے اصولوں پر جمہوری نظام ہندوستان میں قائم نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے اگر پنجاب، شمال مغربی سرحدی صوبہ، سندھ اور بلوچستان کو ملا کر ایک علیحدہ ریاست بنا دی جائے تو کیا ہی اچھا ہو۔ انہوں نے مزید کہا اس لیے میں یہ مطالبہ کرتا ہوں کہ مسلمانوں کو ایک علیحدہ ریاست دے دی جائے۔ اس سے ہندوستان کا بھی فائدہ ہوگا اور مسلمانوں کا بھی۔ اس طرح ہندوستان میں اندرونی طاقتوں کے توازن سے امن و امان قائم رہے گا اور مسلمانوں کو ان قابل اعتراض اثرات سے آزاد ہونے کا موقع مل جائے گا۔ نیز اسلامی قانون تعلیم اور ثقافت میں ایک نئی تحریک پیدا ہو جائے گی جو ایک طرف تو اس کی اصل روح سے روشناس کرے گی اور دوسری طرف دور جدید کے تقاضوں کو بھی پورا کرے گی۔''

اسی اثناء میں قائداعظم جو اس وقت انگلستان میں رہائش پذیر تھے، ہندوستان واپس آ گئے اور مسلم لیگ کی رہنمائی سنبھال لی۔ کئی سالوں تک سیاسی سرگرمیوں سے علیحدہ رہنے کی وجہ سے یہ جماعت بالکل غیر فعال ہو چکی تھی۔ قائداعظم کی قیادت نے اس ڈھانچے میں نئی روح پھونک دی۔ 1934ء میں برطانیہ نے ایک دستاویز

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(White Paper) شائع کی جس میں ہندوستان کی نئی آئینی اصلاحات درج تھیں۔ ان اصلاحات کو گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1935ء کی شکل دے دی گئی۔

اپریل 1936ء میں بمبئی کے مقام پر مسلم لیگ کا اجلاس ہوا۔ اس میں نئی اصلاحات کے تحت صوبائی انتخابات لڑنے کا فیصلہ کیا گیا۔ ایک اور قرارداد کی رو سے پارٹی کا ایک سنٹرل پارلیمنٹری بورڈ قائم کیا گیا۔ نئے ایکٹ کے مطابق 1937ء میں تمام صوبوں میں انتخابات ہوئے ان انتخابات میں مسلم لیگ کو تھوڑی سی کامیابی ملی کیونکہ زیادہ تر صوبوں میں مسلمان اقلیت میں تھے۔ تعلیمی اعتبار سے بھی وہ بہت پسماندہ تھے اور معاشی طور پر بھی پیچھے تھے۔ گیارہ صوبوں میں سے سات صوبوں میں کانگریس وزارت بنانے میں کامیاب ہوگئی۔ اس کامیابی سے کانگریسی لیڈروں کے دماغ اور بھی خراب ہو گئے اور انہوں نے اشتعال انگیز باتیں اور حرکات شروع کر دیں۔ وہ مسلم لیگ کے خلاف کھلم کھلا پروپیگنڈا کرتے اور صاف صاف کہتے رہے کہ ہندوستان میں صرف دو پارٹیاں ہیں حکومت برطانیہ اور کانگریس۔ جن صوبوں میں کانگریس کی اکثریت تھی وہاں مسلمانوں سے برا سلوک کیا گیا۔ بحیثیت قوم مسلمانوں کا وجود خطرے میں پڑ گیا لیکن تھوڑے ہی عرصے میں ہندو لیڈروں کے یہ تمام دعوے مکمل طور پر جھٹلا دیئے گئے۔ قائداعظم کی مستعد اور سرگرم عمل رہنمائی میں مسلم لیگ برصغیر کی دوسری سب سے بڑی سیاسی پارٹی بن گئی۔ اس زمانے میں سیاسی حالات بڑی تیزی سے بدلنے لگے۔ 1939ء میں جب دوسری جنگ عظیم شروع ہوئی تو حکومت برطانیہ نے اندرون و بیرون ملک کے بدلے ہوئے حالات کے پیش نظر ہندوستان سے متعلق پالیسی میں بنیادی قسم کی تبدیلیاں کرنے کا فیصلہ کیا جب کانگریس نے دیکھا کہ اس وقت حکومت مصیبت میں ہے تو اس نے ایسا رویہ اختیار کیا کہ جس سے حکومت اور پریشان ہوئی۔ کانگریس وزارتوں نے استعفیٰ دے دیا اور برصغیر کے تمام مسلمانوں نے اس دن یوم نجات منایا۔

مسلم لیگ نے جو ایک واضح پروگرام اور مقصد کی تلاش میں تھی آخر یہ فیصلہ کیا کہ ڈاکٹر محمد اقبال کے خطبہ صدارت کی روشنی میں اپنے سیاسی مقاصد متعین کرے۔ آخر کار مارچ 1940ء میں لاہور کے تاریخی اجلاس میں مسلم لیگ نے ایک قرارداد پیش کی جو قرارداد لاہور کے نام سے مشہور ہے۔ اس قرارداد کا اصل مقصد یہ تھا کہ ہندوستان کو اس طرح تقسیم کیا جائے کو جن علاقوں میں مسلمان اکثریت میں ہیں انہیں ملا کر ایک علیحدہ خودمختار ملک بنا دیا جائے۔ بشرطیکہ یہ علاقے جغرافیائی طور پر ایک دوسرے سے ملحق ہوں۔

اس قرارداد کے پاس ہونے کے بعد 1940ء سے لے کر 1947ء تک کا زمانہ بڑی جدوجہد کا زمانہ تھا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

برطانوی حکومت ایک ایسی جنگ لڑ رہی تھی جو کہ ان کے لیے زندگی اور موت کا سوال تھا لیکن یہ جانتے ہوئے کہ اب زیادہ دیر تک ہندوستان میں شہنشاہیت قائم رکھنا مشکل ہے، اس لیے جنگ کے دوران ہی اس نے ہندوستانی لیڈروں سے اس مسئلے پر بات چیت شروع کر دی۔ ان کوششوں کی وجہ سے لارڈ ویول نے 1945ء میں شملہ کانفرنس بلائی۔ منصوبہ ویول کی بڑی تجویز یہ تھی کہ وائسرائے اور کمانڈر انچیف کے علاوہ انتظامیہ کونسل کے تمام ممبر ہندوستانی ہوں۔ یہاں بھی کانگریس نے حسب معمول اپنی روایتی ضد کا مظاہرہ کیا اور انتظامیہ کونسل کے مسلمان ممبروں کے حقوق ماننے سے انکار کر دیا۔ اس کانفرنس میں قائداعظم اس بات پر مضبوطی سے ڈٹے رہے اور شرکت کرنے والوں کو صاف طور پر بتا دیا کہ مسلمان حصول پاکستان سے کم کسی بات پر نہیں مانیں گے۔ انہوں نے کہا کہ اس وقت تک کوئی سیاسی بحث نہیں ہو سکتی جب تک کہ ان کے اس مطالبے کو تسلیم نہ کیا جائے۔ اس وجہ سے منصوبہ ویول بھی ناکام ہو گیا۔

دوسری جنگ عظیم کے ختم ہونے کے فوراً بعد ہی انگلستان میں لیبر پارٹی برسر اقتدار آ گئی۔ ہندوستانی معاملات کے متعلق لیبر پارٹی کے لیڈروں کے نظریات کچھ مختلف تھے اس لیے صوبائی اور مرکزی قانون ساز اسمبلیوں کے نئے انتخابات کا حکم دیا گیا۔ علاوہ ازیں یہ وعدہ بھی کیا گیا کہ انتخابات کے بعد وہ ایک مجلس آئین ساز بھی قائم کریں گے۔ ان انتخابات سے مسلم لیگ کی ہر دلعزیزی پوری طرح واضح ہو گئی اور قائداعظم کا یہ دعویٰ بھی ثابت ہو گیا کہ صرف مسلم لیگ ہی مسلم عوام کی نمائندگی کر سکتی ہے۔ مرکزی قانون ساز اسمبلی میں مسلمانوں کی تمام نشستیں مسلم لیگ کے قبضے میں آ گئیں اور صوبائی انتخابات میں مسلمانوں کی 495 نشستوں میں سے 446 مسلم لیگ نے جیت لیں۔ مسلم لیگ کی اس کامیابی سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ برصغیر کی تقریباً تمام مسلم آبادی نے پاکستان کو اپنا سیاسی مقصد بنا لیا ہے۔

1.7- کیبنٹ مشن

مارچ 1946ء میں برطانوی حکومت نے ایک کیبنٹ مشن ہندوستان بھیجا۔ اس مشن کا مقصد یہ تھا کہ وہ برصغیر کی مختلف سیاسی پارٹیوں میں آئین بنانے کے طریقے پر زیادہ سے زیادہ اتفاق پیدا کرنے کی کوشش کرے اور اہم سیاسی پارٹیوں کی مدد سے مرکز میں ایک انتظامیہ کونسل بنانے کی کوشش کرے۔ بہت سوچ بچار کے بعد مشن نے علاقائی حل تجویز کیا۔ 6 جون 1946ء کو مسلم لیگ نے یہ علاقائی حل تسلیم کر لیا اور عبوری دور کی حکومت کے ساتھ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شرکت کو بھی منظور کر لیا۔ 24 اگست 1946ء کو عبوری حکومت قائم ہوئی جس کے نائب صدر پنڈت نہرو تھے لیکن کانگریسی لیڈروں نے ایسا رویہ اختیار کیا جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ کسی بات پر سمجھوتہ کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ وہ صاف طور پر کہتے تھے کہ انہوں نے کیبنٹ مشن کا منصوبہ دل سے تسلیم نہیں کیا۔ وہ سمجھتے تھے کہ اس منصوبے کو تسلیم کر کے وہ پاکستان سکیم کو ناکام بنا سکیں گے۔ کانگریسی لیڈروں کے اس اشتعال انگیز رویئے سے مسلمان کانگریس بددل اور مزید متنفر ہو گئے اور انہوں نے ایک خود مختار پاکستان کا مطالبہ شروع کر دیا۔

20 فروری 2947ء کو اس وقت کے برطانوی وزیراعظم مسٹر ایٹلی نے ایک اہم اعلان کیا کہ جون 1948ء تک برطانوی حکومت برطانوی ہندو کو حکومت کا تمام کام سونپ دے گی۔ اس طرح سیاسی طاقت یا تو برطانوی ہند کی کسی مرکزی حکومت کو سونپ دی جائے گی یا چند ایک علاقوں میں موجودہ صوبائی حکومتوں کو ہی سونپ دی جائے گی یا کسی اور ایسے طریقے سے سونپی جائے گی جو کہ ہندوستان کے لوگوں کے بہترین مفاد میں سمجھا جائے گا۔

سیاسی طاقت کو ہندوستانیوں کے ہاتھوں میں منتقل کرنے کے لیے اس آخری دور میں لارڈ مونٹ بیٹن کو وائسرائے مقرر کیا گیا۔ اس طرح برطانوی حکومت نے تقسیم ہند کے اصول کو تسلیم کر لیا اور یہ فیصلہ کیا کہ ہندوستان کی تقسیم کر کے دو خود مختار ممالک بنائے جائیں گے اور سیاسی طاقت ان دونوں ممالک کو سونپ دی جائے گی۔ مزید یہ بھی کہا گیا کہ پنجاب اور بنگال میں مسلم اور غیر مسلم اکثریت رکھنے والے اضلاع علیحدہ علیحدہ ووٹ دیں گے۔ سندھ قانون ساز اسمبلی مجموعی طور پر ووٹ دے گی اور شمال مغربی سرحدی صوبے اور آسام کے ضلع سلہٹ کے مستقبل کا فیصلہ رائے عامہ سے کیا جائے گا۔ اس فیصلے کے نتائج ظاہر تھے جو کہ تسلیم کر لئے گئے۔ برطانوی حکمران نے قائداعظم کو پاکستان کا پہلا گورنر جنرل مقرر کیا۔ انہوں نے 14 اگست 1947ء کو یہ نیا عہدہ سنبھالا۔ اس طرح پاکستان معرض وجود میں آیا۔

1.8- اہم نکات

(1) جنوبی ایشیا میں اسلامی تہذیب وتمدن کا بھرپور اظہار اُس وقت دیکھنے کو ملا جب محمد بن قاسم نے 712ء میں سرزمین سندھ پر حملہ کر کے راجہ داہر کو شکست فاش دی۔

(2) 1526ء میں ظہیر الدین بابر نے مغلیہ سلطنت کی بنیاد رکھی اور شمالی ہندوستان کا علاقہ تک فتح کر لیا۔

(3) مغلیہ سلطنت کا زوال برصغیر کے مسلمانو کے لیے ایک بہت بڑی مصیبت تھا جس میں انگریزوں نے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسلمانوں کو نظم و نسق میں ہر قسم کے خلل کا ذمہ دار ٹھہرایا اور اُن کی ترقی کے تمام راستوں کو مسدود کر دیا۔

(4) 1870ء میں سرسید نے یورپ سے واپسی پر مسلمانوں کے لیے دن رات کام کیا اور رسالہ تہذیب الاخلاق جاری کیا۔

(5) سرسید نے مسلمانوں کو مادی و تمدنی پسماندگی سے نکالنے کا ایک ہی علاج تلاش کیا کہ روایتی نظام تعلیم کے بجائے ایسا نظام تعلیم لایا جائے جو علم و فن کے نئے دور کی صورت کو جاننے اور سمجھنے میں مدد دے۔

(6) سرسید نے 1875ء میں علی گڑھ کے مقام پر محمڈن اینگلو اورینٹیل کالج قائم کیا اور یہ ادارہ مسلمانوں کی بیداری کا مرکز بنا۔

(7) دو سال بعد علی گڑھ کالج کو یونیورسٹی کا درجہ دے دیا گیا۔

(8) 1855ء میں انڈین نیشنل کانگریس کی بنیاد ایک انگریز آفیسر اے ہیوم نے رکھی۔

(9) اُردو ہندی جھگڑے کے بعد مسلم قوم کو ایک اور کٹھن محاذ کا سامنا کرنا پڑا اور وہ ہندوؤں کی طرف سے تقسیم بنگال کی مخالفت تھی۔

(10) مغربی بنگال میں ہندوؤں کی اکثریت اور مشرقی بنگال میں مسلمانوں کی اکثریت تھی۔

1.9- خود آزمائی نمبر 1

سوال نمبر 1- درج ذیل خالی جگہ درست الفاظ سے پر کریں۔

(1) محمد بن قاسم نے ہندوستان پر __________ سن عیسوی میں حملہ کیا۔

(2) 30 دسمبر 1906ء کو ڈھاکہ میں __________ سیاسی جماعت کی بنیاد رکھی گئی۔

(3) 1909ء کی اصلاحات کو __________ اصلاحات کہا جاتا ہے۔

(4) 1916ء میں __________ معاہدہ طے پایا۔

(5) سائمن کمیشن __________ سن عیسوی کو مقرر کیا گیا تھا۔

سوال نمبر 2- درست اور غلط کی نشاندہی کریں۔

(1) محمد بن قاسم نے 712ء میں سرزمین سندھ پر حملہ کر کے راجہ داہر کو شکست دی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(2) ایسٹ انڈیا کمپنی نے برطانوی حکومت کے لیے برصغیر میں حکومت کرنے کے لیے راہ ہموار کی۔

(3) 1880ء میں سرسید نے مسلمانوں کے لیے رسالہ تہذیب الاخلاق جاری کیا۔

(4) 1906ء میں مسلمانوں نے لارڈ منٹو کی خدمت میں ایک وفد بھیجا۔

(5) 1910ء کی اصلاحات کو منٹو مارلے اصلاحات کہا جاتا ہے۔

سوال نمبر 3- مندرجہ ذیل پر نوٹ تحریر کریں۔

(الف) مسلم لیگ (ب) معاہدہ لکھنؤ (ج) تقسیم بنگال

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

2- نظریہ پاکستان

پاکستان کا قیام چند دنوں یا برسوں کی بات نہیں بلکہ جدوجہد آزادی کا یہ پرخار سفر صدیوں پر محیط ہے۔ پاکستان ایک نظریاتی مملکت ہے اور اس مملکت کا وجود دو قومی نظریہ کی مستحکم بنیادوں پر استوار ہے۔ تحریک پاکستان کے دوران مخالفین نے مسئلہ قومیت کو ہمیشہ مسئلہ بنائے رکھا لیکن یہ کہنا بھی بے جا نہ ہوگا کہ حصول پاکستان کی جنگ میں سب سے بڑا محاذ مسئلہ قومیت ہی تھا۔ بالفاظ دیگر برصغیر میں پاکستان کا ظہور دو قومی نظریہ کی فتح و نصرت ہے۔

2.1- دو قومی نظریہ

دو قومی نظریہ کی بنیاد اسی روز رکھ دی گئی تھی جب دربار خداوندی میں شیطان نے اللہ تعالیٰ کی حکم عدولی کرتے ہوئے نہ صرف حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا تھا بلکہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کو گمراہ کرنے کی قسم بھی کھائی تھی۔ اس واقعہ کے ضمن میں اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا ہے

> ''اور ہم نے حکم دیا کہ تم سب اس (جنت) سے نیچے اتر جاؤ پھر اگر تمہیں میری طرف سے کوئی ہدایت پہنچے تو تم میں سے جو میری ہدایت کی پیروی کریں گے ان کے لیے نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ غم۔ اور جو لوگ کفر کریں گے اور ہماری آیتوں کو جھٹلائیں گے سو وہی جہنمی ہیں اور ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔''

اس طرح قرآن پاک نے بنی نوع کو دو جماعتوں میں تقسیم کیا ہے ایک جماعت وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کو تسلیم کرتی ہے اور کاروبار حیات چلانے میں اسی کی رشد و ہدایت کے تابع ہے جبکہ دوسری جماعت وہ ہے جو مخلوق کی فرمانروا اور خالق کی نافرمان ہے۔ اول الذکر جماعت کو امت مسلمہ اور امت وسطیٰ جیسے ناموں سے پکارا گیا ہے اور ثانی الذکر جماعت کو اصحاب الشیطان، ملت کفر جیسے ناموں سے موسوم کیا گیا ہے۔ یہی اسلام کا تصور ملت اور یہی دو قومی نظریہ بھی ہے۔

مسلم قومیت کی بنیاد کلمہ توحید ہے اسلام کا یہ بنیادی اصول ہے کہ اشتراک دین کے سوا کوئی بھی معیار قومیت اسلام کے خلاف ہے، اس لیے کرۂ ارض پر آباد ہر وہ فرد جو اس عقیدہ یعنی اسلام پر ایمان لے آیا وہ بلا امتیاز رنگ، نسل، زبان، وطن اور سیاسی و اقتصادی اغراض مسلم قومیت کا حصہ بن گیا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

2.2- نظریہ پاکستان ...... توضیح وتعریف

برصغیر پاک و ہند میں دو قومی نظریہ (جو نظریہ پاکستان کی اساس ہے) اسی روز وجود میں آ گیا تھا جب ہندوستان کا پہلا غیر مسلم حلقہ بگوش اسلام ہوا۔ اس طرح ایک مسلمان فرد نے برصغیر میں ایک نئے سیاسی، معاشرتی، معاشی، اخلاقی اور تمدنی شعور کو پروان چڑھایا جس کے بعد ایک کے بجائے دو مختلف تمدنی دھارے بہنے لگے۔ مسلمانانِ ہند نے اقلیت میں ہونے کے باوجود نہ صرف اپنے جداگانہ قومی تشخص کو ہمیشہ برقرار رکھا بلکہ اسلام کے ازلی و ابدی زریں اصولوں کے باعث ہندو اکثریت کے دلوں پر حکمرانی بھی کرتے رہے۔ اس دوران ہندو اپنی ہزاروں سال پرانی تاریخ اور بھگتی تحریک جیسے عوامل کے ذریعے مسلمانوں کے وجود اور روایات کو متحدہ قومیت (ہندو ازم) میں تحلیل کرنے کے درپے رہے۔ تاہم مردانِ حق نے آڑے وقت میں ہمیشہ مسلمانوں کی مسیحائی کی۔ کبھی حضرت مجدد الف ثانی اور شاہ ولی اللہ مسلم اقلیت کے تحفظ کے لیے ڈھال بنے تو کبھی سلطان ٹیپو، نواب سراج الدولہ، تیتو میر شہید، سید احمد شہید وغیرہ نے اپنے خون کا نذرانہ دے کر جداگانہ مسلم قومیت کے تصور کو اور نکھارا۔

1857ء کی جنگ آزادی میں مسلمان ناکام ہوئے تو ہندوؤں نے انگریزوں کے تعاون سے مسلمانوں سے اپنی ہزار سالہ محکومی کا بدلہ لینے کی منصوبہ بندی شروع کر دی۔ انیسویں صدی کے اوائل میں جب یہ واضح ہونے لگا کہ انگریز بالآخر ہندوستان کو آزاد کرنے پر مجبور ہو جائیں گے تو ہندوؤں نے جدید جمہوریت کی آڑ میں عددی اکثریت کے بل بوتے پر انتقال اقتدار کا مطالبہ شروع کر دیا۔ اس ناپاک سازش کی کامیابی کی صورت میں مسلمانوں کے سامنے دو ہی راستے رہ جاتے تھے

اوّل: مسلمان ہندوؤں کی عددی اکثریت کے سامنے سرِ تسلیم خم کر کے محکومانہ زندگی قبول کر لیتے۔

دوئم: وہ ایسے وطن (دارالکفر) کو چھوڑ کر کسی ایسی جگہ (دارالسلام) جا بسیں جہاں ان کی جانوں سے زیادہ ان کے ایمان محفوظ ہوں کیونکہ اسلام کے پیروکاروں کا کسی غلام ملک میں رہنا اسلام کی روح کے منافی تھا۔

ایسے میں سر سید احمد خان نے واشگاف الفاظ میں ہندوؤں اور انگریزوں پر یہ واضح کر دیا کہ ہندوستان میں مسلمان اقلیت میں نہیں بلکہ ایک جداگانہ قوم ہیں جن کا ایک ساتھ رہنا محال ہے چنانچہ مستقبل میں تحریک پاکستان کی قیادت نے یہ بات ثابت کر دی کہ مسلمانوں کی سیاست، معاشرت، معیشت، تہذیب، طریق عبادات غرض کہ انفرادی و اجتماعی طور پر زندگی کا پورا رویہ ہی اپنے دوسرے ہم وطنوں سے مختلف ہے۔ لہٰذا ان کا اسلوبِ زندگی ان

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے تقاضا کرتا ہے کہ وہ اپنا الگ ملک تشکیل دیں جہاں وہ اسلامی نظریہ حیات کے تحت اپنا نظام زندگی نافذ کر سکیں۔
اس سلسلے میں قائداعظم نے فرمایا

"پاکستان کا یہ مطلب نہیں کہ ہم غیر ملکی حکومت سے آزادی چاہتے ہیں اس سے حقیقی مراد مسلم آئیڈیالوجی ہے جس کا تحفظ نہایت ضروری ہے ہم نے صرف اپنی حکومت حاصل نہیں کرنی، ہمیں اس قابل بھی بننا ہے کہ ہم اس کی حفاظت بھی کر سکیں اور اسلامی تصورات اور اصولات کے مطابق زندگی بسر کر سکیں"۔ (تقاریر: جلد 2، صفحہ 263)

قائداعظم کے اس فرمان کی روشنی میں نظریہ پاکستان کا عام مفہوم یہ ہے کہ

"پاکستان کو ایسے ملک کے طور پر وجود میں لایا جا رہا ہے جہاں حاکمیت اور فرمانروائی صرف اللہ تعالیٰ کی ہوگی اور نظام حکومت، نظامِ سیاست، نظامِ معیشت، نظام معاشرت غرض کہ ہر شعبہ زندگی کا نظام چلانے کے لیے قرآن حکیم اور سنت رسول اللہ صلی اللہ سے رہنمائی حاصل کی جائے گی"۔

ڈاکٹر سید عبداللہ، نظریہ پاکستان کی تعریف یوں کرتے ہیں کہ

"نظریہ پاکستان عبادت ہے"۔

اول: اس عقیدے سے کہ پاکستان دو قومی تصور کا نتیجہ ہے یعنی یہ کہ ہندو الگ قوم ہیں اور مسلمان الگ قوم۔

دوئم: یہ کہ مسلمانوں کی قومیت فقط اسلام ہے، یعنی نسل رنگ اور زبان عقیدہ اسلام ہے اور یہی پاکستان کی قومیت ہے۔

سوئم: مسلمان چونکہ ایک منفرد قوم ہیں اس لیے ان کی معاشرت، تہذیب اور اخلاقیات بھی منفرد ہے اور پاکستان میں ان کی وسیع تر نمائندہ ترجمان زبان اردو ہے۔

چہارم: اس قوم کو ہندوستان کی ہزار سالہ تاریخ نے ایک تاریخی شعور دیا ہے چنانچہ اس کے جملہ احوال کی تعبیر اس تاریخی شعور کے حوالے سے ہونی چاہیے اور اس کی ایک منطقی اور عملی تعبیر ظہور پاکستان ہے۔"

2.3- نظریہ پاکستان اور سر سید احمد خان

ہندوستان میں مسلمان ایک فاتح کی حیثیت سے داخل ہوئے اور وہ ایک ہزار سال تک اس ملک پر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چھائے رہے۔ ان کی حکمرانی کا نمایاں پہلو یہ تھا کہ انہوں نے اپنی قومی انفرادیت کو ہمیشہ قائم و دائم رکھا۔ پھر ایک وقت یہ بھی آیا کہ انگریزوں نے پورے ہندوستان پر اپنا تسلط جما لیا اور مسلمان اپنے ہی مفتوحہ ملک میں محکومی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو گئے۔ انگریزوں کو مسلمانوں کی جداگانہ قومیت سے کھلی عداوت تھی۔ وہ وطن کو قومیت کی اساس سمجھتے تھے اور اپنے ہی وطن کی جمہوریت کو ہندوستان میں رائج کرنا چاہتے تھے۔ ہندوؤں نے بھی اس طرز جمہوریت کی بھرپور حمایت کی کیونکہ اس کے نتیجہ میں مسلمان ایک ایسی اقلیت بن جاتے تھے جن کے مستقبل کا فیصلہ ہندو اکثریت کے رحم و کرم پر ہوتا اور یہ دائمی غلامی کے سوا اور کچھ نہ ہو سکتا تھا۔ دوسرے الفاظ میں اس سازش کا مقصد مسلمانوں کو ہندو معاشرے میں جذب کرنا تھا۔

سرسید احمد خان کی دوراندیشی نے ان خطرات کو بھانپ لیا تھا، چنانچہ آپ نے مسلمانوں کی جداگانہ قومیت اور انفرادیت پر فکر انگیز مقالات تحریر کیے اور مسلم قومیت کے خصائص اور خدوخال کو مؤثر انداز میں پیش کیا۔ آپ بلا لحاظ قوم و مذہب سارے ہندوستان کی ترقی و خوشحالی کے متمنی تھے۔ مگر ایسی خوشحالی کے روادار نہ تھے جس کے حصول کی خاطر مسلمان قوم کو اکثریت میں ضم کر دیں۔ ان کے خیال میں مصنوعی قومیت کا جزو بننے سے مسلمانوں کے حصے میں تباہی و بربادی کے سوا اور کچھ نہ آئے گا۔ 1857ء کی جنگ آزادی میں ہندوؤں کی عیاری و مکاری کا پول کھولتے ہوئے سرسید احمد، بدرالدین طیب جی کو لکھتے ہیں

''غدر میں کیا ہوا؟ ہندوؤں نے شروع کیا مسلمان دل جلے تھے وہ بیچ میں کود پڑے۔ ہندو تو گنگا نہا کر جیسے تھے ویسے ہی ہو گئے مگر مسلمانوں کے تمام خاندان تباہ و برباد ہو گئے۔''

جنگ آزادی کے بعد مسلمانوں کی جداگانہ حیثیت کے خاتمہ کے لیے منظم کوششیں شروع ہوئیں اور یہ تاثر دیا جانے لگا کہ ہندوستان صرف ''ایک قومی نظریے'' کا مرہون منت ہے جبکہ ہندو، مسلمان، سکھ، عیسائی اس کی شاخیں ہیں مگر اس کے ساتھ ہی ہندو اپنی فطرت اور جبلت کی تکمیل کیے جا رہا تھا۔ 1867ء میں یوپی کے ہندوؤں نے عدالتی، سرکاری دفاتر اور مدارس میں اردو کی بجائے ہندی زبان اور ناگری رسم الخط رائج کرنے کے حق میں شدید تحریک چلائی جس کا مقصد ہندوستان سے مسلم تہذیب کا نام و نشان مٹانا تھا۔ اس عظیم سانحہ پر سرسید احمد خان نے اپنے ذہنی اور روحانی صدمے کا یوں ذکر کیا۔

''اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ دونوں قومیں دل سے کسی کام میں شریک نہ ہو سکیں گی ابھی تو بہت کم ہے، آگے آگے اس سے زیادہ مخالفت اور عناد ان لوگوں کے سبب جو تعلیم یافتہ کہلاتے ہیں،

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بڑھتا نظر آتا ہے جو زندہ رہے گا دیکھ لے گا۔''

ہندوؤں کی روایتی مکاری نے ان کے ''دو قومی نظریہ'' کے خیالات کو اس حد تک راسخ بنا دیا تھا کہ جب آل انڈیا کانگریس قائم کی گئی تو آپ نے اس میں مسلمانوں کی شمولیت کی ممانعت کر دی اور اس کی دعوت کے جواب میں کانگریس کے صدر مسٹر بدرالدین طیب جی کو تحریر کیا

> ''نیشنل کانگریس کے الفاظ کا مفہوم سمجھنے سے قاصر ہوں۔ کیا یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ ہندوستان میں جہاں مختلف ذاتیں، فرقہ اور مذاہب کے افراد رہتے ہیں' ایک قوم کے افراد ہیں یا یہ کہ ایک قوم بن سکتے ہیں؟ اور ان کے اغراض و مقاصد دینی و ملی بھی یکساں اور ایک ہو سکتے ہیں؟ میں سمجھتا ہوں کہ یہ چیز بالکل ناممکنات میں سے ہے اور جب یہ ناممکن ہے تو پھر نیشنل کانگریس بھی کوئی چیز نہیں ہو سکتی اور نہ یہ ساری قوموں کے لیے یکساں طور پر سودمند ہو سکتی ہے۔''

سرسید احمد خان اس حقیقت سے بخوبی آگاہ تھے کہ ہندو اکثریت کی اس جماعت سے مسلمانوں کو مساویانہ حقوق ملنا محال ہے چنانچہ آپ نے ''مسلم قومیت'' کو تسلیم کروانے کے لیے جداگانہ انتخابات کا مطالبہ کر دیا۔ 16 جنوری 1888ء کو میرٹھ میں تقریر کرتے ہوئے آپ نے کہا

> ''وائسرائے کی کونسل میں ہندوؤں اور مسلمانوں کی تعداد متعین ہونی چاہیئے۔ ہندو ممبروں کو ہندو منتخب کریں اور مسلمان ممبروں کو مسلمان۔''

سرسید احمد خان نے ہندوستان میں ''دو قومی نظریہ'' کو ٹھوس بنیادوں پر استوار کر دیا تھا۔ بالآخر مسلمانان ہند نے وہی کر دکھایا۔ ان کے انتقال کے 42 برس بعد لاہور میں ''قرارداد پاکستان'' پیش کر کے مسلمانوں نے سرسید احمد خان کی فکر و سوچ کی تکمیل کر دی۔ جس کے نتیجہ میں 14 اگست 1947ء کو پاکستان معرض وجود میں آیا۔

2.4- نظریہ پاکستان، فکر اقبال کی روشنی میں

اسلام کی نشاۃ ثانیہ اور آزادی کی تحریک کے تعلق سے جن عظیم شخصیتوں کا نام لیا جاتا ہے، ان میں علامہ اقبال کی شخصیت سرفہرست ہے۔ وہ کئی اعتبار سے ایک منفرد حیثیت کے حامل ہیں۔ اقبال صرف ایک فلسفی شاعر، ادیب اور سیاستدان ہی نہیں تھے بلکہ انقلابی تحریک کے داعی بھی تھے۔ انہوں نے اپنی انقلابی نظموں اور اشعار سے ایک طرف مسلمانوں میں اسلام کا شعور پیدار کیا تو دوسری طرف ان کے دلوں میں آزادی اور حریت کا جذبہ بیدار

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیا۔ اقبال نے اپنی انقلابی نظموں سے مسلمانوں کو آزادی کی جدوجہد پر اکسانے کے ساتھ ساتھ انہیں اس کا عملی راستہ بھی دکھایا۔

علامہ اقبال اولین مفکر ہیں جنہوں نے برصغیر میں علیحدہ مسلم ریاست کا تصور مثبت اور نظریاتی بنیادوں پر پیش کیا۔ انہوں نے مسلمانوں اور ان کی سیاسی قیادت کو یہ تصور دیا کہ مسلمان ایک الگ نظام حیات اور ایک جداگانہ تہذیب کے حامل ہیں، جس کی بنیاد توحید اور رسالت پر ہے۔ نہ تو وہ انگریز کے غلام رہ سکتے ہیں اور نہ ہندو اکثریت کے دست نگر ہیں یوں علامہ اقبال نے ایک قومیت کے تصور کو مسترد کر کے ہندوستان میں مسلمانوں کے علیحدہ تشخص کو بھرپور و مؤثر انداز میں اجاگر کیا۔ اسلامی قومیت کا نظریہ علامہ اقبال نے ایسے وقت میں دیا جب دنیا میں رنگ ونسل، زبان اور وطن وغیرہ کے اتحاد پر پروان چڑھنے والا نظریہ قومیت عروج کی جانب گامزن تھا۔ ان دنوں برصغیر پاک و ہند میں کانگریس بھی ذاتی اغراض و مقاصد کے حصول کے لیے اہل ہند کو تصور وطنیت کے پالنے میں تھپک تھپک کر سلانے کی جستجو و سعی کر رہی تھی۔ وطنی قومیت کا یہ دریا کچھ اس تیزی سے چڑھ رہا تھا کہ بعض مسلمان علماء بھی اس کے دھارے میں خس و خاشاک کی طرح بہہ نکلے مگر یورپ میں قیام کے دوران مغرب کی تاریخ کے تجزیہ اور قرآن پاک کے بغور مطالعے نے علامہ اقبال کی سیاسی بصیرت کو ایک نئی جلا بخشی۔ ان کا فہم و تدبر مغربی طرز کی وطنیت کے حسین و دلنشین تصور کی تہہ میں نہاں مضمرات سے بخوبی آگاہ ہو چکا تھا۔ ان کی فکر و سوچ اس واضح نتیجہ پر پہنچ چکی تھی کہ قومیت کا ایسا تصور جس کی بنیاد رنگ، نسل، زبان اور وطن پر ہو، بالعموم اقوام عالم اور بالخصوص عالم اسلام کے لیے سمِ قاتل ثابت ہوگا۔ انہوں نے قومیت کے اس تصور کے خطرناک و ہولناک نتائج سے ملت اسلامیہ کو بارہا آگاہ کیا۔ آپ نے فرمایا

اپنی ملت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر!
خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی
ان کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار
قوت مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تیری
دامن دیں ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیت کہاں
اور جمعیت ہوئی رخصت تو ملت بھی گئی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علامہ اقبال نے ترانہ ہندی میں ہندوستان کو اپنا وطن کہا ہے یہ انسان کے فطری لگاؤ کی وجہ سے ہے۔ وہ وطن کے مخالف نہیں، تصور وطنیت کے مخالف ہیں اور عہد حاضر میں اس کے جو معنی اخذ کئے جا رہے ہیں، اسے مسترد کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ ایک بت ہے تہذیب حاضر میں ابدی حقائق حیات اور اقدار انسانیت کے الہامی تصور سے متصادم ہے۔ فرماتے ہیں

یہ بت کہ تیرا شیدہ تہذیب نوی ہے
غارت گر کہ شانہ دین نبوی ﷺ ہے
گفتار سیاست میں وطن اور ہی کچھ ہے
ارشاد نبوت میں وطن اور ہی کچھ ہے

1919ء میں پروفیسر نکلسن کے نام مکتوب میں علامہ اقبال فرماتے ہیں

"اسلام ہمیشہ رنگ و نسل کے عقیدے کا جو انسانیت کے نصب العین کی راہ میں سب سے بڑا سنگ گراں ہے، کامیاب حریف رہا ہے۔ رینان کا یہ خیال غلط ہے کہ علم سائنس اسلام کا سب سے بڑا دشمن ہے۔ دراصل کائنات میں اسلام بلکہ انسانیت کا سب سے بڑا دشمن رنگ و نسل کا عقیدہ ہے اور جو لوگ نوع انسان سے محبت رکھتے ہیں ان کا فرض ہے کہ ابلیس کی اس اختراع کے خلاف علم جہاد بلند کریں۔"

"ملت بیضا پر ایک عمرانی نظر" میں علامہ اقبال نے ان خیالات کو ایک مربوط نظام فکر کی شکل میں یوں پیش کیا

"مسلمانوں اور دنیا کی دوسری قوموں میں اصولی فرق یہ ہے کہ قومیت کا اسلامی تصور دوسری اقوام کے تصور سے بالکل مختلف ہے۔ ہماری قومیت کا اصل اصول نہ اشتراک زبان ہے، نہ اشتراک وطن، نہ اشتراک اغراض اقتصادی بلکہ ہم لوگ اس برادری میں جو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم فرمائی تھی، اس لیے شریک ہیں کہ بظاہر کائنات کے متعلق ہم سب کے معتقدات کا سرچشمہ ایک ہے اور جو تاریخی روایات ہم سب کو ترکہ میں پہنچی ہیں وہ بھی ہم سب کے لیے یکساں ہیں۔ اسلام تمام مادی قیود سے بیزاری ظاہر کرتا ہے اس کی قومیت کا دارومدار ایک خاص تہذیبی تصور پر ہے جس کی تجسیمی شکل وہ جماعت اشخاص ہے جس میں بڑھنے اور پھیلنے رہنے کی قابلیت طبعاً موجود ہے۔"

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دسمبر 1930ء میں مسلم لیگ کے اجلاس الہ آباد کے خطبہ صدارت میں علیحدہ مسلم مملکت کے بارے میں جواز پیش کرتے ہوئے علامہ اقبال نے فرمایا

"ہندوستان مختلف اقوام کا وطن ہے جس کی نسل، زبان، مذہب سب ایک دوسرے سے مختلف اور الگ ہیں۔ ان کے اعمال و افعال میں وہ احساس پیدا ہی نہیں ہوسکتا جو ایک ہی نسل کے مختلف افراد میں موجود رہتا ہے غور سے دیکھا جائے تو ہندوستان میں کوئی واحد الجنس قوم نہیں۔ پس یہ امر کسی طرح بھی مناسب نہیں ہے کہ مختلف ملتوں کے وجود کا خیال کئے بغیر مسلمان ہندوستان کے اندر ایک اسلامی ہندوستان قائم کریں۔"

علامہ اقبال نے ایک قومیت کے تصور کے بت کو پاش پاش کر دیا تو تصور پاکستان کا خاکہ اور نمایاں ہوکر سامنے آگیا جس کے لئے علاقائی حد بندی کا تعین یوں ہوا

"میری خواہش ہے کہ پنجاب، صوبہ سرحد اور بلوچستان کو ایک ہی ریاست میں ملا دیا جائے خواہ یہ ریاست سلطنت برطانیہ کے اندر خود اختیاری حاصل کرے، خواہ اس کے باہر۔ مجھے تو ایسا نظر آتا ہے کہ اور نہیں تو شمال مغربی ہندوستان کے مسلمانوں کو بالآخر ایک منظم آزاد اسلامی ریاست قائم کرنا پڑے گی۔" (خطبہ الہ آباد)

ہندوستان کے اندر ایک علیحدہ مسلم مملکت کا قیام ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کے ہی مفاد میں ہے۔ اس حکمت عملی کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ اقبال نے فرمایا

"میں صرف ہندوستان اور اسلام کی فلاح و بہبود کے لیے ایک منظم اسلامی ریاست کے قیام کا مطالبہ کرتا ہوں۔ اس سے ہندوستان کے اندر توازن قوت کی بدولت امن و امان قائم ہو جائے گا اور اسلام کو اس امر کا موقع ملے گا کہ وہ ان اثرات سے آزاد ہو کر جو عربی شہنشاہیت کی وجہ سے اب تک اس پر قائم ہیں، اس جمود کو توڑ ڈالے جو اس تہذیب و تمدن، شریعت اور تعلیم پر صدیوں سے طاری ہے۔" (خطبہ الہ آباد)

پھر علامہ اقبال نے سعی و عمل کے اس راستے کا تعین بھی فرما دیا جس پر عمل پیرا ہو کر ہی علیحدہ مسلم ریاست کا قیام ممکن تھا

"میں آپ سے اپنے اس احساس کو پوشیدہ نہیں رکھ سکتا کہ موجودہ نازک حالات کے تدارک

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے لیے ہماری ملت کو مستقبل قریب ہی میں آزادانہ جدوجہد کرنا پڑے گی لیکن کسی سیاسی طرز عمل کے لیے آزادانہ جدوجہد کرنا اسی وقت ممکن ہے جب پوری قوم اس پر آمادہ ہو اور اس کے عزائم وارادے ایک سطح پر مرکوز ہوں''۔ (خطبہ الہ آباد)

1932ء میں ایک اور خطبہ میں مزید فرمایا

''نہ ہندوؤں کے وعدوں پر جاؤ اور نہ برطانیہ پر اعتماد کرو بلکہ جو کچھ لینا ہے زور بازو سے لو۔ پہلے لوگوں میں سیاسی بیداری پیدا کرو اور اپنی متفقہ قوت پر بھروسہ کرو۔''

الہ آباد کے تاریخ ساز اجلاس میں علامہ اقبال نے جس مسلم ریاست کے قیام کا تصور پیش کیا وہ لوگوں کو محض ایک شاعر کا خواب دکھائی دیا مگر علامہ اقبال اسے اٹل حقیقت سمجھتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اپنی زندگی کی آخری سانس تک اس مؤقف پر ثابت قدم رہے۔ اپنی وفات سے چند ماہ پیشتر قائداعظم کے نام تحریر فرماتے ہیں

''شریعت اسلامیہ کا طویل اور عمیق مطالعہ کرنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اگر اسلامی قانون کو اچھی طرح سوچ سمجھ کر نافذ کر دیا جائے تو کم از کم ہر شخص کے زندہ رہنے کا سامان میسر آ سکتا ہے لیکن اس ملک میں اس وقت تک شریعت کا نفاذ ناممکن ہے جب تک کہ یہاں ایک یا ایک سے زائد آزاد اور خودمختار اسلامی مملکتیں قائم نہ ہو جائیں۔''

علامہ اقبال صرف اور صرف اسلام کو بنی نوع انسان کے تمام مسائل اور دکھوں کا مداوا سمجھتے ہیں اور اس کی روشنی میں وہ اپنی مطلوبہ اسلامی ریاست کے خدوخال یوں بیان فرماتے ہیں

''جس مذہب کی آپ نمائندگی کرتے ہیں وہ اپنے ہاں فرد واحد کی اہمیت کو تسلیم کرتا اور اس کی تربیت کرتا ہے تاکہ وہ اپنا سب کچھ خدا اور انسان کی خدمت میں دے ڈالے۔ اس کے امکانات ابھی ختم نہیں ہوئے ہیں وہ اب بھی ایک ایسی نئی دنیا پیدا کر سکتا ہے جہاں اس کا معاشرتی درجہ اس کی ذات، رنگ اور اس کے کمائے ہوئے مال و دولت کی مقدار سے معین نہ ہو بلکہ اس زندگی کے مطابق قائم کیا جائے جسے وہ بسر کرتا ہے جہاں غربا، مال داروں پر ٹیکس لگاتے ہیں جہاں انسانی سوسائٹی سروں کی مساوات پر قائم نہ ہو بلکہ روحوں کی مساوات پر قائم ہو جہاں ایک غریب ایک خلیفہ کی لڑکی سے شادی کر سکتا ہو، جہاں نجی ملکیت ایک ٹرسٹ کی شکل رکھتی ہو اور جہاں سرمایہ جمع کرنے کی اجازت اس طرح نہ دی جائے کہ وہ اصل دولت پیدا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرنے والے پر غلبہ حاصل کرلے۔''

(آل انڈیا مسلم کانفرنس، اجلاس لاہور، 21 مارچ 1931ء)

''میرے نزدیک فاشزم، کمیونزم اور زمانہ حال کے دوسرے ازم کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔ میرے عقیدے کی رو سے صرف اسلام ہی ایک حقیقت ہے جو بنی نوع انسان کے لیے ہر نکتہ نگاہ سے موجب نجات ہو سکتی ہے۔''

پاکستان علامہ اقبال کی فکری ونظری سوچ کا جیتا جاگتا ثبوت ہے انہوں نے مسلمانان ہند کو جس جداگانہ تشخص کا احساس دلایا اور دوقومی نظریہ کو جو فلسفیانہ بنیاد عطا کی ان کا اعتراف بالآخران کے نظریاتی حریفوں نے بھی کیا۔

مولانا ابوالکلام آزاد نے کہا

''اقبال اس سرزمین پر مسلمانوں کی نئی نسل کے ملی شعور کی طاقت ور آواز تھے انہوں نے برصغیر کے مسلمانوں کی ذہنی سوانح عمری کا مواد جمع کیا .... اقبال نے بعض مباحث سے قطع نظر مسلمانوں کی جداگانہ ہستی کو غایت درجہ متاثر کیا .... اقبال نقد ونظر کا نہیں غور وفکر کا شاعر ہے۔ پاکستان بن گیا ہے تو اب اس کے تصوراتی خطوط پر ہی قائم رہ سکتا ہے''۔

(اقبال مجرم از شورش کاشمیری ص 6)

2.5- نظریۂ پاکستان، ارشادات قائداعظم کی روشنی میں

عزیز طلبہ! اس یونٹ کے ابتدائی صفحات میں آپ پڑھ چکے ہوں گے کہ قائداعظم محمد علی جناح نے اپنے سفر سیاست کا آغاز آل انڈیا نیشنل کانگریس کے پلیٹ فارم سے کیا اور ایک عرصے تک ہندو مسلم اتحاد کے پیامبر بنے رہے۔ یہاں تک کہ مسلم دشمن ''نہرو رپورٹ'' کے باوجود بھی آپ نے اس مشن کو جاری وساری رکھا۔ یہ وہی جناح تھے جن کی خدمات اور جرأت وعظمت کے اعتراف کے طور پر کانگریس نے بمبئی میں ''جناح میموریل ہال'' تعمیر کروایا اور ایک کانگریسی اخبار نے انہیں ''ہندو مسلم اتحاد کا سفیر'' قرار دیتے ہوئے لکھا'' ایک چیز سے مسٹر جناح کبھی مایوس نہیں ہوئے وہ ہے ہندو مسلم اتحاد'' لیکن قائداعظم کا ہندو مسلم اتحاد کا یہ خواب بکھر کر رہ گیا جب ''نہرو رپورٹ'' کے ضمن میں کانگریس نے مسلم رہنماؤں کے دست تعاون کو جھٹکتے ہوئے کہا'' ہندوستان میں صرف دو طاقتیں ہیں ایک کانگریس اور دوسری حکمران انگریز'' قائداعظم نے اس بات کا جواب اسی وقت دیا''نہیں! یہاں ایک تیسری

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طاقت بھی ہے اور وہ ہے مسلمان، جس کی نمائندگی مسلم لیگ کرتی ہے'' اور یوں قائداعظم نے مسلمانوں کی جداگانہ حیثیت کو تسلیم کروالیا۔

15 اکتوبر 1937ء کو لکھنؤ میں مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں مسلمانوں کو پیغام بیداری دیتے ہوئے قائداعظم نے فرمایا

''ہندوستان کے 8 کروڑ مسلمانوں کو خائف ہونے کی ضرورت نہیں، ن کی تقدیر ان کے اپنے ہاتھ میں ہے اور وہ ایک متحد، ٹھوس اور منظم طاقت کی حیثیت سے ہر خطرے اور مزاحمت کا متحدہ محاذ کے ذریعے مقابلہ کر سکتے ہیں۔ تمہارے اپنے ہاتھوں میں ساحرانہ قوت موجود ہے۔ اب تمہیں اپنے اہم فیصلوں پر ڈٹ جانا چاہیئے۔''

آپ نے اس اجلاس میں فرمایا

''اکثریت کے رویئے سے یہ بات بالکل واضح ہوگئی ہے کہ وہ ہندوستان کو ہندوؤں کی جاگیر سمجھتے ہیں...... کانگریس کی موجودہ پالیسی سے فرقہ وارانہ کشیدگی اور نفرت بڑھ جائے گی اور ہندوؤں اور مسلمانوں میں جنگ چھڑ جائے گی۔''

6 اپریل 1938ء کو پنڈت نہرو کے خط کے جواب میں آپ نے لکھا

''آپ کے الفاظ اور انداز بیان سے تحکم اور جنگ جوئی کی بو آتی ہے اور آپ کا خط پڑھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کانگریس ہندوستان کی فرمانروا بن چکی ہے...... جب تک کانگریس مسلم لیگ کو برابری کا درجہ نہیں دیتی اور ہندو مسلم مصالحت کے لیے اس سے گفت وشنید کرنے پر آمادہ نہیں ہوتی اس وقت تک ہمارے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ انتظار کریں اور اپنے ''قوت بازو'' پر بھروسہ کریں جس کے نتیجے میں بالآخر مسلم لیگ کو اہمیت حاصل ہوگی۔ آپ کی ذہنیت کو دیکھتے ہوئے میرے لیے یہ مشکل ہے کہ میں اپنی بات آپ کو سمجھانے کی مزید کوشش کروں گا۔''

1937ء کے انتخابات میں کانگریس نے چھ صوبوں میں اکثریت حاصل کرنے کے بعد یہ ظاہر کرنا شروع کر دیا کہ وہ ہندوستان کی واحد نمائندہ جماعت ہے۔ وزارتوں کی تشکیل کے ساتھ ہی کانگریسی اکابروں کی مکاری عیاری عروج تک جا پہنچی جس کا مقصد مسلمانان ہند کی ہمدردیاں حاصل کر کے متحدہ قومیت کے تصور کو پروان چڑھانا تھا۔ قائداعظم نے اس مکارانہ عزائم کو بے نقاب کرتے ہوئے فرمایا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"کانگریس سراسر ہندو جماعت تھی۔ مسلمانوں نے ایک سے زیادہ مرتبہ کانگریس کو یہ جتا دیا ہے کہ ان کی آئندہ تقدیر اور قسمت کا دارومدار حکومت اور ملک کے انتظام، ان کے سیاسی حقوق کے حصول اور قومی زندگی میں واجب حصہ حاصل ہونے پر ہے اور اس کے لیے وہ اس وقت تک برسر پیکار رہیں گے جب تک ہندو راج کا خواب و خیال کانگریس کے دل و دماغ سے بالکل مفقود نہیں ہو جاتا۔ جب تک مسلمانوں کے قالب میں روح رہے گی، کانگریس کا غلام بننا ہرگز ہرگز گوارا نہیں کریں گے۔" (اجلاس مسلم لیگ لکھنؤ 17 اپریل 1938ء)

22 مارچ 1939ء کو مرکزی اسمبلی میں قائداعظم نے انگریز اور ہندو دونوں کو مخاطب کر کے فرمایا

"تمہاری تعداد سب سے زیادہ ہوا کرے تم ترقی یافتہ اور تمہاری اقتصادیات مستحکم سہی اور تم سمجھا کرو کہ سروں کی گنتی ہی آخری فیصلہ ہے لیکن میں تمہیں بتائے دیتا ہوں تم دونوں کو، کہ تم تنہا یا یہ ادارہ تنہا یا تم دونوں متحد ہو کر بھی ہماری روح کو فنا کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکو گے۔ تم اس تہذیب کو مٹا نہ سکو گے، اس اسلامی تہذیب کو جو ہمیں ورثہ میں ملی ہے۔ ہمارا نور ایمان زندہ ہے، زندہ رہا ہے، زندہ رہے گا۔ تم ہمیں مغلوب کرو، ہم پر ظلم و ستم کرو، ہمارے ساتھ بدترین سلوک روا رکھو۔ ہم ایک نتیجے پر پہنچ چکے ہیں ور ہم نے یہ اٹل فیصلہ کر لیا ہے کہ اگر مرنا ہی ہے تو لڑتے لڑتے مر جائیں گے۔"

انگریزوں اور ہندوؤں سے اظہار بیزاری کے ذریعے قائداعظم نے مسلمانوں کی ترجمانی کی اور بتایا کہ وہ جداگانہ حیثیت کے مالک ہیں اور بالآخر 23 مارچ 1940ء کو لاہور میں مسلم لیگ کے تاریخی اجلاس میں قرارداد لاہور منظور کی گئی جس میں قائداعظم نے کانگریس کے متحدہ قومیت کے خواب کو منتشر کر کے رکھ دیا۔ آپ نے فرمایا:

"اسلام اور ہندو دھرم محض مذاہب نہیں ہیں بلکہ درحقیقت مختلف اور جداگانہ معاشرتی نظام ہیں۔ یہ محض ایک خواب ہے کہ ہندو اور مسلمان کبھی مل کر ایک مشترکہ قومیت تخلیق کر سکیں گے۔ یہ لوگ آپس میں شادی بیاہ نہیں کرتے نہ ایک دسترخوان پر کھانا کھاتے ہیں۔ میں واشگاف الفاظ میں کہتا ہوں کہ وہ دو مختلف تہذیبوں سے تعلق رکھتے ہیں اور ان تہذیبوں کی بنیاد ایسے تصورات اور حقائق پر رکھی گئی ہے جو ایک دوسرے کی ضد ہیں بلکہ اکثر حقائق ایک دوسرے سے متصادم ہوتے رہتے ہیں۔ انسانی زندگی سے متعلق ہندوؤں اور مسلمانوں کے خیالات اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تصورات ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ یہ بھی ایک واضح حقیقت ہے کہ ہندو اور مسلمان اپنی ترقی کی تمناؤں کے لیے مختلف تاریخوں سے نسبت رکھتے ہیں۔ ان کے تاریخی وسائل اور ماخذ مختلف ہیں ان کی رزمیہ نظمیں، ان کی سربرآوردہ شخصیات اور قابل فخر تاریخی کارنامے سب مختلف اور الگ ہیں۔ اکثر اوقات ایک قوم کا ہیرو دوسری قوم کا دشمن ہوتا ہے ایک قوم کی فتح دوسری قوم کی شکست ہوتی ہے۔ ایسی دو قوموں کو ایک ریاست اور ایک حکومت کی گاڑی کے دو بیل بنانے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ دونوں کے دلوں میں بے صبری روز بروز بڑھتی رہے گی جو انجام کار تباہی لائے گی۔ خاص طور پر اس صورت میں کہ ان میں سے ایک قوم تعداد کے لحاظ سے اقلیت ہو اور دوسری کو اکثریت حاصل ہو ایسی ریاست کا آئینی عمل خاک میں مل جائے گا۔''

یوں ''دو قومی نظریہ'' نہایت ہی حکیمانہ انداز میں دنیا کے سامنے پیش کر دیا گیا۔ قائداعظم نے مطالبہ پاکستان کے جواز کو مزید اجاگر کرتے ہوئے فرمایا

''مسلمانوں کی قومیت کی بنیاد کلمہ توحید ہے وطن نہیں اور نہ ہی نسل ہندوستان کا جب پہلا فرد مسلمان ہوا تو وہ پہلی قوم کا فرد نہیں رہا وہ ایک جداگانہ قوم کا فرد ہو گیا اور ہندوستان میں ایک نئی قوم وجود میں آ گئی۔ آپ نے غور و فرمایا کہ پاکستان کے مطالبے کا جذبہ محرکہ کیا تھا؟ مسلمانوں کے لیے ایک جداگانہ مملکت کی وجہ جواز کیا تھی؟ تقسیم ہند کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ اس کی وجہ نہ ہندوؤں کی تنگ نظری ہے اور نہ انگریزوں کی چال۔ یہ اسلام کا بنیادی مطالبہ ہے''۔

(علی گڑھ 8 مارچ 1944ء)

پاکستان کیوں کر حاصل کیا جائے گا؟ اس کا لائحہ عمل قوم کے سامنے رکھتے ہوئے قائداعظم نے فرمایا

''وہ کون سا رشتہ ہے جس سے منسلک ہونے سے تمام مسلمان جسد واحد کی طرح ہیں؟ وہ کون سی چٹان ہے جس پر اس ملت کی عمارت استوار ہے وہ کون سا لنگر ہے جس سے اس امت کی کشتی محفوظ کر دی گئی ہے؟ وہ رشتہ، وہ چٹان اور لنگر خدا کی کتاب قرآن کریم ہے۔ مجھے یقین ہے کہ جوں جوں ہم آگے بڑھتے جائیں گے ہم میں زیادہ سے زیادہ اتحاد پیدا ہوتا جائے گا۔ ایک خدا، یک کتاب، ایک رسول ﷺ ایک امت' یہی ہمارا نعرہ ہے۔''

(اجلاس مسلم لیگ کراچی 1943ء)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اغیار نے ظلم و ستم اور جبر و استبداد روا رکھا، خون کی ندیاں بہتی رہیں اور قافلہ آزادی کٹھن و پر خار راہوں پر آگے ہی آگے بڑھتا چلا گیا، یہاں تک کہ خوشی و مسرت کا وہ دن آن پہنچا جس کا مسلمانوں کو برسوں سے انتظار تھا۔ 14 اگست کا دن مسلمانان ہند کے لیے آزادی کا پیامبر بن کر آیا۔ بانی پاکستان نے اپنے پیغام تہنیت میں فرمایا

''ہندوستان کے مسلمانوں نے دنیا کو دکھا دیا ہے کہ وہ ایک متحد قوم ہیں۔ ان کے مطالبے اور مقاصد حق و انصاف پر مبنی ہیں۔ جنہیں ہرگز رد نہیں کیا جا سکتا۔ آیئے! ہم آج کے دن اللہ تعالی کی بخشی ہوئی نعمتوں کا شکر بجا لائیں اور دعا کریں کہ وہ ہمیں اس کا اہل ثابت ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آج ہماری قومی تاریخ کی تلخیوں سے بھرپور دور کا اختتام ہوتا ہے اور آج ہی کے دن سے ہمارے نئے شاندار اور پروقار عہد کا آغاز بھی ہونا چاہیئے۔''

(پیغام تہنیت 14 اگست 1947ء)

پاکستان کے مستقبل کے لئے لائحہ عمل کی وضاحت کرتے ہوئے بانی پاکستان نے فرمایا

''پاکستان کا قیام جس کے لیے ہم گزشتہ دس سال سے مسلسل کوشش کر رہے تھے۔ اب خدا کے فضل سے ایک حقیقت بن چکا ہے لیکن ہمارے لئے اس آزاد مملکت کا قیام مقصود بالذات نہیں تھا کہ ہمیں ایک ایسی مملکت مل جائے جس میں ہم آزاد انسانوں کی طرح رہ سکیں اور جس میں ہم اپنی روشنی اور ثقافت کے مطابق نشوونما پا سکیں اور اسلام کے عدل انسانی کے اصول آزادانہ طور پر روبہ عمل لا سکیں۔'' (بحوالہ تقاریر بحیثیت گورنر جنرل ص 22)

''اشتراکیت' بالشوزم یا دیگر اس قسم کے سیاسی اور معاشی مسلک دراصل اسلام اور اس کے سیاسی نظام کی غیر مکمل اور بھونڈی سی شکلیں ہیں۔ ان میں اسلامی نظام کے اجزاء کا سارا رابطہ اور تناسب نہیں پایا جاتا۔'' (روزنامہ جنگ لاہور 25 دسمبر 1982ء ص 3)

''اسلام محض رسوم، روایات اور روحانی نظریات کا مجموعہ نہیں ہے بلکہ اسلام ہر مسلمان کے لیے ضابطہ حیات بھی ہے جس کے مطابق وہ اپنی زندگی، اپنے افعال و اعمال اور حتیٰ کہ سیاست اور معاشیات اور دوسرے شعبوں میں بھی عمل پیرا ہوتا ہے۔'' (کراچی جنوری 1948ء)

''ہمیں چاہیئے کہ ہم اپنی جمہوریت کی بنیادیں صحیح معنوں میں اسلامی تصورات اور اصولوں پر رکھیں۔''

(سبی، بلوچستان فروری 1947ء)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''جب آپ جمہوریت کی بات کرتے ہیں تو مجھے شبہ ہوتا ہے کہ آپ نے اسلام کا مطالعہ نہیں کیا۔ ہم نے جمہوریت تیرہ سو سال پہلے سیکھ لی تھی''۔ (پیریس کانفرنس 14 جولائی 1947ء)

حصول آزادی کے بعد قوم کو احساس ذمہ داری سے آگاہ کرتے ہوئے قائداعظم نے فرمایا

''ہم میں سے ہر شخص جس تک میرا پیغام پہنچے نہ صرف پاکستان کے لیے اپنا سب کچھ قربان کر دینے کا عہد کرے بلکہ اس عزم کا بھی اظہار کرے کہ ہمیں پاکستان کو اسلام کا قلعہ بنانا ہے اور ایسی قوموں کی صف میں کھڑا کرنا ہے جن کا مقصد ملک کے اندر ہی نہیں بلکہ ہر جگہ امن ہو''

(لاہور، اکتوبر 1947ء)

2.6- اہم نکات

(1) 1857ء کی جنگ آزادی میں ناکامی کے بعد ہندوؤں نے انگریزوں کے تعاون سے مسلمانوں سے اپنی ہزار سالہ محکومی کا بدلہ لینے کی منصوبہ بندی شروع کی۔

(2) پاکستان کو ایک ایسے ملک کے طور پر وجود میں لایا جانا مقصود تھا جہاں حاکمیت اور فرمانروائی صرف اللہ تعالیٰ کی ہو اور نظام حکومت چلانے کے لیے قرآن حکیم اور سنت نبوی ﷺ سے رہنمائی حاصل کی جائے گی۔

(3) سرسید اس حقیقت سے بخوبی آگاہ تھے کہ نیشنل کانگریس سے مسلمانوں کو مساویانہ حقوق ملنا محال ہے۔

(4) سرسید احمد خان نے مسلم قومیت کو تسلیم کروانے کے لیے جداگانہ انتخابات کا مطالبہ کیا۔

(5) علامہ اقبال نے برصغیر میں علیحدہ مسلم ریاست کا تصور مثبت اور نظریاتی بنیادوں پر پیش کیا۔

(6) قائداعظم نے اپنے سفر سیاست کا آغاز آل انڈیا نیشنل کانگریس کے پلیٹ فارم سے کیا۔

(7) علامہ اقبال صرف اور صرف اسلام کو بنی نوع انسان کے تمام مسائل اور دکھوں کا مداوا سمجھتے ہیں۔

(8) علامہ اقبال نے ایک الگ اسلامی ریاست کا مطالبہ صرف اور صرف ہندوستان اور اسلام کی فلاح و بہبود کے لیے کیا۔

(9) اقبال کے نزدیک فاشزم، کمیونزم اور زمانہ حال کے دوسرے ازم کی کوئی حقیقت نہیں رکھتے اور عقیدے کی رُو سے صرف اسلام ہی ایک حقیقت ہے جو بنی نوع انسان کے لیے موجب نجات ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(10) اقبال برصغیر میں مسلمانوں کی نئی نسل کے ملی شعور کی طاقت ور آواز تھے۔ انہوں نے برصغیر کے مسلمانوں کی ذہنی سوانح عمری کا مواد جمع کیا۔

2.7- خود آزمائی نمبر 2

سوال نمبر 1- نظریہ پاکستان کی توضیح و تعریف فکر اقبال اور ارشادات قائد اعظم کی روشنی میں کیجئے۔

سوال نمبر 2- مندرجہ ذیل پر نوٹ تحریر کریں۔

نظریۂ پاکستان اور سر سید احمد خان

سوال نمبر 3- درج ذیل خالی جگہ پر کریں۔

(1) مسلم قومیت کی بنیاد .... پر ہے۔

(1) کلمہ توحید (2) رنگ و نسل (3) حاکمیت

(2) یو پی کے ہندوؤں نے عدالتی، سرکاری دفاتر اور مدارس میں اُردو کی بجائے ہندی زبان اور ناگری رسم الخط رائج کرنے کے حق کے لیے .... میں شدھی تحریک چلائی۔

(1) 1856ء (2) 1867ء (3) 1887ء

(3) 1937ء کے انتخابات میں کانگریس نے .... صوبوں میں اکثریت حاصل کی۔

(1) چھ (2) چار (3) آٹھ

(4) اشتراکیت، بالشوزم، دراصل اسلام اور اس کے سیاسی نظام کی .... شکلیں ہیں۔

(1) معیاری (2) بھونڈی (3) مکمل

(5) کانگریس نے بمبئی میں .... تعمیر کروایا۔

(1) جناح میموریل ہال (2) لیاقت میموریل ہال (3) گرجا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

3- قیام پاکستان کے اغراض و مقاصد

3.1- اسلامی اقدار کی حکمرانی

مسلمانان ہند نے حصول پاکستان کی جدوجہد میں جو عظیم مالی و جانی قربانیاں دیں اس کے پس منظر میں صرف ایک ہی جذبہ کارفرما تھا کہ ہندوستان میں ایک ایسی ریاست کا قیام عمل میں لایا جائے جس کی اساس اسلامی ضابطہ حیات ہو۔ حاکمیت اعلیٰ فقط اللہ تعالیٰ کو حاصل ہو اور جہاں مسلمان اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی کو قرآن و سنت کی روشنی میں ڈھال سکیں۔ قائداعظم کا منتہائے مقصود ہمیشہ مسلم مملکت کا قیام ہی تھا جس میں اسلامی قوانین کی حکمرانی ان کی شدید ترین خواہش تھی۔ ایک موقع پر آپ نے فرمایا

"مسلمان پاکستان کا مطالبہ کرتے ہیں جہاں وہ اپنے ضابطہ حیات، اپنے تہذیبی ارتقاء، اپنی روایات اور اسلامی قانون کے مطابق حکمرانی کر سکیں۔"

قائد ملت لیاقت علی خان نے پشاور میں خطاب کے دوران فرمایا

"پاکستان اسلام کی ایک تجربہ گاہ ہوگا اور ہم ساری دنیا کو دکھائیں گے کہ چودہ سو سال پرانے اسلامی اصول اب بھی کارآمد ہیں۔" (پاکستان ٹائمز 15 جنوری 1948ء)

3.2- جمہوریت کا قیام

بانی پاکستان کے خطابات و فرمودات اس امر کے شاہد ہیں کہ وہ آزادی، رواداری اور مساوات کی جمہوریت اقدار پر قومی ایمان رکھتے تھے مگر ان کے خیال میں مغرب کا جمہوری نظام پاکستان کے لیے ہرگز موزوں نہ تھا اس سلسلہ میں انہوں نے بارہا اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ ایک موقع پر فرماتے ہیں

"اشتراکیت، بالشوزم یا دیگر اس قسم کے سیاسی اور معاشی مسلک دراصل اسلام اور اس کے سیاسی نظام کی غیر مکمل اور بھونڈی سی شکلیں ہیں، ان میں اسلامی نظام کے اجزاء کا سارا رابطہ اور تناسب نہیں پایا جاتا۔" (روزنامہ جنگ لاہور 25 دسمبر)

قائداعظم خلوص دل سے پاکستان میں جمہوری اقدار کو پائیدار بنیادوں پر استوار دیکھنا چاہتے تھے اور ملک

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں صرف اسلامی طرز کی جمہوریت کے نفاذ کے خواہاں تھے۔آپ نے 14 فروری 1948ء کو سبی (بلوچستان) میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا

''ہمیں اپنی جمہوریت کی بنیادیں سچے اصولوں اور تصورات پر رکھنی چاہئیں۔''

11 جولائی 1947ء کو ایک پریس کانفرنس میں فرمایا

''جب آپ جمہوریت کی بات کرتے ہیں تو مجھے شبہ ہوتا ہے کہ آپ نے اسلام کا مطالعہ نہیں کیا۔ہم نے جمہوریت تیرہ سو سال پہلے سیکھ لی تھی۔''

3.3- اغیار کے تسلط سے نجات

ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد فاتح کی حیثیت سے ہوئی اور انہوں نے ہندو اکثریت پر صدیوں تک حکمرانی کی۔شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کے عہد میں سلطنت مغلیہ اپنے عروج پر تھی،جس کے بعد مسلمانوں کی حکومت روبہ زوال ہونا شروع ہوگئی،یہاں تک کہ بہادر شاہ ظفر کی شہنشاہیت کے خاتمہ کے ساتھ ہی مسلمان حکمرانوں کا سنہری دور اپنے اختتام کو پہنچا۔انگریز اپنے مکروفریب اور چالوں کے ذریعے پورے ہندوستان پر قابض ہو گئے۔ مسلمان خلوص دل سے اس امر کے خواہاں تھے کہ ہندوستان غیر ملکی تسلط سے آزاد ہوکر غلامی کا طوق اتار پھینکے۔ چنانچہ انہوں نے ہندوؤں کے تعاون سے انگریزوں کے خلاف جنگ آزادی کا آغاز کر دیا۔آزادی کی یہ جدوجہد رائیگاں گئی تو ہندوؤں نے اس کی تمام تر ذمہ داری مسلمانوں کے سرتھوپ دی،جس پر انگریزوں نے مسلمانوں پر بے پناہ مظالم ڈھائے کہ تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔اس کے باوجود بھی مسلمان رہنماؤں نے حصول آزادی کے لیے ہندوؤں کے ساتھ تعاون جاری رکھا مگر ہندوؤں نے ہر بار مکروفریب سے کام لیا۔مسلمان انگریزوں سے پہلے ہی نبرد آزما تھے،ہندوؤں کی چالوں نے انہیں کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا۔مسلمانوں نے اپنے حقوق کے تحفظ کے لیے کانگریس کے مقابلے میں اپنی جماعت مسلم لیگ قائم کر لی۔مسلم لیگ نے مسلمانان ہند میں محبت واخوت اور اتحاد واتفاق کا وہ جذبہ پیدا کر دیا جس سے کانگریس کا ''متحدہ قومیت'' کا منصوبہ ٹکرا کر پاش پاش ہوگیا۔مسلمانوں نے پاکستان کے حصول کو اپنا مقصد حیات بنالیا کیونکہ اس کے ذریعہ وہ نہ صرف انگریزوں کی غلامی سے نجات پاسکتے تھے بلکہ ہندوؤں کے جبرواستبداد سے نجات حاصل کرنے کا راز بھی اسی میں مضمر تھا۔قائداعظم نے ایک موقع پر فرمایا

''برطانیہ عظمیٰ ہندوستان پر حکومت کرنا چاہتا ہے۔مسٹر گاندھی اور کانگریس مسلمانوں پر حکومت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرنا چاہتے ہیں ہم کہتے ہیں کہ ہم نہ برطانیہ کو اور نہ مسٹر گاندھی کو مسلمانوں پر حکومت کرنے دیں گے۔ہم آزاد رہنا چاہتے ہیں۔" (25 فروری 1940ء)

3.4- وحدت اُمت

ہندوستان پر انگریزوں کے تسلط کے بعد مسلمانوں کی حالت ابتر ہوتی چلی جارہی تھی۔ایک تو وہ اقلیت میں تھے اور دوسرے یہ کہ پورے ہندوستان میں بکھرے پڑے تھے اس پر ستم یہ کہ انگریز اپنی روایتی مکاری وعیاری کے ذریعے ہندو مسلم فرقہ وارانہ فسادات کو ہوا دے رہا تھا۔اس وقت ضرورت اس امر کی تھی کہ مسلمانان ہند کی منتشر قوت کو جمع کیا جائے۔چنانچہ مسلم لیگ کا قیام عمل میں لایا گیا جس نے مسلمانوں کی فکر کو یکجا کر دیا۔اس ذہنی ہم آہنگی نے مسلمانوں کی فکری ونظریاتی سوچ کو جلا بخشی جس کے تحت انہوں نے اپنے لئے علیحدہ مسلم ریاست کے قیام کا مطالبہ کر دیا تاکہ اس میں مسلمان ایک قوم کی حیثیت سے قرآن وسنت کی روشنی میں اپنی زندگی گزار سکیں۔

3.5- ہندومت میں ادغام سے بچاؤ

ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد نے آزادی، رواداری، مساوات اور عدل وانصاف کی جو طرح ڈالی اس سے متاثر ہو کر ہندوستان کے محروم طبقات نے اسلام قبول کر لیا جس سے ہندوؤں کے سینوں پر سانپ لوٹنے لگے۔ ہندو مسلمانوں کو "ملیچھ" (ناپاک) اور "غیر" سمجھتے تھے اور ہندوستان میں ان کا وجود اس صورت برداشت کرنے کے لیے تیار تھے کہ مسلمان ہندو بن جائیں۔ان کے خیال کے مطابق "ہندوستان صرف ہندوؤں کے لیے" تھا چنانچہ اس مقصد کے حصول کے لیے ہندوؤں نے شدھی اور سنگٹھن جیسی مسلم کش تحریکوں کو رواج دیا۔جس سے گاہے بگاہے فرقہ وارانہ فسادات رونما ہوتے رہتے تھے۔ماضی میں علمائے کرام نے ہندوؤں کی ان تحریکوں کا ہمیشہ دندان شکن جواب دیا۔بیسویں صدی کے آغاز کے ساتھ ہی مسلم کش فسادات اس قدر زیادہ تعداد میں رونما ہونا شروع ہو گئے کہ مسلمانوں کو اپنے لیے ایک علیحدہ مملکت کے قیام کی تجویز پر عمل درآمد کرنا پڑا۔

3.6- جداگانہ تشخص کا تحفظ

ہندوستان میں پہلے مسلمان کی آمد کے ساتھ ہی جداگانہ مسلم تشخص ابھر کر سامنے آ گیا تھا۔مسلمانوں اور ہندوؤں کی زندگی مہد سے لے کر لحد تک اختلافات اور تضادات کا مجموعہ تھی۔اس میں کوئی قدر مشترک نہ تھی۔ان

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے طریق عبادات، قومی روایات، تاریخ، لباس، خوراک، غرض زبان کے معمولی مسئلہ پر بھی شدید اختلافات موجود تھے، جن کے باعث اکثر و بیشتر فرقہ وارانہ فسادات رونما ہوتے رہتے تھے۔ ان حقائق کے باوجود بھی کانگریس ہندوستان میں ''متحدہ قومیت'' کے وجود پر مصر تھی اور مسلمانوں کو مخلوط طریقہ انتخابات اپنانے پر آمادہ کرنا چاہتی تھی۔ مخلوط طریقہ انتخابات سے نہ صرف جداگانہ مسلم تشخص کا خاتمہ ہو جاتا بلکہ متحدہ قومیت کے تصور پر بھی ''مہر تصدیق'' ثبت ہو جاتی تھی جو اسلامی عقائد (دو قومی نظریہ) کی صریحاً نفی تھی چنانچہ جداگانہ تشخص کو برقرار رکھنے کے لیے مسلمانوں نے حصول پاکستان کی جدوجہد کو تیز تر کر دیا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے مسلمانوں کے اس جداگانہ تشخص کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے گاندھی جی کے ایک مکتوب کے جواب میں لکھا

> ''ہم ایک علیحدہ قوم ہیں جس کے پاس اپنا خاص تمدن، زبان و ادب، فنون لطیفہ، فن تعمیر، اسماء و اصطلاحات، اقدار حیات کا تصور، عدالتی قانون و ضابطہ اخلاق، رواج، کیلنڈر، تاریخ و روایات، رجحانات اور تمنائیں موجود ہیں۔'' (نومبر 1945ء)

3.7- معاشی مفادات کا تحفظ

ہندوستان پر قابض ہوتے ہی انگریزوں نے اس امر کا اندازہ لگا لیا تھا کہ مسلمان انگریز حکومت کے خاتمہ کے لیے علم آزادی ضرور بلند کریں گے اور 1857ء کی جنگ آزادی نے ان کے خدشات کی تصدیق کر دی تھی۔ چنانچہ انگریزوں نے مسلمانوں کے حوصلے پست کرنے کا یہ حل تلاش کیا کہ انہیں معاشی طور پر بدحال بنا دیا جائے۔ اس منصوبے میں ہندوؤں نے بھی انگریزوں کی بھرپور اعانت کی۔ تعلیمی اداروں میں مسلمانوں کا داخلہ بند کر دیا گیا اور سرکاری ملازمتوں کا حصول ناممکن بنا دیا گیا۔ کاروباری و تجارتی میدان پہلے ہی ہندوؤں کے ہاتھ میں تھا۔ ہندوؤں کے ساہوکارانہ نظام کی بدولت نہ صرف غریب مسلمان بلکہ بڑے بڑے جاگیردار بھی وسیع پیمانے پر قرض میں جکڑے ہوئے تھے اور رفتہ رفتہ اپنی جاگیروں سے ہاتھ دھو رہے تھے۔ ہندوستان کی 97 فیصد صنعتیں ہندو اکثریت کے علاقوں میں تھیں۔ دنیا کا 75 فی صد پٹ سن بنگال کے مسلم اکثریتی علاقے میں پیدا ہوتا تھا لیکن ستم ظریفی دیکھئے کہ وہاں پٹ سن کا ایک کارخانہ بھی نہ تھا۔ الغرض انگریزوں اور ہندوؤں نے مسلمانوں کو معاشی طور پر پسماندہ اور مفلوج بنانے کے لیے ہر حربہ روا رکھا۔ ان کے اس رویئے نے مسلمانانِ ہند کے جذبہ آزادی کو ہوا دی اور وہ حصول پاکستان کے لیے کوشاں ہو گئے تاکہ اس میں اسلام کا عادلانہ و منصفانہ معاشی نظام نافذ کیا جا سکے، جو سود کی لعنت سے مبرا ہو اور جس میں حصول تعلیم اور حصول ملازمت کے سب کو یکساں مواقع حاصل ہوں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

3.8- اتحاد عالم اسلامی کا فروغ

قرآن پاک نے ملت اسلامیہ کی یہ خوبی بیان فرمائی ہے کہ اس کی بنیاد اشتراک کے سوا اور کچھ بھی نہیں۔ مسلم قومیت، رنگ و نسل، وطن و زبان اور مختلف النوع کی قیود سے آزاد ہے۔ اس بناء پر مسلمان خواہ دنیا کے کسی بھی حصے میں آباد ہوں وہ ملت اسلامیہ کا ہی حصہ ہیں۔ اس طرح وسیع اسلامی برادری معرض وجود میں آ گئی جن کے دل ایک ساتھ دھڑکتے ہیں اور جن کے غم و خوشی مشترک ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانان ہند نے اپنی محکومی کے دور میں بھی عالم اسلام کے ساتھ روا رکھی جانے والی زیادتیوں پر شدید ردعمل کا اظہار کیا۔ تحریک خلافت کے دوران مسلمانان ہند نے ترکی کی جس مؤثر طریقے سے سیاسی، اخلاقی اور مادی اعانت کی وہ اپنی مثال آپ ہے۔ اس کے علاوہ فلسطین کے مسئلے پر بھی مسلمانوں نے اپنے دلی جذبات کی بھرپور ترجمانی کی۔

مسلمان اکابرین قیام پاکستان کو عالم اسلام کے لیے ناگزیر سمجھتے تھے، کیونکہ اس طرح ایک تو پاکستان عالم اسلام کے اتحاد کے لیے اپنی قائدانہ صلاحیتیں بروئے کار لائے گا دوسرے اس سے ان مسلم ممالک کے جذبہ حریت کو تقویت ملے گی جو اس وقت غیر ملکی تسلط کے خلاف نبرد آزما ہیں، اس کے ساتھ ہی دنیا بھر کے مسلم اکثریت کے علاقوں میں جذبہ آزادی کی تحریک کو تقویت ملے گی۔ 20 دسمبر 1946ء کو قاہرہ میں قائداعظم نے قیام پاکستان کو عالم اسلام کے لیے ناگزیر قرار دیتے ہوئے فرمایا تھا

> ''اس وقت تک مسلمان اور عرب حکومتیں حقیقی معنوں میں آزاد نہ ہوں گی جب تک پاکستان قائم نہ ہوگا۔''

ان اغراض و مقاصد کی روشنی میں فرزندان توحید نے حصول پاکستان کے لیے راہوں کا تعین کیا جن پر گامزن ہو کر بالآخر قافلہ آزادی فتح و نصرت سے ہمکنار ہوا۔

3.9- اہم نکات

(1) قائداعظم کے فرمودات اس امر کی نشاندہی کرتے ہیں کہ وہ آزادی، رواداری اور مساوات کی جمہوری اقدار پر ایمان رکھتے ہیں۔

(2) مسٹر گاندھی اور کانگریس مسلمانوں پر حکومت کرنا چاہتے تھے جبکہ مسلمان آزاد رہنا چاہتے تھے جہاں وہ کلمہ حق کو بلند کر سکیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(3) ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد نے آزادی، رواداری، مساوات اور عدل و انصاف کی جو بنیاد ڈالی اس سے متاثر ہو کر ہندوستان کے محروم طبقات نے اسلام قبول کیا۔

(4) مسلمانوں کی آمد سے ہندوستان میں جداگانہ مسلم تشخص ابھر کر سامنے آ گیا۔

(5) ہندوستان پر قابض ہوتے ہی انگریزوں نے اس امر کا اندازہ لگا لیا تھا کہ مسلمان انگریز حکومت کے خاتمے کے لیے علم آزادی ضروری بلند کریں گے۔

(6) مسلمان ایک الگ قوم ہیں جس کے پاس اپنا خاص تمدن، زبان و ادب، فنون لطیفہ، فن تعمیر، اسماء و اصطلاحات، اقدار حیات کا تصور، عدالتی قانون و ضابطہ اخلاق، رواج، کیلنڈر، تاریخ و روایات کے رجحانات ہندوؤں سے الگ اور جدا ہیں۔

3.10- خود آزمائی نمبر 3

سوال نمبر 1- خالی جگہ پر کریں۔

(1) مسلمانان ہند نے حصول پاکستان کی جدوجہد میں جو عظیم __________ دیں اس کے پس منظر میں صرف ایک ہی __________ کارفرما تھا۔

(2) پاکستان اسلام کی ایک __________ ہوگا اور جس میں چودہ سو سال پرانے اسلامی __________ کارآمد ہوں گے۔

(3) پاکستان میں __________ کو پائیدار بنیادوں پر استوار کیا جائے گا۔

(4) مسلمانوں نے اپنے حقوق کے تحفظ کے لیے __________ کے معاملے میں اپنی الگ جماعت مسلم لیگ قائم کی۔

(5) ہندو مسلمانوں کو __________ سمجھتے تھے۔

سوال نمبر 2- کالم ملائیں۔

(الف)	(ب)
14 فروری 1948ء	جنگ آزادی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

1857ء	پٹ سن
75فیصد	بی دربار (بلوچستان)
قیام پاکستان	20دسمبر

سوال نمبر 3- قیام پاکستان کے اغراض و مقاصد تحریر کریں۔

4- جوابات

خود آزمائی نمبر 1

سوال نمبر 1- (1) 1714ء (2) آل انڈیا مسلم لیگ (3) منٹو مارلے
(4) معاہدہ لکھنؤ (5) سائمن کمیشن

سوال نمبر 2- (1) درست (2) درست (3) غلط
(4) غلط (5) غلط

سوال نمبر 3- تمام جزو کے جواب یونٹ کے متعلقہ حصے سے تلاش کریں۔

خود آزمائی نمبر 2

سوال نمبر 1 اور 2 کے جوابات یونٹ کے متعلقہ حصے سے تلاش کریں۔

سوال نمبر 3- (1) کلمہ توحید (2) 1867ء (3) چھ
(4) بھونڈی (5) جناح میموریل ہال

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خود آزمائی نمبر 3

سوال نمبر 1- (1) قربانیاں، جذبہ (2) تجربہ گاہ، اصول (3) جمہوری اقدار
(4) کانگریس (5) ملیچھ

سوال نمبر 2- (1) 1857ء کی جنگ آزادی (2) 14 فروری 1948ء سبی دربار
(3) 75 فی صد، پٹ سن (4) قیام پاکستان (5) 20 دسمبر 1946ء

سوال نمبر 3- (1) اسلامی اقدار کی حکمرانی (2) جمہوریت کا قیام
(3) اغیار کے تسلط سے نجات (4) وحدت امت
(5) اسلام کا ہندومت میں ادغام سے بچاؤ (6) جداگانہ تشخص
(7) معاشی مفادات کا تحفظ (8) اتحاد عالم اسلامی فروغ

5- کتابیات

1- ایس۔ ایم۔ شاہد، اسلامی فلسفۂ حیات، نیو بک پیلس، اردو بازار، لاہور

2- ایس۔ ایم۔ شاہد، جدید مسلمان مفکرین کے سیاسی افکار، اردو بازار، لاہور

3- بولائیتھو، ہیکٹر، پاکستان کا بانی۔ مرکزی مجلس ترقی اردو، لاہور

4- حسن ریاض، پاکستان ناگزیر تھا، کراچی یونیورسٹی، کراچی

5- خالد لطیف قریشی، مطالعہ پاکستان، گلوب پبلشرز، اردو بازار، لاہور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یونٹ 4

پاکستان کی اقتصادی ترقی کا جائزہ

تحریر: اقبال بخت

نظر ثانی: امان اللہ، افشاں ہما

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فہرست مضامین

یونٹ کا تعارف ---------- 180

یونٹ کے مقاصد ---------- 180

1- اقتصادی تصورات ---------- 181

1.1- پس منظر ---------- 181

1.2- معاشی ترقی ---------- 181

1.3- اصطلاحات ---------- 182

1.4- علامات ---------- 182

1.5- اہم نکات ---------- 184

1.6- خود آزمائی نمبر 1 ---------- 185

2- اقتصادی پالیسی ---------- 187

2.1- نقطہ آغاز ---------- 187

2.2- صنعتی احسانات ---------- 187

2.3- خلائی تسخیر ---------- 187

2.4- ترقی کے مراحل ---------- 188

2.5- برطانیہ کی ترقی ---------- 188

2.6- نئے ممالک کے لئے لائحہ عمل ---------- 188

2.7- معاشی پالیسی ---------- 189

2.8- معاشی پالیسی کی تعریف ---------- 189

2.9- پاکستان پر اطلاق ---------- 189

2.10- 1947ء تا 1960ء میں اقتصادی پالیسی ---------- 189

2.11- 1960ء تا 1970ء میں اقتصادی پالیسی ---------- 191

2.12- 1970ء تا 1980ء میں اقتصادی پالیسی ---------- 192

2.13- 1980ء تا 1989ء میں اقتصادی پالیسی ---------- 193

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

-2.14 1990ء تا 1999ء میں اقتصادی پالیسی ---------- 194
-2.15 اقتصادی پالیسی کا موجودہ دور (2000ء-2004ء) ---------- 194
-2.16 اہم نکات ----------
-2.17 خود آزمائی نمبر 2 ---------- 196
-3 اقتصادی ماڈل ---------- 198
-3.1 تاریخی پس منظر ---------- 198
-3.2 آزاد ہونے والے ممالک ---------- 198
-3.3 دو نظام ---------- 198
-3.4 تیسرا راستہ ---------- 199
-3.5 سرمایہ دارانہ نظام ---------- 199
-3.6 اشتراکیت ---------- 200
-3.7 مخلوط نظام کا ارتقاء ---------- 200
-3.8 مخلوط نظام کی خصوصیات ---------- 201
-3.9 اہم نکات ---------- 202
-3.10 خود آزمائی نمبر 3 ---------- 204
-4 معاشرتی و اقتصادی ترقی کا تنقیدی جائزہ ---------- 206
-4.1 تعلیم ---------- 206
-4.2 صحت ---------- 206
-4.3 عالمی تجارت ---------- 207
-4.4 بیرونی قرضے ---------- 208
-4.5 اہم نکات ---------- 210
-4.6 خود آزمائی نمبر 4 ---------- 211
-5 فرہنگ اصطلاحات ---------- 212
-6 جوابات ---------- 214
-7 کتابیات ---------- 215

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یونٹ کا تعارف

دوسری جنگ عظیم کے بعد لا تعداد ملکوں کو آزادی حاصل ہوئی۔ ان ممالک میں پاکستان سرِ فہرست ہے۔ دیگر ممالک کی طرح پاکستان میں بھی اقتصادی ترقی کے دو ماڈل موجود تھے۔ ایک ماڈل کا تعلق آزاد دنیا سے تھا اور دوسرے ماڈل کا تعلق روس سے۔ پاکستان نے مکمل طور پر کسی ایک ماڈل کو اختیار کرنے کی بجائے دونوں کی مشترکہ خصوصیات پر مبنی مخلوط نظام کا ماڈل اپنے سامنے رکھا اور اس کے مطابق معاشی ترقی حاصل کی۔ یعنی سرکاری اور نجی شعبوں نے مل جل کر ترقی کی رفتار کو تیز کیا۔ اس وقت پاکستان کی GDP-Growth کی شرح 6.4 فیصد ہے۔ جو یقیناً قابل تعریف اور کئی ترقی پذیر ممالک کے لیے قابل تقلید ہے۔ پاکستان کی اقتصادیات مختلف مراحل سے گزرتی ہوئی آج میں مقام پر پہنچی ہے، اس یونٹ میں آپ کے لئے اس معاشی ترقی کا مختصر جائزہ پیش کیا جا رہا ہے۔

یونٹ کے مقاصد

اس یونٹ کا مطالعہ کرنے کے بعد ہمیں امید ہے کہ آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ

1- ترقی کے بارے میں بنیادی تصورات کا جائزہ لے سکیں۔

2- اقتصادی پالیسی کا مفہوم بیان کر سکیں۔

3- اہم اقتصادی ماڈلوں سے آگاہی کے بعد ان کی خصوصیات پر بحث کر سکیں۔

4- پاکستان کی معاشرتی واقتصادی ترق پر سیر حاصل تبصرہ کر سکیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

1- اقتصادی تصور

1.1- پس منظر

دو سو سالہ دور غلامی کے بعد قائداعظم کی ولولہ انگیز قیادت میں جنوبی ایشیا کے کروڑوں مسلمانوں نے اپنے مذہبی احیاء، سیاسی تشخص اور معاشی فلاح کے لئے ایک آزاد اور علیحدہ وطن کا مطالبہ کیا جو بالآخر تسلیم کر لیا گیا۔ 14 اگست 1947ء کو دنیا کے نقشے پر پاکستان کے نام سے ایک نئی اسلامی مملکت ابھری۔ قیام پاکستان کے مطالبے کے پس منظر میں دیگر اسباب کے علاوہ وہ محرومیاں بھی شامل تھیں جن کا مسلمان شکار ہو رہے تھے۔ پاکستان بن جانے کے بعد ہندوؤں کی پیشنگوئیوں کے برعکس، مسلمانوں نے اپنے وطن کو معاشی طور پر آسودہ حال بنانے میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی۔

گو پاکستان کی اقتصادیات نے حصول آزادی کے بعد سے اب تک بہت اتار چڑھاؤ کا سامنا کیا، مگر آج بھی پاکستان ایک مستحکم مملکت کی صورت میں ترقی کی راہوں پر گامزن ہے۔

1.2- معاشی ترقی

جب کسی عام شخص سے دریافت کیا جاتا ہے کہ کسی ترقی یافتہ ملک کا نام بتائے، تو وہ فوراً امریکہ، برطانیہ یا کینیڈا کا نام لے گا لیکن یہ کبھی نہیں کہے گا کہ صومالیہ، سوڈان یا گھانا ترقی یافتہ ممالک ہیں۔ یہاں یہ بات ذہن میں آتی ہے کہ آخر دونوں طرح کے ملکوں میں کیا فرق ہے یا دونوں میں سے ایک گروہ کو کس لئے ترقی یافتہ اور دوسرے گروہ کو پسماندہ یا ترقی پذیر ملک کہا جاتا ہے۔ اس سوال کا جواب معاشی ترقی کی تعریف میں تلاش کرتے ہیں۔ آیئے! لفظ معاشی ترقی کی تعریف بیان کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر معاشی ترقی کا مفہوم بیان کرنے میں ماہرین آپس میں اختلافات رکھتے ہیں تاہم مندرجہ ذیل تعریفوں کو دوسری تعریفوں سے نسبتاً بہتر مانا جاتا ہے۔

بنجامن ہگنز کے مطابق معاشی ترقی کا مطلب فی کس حقیقی آمدنی میں مستقل اضافہ ہے جس سے معیشت کے تمام گروہ متاثر ہوں۔

کنڈل برگر کے خیال میں معاشی ترقی سے مراد وہ پیداوار کی پہلے سے زیادہ مقدار ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مائر اینڈ بالڈون کا کہنا ہے کہ معاشی ترقی ایک ایسے عمل کا نام ہے جس کی بدولت ملک کی حقیقی قومی آمدنی طویل عرصے تک بڑھتی چلی جائے۔

نتیجہ

ان تینوں تعریفوں میں سے مائر اینڈ بالڈون کی بیان کردہ تعریف زیادہ مستند مانی جاتی ہے۔ اس تعریف میں تین الفاظ قابل توجہ ہیں یعنی ''عمل''، ''حقیقی قومی آمدنی'' اور ''طویل عرصہ'' آیئے! ان تینوں اصطلاحات کا مفہوم سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

1.3- اصطلاحات

عمل

عمل سے مراد مختلف شعبوں کا قیام اور ان کا باہمی تعلق ہے جن ملکوں نے یہ عمل پیدا کر لیا ہے وہاں کی رفتار تیز ہے۔ مثلاً جاپان اور امریکہ۔ ان ممالک میں زراعت، صنعت، تجارت، تعلیم، بیمہ کاری، تحقیق، بینکاری کے شعبے قائم کئے گئے ہیں بلکہ جدید طریقوں کے مطابق زیادہ سے زیادہ پیداوار بھی ان شعبوں سے حاصل کی جا رہی ہے۔ ان شعبوں میں گہرا تعلق پایا جاتا ہے۔

حقیقی قومی آمدنی

ملک میں عاملین پیدائش کی مدد سے جو پیداوار وجود میں آتی ہے۔ اس کی مالیت خام قومی آمدنی کہلاتی ہے۔ اگر اس میں سے اخراجات فرسودگی منہا کر دیئے جائیں تو باقی میزان کو حقیقی قومی آمدنی کہا جائے گا۔

طویل عرصہ

اگر مختلف شعبوں کا تعاون اس طرح قائم ہو کہ طویل عرصے تک حقیقی قومی آمدنی میں اضافہ ہوتا چلا جائے تو اس کیفیت کو معاشی ترقی کہا جائے گا۔ طویل عرصے سے مراد ایک یا دو سال کی پیداوار میں ہنگامی یا عارضی اضافہ نہیں ہے بلکہ اس کا مطلب 20 تا 25 سال کا عرصہ ہے۔

1.4- علامات

معاشی ترقی کا مفہوم سمجھ میں آ جانے کے بعد اب ہم معاشی ترقی کے مسائل کی طرف آتے ہیں۔ معاشی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ترقی کے معیار کی پیمائش یا پہچان کرنے کے پانچ طریقے یا نشانیاں مقرر ہیں۔

-1 قومی آمدنی میں اضافہ
-2 فی کس آمدنی میں اضافہ
-3 معاشی بہبود میں اضافہ
-4 معاشرتی بہبود میں اضافہ
-5 انسانی بہبود میں اضافہ

(1) قومی آمدنی میں اضافہ

یہ معیار سب سے اہم مانا جاتا ہے۔اس کے مطابق اور حقیقی قومی آمدنی میں اضافے کا سلسلہ طویل عرصے تک چلتا رہے تو اسے معاشی ترقی کی علامت سمجھا جاتا ہے۔اس معیار پر اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ ممکن ہے کسی ملک میں قومی آمدنی تو بڑھ رہی ہو مگر آبادی بھی اس رفتار سے بڑھ رہی ہو۔ایسے حالات میں ایک عام شخص کے نقطۂ نظر سے معاشی ترقی وجود میں نہیں آ رہی ہو گی۔

(2) فی کس آمدنی میں اضافہ

اس معیار کے مطابق یہ کہا جاتا ہے کہ جب تک پیداوار اور قومی آمدنی میں اضافے کا اثر فی کس معیار زندگی پر پڑے، معاشی ترقی وجود میں نہیں آتی۔اس تعریف کے مطابق یہ ضروری ہے کہ قومی آمدنی میں اضافہ آبادی میں اضافے سے زیادہ ہوتا کہ فی کس آمدنی میں اضافہ واضح طور پر نظر آئے۔اس معیار میں یہ خامی ہے کہ اگر قومی آمدنی پانچ گنا اور آبادی میں چھ گنا اضافہ ہو جائے تو فی کس آمدنی پہلے سے کم ہو جائے گی اور معاشی ترقی کے وجود سے انکار کر دیا جائے گا، حالانکہ معاشی ترقی تو حقیقت میں وجود میں آئی تھی مگر محض آبادی میں اضافے کی وجہ سے اس کا اثر فی کس آمدنی پر محسوس نہ کیا جا سکا۔

(3) معاشی بہبود میں اضافہ

معاشی ماہرین کے ایک گروہ کا یہ کہنا ہے کہ معاشی ترقی کی پہچان معاشی بہبود سے کی جانی چاہیے۔معاشی بہبود کا مطلب ان خدمات کا زیادہ حصول ہے۔اگر کھانے، پینے، پہننے، چلنے پھرنے اور دیگر ضروریات سے متعلق اشیاء پہلے سے زیادہ دستیاب ہوں تو یہ معاشی ترقی ہو گی۔اس معیار میں خامی یہ ہے کہ یہاں اشیاء کی نوعیت پر بحث نہیں کی گئی۔یہ بھی ممکن ہے کہ ملک میں دن رات بم، بارود، آتشیں اسلحہ اور جنگی سامان بن رہا ہو تو کیا ایسی صورت کو بھی معاشی ترقی کا نام دیا جا سکے گا؟ یقیناً یہ معاشی ترقی کا اطمینان بخش پہلو نہیں ہو گا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(4) سماجی بہبود میں اضافہ

بعض معیشت دانوں کا خیال ہے کہ اگر طویل عرصے تک کسی ملک کی مجموعی معاشرتی بہبود میں اضافہ ہوتا چلا جائے تو اسے معاشی ترقی کی علامت مانا جا سکتا ہے۔ یہاں دشواری یہ ہے کہ سماجی بہبود کا تعین کس چیز سے کیا جائے گا۔ معاشی بہبود کسی ایک چیز کا نام تو نہیں ہے۔ اس میں اخلاقیات، مادیت، روحانیت، تجارت، باہمی تعلقات، تحقیقات، فیکٹریوں کا نظام، زمینداری سسٹم سبھی کچھ شامل ہے۔ اس لیے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ سماجی بہبود کے ذریعے معاشی ترقی کا تعین دشوار ہے۔

(5) انسانی بہبود میں اضافہ

کچھ معیشت دان اس وسیع الخیال میں کہ وہ کسی ملک کی معاشی ترقی کا اندازہ معاشی یا سماجی بہبود کی بجائے انسانی بہبود سے کرنا چاہتے ہیں۔ ان کے نزدیک اگر کل انسانیت کی بہبود میں کسی معاشی عمل سے اضافہ ہوتا ہو تو اسے معاشی ترقی کا نام دیا جا سکتا ہے۔ انسانیت کی بات کرنا تو بری چیز نہیں ہے مگر اس صورت میں ہماری دشواریاں اور بھی بڑھ جائیں گی کیونکہ معاشی بہبود اور سماجی بہبود کے ذریعے معاشی ترقی کی پیائش ہی میں بڑی مشکلات حائل ہیں۔ چونکہ سماجی بہبود خود انسانی بہبود کا حصہ ہے۔ اس لئے یہاں دشواریاں اور بھی زیادہ دیکھنے میں آئیں گی۔ ویسے بھی گفتگو کو کل دنیا پر پھیلا دینے سے ہم اصل قومی ترقی کے موضوع سے بہت دور نکل جائیں گے اور اس طرح اصل منزل دھندلا جائے۔

حتمی نتیجہ

ان پانچوں معیاروں کے ذریعے معاشی ترقی کی شناخت کرنے کا عمل خوبیوں کا بھی حامل ہے اور خامیوں کا بھی۔ ماہرین کے نزدیک معاشی ترقی کی پیائش کا بہتر معیار قومی آمدنی میں مسلسل اضافہ ہے۔ کہیں کہیں ماہرین فی کس آمدنی میں اضافہ کو مستحسن قرار دیتے ہیں مگر دونوں میں اول الذکر ہی کو فوقیت حاصل ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ فی کس آمدنی بھی قومی آمدنی ہی سے ماخوذ ہوتی ہے اگر قومی آمدنی میں اضافہ واقع نہ ہو تو فی کس آمدنی میں اضافہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے؟ اس کے علاوہ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ قومی آمدنی میں اضافے کے باوجود فی کس آمدنی نہیں بدلتی یعنی آبادی بڑھ جانے سے قومی آمدنی میں ہونے والا اضافہ فی کس آمدنی پر اثر انداز نہیں ہوتا۔

1.5- اہم نکات

1- پاکستان کا مطالبہ دیگر وجوہات کے علاوہ اس لئے بھی کیا گیا تھا کہ مسلمان معاشی طور پر ترقی کر سکیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

-2 پاکستان کی موجودہ شرح ترقی 6.4 فی صد سالانہ ہے جو واقعی قابل تعریف کامیابی ہے۔

-3 دنیا میں دو طرح کے ممالک پائے جاتے ہیں۔ترقی یافتہ اور ترقی پذیر

-4 ترقی یافتہ ملکوں میں امریکہ، روس، برطانیہ، جرمنی، کینیڈا، فرانس، جاپان، آسٹریلیا وغیرہ شامل ہیں جبکہ ترقی پذیر ملکوں میں بنگلہ دیش، صومالیہ، گنی بساؤ، سوڈان، پاکستان، ایران، افغانستان، بھارت، اردن، لبنان وغیرہ شامل ہیں۔

-5 تعریفیں: کئی معیشت دانوں نے معاشی ترقی کی تعریفیں پیش کی ہیں مگر زیادہ قابل قبول تعریف وہ ہے جو مائر اینڈ بالڈون نے مشترکہ طور پر پیش کی ہے۔

-6 مائر اینڈ بالڈون کا کہنا ہے کہ "معاشی ترقی وہ عمل ہے جس کی مدد سے کسی ملک کی حقیقی قومی آمدنی طویل مدت تک بڑھتی چلی جائے۔"

-7 معاشی ترقی کی پیمائش کے لئے پانچ طریقے پیش کیے جاتے ہیں۔ ان طریقوں میں یہ شامل ہیں۔قومی آمدنی میں اضافہ فی کس آمدنی میں اضافہ، معاشی بہبود میں اضافہ، معاشرتی بہبود اور انسانی بہبود میں اضافہ۔

-8 ان پانچوں علامتوں میں سے بہتر علامت یہ ہے کہ معاشی ترقی کو قومی آمدنی میں اضافے کے ذریعے پایا جائے کیونکہ اس طریقے سے کم خرابیاں پائی جاتی ہیں جب کہ پیمائش تو دوسرے طریقوں سے بھی ہوسکتی ہے مگر ان میں خامیاں زیادہ پائی جاتی ہیں۔

سرگرمی (Group Discussion)
بحیثیت استاد معاشی ترقی یا معاشیات کا علم کس طرح اہمیت کا حامل ہے؟ بحث کریں اور اہم نکات ایک چارٹ کی صورت میں پیش کریں۔

-1.6 خود آزمائی نمبر 1

سوال نمبر 1- مندرجہ ذیل فقرات میں درست جواب کا انتخاب کریں۔

(1) پاکستان کے مطالبے کے پس منظر میں مسلمانوں کے لئے معاشی خوشحالی حاصل کرنے کا جذبہ بھی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کارفرما تھا۔ ہاں/نہیں

(2) دنیا میں دو طرح کے ممالک پائے جاتے ہیں۔ پاکستان کا شمار کس گروپ میں ہوگا ہے۔

ترقی یافتہ ممالک/ترقی پذیر ممالک

(3) معاشی ترقی سے مراد پیداوار کی پہلے سے زیادہ مقدار ہے۔ یہ خیال کس نے پیش کیا؟

کنڈل برگر/ مائر اینڈ بالڈون

(4) معاشی ترقی کی پیمائش کے لئے کتنے معیار موجود ہیں؟ تین/ پانچ/ سات

(5) فرانس، جاپان، جرمنی، کینیڈا، امریکہ، روس وغیرہ کا شمار کن ممالک میں ہوتا ہے؟

ترقی پذیر ممالک/ترقی یافتہ ممالک

سوال نمبر 2- خالی جگہ پُر کریں۔

(1) حقیقی قومی آمدنی میں اگر اضافہ ہوتا چلا جائے تو اس کیفیت کو.............. کہا جاتا ہے۔

(2) فیکلٹی ماہرین کے نزدیک معاشی ترقی کی پہچان.............. کی جانی چاہیئے۔

(3) حقیقی قومی آمدنی میں اگر.............. کا سلسلہ طویل عرصے تک چلتا رہے تو اسے معاشی ترقی کی علامت سمجھا جاتا ہے۔

(4) ملک میں.............. کی مدد سے جو پیداوار وجود میں آتی ہے اس کی مالیت.............. کہلاتی ہے۔

(5) قومی آمدنی میں ہونے والا اضافہ.............. پر اثر انداز نہیں ہوتا۔

سوال نمبر 3- مندرجہ ذیل کے مختصر جواب تحریر کریں۔

(1) پاکستان میں معاشی/ اقتصادی ترقی کا کون سا ماڈل اپنایا گیا کویں؟

(2) معاشی ترقی کی مختلف حوالوں سے تعریف اور وضاحت کریں۔

(3) معاشی ترقی کی پیمائش کس طرح کی جا سکتی ہے؟

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

2- اقتصادی پالیسی

2.1- نقطۂ آغاز

دُنیا کے آغاز سے لے کر تقریباً 1750ء تک انسان کا سب سے بڑا پیشہ زراعت رہا ہے۔ البتہ مشینوں کی وسیع پیمانے پر دریافت اور ٹیکنالوجی کے استعمال نے زندگی میں حیرت انگیز انقلاب برپا کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ اب قدم قدم پر ہمیں مشینوں کا سامنا ہے اور مصنوعات سازی اب ایک اہم شعبہ بنتا جا رہا ہے۔ ترقی یافتہ ملکوں نے صنعت کے میدان میں بہت مضبوطی سے قدم جما لیے ہیں۔ البتہ پسماندہ یا ترقی پذیر ممالک ایسے ہیں جہاں ابھی تک زراعت ہی سب سے اہم شعبہ ہے۔ ان کم ترقی یافتہ ممالک میں روزگار کے زیادہ سے زیادہ وسائل زراعت سے وابستہ ہیں، اسی شعبہ میں سب سے زیادہ پیداوار حاصل ہوتی ہے اور آبادی کا بہت بڑا حصہ دیہات میں رہائش پذیر ہے۔

2.2- صنعتی احسانات

صنعتی انقلاب کے انسانی زندگی پر بہت احسانات ہیں مثلاً کام کرنے میں وقت اب کم خرچ ہوتا ہے۔ کام تیزی سے انجام پذیر ہوتا ہے۔ پیداوار تیزی سے بڑھتی ہے، آسائشات میں اضافہ ہوتا ہے، محنت کم خرچ ہوتی ہے۔ سفر آسان اور جلد جاتا ہے۔ ضروریات زندگی میں کثیر اضافہ ہوا ہے۔ نئی نئی اشیاء دریافت ہوگئی ہیں، اشیاء بنانے کے جدید ترین طریقے سامنے آگئے ہیں۔ تفریح کے مواقع بڑھ گئے ہیں۔ خشکی، سمندر اور فضاؤں کا سفر تیز تر ہو گیا ہے، پیغام رسانی سہل ہوگئی ہے۔ نئے ہنر اور فنون پیدا ہو گئے ہیں۔

صنعتی انقلاب کے فیوضات میں ریل گاڑی، بسیں، ٹرک، ہوائی جہاز، ریڈیو، ٹیلی ویژن، روبوٹ، طباعت کی مشینیں، استری، ایئر کنڈیشنر، ریفریجریٹر، فاؤنٹین پین، کارخانے، بحری جہاز، راکٹ، میزائل، ٹیلیفون، موٹر سائیکل، وائرلیس، ٹینک، بجلی ڈیم، ٹرانسفارمر، کمپیوٹر، جنریٹر، مصنوعی ریشہ، کھاد، بیج، ٹریکٹر، سائیکل، کار، ایٹمی توانائی، گھڑیاں، بلب، فاضل پرزے اور دوسری لاتعداد چیزیں شامل ہیں۔

2.3- خلائی تسخیر

ترقی یافتہ ممالک نے گزشتہ دو صدیوں میں اپنے آپ کو تیزی سے صنعتی ملک بنا لیا ہے۔ ان ممالک میں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان کو قومی آمدنی کا زیادہ تر حصہ صنعتی شعبہ سے حاصل ہوتا ہے۔ ان کا انحصار زراعت پر کم سے کم ہوتا جا رہا ہے۔ ہوائی جہازوں کی مدد سے فضائی غلبہ ممکن ہو گیا ہے اور 1957ء کے بعد خلائی تسخیر کا خواب بھی شرمندہ تعبیر ہوتا نظر آنے لگا ہے۔ ترقی یافتہ ملکوں کو اب صنعتی ممالک کی بجائے خلائی ملک کہا جانے لگا ہے۔ ان کی معیشتوں کو خلائی معیشت (Space Economy) کا نام دیا جاتا ہے۔

2.4- ترقی کے مراحل

اس پس منظر کے ساتھ ہمیں ترقی کی تین واضح منزلیں نظر آتی ہیں جو درج ذیل ہیں۔

1- زرعی مرحلہ　　2- صنعتی مرحلہ　　3- خلائی مرحلہ

جوں جوں کوئی ملک ترقی کرتا جاتا ہے۔ اس کا انحصار زراعت پر کم اور صنعتوں پر زیادہ ہونے لگتا ہے۔ ترقی کے میدان میں مزید آگے بڑھتے ہوئے وہ خلائی تسخیر کے مرحلے تک پہنچ سکتا ہے۔

اس نقطہ نظر سے جب ہم دنیا کے ترقی یافتہ ملکوں کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں احساس ہوتا ہے کہ یہ سبھی ملک چند صدیاں پیشتر زرعی ملک تھے اور اب وہ خلائی تحقیق کے ذریعے ستاروں پر کمند ڈال رہے ہیں۔

2.5- برطانیہ کی ترقی

سولھویں صدی تک برطانیہ زرعی ملک تھا جو سب سے پہلے صنعتی انقلاب سے ہمکنار ہوا اور اس کے فیوض سے بہرہ ور ہوتا گیا۔ 1850ء تک وہ مکمل طور پر صنعتی ملک بن چکا تھا۔ اگر جنگ عظیم دوئم نہ ہوئی ہوتی تو برطانیہ اب خلائی دوڑ میں سب سے آگے ہوتا مگر جرمنی کے ہاتھوں معاشی طور پر مفلوج ہو جانے کے بعد اب خلائی قیادت امریکہ اور روس کے ہاتھوں میں آ چکی ہے۔

2.6- نئے ممالک کے لئے لائحہ عمل

دنیا کے پسماندہ اور نو آزاد ممالک کے لئے ترقی کی وہی راہیں متعین ہو گئی ہیں جو برطانیہ، روس اور امریکہ نے کی ہیں۔ ترقی پذیر ممالک کو بھی انہی راہوں سے گزرنا ہے جن سے برطانیہ، امریکہ اور روس گزر چکے ہیں۔ یعنی ممالک نے پہلے غلامی سے اپنے آپ کو آزاد کرا کے زراعت کے ذریعے ترقی کی داغ بیل ڈالی پھر زرعی خود کفالت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حاصل کر کے صنعتی میدان میں قدم آگے بڑھایا۔ صنعتی طور پر بلوغت حاصل کرنے کے بعد وہ خلائی میدان میں ترقی کے امکانات پر غور کر سکتے ہیں۔

2.7- معاشی پالیسی

یہاں اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کوئی پسماندہ ملک کس طرح زرعی مرحلے سے اپنے آپ کو صنعتی مرحلے تک اور پھر صنعتی سطح سے خلائی تسخیر کے مرحلے تک لا سکتا ہے۔ یہ ایک بہت لمبا سفر ہے جو از خود طے نہیں ہو سکتا، اس کے لئے باقاعدہ پالیسی بنانی پڑتی ہے ایک مرحلے سے دوسرے مرحلے تک ترقی کرنے کی غرض سے معاشی میدان میں جو اقدامات کئے جاتے ہیں انہیں معاشی پالیسی کہا جاتا ہے۔

2.8- پاکستان پر اطلاق

اقتصادی پالیسی کی تعریف متعین ہو جانے کے بعد آیئے دیکھتے ہیں کہ ہم نے پاکستان میں ترقی کی منازل طے کرنے کی غرض سے مختلف سالوں میں کیا اقدامات کیے اور ان کے کیا نتائج برآمد ہوئے؟

2.9- پاکستان پر اطلاق

اقتصادی پالیسی کی تعریف متعین ہو جانے کے بعد آیئے دیکھتے ہیں کہ ہم نے پاکستان میں ترقی کی منازل طے کرنے کی غرض سے مختلف سالوں میں کیا اقدامات کیے اور ان سے کیا نتائج برآمد ہوئے؟

2.10-47-1960ء میں پالیسی

1947ء میں جب پاکستان معرضِ وجود میں آیا تو اس وقت ہماری گھریلو پیداوار GDP کی مالیت (معین قیمتوں پر) ساڑھے بارہ ارب روپے تھی۔ اس پیداوار میں زراعت کی طرف سے سات ارب روپے کی پیداوار شامل تھی جبکہ صنعتی شعبہ نے محض ایک ارب روپے کی پیداوار فراہم کی۔ اس طرح قومی پیداوار میں زراعت کا تناسب 56 فی صد صنعتوں کا تناسب 8 فیصد تھا۔ اس مرحلے پر یہ سوچا گیا چونکہ ملک کو صنعتی طور پر ترقی یافتہ بنانا ہے اس لئے صنعتی شعبے میں ترقی اور وسائل کی فراہمی پر زیادہ زور دیا جائے مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ زراعت کو نظر انداز کر دیا جائے۔ ان حالات میں صنعتی ترقی کے لئے اقدامات کئے گئے جو درج ذیل ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(1) پی آئی ڈی سی کا قیام

اس ادارے کا مقصد سرکاری شعبے کی نگرانی میں مختلف صنعتوں کا قیام مگر ساتھ یہ بھی واضح کر دیا گیا کہ جونہی یہ نوزائیدہ صنعتیں اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کے قابل ہو جائیں تو انہیں نجی ہاتھوں میں دے دیا جائے۔

(2) صنعتی مالی کارپوریشن

اس ادارے کا مقصد صنعتوں کے لئے قرضے کی فراہمی تھا تاکہ درمیانے درجے کی صنعتیں قائم کرنے میں مالی دشواریاں حائل نہ ہوں۔

(3) پی آئی سی آئی سی کا قیام

پہلے تیرہ سالوں میں ایک ادارہ قائم کیا گیا جسے (P.I.C.I.C) کہتے ہیں۔اس کے قیام کا مقصد لمبے اور درمیانے عرصے کے لئے بڑے پیمان پر قائم ہونے والی صنعتوں کے لئے قرضے فراہم کرنا تھا۔ یہ قرضے ملکی کرنسی اور غیر ملکی زرمبادلہ میں فراہم کئے جا سکتے تھے۔

(4) کارخانے

ان تیرہ سالوں میں اقتصادی پالیسی کے تحت جو کارخانے قائم کئے گئے ان میں سیمنٹ، کاغذ، گتہ، پٹ سن کپاس، کھاد، جہاز سازی، گیس کی رسد، روئی کے کارخانے، سائیکل بنانے، رنگ و روغن، ٹائر ٹیوب وغیرہ کے کارخانے شامل ہیں۔

(5) شعبوں کا حصہ

ان تمام اقدامات کا نتیجہ یہ نکلا کہ 1960ء میں قومی پیداوار میں زراعت اور صنعت کا تناسب بدل گیا۔ 1960ء میں قومی پیداوار کی مالیت 17 ارب روپے ہوگئی۔ زرعی پیداوار کی مالیت 8 ارب روپے اور صنعت کی پیداوار کی مالیت 2 ارب روپے تک پہنچ گئی۔ اس طرح قومی پیداوار میں زراعت کا حصہ 56 فی صد سے کم ہو کر 47 فی صد اور صنعتوں کا حصہ 8 فی صد سے بڑھ کر 12 فی صد ہو گیا۔

پاکستان کے پہلے تیرہ سالوں میں جو ہیئتی تبدیلیاں رونما ہوئیں ان کو گوشوارے کی مدد سے دیکھتے ہیں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیئتی تبدیلیاں

	سال	قومی پیداوار کی مالیت	قومی پیداوار میں صنعتوں کا حصہ	قومی پیداوار میں زراعت کا حصہ
پیداواری مالیت	1947ء	12.5ارب روپے	1ارب روپے	7ارب روپے
	1960ء	17ارب روپے	2ارب روپے	8ارب روپے
تناسب	1947ء میں تناسب	100%	8%	56%
	1960ء میں تناسب	100%	12%	47%

2.11- 1960ء تا 1970ء میں اقتصادی پالیسی

1955ء سے پاکستان میں منصوبہ بندی کا دور شروع ہوا۔ پہلا پانچ سالہ منصوبہ 1955ء سے 1960ء تک کی مدت کے لئے۔ دوسرا منصوبہ 1960ء سے 1965ء کے پانچ سالوں کے لئے بنایا گیا۔ تیسرا منصوبہ 1965ء سے شروع ہو کر 1970ء میں اختتام پذیر ہوا۔ 1960ء سے 1970ء کے دس سالہ دور میں صنعتی ترقی کی رفتار تیز کرنے کے لئے ایک اہم قدم یہ اٹھایا گیا کہ ''صنعتی ترقیاتی بینک'' (IDBP) کا قیام عمل میں لایا گیا۔ دوسرے مالیاتی ادارے سے بدستور کام کرتے رہے۔ ان دس سالوں میں پاکستان صرف اشیاء کے سلسلے میں خود کفیل ہو گیا۔ اس خود کفالت کی بدولت حکومت نے بھاری کارخانوں کے قیام پر توجہ مبذول کر دی۔ ان دس سالوں میں مشینی پرزے، کیمیاوی سامان، پٹرول، بجلی کے سامان اور بھاری صنعتوں کے کارخانے لگائے گئے۔ کارخانوں کو چلانے کے لئے جس توانائی کی ضرورت پڑی وہ منگلا بند بنا کر پوری کی گئی۔ ان تمام کوششوں کے نتیجے میں قومی گھریلو پیداوار 1970ء میں 17 ارب روپے سے بڑھ کر 23.5 ارب روپے ہو گئی۔ اس پیداوار میں صنعتوں کا حصہ 5 ارب روپے اور زرعی پیداوار کی مالیت 3 ارب روپے ہو گئی۔ اس طرح زرعی شعبہ کا تناسب 47% سے کم ہو کر 40 فی صد اور صنعتی شعبہ کا تناسب 12 فی صد سے بڑھ کر 14 فی صد ہو گیا۔ پاکستانی معیشت میں جو ہیئتی تبدیلیاں ان دس سالوں میں رونما ہوئیں ان کو درج ذیل گوشوارے میں دکھایا گیا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیئتی تبدیلیاں

	سال	قومی پیداوار کی مالیت	قومی پیداوار یں صنعتوں کا حصہ	قومی پیداوار میں زراعت کا حصہ
پیداواری مالیت	1960ء	17ارب روپے	2ارب روپے	8ارب روپے
	1970ء	12.5ارب روپے	5ارب روپے	13ارب روپے
تناسب	1960ء	100فی صد	12فی صد	47فیصد
	1970ء	100فی صد	15فی صد	40فیصد

2.12- 1970ءتا1980ءمیں اقتصادی پالیسی

صنعتی لحاظ سے پاکستان کی تاریخ میں 1970ء سے لے کر 1980ء تک کے دس سال خصوصی اہمیت کے حامل ہیں۔اس دوران مشرقی پاکستان (بنگلہ دیش) علیحدہ ہوگیا۔سقوط ڈھاکہ کے نتیجے میں متعدد کارخانے،ان کی پیداوار،زرمبادلہ کی کمائی سے پاکستان کومحروم ہونا پڑا۔باقی ماندہ پاکستان میں بھی حالات مایوس کن تھے۔صنعت کاروں نے سرمایہ کاری سے ہاتھ کھینچا ہوا تھا۔اسی دوران جوئی حکومت پاکستان میں معرض وجود میں آئی اس نے صنعتوں کوقومی ملکیت میں لینے کا قدم اٹھایا۔دس بڑی بڑی صنعتوں سے وابستہ 32 کارخانے نجی ملکیت سے لے کر سرکاری تحویل میں دے دیئے گئے۔یہ تجربہ 1977ء تک جاری رہا مگراس کے اثرات بعد میں بھی قائم رہے۔قومی ملکیت کے تجربے نے سرمایہ کاری کو دھچکا لگایا۔نجی سرمایہ کاروں کی حوصلہ شکنی ہوئی اورمزید یہ کہ سرکاری شعبہ میں آنے کے بعد بھی صنعتوں نے ترقی نہ کی بلکہ کم وبیش ہرصنعت پرزوال آنے لگا۔اخراجات بڑھ گئے،پیداوارگرگئی اورزرمبادلہ کی کمائی میں کمی واقع ہوئی۔1977ء میں برسراقتدارآنے والی فوجی حکومت نے اس سلسلے کو بند کیا اور نجی سرمایہ کاری کی حوصلہ افزائی کا بیڑہ اٹھایا۔یہ سلسلہ چھٹے منصوبہ کے اختتام تک جاری رہا۔تاہم 1980ء میں ختم ہونے والے عشرے کے دوران قومی گھریلو پیداوار کا اندازہ 51.7 ارب روپے لگایا گیا جس میں 16ارب روپے کی زرعی پیداوار 9ارب روپے کی صنعتی پیداوار بھی شامل ہے۔کل پیداوار میں صنعتوں کا حصہ 15 فیصد سے 17 فی صد اورزرعی شعبہ کا حصہ 40فیصد سے کم ہوکر 31فی صدرہ گیا۔1970ءتا1980ء کے اقتصادی پالیسی کے نتیجے میں قومی معیشت میں ہونے والی ہیئتی تبدیلیاں رونما ہوئیں مگرزراعت سے صنعت کی طرف روانگی کا سفرقدرے سست

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رہا۔ ان دس سالوں کی کارکردگی کو درج ذیل گوشوارے میں دکھایا گیا ہے۔

ہیئتی تبدیلیاں

	سال	قومی پیداوار کی مالیت	صنعتی پیداوار کی مالیت	زرعی پیداوار کی مالیت
پیداواری مالیت	1970ء	32.5ارب روپے	5ارب روپے	13ارب روپے
	1980ء	51.7ارب روپے	9ارب روپے	16ارب روپے
تناسب	1970ء	100فی صد	15فی صد	40فیصد
	1980ء	100فی صد	17فی صد	31فیصد

2.13-1980ء تا 1989ء میں اقتصادی پالیسی

1978ء سے پاکستان میں ایک بار پھر پانچ سالہ منصوبوں کا آغاز کر دیا گیا۔ اس سے قبل یہ سلسلہ 1955ء سے 1970ء تک قائم رہا۔ 1970ء سے ایک سالہ منصوبہ بندی کا دور شروع ہوا جو 1978ء تک جاری رہا۔ 1978ء سے پانچواں پانچ سالہ منصوبہ شروع ہوا۔ جو 1983ء تک جاری رہا۔ پھر فوراً ہی 1983ء سے چھٹا پانچ سالہ منصوبہ شروع ہوا۔ جو 30 جون 1989ء کو ختم ہو گیا۔ یکم جولائی 1989ء سے ساتواں پانچ سالہ منصوبہ کا آغاز کر دیا گیا جو 30 جون 1993ء میں اختتام پذیر ہوا۔

1980ء تا 1989ء کے دوران صنعتوں کی سرپرستی کے لئے کئی اہم اقدامات کئے گئے۔ اس دوران فولاد کا کارخانہ مکمل ہوا اور اس نے پیداوار دینا شروع کی۔ چینی، گھی، سیمنٹ، کھاد کے نئے کارخانے لگائے گئے۔ سرکاری شعبہ نے صنعتکاری کم کر دی گئی اور نجی شعبہ کی حوصلہ افزائی کی گئی۔ سرکاری رمایہ کاری نجی ہاتھوں کو فروخت کی گئی۔ الیکٹرونکس کی صنعتیں قائم کی گئیں۔ ایکسپورٹ پروسیسنگ زون قائم کیا گیا۔ صنعتکاروں کو ٹیکسوں میں آٹھ سال کے لئے رعایت دی گئی۔ ان اقدامات کے نتیجے میں 1988ء میں ہیتی تبدیلیوں کی صورت حال یہ تھی کہ کل قومی پیداوار کی مالیت 86.2 ارب روپے ہو گئی جس میں صنعتی شعبہ کی پیدوار مالیت 17 ارب روپے اور زرعی شعبہ کی مالیت 21، ارب روپے تھی۔ اس طرح قومی معیشت کا زراعت پر انحصار 31 فی دس کم ہو کر 24 فی صد رہ گیا اور صنعتی شعبہ پر انحصار 17 فی صد سے بڑھ کر 20 فی صد ہو گیا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

2.14- 1990ء تا 1999ء میں اقتصادی پالیسی

حکومت پاکستان (93-1990ء) نے جو پروگرام متعارف کرایا اس میں سب سے زیادہ زور نج کاری (Privalization) اور De-nationalization پر دیا گیا۔ منصوبہ جات کے مطابق 115 حکومتی صنعتی اداروں کو پرائیوٹائز کرنے کا پروگرام بنایا گیا اور مارچ 1992ء تک 20 اداروں اور دو بینکوں کو نجی سرمایہ کاروں کے ہاتھ بیچ دیا گیا گو اس پالیسی کے نتائج مثبت بھی رہے مگر اس کا نقصان یہ ہوا کہ غیر ملکی سرمایہ کاروں کا پاکستان کی اقتصادی پالیسی سے اعتبار اٹھ گیا۔ ساتویں پنجسالہ منصوبہ میں نجی شعبہ کی طرف مخلص رجحان دیکھا گیا۔ آٹھویں پنج سالہ منصوبہ کے لئے ایک ورکنگ گروپ تشکیل دیا گیا لیکن 1994ء کے اوائل تک منصوبہ کا اعلان نہیں ہوا لہذا اقتصادی پالیسی برائے 1994ء ایک سالہ منصوبہ کے تحت تیار کی گئی۔ آٹھویں پنجسالہ منصوبہ (98-1993ء) میں پاکستان کی اقتصادیات مختلف ادوار سے گذرتے ہوئے 99-1998ء میں نہایت مشکل دور میں تھی۔ GDP کی شرح اضافہ جو گذشتہ سال میں 43% تھی اس وقت 3.1% پر آ گئی ہے جس کی اہم وجہ زراعت اور صنعت کے شعبوں کی کمزوری تھی۔

2.15- اقتصادی پالیسی کا موجودہ دور (2000-2004)

سال 2001ء تک تو پاکستان کی اقتصادی حال ناگفتہ بہ تھی لیکن 2002ء میں پاکستان کا اقتصادی سفر استحکام منزل کی جانب شروع ہوا۔ برآمدات میں اضافہ، زرمبادلہ میں اضافہ اور بین الاقوامی لین دین نے پاکستان کو اس قابل بنا دیا کہ سٹیٹ بینک آف پاکستان نے اپنی مالیاتی حیثیت کو ایک بار پھر مضبوط کر لیا۔ اسی دوران 11 ستمبر کے واقعے سے ایک بار پھر پاکستان کی اقتصادیات کو دھچکا لگا۔ GDP کی شرح اضافہ تو 3.6% رہی لیکن یہ صرف ذیلی شعبوں کی بنا پر تھا۔ پاکستان میں پانی کی قلت، افغانستان میں جنگی صورت حال، بھارت اور پاکستان کی سرحدوں پر کشیدگی اور ایسے دوسرے عوامل نے پاکستان کی اقتصادی ترقی کو روکے رکھا۔ سال 4-2003ء عمومی طور پر اقتصادی ترقی کا سال رہا۔ جس میں GDP فی صد رہی جبکہ زراعت کے شعبہ میں 2.6 فی صد اور Services Sector میں شرح ترقی 5.2 فی صد رہی۔ 99-1998ء سے اب تک قومی بچت میں 8.3 فی صد کا اضافہ ہوا ہے جبکہ 05-2004ء میں GDP میں اضافے کی شرح 8.4 فی صد رہی۔

حکومتی سطح پر کئے گئے ترقیاتی کاموں اور بہتر اقتصادی اقدامات کی بدولت بین الاقوامی سرمایہ کاروں نے ایک بار پھر پاکستانی مارکیٹ میں سرمایہ لگانا شروع کر دیا ہے۔ چنانچہ اقتصادی حالات کے مزید مستحکم ہونے کی امید کی جا سکتی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

	FY 98	FY 99	FY 00	FY 01 Growth Rates	FY 02 Targets	FY 02 Actual/Provisional	FY 03 Targets
Real GDP (fc)	3.5	4.2	3.9	2.5	4.0	3.6	4.5
Agriculture	4.5	1.9	6.1	-2.6	2.0	1.4	2.4
Major crops	8.3	0.0	15.4	-9.8	-0.2	0.5	0.3
Manufacturing	6.9	4.1	1.5	7.6	5.0	4.4	-
Large-scale	7.6	3.6	0.0	8.6	6.5	4.0	6.0
Services Sector	1.6	5.0	4.2	4.8	4.4	5.1	5.0
Consumer Price Index (FY01=100)	7.8	5.7	3.6	4.4	5.0	3.5	4.0
Sensitive Price Indicator (FY01=100)	7.4	6.4	1.8	4.8	-	3.4	-
Domestic Credit	15.0	3.5	9.0	3.7	6.7	2.4	5.5
Monetary assets (M2)	14.5	6.2	9.4	9.0	9.5	14.8	100
Exports (f.o.b)	3.7	-9.8	10.1	7.4	7.0	-0.7	13.4
Imports (f.o.b)	-15.0	-6.8	9.3	4.1	0.3	-3.6	7.4
Liquid, foreign exchange reserves with SBP million US Dollar)	930.0	1,729,7	1,352.3	2,075,8	-	4,804.9	-
As percent of GDP							
Total Investment	17.7	15.6	16.0	15.9	15.2	13.9	14.5
National Savings	14.7	11.7	14.1	13.9	15.2	15.4	12.3
Tax Revenue	13.2	13.3	12.9	13.0	13.9	12.9	-
Total Revenue	16.0	15.9	17.1	16.0	17.3	17.1	17.1
Budgetary Expenditre	23.7	22.0	23.6	21.3	22.3	23.7	21.1
Budgetary deficit	7.7	6.1	6.6	5.3	4.9	6.6	4.0
Current account deficit (Including offical transfers)	-2.7	-3.8	-0.3	0.6	-	4.5	-

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سرگرمی

گذشتہ صفحات میں دیئے گئے ہیئتی تبدیلیوں کے گوشوارے (جدول) دیکھیں اور موجودہ دور کی ہیئتی تبدیلیوں کا جدول 1990ء سے تا حال تیار کریں۔ اعداد و شمار کے لئے پیش کردہ میزان دیکھیں۔

ہیئتی تبدیلیاں

	سال	قومی پیداوار کی مالیت	صنعتی پیداوار کی مالیت	زرعی پیداوار کی مالیت
پیداواری مالیت	1980ء	51.7ارب روپے	9ارب روپے	16ارب روپے
	1988ء	86.7ارب روپے	17ارب روپے	21ارب روپے
تناسب	1980ء	100فی صد	17فی صد	31فیصد
	1988ء	100فی صد	20فی صد	24فیصد

2.17- خود آزمائی نمبر 2

سوال نمبر 1- صحیح جواب کی نشاندہی کریں۔

-1 صنعتی انقلاب کی عمر تقریباً کتنی ہے؟ 200 سال/500سال/1000 سال

-2 صنعتی انقلاب نے آسائشات میں اضافہ کیا ہے یا کمی؟ اضافہ/کمی

-3 صنعتی انقلاب رونما ہوا ہوتا تو آج چاند اور مریخ کی طرف خلائی گاڑیوں کا سفر ممکن نہ ہوتا۔ کیا یہ بیان درست ہے؟ ہاں/نہیں

-4 ترقی سے ہمکنار ہونے کے تین مرحلے بیان کئے جاتے ہیں ان میں سے درمیانی مرحلہ کون سا ہے؟ زرعی مرحلہ/خلائی مرحلہ/صنعتی مرحلہ

-5 روس کے علاوہ کون سا دوسرا ملک خلائی دوڑ میں سرفہرست ہے؟ سوڈان/برما/امریکہ

-6 اقتصادی ترقی کا مطلب ہے کہ ترقی سے ہمکنار ہونے کے لئے روزگار اور پیداوار میں اضافہ کے لئے اقدامات کرنا۔ کیا یہ بات قابل قبول ہے؟ ہاں/نہیں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

7- 1947ء میں پاکستان مکمل طور پر صنعتی ملک تھا اور اب خلائی ملک بن چکا ہے۔کیا یہ بات درست ہے؟

ہاں/نہیں

8- پاکستان صنعتی ملک بننے کی کوشش میں مصروف ہے۔کیا اس بات سے آپ اتفاق کرتے ہیں؟

ہاں/نہیں

9- پاکستان کی معیشت کا انحصار زراعت پر کم ہو رہا ہے یا بڑھتا جا رہا ہے؟

کم ہو رہا ہے/ بڑھ رہا ہے

10- 1988ء میں مجموعی گھریلو پیداوار میں صنعتی شعبہ کی پیداوار کی مالیت کتنے فیصد تھی؟

10 فی صد/20 فیصد/50 فیصد

11- پاکستان کے اہم ترین کارخانوں میں صنعتی اہمیت کے لحاظ سے فولاد کا کارخانہ سرفہرست ہے۔ کیا یہ بات درست ہے؟

ہاں/نہیں

12- پاکستان کی معیشت میں ساختی یا ہیئتی تبدیلیاں بالکل واقع نہیں ہوئیں۔کیا آپ اس سے اتفاق کرتے ہیں؟

ہاں/نہیں

سوال نمبر 2- درج ذیل خالی جگہ درست الفاظ سے پر کریں۔

1- ترقی کے مراحل میں سب سے پہلا............................آتا ہے۔

2- 1960ء میں قومی پیداوار کی مالیت............................ارب روپے ہوگئی ہے۔

3- پہلا پنجسالہ منصوبہ............................میں شروع ہوا۔

4- آٹھواں پنجسالہ منصوبہ 1993ء کی بجائے............................میں شروع ہوا۔

5- 2003-04ء میں GDP-Growth کی شرح............................رہی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

3- اقتصادی ماڈل

3.1- تاریخ پس منظر

عالمی تاریخ میں 1945ء کا سال نہایت اہم ہے۔ اس سال دوسری جنگ عظیم دوئم کا خاتمہ ہوا۔ جس میں ایک طرف جرمنی تھا اور دوسری طرف برطانیہ۔ بظاہر اس جنگ میں برطانیہ اور اس کے اتحادیوں کو فتح حاصل ہوئی مگر معاشی طور پر دونوں فریق بری طرح متاثر ہوئے۔ اس جنگ نے دونوں کے مستقبل پر مایوسی کی مہر لگا دی حالانکہ اس جنگ سے پیشتر دونوں ملک گزشتہ چار صدیوں سے دنیا کے درجنوں ملکوں پر بلا شرکت غیرے حکومت کر رہے تھے۔ گزشتہ چار صدیاں یورپی ملکوں کے محکمانہ عزائم، پھیلاؤ، جابرانہ تسلط اور غلبہ کا دور ہے۔ ان چار سو سالوں میں افریقہ، ایشیاء اور لاطینی امریکہ لاتعداد ممالک میں طاقتوں کی نوآبادیاں بنتے چلے گئے۔ برطانیہ کی سلطنت مشرق سے مغرب تک اس قدر وسیع ہو چکی تھی کہ اس کے بارے میں مشہور تھا کہ سلطنت برطانیہ میں سورج کبھی غروب نہیں ہوتا۔ 1939ء کی جنگ عظیم اول بھی لڑ چکے تھے۔ اسی طرح اس صدی کے پہلے نصف میں دو بار اتنی ہولناک لڑائیاں لڑی گئیں جن کی نظیر اس سے پہلے تاریخ میں نہیں ملتی۔ جنگ عظیم اول کے دوران ہی روس جنگ سے علیحدہ ہو گیا اور اس نے اشتراکیت پر عمل پیرا ہونے اور پہلی اشتراکی ریاست کے قیام کا اعلان کر دیا۔ جنگ عظیم دوئم نے برطانیہ اور جرمنی کو ہر لحاظ سے کمزور کر کے امریکہ کو آگے آنے کا موقع دیا۔ 1945ء کے بعد دنیا دو نئے بلاکوں میں تقسیم ہو گئی۔ ایک کی قیادت روس کر رہا تھا اور دوسرے کی کمان امریکہ کے ہاتھ میں تھی۔

3.2- آزاد ہونے والے ممالک

جنگ عظیم اول کے بعد اشتراکی تجربے نے لوگوں کی آنکھیں کھول دیں۔ جنگ عظیم دوئم نے غلام ملکوں میں آزادی کی لہر دوڑ دی۔ جرمنی اور برطانیہ کے کمزور ہونے سے تسلط شدہ ملکوں کو آزادی کی نعمت ملی۔ برصغیر میں پاکستان بھارت، بنگلہ دیش، برما، مشرق بعید میں انڈونیشیا اور افریقہ میں بے شمار ملکوں کو آزادی ملنا شروع ہو گئی۔ اس وقت تک گذشتہ 43 سالوں میں آزاد ہونے والے ملکوں کی تعداد 125 کے لگ بھگ ہے۔

3.3- دو نظام

1945ء تک یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ نئے آزاد ہونے والے ممالک اگر ترقی کرنا چاہتے ہیں تو ان کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سامنے دو راستے متعین ہیں۔ ایک راستہ یہ ہے کہ وہ اشتراکی مسلک اختیار کریں اور روس کے نئے نظام معیشت پر عمل پیرا ہو کر ترقی کی منازل طے کرنا شروع کریں یا پھر برطانیہ اور امریکہ کے سرمایہ دارانہ نظام معیشت کی تقلید کرتے ہوئے ترقی کے زینہ پر چڑھنے کی کوشش کریں۔ نئے آزاد ہونے والے ممالک نے ان دونوں میں سے کوئی ایک راستہ اپنے لئے منتخب کیا۔ اپنے راستے پر گامزن کرنے کے لئے خود روس اور امریکہ نے بھی، نو آزاد ملکوں کو یہ ترغیب دی بلکہ نوبت باہمی لڑائیوں تک پہنچ گئی۔ اس سلسلے میں مصر اور اسرائیل، شمالی اور جنوبی یمن، شمالی اور جنوبی کوریا، شمالی اور جنوبی ویت نام، افغانستان، کیوبا اور دوسرے کئی ممالک کی مثالیں دی جا سکتی ہیں جہاں بڑی طاقتوں نے اپنے اپنے نظام کے اپنائے جانے پر زور دیا۔ بہر حال تیسری دنیا کے ممالک کے سامنے اشتراکی اور سرمایہ دارانہ نظاموں کے ماڈل موجود ہیں جن پر گامزن ہو کر وہ ترقی کی منازل طے کر سکتے ہیں۔

3.4- تیسرا راستہ

گذشتہ 3 عشروں سے ایک تیسرا راستہ بھی دیکھنے میں آیا ہے اور وہ راستہ ہے مخلوط نظام معیشت کا۔ اس نظام سے مراد ہے کہ کوئی بھی نو آزاد ملک اشتراکی اور سرمایہ دارانہ نظاموں کو کلیتاً اختیار کرنے کے بجائے دونوں نظاموں کی خوبیوں سے بہرہ ور ہو سکتا ہے۔ اس نئے تجربے کو ''مخلوط نظام'' کا نام دیا جاتا ہے۔ اس میں سرکاری اور نجی شعبوں کا آمیزہ موجود ہوتا ہے نہ کہ مکمل طور پر سرمایہ داری یا کلیتاً اشتراکیت۔

3.5- سرمایہ دارانہ نظام

سرمایہ دارانہ نظام کا بنیادی نکتہ ''آزادی'' ہے۔ اس نظام میں رہنے والے ہر شخص کو کام کرنے، ملازمت چننے، کاروبار کھولنے، گھومنے پھرنے، تعلقات بنانے، استعفیٰ دینے، بیکار رہنے، وقت گزارنے کی مکمل آزادی ہوتی ہے۔ اس نظام میں ہر کام اشخاص خود کرتے ہیں۔ حکومت ان کی آزادی میں مداخلت نہیں کرتی۔ محض چند اہم کام ایسے ہوتے ہیں جنہیں حکومت سنبھال لیتی ہے۔ مثلاً دفاع، امن عامہ، انصاف کی فراہمی اور کرنسی کی اشاعت۔ ان کے علاوہ افراد باقی تمام امور نجی طور پر انجام دیتے ہیں۔ اس نظام میں ہر فرد اپنی مرضی سے کام کرتا، منافع کماتا اور نئے کاروبار کرتا ہے اور یہی بات پورے معاشرے کی اصلاح اور مسلسل ترقی کی ضمانت دیتی ہے۔ اس نظام میں نجی شعبہ حاوی ہوتا ہے اور سرکاری شعبہ برائے نام پایا جاتا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

3.6- اشتراکیت

1917ء سے روس میں پہلی مرتبہ ہونے والے نظام کو اشتراکیت کہتے ہیں۔ اس نظام میں تمام امور کی انجام دہی کی ذمہ دار حکومت ہوتی ہے۔ نجی شعبہ کا وجود ختم کر دیا جاتا ہے۔ تمام ذرائع پیداوار سرکاری ملکیت میں لے لئے جاتے ہیں۔ افراد کو آزادی حاصل نہیں ہوتی۔ تمام معاملات حکومت کی مرضی اور اہداف کے مطابق طے پاتے ہیں۔ نجی منافع ختم کر دیا جاتا ہے۔ وراثت کا تصور ناپید ہوتا ہے۔ تمام افراد ایک طریقے سے سرکاری ملازمین تصور ہوتے ہیں جو ہر شعبے میں حکومت کی دی ہوئی ہدایات کے مطابق کام کرتے ہیں۔ ہر شخص کو ملازمت یا کام کا موقع دیا جاتا ہے اور تمام افراد کو بنیادی ضروریات زندگی دستیاب رہتی ہیں۔ یہاں یہ وسائل ضائع ہونے سے بچ رہتے ہیں۔ یہاں صرف سرکاری شعبہ ہی موجود ہوتا ہے جو ہر اچھے یا برے کام کا ذمہ دار ہوتا ہے۔

3.7- مخلوط نظام کا ارتقاء

سرمایہ دارانہ اور اشتراکی نظاموں نے اپنی صلاحیتوں کی بنا پر بہت ترقی کی۔ اس وقت ان نظاموں کے سربراہ امریکہ اور روس ہیں۔ جو ہر میدان میں ایک دوسے کے مدمقابل ہیں۔ سیاست، معیشت، معاشرت، عالمگیر پھیلاؤ، فنی ترقی، خلائی تسخیر، دفاعی تیاریوں میں یہ دونوں ملک ایک دوسرے کے خلاف صف آراء ہیں مگر اب ان نظاموں کی خامیاں بھی لوگوں پر ظاہر ہوتی جا رہی ہیں۔ یہ خامیاں اس قدر نمایاں ہیں کہ خود ان نظاموں کے مبلغین ان خرابیوں کے سبب پریشان ہیں مثلاً سرمایہ دارانہ نظام میں مقابلے کی وجہ سے بے روزگاری عام ہے اور ارتکاز دولت کے سبب روزگار کے مواقع محدود ہوتے جا رہے ہیں۔ اس صورت حال میں روز بروز بگاڑ پیدا ہو رہا ہے اور اس کی اصلاح کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ اس طرح اشتراکی نظام میں لوگوں کا جذبہ کار سرد پڑتا جا رہا ہے، کام کی رفتار سست ہو چکی ہے اور مجموعی قومی آمدنی میں سالانہ اضافہ کی شرح کم ہوتی جا رہی ہے جس کی وجہ سے اشتراکی ماہرین پریشان ہیں۔ اس مسئلے کا کوئی مؤثر حل فی الحال تلاش نہیں کیا جا سکا۔ ان دونوں نظاموں کی خامیاں دیکھتے ہوئے نو آزاد ملکوں کے لئے راہ عمل تلاش کرنی پڑ رہی ہے۔ چنانچہ اشتراکیت میں فیصلہ یہ ہو رہا ہے کہ ان کی معاشی نجات نہ تو کلیۃً سرمایہ دارانہ نظام اپنانے میں ہے نہ ہی مکمل طور۔ پر یہی وجہ ہے کہ اب ہر طرف مخلوط نظام کا چرچا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

3.8- مخلوط نظام کی خصوصیت

مخلوط نظام ایک ایسا نظام معیشت ہے جس میں نجی اور سرکاری دونوں شعبے ساتھ ساتھ کام کرتے ہیں۔ پوری معیشت کے تمام شعبے دو واضح حصوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں۔ کچھ ادارے اور کارخانے نجی ملکیت میں کام کرتے رہتے ہیں۔ جب کہ کئی اہم اور بنیادی شعبے سرکاری نگرانی میں سرگرم عمل رہتے ہیں کسی بھی معیشت کے لئے آج کی تیز تر معاشی ترقی کے لئے نہ اشتراکی اور نہ ہی سرمایہ دارانہ نظام قابل اعتماد ہے۔ اب اس مقصد کے لئے مخلوط نظام پر بھروسہ کیا جا رہا ہے۔ دونوں شعبوں کی شرکت سے مخلوط نظام تشکیل پاتا ہے البتہ دونوں کی شرح یا فیصد تناسب جدا جدا رہتا ہے پاکستان کے ساتویں پانچ سالہ منصوبہ میں کہا گیا تھا کہ 1988ء سے 1993ء کے دوران کل سرمایہ کاری 642 ارب روپے کی ہوگی جس میں سے 350 ارب روپے سرکاری شعبے میں خرچ کئے جائیں گے اور 292 ارب روپے نجی شعبہ کی طرف سے خرچ ہوں گے۔ اس طرح سرکاری شعبہ کی شرکت 55 فی صد ہوگی جبکہ نجی شعبہ کی شرکت 45 فی صد رہے گی۔ چھٹے پانچ سالہ منصوبے میں سرکاری شعبہ کا حصہ 90 فی صد اور نجی شعبہ کا حصہ 10 فی صد ہوگا۔ روس میں بھی اعلان کیا گیا کہ نئے منصوبے میں پانچ شعبے نجی شعبے کے حوالے کئے جائیں گے۔ یہی حال باقی دنیا کا ہے جہاں نجی اور سرکاری شعبوں میں ایک دوسرے کے ساتھ چلنے کا جذبہ بڑھتا جا رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مخلوط نظام پہلے سے زیادہ مقبول ہو رہا ہے۔

مخلوط نظام میں کوئی بھی صنعت، کارخانہ یا ادارہ سرکاری ملکیت میں آ سکتا ہے اور پھر وہاں سے نجی ملکیت کے حوالے بھی کیا جا سکتا ہے۔ گویا صنعتوں کے قومی ملکیت میں آنے اور واپس نکل جانے کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ مثلاً پاکستان میں 1973ء تک تجارتی بنک نجی طور پر کام کر رہے تھے۔ 1974ء میں ان کو قومی ملکیت میں لیا گیا اور اب ساتویں منصوبہ میں ان کے کچھ حصص نجی ہاتھوں میں منتقل کئے جا رہے ہیں۔

پاکستان میں سرکاری ادارے یا تو براہِ راست حکومت کی نگرانی میں کام کر رہے ہیں یا ان کا انتظام چلانے کے لئے خودمختار یا نیم خودمختار کارپوریشنیں بنا دی گئی ہیں۔ سرکاری شعبے میں پی آئی اے، سٹیل مل، ٹیلیویژن کارپوریشن، ایٹمی توانائی کا ادارہ، ریلوے، روئی کارپوریشن، گورنمنٹ کالجز، ٹیلیفون انڈسٹری، سیکنڈری بورڈ آف ایجوکیشن جی ٹی ایس، پورٹ ٹرسٹ وغیرہ زندگی کے لاتعداد دوسرے شعبوں میں نجی شعبہ مکمل طور پر آزاد ہے اور نجی سرمایہ کار ان شعبوں یا کارخانوں میں کثیر سرمایہ کاری کر رہے ہیں جس سے ملک میں پیداوار اور روزگار میں اضافہ ہو رہا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عام طور پر اصول یہ طے کیا جاتا ہے کہ بنیادی، دفاعی، خلائی تحقیق وغیرہ سے متعلق ادارے سرکاری نگرانی میں کام کرتے رہتے ہیں اور اور کم اہم ادارے نجی شعبے کے حوالے کر دیئے جاتے ہیں۔ تاہم یہ طے کرنا حکومت کا کام ہے کہ کون سا ادارہ یا صنعت قومی ملکیت میں کام کرے گا اور کون سا ادارہ یا کارخانہ نجی شعبے کی تحویل میں رہے گا۔ اداروں یا شعبوں کی تقسیم میں بنیادی اصول یہ کارفرما ہے کہ قومی بہبود میں اضافہ ہوتا رہے۔ اصل بات یہ نہیں ہوتی کہ کون سا ادارہ یا کارخانہ کس حیثیت میں کام کر رہا ہے؟ وہ نجی ہے یا سرکاری؟ بلکہ جو چیز اہمیت رکھتی ہے وہ یہ ہے کہ متعلقہ ادارہ مستعدی کے ساتھ کام کرتا رہے اور اس کے سبب پیداوار اور روزگار میں مسلسل اضافہ رونما ہوتا رہے۔ یہی وجہ ہے کہ ادارے نجی قومی تحویل میں اور قومی ملکیت سے نجی نگرانی میں آتے رہتے ہیں۔ مخلوط نظام کی یہی بنیادی خصوصیات ہیں۔

دیگر خصوصیات کا تذکرہ بھی کیا جاتا ہے کہ جہاں نجی شعبہ بے حد منافع کمار ہا ہو تو اسے قومی ملکیت میں لے لیا جاتا ہے تاکہ ملکی مفادات کی نگہداشت کی جا سکے۔ ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ مثالی کارکردگی اور عمدہ معیار کا نمونہ پیش کرنے کے لئے حکومت کسی بھی دائرہ کار میں مداخلت کرتی ہے مگر معمولی حد تک اور باقی تمام معاملات نجی شعبے کے سپرد ہی رہتے ہیں۔

اس کے علاوہ جن شعبوں میں نجی افراد سرمایہ کاری کرنے سے ہچکچا رہے ہوں وہ شعبے حکومت کے سپرد ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح اگر برآمدات کسی ملک کے لئے اہم ہوں تو یہ حکومت کی زیرنگرانی وقوع پذیر ہوتی ہیں۔

دفاعی نقطہ نظر سے جو کارخانہ یا ادارہ اہم ہو اسے بھی سرکاری مالیت میں لے لیا جاتا ہے تاکہ دفاعی معاملات کو کسی قسم کا خطرہ لاحق نہ رہے۔ اگر نجی شعبہ ملازمتوں کی تخلیق کے بارے میں سست یا کنجوس واقع ہو تو حکومت بے روزگاری کا مسئلہ حل کرنے کے لئے کئی شعبوں کو قومی ملکیت میں لے لیتی ہے۔

ان خصوصیات کی روشنی میں اعتماد کے ساتھ یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ پاکستان میں بھی مخلوط نظام تیزی سے وسیع تر ہوتا جا رہا ہے اور ایسا ہونا بھی چاہیے۔ بنیادی، دفاعی، ملازمتی، برآمدی اہمیت کے شعبوں کو قومی نگرانی میں کام کرنا چاہیے اور باقی تمام شعبے نجی افراد کے سپرد کر دینا ضروری ہے۔

3.9- اہم نکات

-1 عالمی تاریخ میں ہر گزشتہ نصف صدی کا ایک سال بہت اہم ہے اور وہ ہے 1945ء کیونکہ اس سال جنگ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عظیم دوئم کا خاتمہ ہوا اور اقوام متحدہ نے عملی طور پر کام شروع کیا۔

-2 گزشتہ تین چار صدیاں ایسی گزری ہیں جن میں یورپی طاقتوں نے تقریباً ساری دنیا پر غلبہ حاصل کیا۔

-3 اشتراکیت کا آغاز 1917ء سے ہوا۔ روس وہ پہلا ملک ہے جس نے اشتراکیت کو قبول کیا۔

-4 1945ء میں دوسری جنگ عظیم کے خاتمہ کے بعد دنیا، امریکی اور روسی بلاکوں میں تقسیم ہوگئی ہے۔

-5 1945ء سے جن نئے عالمی دور کا آغاز ہوا اس میں پہلی اہم بات یہ ہے کہ تقریباً 25 ممالک کو آزادی نصیب ہوئی۔

-6 نئے آزاد ہونے والے ممالک کے سامنے 1945ء سے یہ دو راستے متعین تھے کہ یا تو وہ سرمایہ دارانہ نظام معیشت اختیار کرلیں یا اشتراکی لائحہ عمل پر گامزن ہو جائیں۔

-7 اب تیسرا راستہ بھی واضح ہو گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ دونوں نظاموں کو خامیوں سے دامن بچاتے ہوئے ''مخلوط نظام معیشت'' پر عمل پیرا ہونے کا راستہ اختیار کرلیا ہے۔

-8 سرمایہ دارانہ نظام میں تمام معاشی فرائض نجی افراد خوش اسلوبی سے انجام دیتے ہیں البتہ حکومت محض چند کاموں کی ذمہ دار ہوتی ہے مثلاً دفاع اور امن عامہ۔

-9 اشتراکی معیشت میں تمام معاشی سرگرمیاں حکومت اپنے ذمے لے لیتی ہے۔ یہاں نجی شعبہ مفقود ہو جاتا ہے۔

-10 مخلوط نظام معیشت میں نجی اور سرکاری شعبے بیک وقت موجود رہتے ہیں اور باہمی طور پر عمل کرتے رہتے ہیں۔

-11 پاکستان کے ساتویں منصوبے میں سرکاری شعبے کا تناسب 55 فی صد اور نجی شعبے کا تناسب 45 فی صد مقرر کیا گیا ہے۔

-12 پاکستان میں نجی شعبے کا حصہ گزشتہ بارہ سال سے مسلسل بڑھ رہا ہے۔

-13 حتمی طور پر نہ تو کوئی شعبہ سرکاری ملکیت میں رہنا چاہیے اور نہ اسے ہمیشہ کے لئے نجی ملکیت میں چلے جانا چاہیے بلکہ ان کا آپس میں تبادلہ کرتے رہنا چاہیے۔

-14 شعبوں کی تقسیم کے بارے میں اہم بات متعلقہ شعبے کی ملکیت نہیں ہے بلکہ اس کی کارکردگی ہے یعنی قومی آمدنی میں وہ کتنا حصہ ادا کرتا ہے۔

-15 مخلوط معیشت میں حکومت صرف انہی شعبوں کو اپنی ملکیت میں لیتی ہے جہاں نجی سرمایہ کار پیسہ لگانے سے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گھبراتے ہیں یا وہاں شرح منافع محدود ہوتی ہے یا جو شعبہ قومی اہمیت کے لحاظ سے بہت اہم ہوتا ہے۔

-16 کم ترقی یافتہ ممالک میں روزگار کے زیادہ وسائل زراعت سے وابستہ ہیں۔

-17 ترقی یافتہ ممالک کی ترقی کا اگر جائزہ لیں تو سبھی ممالک چند صدیوں بیشتر زرعی ممالک تھیں جو اب خلائی تحقیق کے ذریعے ستاروں پر کمند ڈال رہے ہیں۔

-18 1850ء تک برطانیہ ایک صنعتی ملک بن چکا تھا۔

-19 1947ء میں جب پاکستان معرض وجود میں آیا تو اس وقت ہماری GDP کی مالیت ساڑھے بارہ ارب روپے تھی۔

-20 1980ء تا 1989ء کے دوران صنعتوں کی سرپرستی کے لیے اہم اقدامات کیے گئے مثلاً فولاد کے کارخانے، چینی، گھی، سیمنٹ اور کھاد کے نئے کارخانے لگائے گئے۔

3.10- خود آزمائی نمبر 3

سوال نمبر 1۔ مندرجہ ذیل میں درست جواب کا انتخاب کریں۔

-1 گذشتہ نصف صدی کا کون سا سال عالمی تاریخ میں بہت اہمیت رکھتا ہے؟

1940ء/1945ء/1950ء

-2 گذشتہ تین صدیوں سے دنیا میں کن اقوام کا غلبہ رہا؟ یورپی/افریقی/اشتراکی

-3 روس میں اشتراکیت کا آغاز کس سال سے ہوا؟ 1907ء/1917ء/1927ء

-4 1945ء میں جنگ عظیم دوئم ختم ہونے کے بعد سے لے کر اب تک تقریباً کتنے ملکوں نے آزادی حاصل کی؟ 25/125/225

-5 نئے آزاد ہونے والے ممالک کے سامنے آزادی کے بعد معاشی طور پر ترقی کرنے کے لئے ایک راستہ تو یہ کھلا ہوا تھا کہ وہ سرمایہ دارانہ نظام اختیار کرلیں۔ دوسرا راستہ کون سا تھا؟

اشتراکی نظام/اسلامی نظام

-6 مخلوط نظام موجودہ دور کا نیا ابھرتا ہوا نظام ہے جو دراصل اشتراکی اور سرمایہ دارانہ نظاموں کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خصوصیات کا مجموعہ بنتا نظر آ رہا ہے۔ درست/غلط

7- آزادانہ یا سرمایہ دارانہ نظام معیشت میں زیادہ سے زیادہ فرائض انجام دہی کس شعبے کے سپرد ہوتی ہے؟ نجی/سرکاری

8- پاکستان کے ساتویں منصوبے میں نجی شعبے کا تناسب کتنے فیصد رکھا گیا؟ 30% / 45% / 60%

9- شعبوں کی تقسیم کے بارے میں ملکیت اہم ہے یا اس کی کارکردگی؟ ملکیت/کارکردگی

10- مخلوط نظام معیشت میں نجی اور سرکاری شعبے ساتھ ساتھ کام کرتے ہیں۔ درست/غلط

سوال نمبر 2- مندرجہ ذیل پر مختصر نوٹ لکھیں۔

(1) مخلوط نظام کی خصوصیات

(2) سرمایہ دارانہ نظام اور اشتراکیت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

4- معاشرتی اور اقتصادی ترقی کا تنقیدی جائزہ

یونٹ کے اس حصے میں ہم پاکستان کے حوالے سے معاشرتی اور اقتصادی جائزہ لینے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس حصے میں تعلیم، صحت، زراعت، صنعت، بین الاقوامی تجارت کی پالیسی اور عالمی قرضوں کے بارے میں بات چیت کریں گے۔ البتہ زراعت اور صنعت پر دوبارہ گفتگو کرنے سے گریز کریں گے کیونکہ ان دونوں شعبوں پر اس یونٹ کے دوسرے حصے میں روشنی ڈالی جا چکی ہے۔

4.1- تعلیم

تعلیم کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں تعلیم کسی بھی قوم کی ترقی کی منازل طے کرنے کا اولین راستہ ہے۔ پاکستان آج اللہ کے فضل و کرم سے ایک آزاد ملک ہے۔ تحریک پاکستان کی کامیابی میں سر سید احمد خان کی تعلیمی تحریک اور علی گڑھ یونیورسٹی کا اہم کردار رہا ہے۔ پاکستان میں تعلیم کی اہمیت کو 1947ء سے ہی پیش نظر رکھا گیا۔ چنانچہ تعلیم کے فروغ کے لئے ہر طرح کے ادارے اور ہر طرح کی سہولیات کا بندوبست کیا گیا۔ آج پاکستان میں شرح خواندگی 54 فیصد ہوگئی ہے۔ 48-1947ء میں تعلیمی ترقی کے لئے تین کروڑ روپے خرچ کئے گئے۔ تعلیم موجودہ دور میں ایک ایسا شعبہ بن گیا ہے جس پر حکومت زر کثیر خرچ کرتی ہے۔ اس وقت نجی اور سرکاری اداروں کی تعداد پرائمری سطح پر 156100 مڈل لیول پر 28176 اور ہائی سکولوں کی تعداد 16039 ہے۔ اضافہ کی شرح بالترتیب 5.7%، 2.7% اور 8.6% ہے۔ اسی طرح شرح حاضری بالترتیب 4.7%، 7.3% اور 60% ہے۔ یہ ایک خوش آئندہ امر ہے کہ بچیوں کی شرح حاضری میں اضافہ 6.4% اور بچوں کا 3.5% ہے۔

کل شرح خواندگی 54.0%، مردوں میں 66.25% جبکہ خواتین میں 41.75% ہے۔ 2002ء میں ہائر ایجوکیشن کمیشن (HEC) کا قیام عمل میں لایا گیا جس کے ذریعے اعلیٰ تعلیم کو فروغ دینے اور یونیورسٹیوں و دیگر ڈگری دینے والے اداروں کو منظم کرنے اور تعلیم کے معیار کو بلند رکھنے کے سلسلے میں قابل قدر پیشرفت ہوئی۔

4.2- صحت

صحت انسان کے لئے انتہائی ضروری ہے۔ صحت کا برقرار رکھنا بنیادی حقوق میں شامل ہے۔ کسی بھی انسانی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

معاشرے میں انسانوں کا صحت مند ہونا کارکردگی بڑھانے کا باعث ہوتا ہے۔ کسی بھی ملک میں محض انسانوں کی تعداد کا زیادہ ہونا کافی نہیں بلکہ ہر انسان کا صحت مند ہونا اور مصروف کار رہنا ترقی کی علامت ہے۔ عمدہ صحت کی بدولت انسان کی اوسط عمر میں بھی اضافہ ہو جاتا ہے۔ پاکستان میں ادویات اور ہسپتالوں کی بڑھتی ہوئی سہولتوں کے پیش نظر اوسط عمر میں اضافہ ہو رہا ہے۔ آغاز میں اوسط عمر 40 سال تھی۔ جو اب بڑھ کر 55 سال ہوگئی ہے۔

پانچویں پانچ سالہ منصوبے کے اختتام پر صحت کے لئے وقف شدہ رقوم قومی آمدنی کا 0.65 فیصد تھیں جو چھٹے پانچ سالہ منصوبے کے آخر میں یعنی 1988ء میں 101 فیصد ہو گئیں یہ اعداد شمار اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ حکومت صحت کے شعبے کے بارے میں کس قدر سنجیدہ ہے۔

1988-89ء میں ہسپتالوں کی تعداد 710 تک پہنچ گئی جبکہ 1947ء میں یہ تعداد 292 تھی۔ ان بیالیس سالوں کے دوران ڈسپنسریوں کی تعداد 722 سے بڑھ کر 1636 ان ہسپتالوں میں مریضوں کے لئے بستروں کی تعداد 13769 سے بڑھ کر 64 ہزار ہوگئی۔ ڈاکٹروں کی تعداد 13.3 سے بڑھ کر 51 ہزار تک پہنچ گئی۔ نرسوں کی تعداد 88 سے بڑھ کر 17731 ہوگئی۔ دائیوں کی تعداد 1988-89ء میں 4178 تھی۔

2003-04ء کے اعداد و شمار کے مطابق صحت کے شعبے پر کل خرچ 23.8 بلین روپے ہے جو کہ قومی آمدنی کا 0.8٪ ہے۔ اس وقت پاکستان میں 906 ہسپتال، 4554 ڈسپنسریاں، 5290 بنیادی صحت کے مراکز، 552 دیہی مراکز صحت موجود ہیں۔ ڈاکٹروں کی تعداد 10,8062، دندان ساز ڈاکٹر 5530 اور نرسوں کی تعداد 46331 ہے۔ 1404 افراد فی ڈاکٹر، 26414 افراد فی ڈینٹیسٹ اور 13296 افراد فی نرس کی شرح کے ساتھ 1536 افراد فی ہسپتال موجود ہیں۔

4.3- عالمی تجارت

پاکستان قدرتی طور پر ایسے خطے میں واقع ہے جہاں ضرورت کی ہر چیز پیدا نہیں ہوتی۔ ایسی اشیاء جو یہاں نہیں ہوتیں انہیں درآمد کیا جاتا ہے۔ البتہ کئی چیزیں ایسی بھی ہیں جو دیگر ممالک کے مقابلے میں سستی اور بہتر تیار کی جاتی ہیں۔ ان اشیاء کو برآمد کیا جاتا ہے۔ اس وقت دنیا میں آزاد ملکوں کی تعداد 159 ہے جن میں سے 80 ممالک کے ساتھ پاکستان کے تجارتی روابط ہیں۔ ان ممالک کو پاکستان جو اشیاء برآمد کرتا ہے ان میں کپاس، چاول، اون، کھالیں، چمڑا، مچھلی، قالین، غالیچے، رنگ و روغن، جوتے، تمباکو، سلائی شدہ کپڑے، ادویات، آلات جراحی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور کھیلوں کا سامان شامل ہے جبکہ درآمدات میں لوہا، فولاد، پیٹرول، خوردنی تیل، خوردنی اجناس، کھاد، ٹرانسپورٹ کا سامان، کاغذ، گتہ، کیمیاوی اشیاء، بجلی کا سامان، چائے، دھاتیں، غیر برقی مشینیں وغیرہ شامل ہیں۔

درآمد و برآمد پر مشتمل اشیاء کو "توازن تجارت" کی فہرست کہتے ہیں۔ پاکستان کا توازن تجارت اکثر و بیشتر منفی رہتا ہے۔ برآمدات سے کمائے جانے والے زرمبادلہ پر حکومت کا کنٹرول ہوتا ہے۔ کمایا ہوا زرمبادلہ سٹیٹ بنک میں جمع کرایا جاتا ہے اور وہاں سے یہ زرمبادلہ درآمد کرنے والوں کو فراہم کیا جاتا ہے۔

اشتراکی ممالک سے پاکستان کے تجارتی تعلقات بارٹر معاہدوں پر قائم ہیں۔ ان ممالک سے تجارت کرتے ہوئے زرمبادلہ کی کمی کا کوئی مسئلہ لاحق نہیں ہوتا۔ اس طرح درآمدات برآمدات سے وابستہ ہو جاتی ہیں۔

برآمدات کے فروغ کے لیے پاکستان میں جو اہم ادارے کام کر رہے ہیں ان میں یہ ادارے شامل ہیں۔

ادارہ فروغ برآمدات، برآمدی منڈیوں کا ترقیاتی فنڈ، ٹریڈنگ کارپوریشن آف پاکستان، چاول کی برآمدی کارپوریشن، کاٹن ایکسپورٹ کارپوریشن آف پاکستان، برآمدی قرضوں کی ضمانتی سکیم، برآمدی بونس سکیم، ایکسپورٹ فنانس سکیم، ری فنانس سکیم، ایکسپورٹ ری بیٹ سکیم، سارک معاہدہ، آرسی ڈی (ای سی او) سکے کی قیمت میں کمی تجارتی وفود، تجارتی میلے، پاکستان ہاؤس انٹرنیشنل۔

پاکستان کے تجارتی روابط ترقی یافتہ ملکوں کے علاوہ ترقی پذیر ملکوں کے ساتھ بھی ہیں۔ اس کے علاوہ مسلم ممالک کے ساتھ بھی خصوصی تعلقات قائم ہیں۔

گزشتہ مالی سال کے دوران (2003-2004ء) برآمدات میں اضافہ کی شرح 13.1 فی صد رہی جبکہ اس سے پچھلے سال میں یہ شرح 20.8 فی صد تھی۔ اس اضافہ کا 71 فیصد ٹیکسٹائل کی برآمدات کے مرہون منت ہے۔

خوش آئند بات یہ ہے کہ 04-2003ء میں انجینئرنگ کی اشیاء (Engineering Goods) کی برآمدات کی مالیت 55.1 ملین ڈالر سے 73.5 ملین ڈالر ہو گئی۔ درآمدات میں مشینری، کیمیکلز اور دھات (Metal) کی درآمد بھی بڑھ رہی ہے جبکہ پیٹرولیم کی اشیاء میں کمی آ رہی ہے۔

4.4- بیرونی قرضے

یہ بات طے شدہ ہے کہ ترقی کا دارومدار سرمایہ کاری پر ہے اور سرمایہ کاری کے لئے بچت کی ضرورت پیش آتی ہے۔ بچت کے بغیر سرمایہ کاری اور ترقی کا عمل آگے نہیں بڑھ سکتا۔ عالمی بنک کی رپورٹ کے مطابق پاکستان

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں شرح بچت 13 فیصد ہے جبکہ شرح سرمایہ کاری 19 فیصد ہے۔ ان دونوں شرحوں کے درمیان خلا کو پر کرنے کے لئے 6 فیصد بیرونی سرمائے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ مغربی ممالک میں اکثر ایسے ملک ہیں جہاں موجود سرمایہ کی مقدار زیادہ ہے اور شرح سرمایہ کاری کم ہے۔ اس طرح وہ ملک اپنا سرمایہ ترقی پذیر ملکوں کی کو بطور قرضہ فراہم کرنے پر تیار رہتے ہیں۔ اس طرح غیر ملکی امداد ظہور میں آتی ہے۔

پاکستان میں غیر ملکی امداد کا سلسلہ 1950ء کے بعد شروع ہوا۔ یہ قرضے 2 صد سے لے کر 10 فیصد شرح سود پر فراہم کئے جاتے ہیں۔ ان قرضوں کی مدت 5 سال سے لے کر 50 سال تک ہوتی ہے۔ پاکستان دنیا کے ان ترقی پذیر ملکوں میں شامل ہے جو نہ صرف قرضے لے کر ترقیاتی منصوبے مکمل کرتا ہے بلکہ ان منصوبوں سے حاصل شدہ پیداوار کی کمائی میں سے قرضوں کی واپسی کا اہتمام بھی باقاعدگی سے کرتا ہے۔

پاکستان کو بیرونی قرضے بطور امداد دینے والے ملکوں کے گروہ کا نام کنسورشیم (Consortiom) ہے۔ اس گروہ میں بیلجیئم، امریکہ، کینیڈا، فرانس، جرمنی، اٹلی، نیدرلینڈ، برطانیہ، ناروے، سویڈن اور جاپان شامل ہیں۔ یہ ممالک بطور گروہ ہر سال مئی کے مہینے میں اپنا اجلاس منعقد کر کے آئندہ سال کے لئے امداد کا اعلان کرتے ہیں۔ دنیا کے دیگر 124 ملکوں کی طرح پاکستان پر بھی قرضوں کا بوجھ لگاتار بڑھتا جا رہا ہے۔ البتہ پاکستان ان چار ملکوں میں شامل نہیں ہے جن پر عالمی قرضوں کا بار اس قدر بڑھ چکا ہے کہ اب قرضوں کی واپسی کی کوئی امید نظر نہیں آتی۔ ان نادہندہ ملکوں میں برازیل، چلی، ارجنٹائن اور فلپائن شامل ہیں۔

بیرونی قرضوں کا بوجھ ہر سال بڑھ رہا ہے۔ 78-1977ء میں بیرونی قرضوں کا بوجھ 7 ارب ڈالر تھا جو دس سال بعد دسمبر 1988ء میں بڑھ کر 13.3 ارب ڈالر ہو گیا۔ اصل رقم اور سود سمیت جو رقم ہر سال واپس کرنا پڑتی اس کی مالیت 1.15 ارب ڈالر بنتی ہے جو قومی آمدنی کا 2.8 فیصد ہے اور زرمبادلہ کی سالانہ کمائی کا 19 فیصد ہے۔

پاکستان نے شروع سے لے کر دسمبر 1988ء تک 25/59 ارب ڈالر کے قرضے لئے جن میں سے 12.29 ارب ڈالر کے قرضے ادا کئے جا چکے تھے۔

Ministry of Finance میں Debt Office کے قیام سے یہ فائدہ ہوا کہ 2000-1999ء میں 37.918 بلین ڈالر کے قرضے مارچ 2004ء تک 35.846 بلین ڈالر تک آ گئے۔

پاکستان میں گذشتہ مالی سال کے دو اہم مواقع یہ ہیں کہ جنوری 2004ء میں پاکستان نے ایشیائی ترقیاتی بینک کو 1.17 بلین ڈالر کا قرضہ واپس کیا اور فروری 2004ء میں پاکستان کی International Capital

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

Market میں واپسی ہوئی۔

4.5- اہم نکات

-1 تعلیم کا شعبہ ہر ملک میں اہمیت رکھتا ہے۔تحریک پاکستان کے حوالے سے تعلیم کے شعبے میں خاص طور پر علی گڑھ یونیورسٹی نے اہم خدمات انجام دیں۔

-2 1988-89ء میں تعلیمی ترقی کے لئے 21 ارب روپے خرچ کئے گئے۔

-3 پاکستان میں 156100 ہزار پرائمری سکول کام کر رہے ہیں اور 22 یونیورسٹیاں ہیں۔

-4 پرائمری سکولوں میں 77 طلبہ اور یونیورسٹیوں میں 69 ہزار طلبہ زیر تعلیم ہیں۔

-5 تعلیم کے شعبے سے حکومت کو نہایت معمولی وصول یابی ہوتی ہے۔

-6 صحت مند انسانوں پر مشتمل معاشرہ جلد ترقی کرتا ہے۔

-7 پاکستان میں فرد کی اوسط عمر 62 سال ہے۔

-8 پاکستان میں 906 ہسپتال ہیں۔

-9 پاکستان میں ڈاکٹروں کی تعداد 113000 ہے۔

-10 بچوں کو چھ بیماریوں سے بچاؤ کی خاطر ملک گیر سطح پر ٹیکے لگائے جاتے ہیں۔

-11 پاکستان کے 80 ممالک کے ساتھ تجارتی روابط ہیں۔

-12 پاکستان کی برآمدات میں زیادہ تر خام مال اور درآمدات میں مصنوعات اور مشینیں شامل ہیں۔

-13 زرمبادلہ حکومت حکومت کی ملکیت تسلیم کیا جتا ہے جو برآمدات سے حاصل ہوتا ہے اور درآمدات پر خرچ کرنے کے لئے دستیاب رہتا ہے۔

-14 پاکستان پر قرضوں کا بوجھ بڑھ رہا ہے۔ مارچ 2004ء میں واجب الادا قرضے کی مالیت 35.846 بلین ڈالر ہے۔

-15 ہر سال اصل رقم اور سود کے زمرے میں پاکستان کو 1.15 ارب ڈالر ادا کرنے پڑتے ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

4.6- خود آزمائی نمبر 4

سوال نمبر 1- مندرجہ ذیل بیانات میں صحیح جواب کی نشاندہی کریں۔

(1) تحریک پاکستان میں سرسید احمد خان اور علی گڑھ تحریک نے اہم کردار ادا کیا۔ درست/غلط

(2) تعلیم کے شعبے سے حکومت کو بہت زیادہ وصول یابی ہوتی ہے۔ درست/غلط

(3) تعلیمی ترقی اقتصادیات پر بوجھ کا باعث بنتی ہے۔ درست/غلط

(4) صحت مند معاشرہ زیادہ ترقی کرتا ہے۔ درست/غلط

(5) پاکستان کی تمام تر ترقی بیرونی قرضوں کی مرہون منت ہے۔ درست/غلط

سوال نمبر 2- درج ذیل سوالات کے مختصر جواب تحریر کریں۔

(1) پاکستان کو کون سے ممالک قرضہ فراہم کرتے ہیں؟

(2) پانچویں پنج سالہ منصوبہ میں صحت کے شعبے کے لئے کیا مراعات دی گئیں؟

(3) 2004ء کے اعداد وشمار کے مطابق پرائمری، مڈل اور ہائی سکول کی تعلیمی صورتحال بیان کریں۔

سوال نمبر 3- مندرجہ ذیل خالی جگہ موزوں الفاظ سے پر کریں۔

(1) 1947-48ء میں تعلیمی ترقی کے لیے .... رقم خرچ کی گئی۔

(2) 2002ء میں .... کا قیام عمل میں لایا گیا۔

(3) پانچویں پانچ سالہ منصوبے کے اختتام پر صحت کے لیے وقف شدہ رقوم قومی آمدنی کا .... فیصد تھی۔

(4) دنیا میں آزاد ممالک کی تعداد .... ہے جن میں .... ممالک کے ساتھ پاکستان کے تجارتی روابط ہیں۔

(5) 1977-78ء میں بیرونی قرضوں کا بوجھ .... ارب ڈالر تھا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

5- فرہنگ اصطلاحات

1-	اشتراکی نظام	ایسا معاشی نظام جس میں پیداوار کے وسائل حکومت کی تحویل میں ہوں' مثلاً روسی نظام
2-	انسانی بہبود	پوری دنیا کے سب لوگوں کی بھلائی
3-	پاکستان صنعتی ترقیاتی بینک	وہ سرکاری بینک جو محض صنعتی ترقی کے لئے قرضے فراہم کرتا ہے
4-	پاکستان صنعتی ترقیاتی کارپوریشن	وہ کارپوریشن جو سرکاری کنٹرول میں قائم ہے مگر صنعتیں لگا کر ان کو نجی ہاتھوں میں فروخت کرتی ہے۔
5-	ترقیاتی اخراجات	حکومت کی طرف سے کئے گئے ایسے اخراجات جن سے ترقی حاصل کرنا مقصود ہو مثلاً تربیلا ڈیم۔
6-	توازن تجارت	درآمدات و برآمدات پر مشتمل مکمل فہرست
7-	حقیقی قومی آمدنی	خام قومی آمدنی منفی اخراجات فرسودگی
8-	خام قومی آمدنی	ملک میں عاملین پیدائش کی مدد سے وجود میں آنے والی پیداوار کی مالیت
9-	خلائی معیشت	انتہائی ترقیافتہ ممالک جو اب خلائی تحقیقات کے دور میں داخل ہو چکے ہیں مثلاً امریکہ اور روس
10-	زرعی معیشت	ایسے ممالک جو واضح طور پر اب بھی زراعت پر انحصار کئے ہوئے ہیں۔
11-	سرکاری شعبہ	حکومت کی زیر نگرانی کام کرنے والے اداروں کا مجموعہ
12-	سرمایہ دارانہ نظام	نجی آزادی کی ضمانت پر مبنی معاشی نظام جس میں سرکاری مداخلت کم سے کم ہوتی ہے۔
13-	صنعتی معیشت	زراعت پر انحصار کم کر کے صنعتی ترقی پر دارومدار رکھنے والے ممالک مثلاً جاپان، جرمنی' فرانس۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

-14	غیر ترقیاتی اخراجات	روزمرہ کے انتظامی معاملات پر خرچ ہونے والی رقوم
-15	فی کس آمدنی	قومی آمدنی کو آبادی سے تقسیم کرنے سے حاصل شدہ عدد
-16	کنسورشیم	پاکستان کو غیر ملکی امداد دینے والے ممالک کا گروپ
-17	مثبت توازن تجارت	جب برآمدات کی مالیت درآمدات کی مالیت سے زیادہ ہو۔
-18	مخلوط نظام	سرمایہ داری اور اشتراکی نظاموں کی خصوصیات پر مشتمل معاشی نظام
-19	معاشرتی بہبود	عوام کی سماجی حالت بہتر بنانے والے اقدامات کا نتیجہ
-20	معاشی بہبود	اشیاء و خدمات پر مشتمل معیار زندگی میں بلندی
-21	معاشی ترقی	لمبے عرصے میں کسی معیشت کی حقیقی قومی آمدنی میں مسلسل اضافہ ہونا
-22	منفی توازن تجرت	جب برآمدات کی مالیت درآمدات کی مالیت سے کم ہو
-23	نجی شعبہ	نجی افراد کے زیر نگرانی چلانے والے اداروں کا مجموعہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

6- جوابات

خود آزمائی نمبر1

سوال نمبر1- (1) ہاں (2) ترقی پذیر ممالک (3) کنڈل برگر
(4) پانچ (5) ترقی یافتہ ممالک

سوال نمبر2- (1) معاشی ترقی (2) معاشی بہبود (3) اضافہ
(4) عاملین پیدائش، خام قومی آمدنی (5) فی کس آمدنی

سوال نمبر3- جوابات یونٹ سے تلاش کریں۔

خود آزمائی نمبر2

سوال نمبر1- (1) 200 سال (2) اضافہ (3) ہاں
(4) صنعتی مرحلہ (5) امریکہ (6) ہاں
(7) نہیں (8) ہاں (9) کم ہو رہا ہے
(10) 20 فیصد (11) ہاں (12) نہیں

سوال نمبر2- (1) زرعی مرحلہ (2) 17 ارب روپے (3) 1955ء
(4) 1994ء (5) 64%

خود آزمائی نمبر3

(1) 1945ء (2) یورپی (3) 1917ء
(4) 125 ملک (5) اشتراکی نظام کا (6) درست
(7) نجی (8) 45 فیصد (9) کارکردگی
(10) درست

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خود آزمائی نمبر 4

سوال نمبر 1-	(1)	درست	(2)	غلط	(3)	غلط
	(4)	درست	(5)	غلط		

سوال نمبر 2- جوابات یونٹ سے تلاش کریں۔

سوال نمبر 3-	(1)	3 کروڑ	(2)	ہائر ایجوکیشن کمیشن	(3)	65 فی صد
	(4)	80, 159	(5)	7		

7- کتابیات

1. "Economic Survey Report 2003-2004", Govt. of Pakistan, Printing Corporation of Pakistan Press, Islamabad.
2. http//www.pakboi.gov.pk

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یونٹ 5

سائنس اور ٹیکنالوجی

تحریر: عطش درانی

نظر ثانی: اقبال شاہ، ڈاکٹر تنویر الزمان

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فہرست

یونٹ کا تعارف ---------- 219

یونٹ کے مقاصد ---------- 219

1- سائنس اور ٹیکنالوجی ---------- 220

1.1- ترقی اور استحکام ---------- 220

1.2- سائنس اور توانائی ---------- 221

1.3- سائنس اور ٹیکنالوجی میں باہمی ربط ---------- 222

1.4- معاشرتی ترقی میں حصہ ---------- 223

1.5- ترقی یافتہ ممالک کی صورت حال ---------- 224

1.6- اہم نکات ---------- 225

1.7- خود آزمائی نمبر 1 ---------- 226

2- اسلام، مسلم ممالک اور سائنس وٹیکنالوجی ---------- 227

2.1- اسلام اور سائنس ---------- 227

2.2- زوال کے اسباب ---------- 229

2.3- مقبوضاتی دور کا رویہ ---------- 230

2.4- موجودہ صورت حال ---------- 231

2.5- اہم نکات ---------- 235

2.6- خود آزمائی نمبر 2 ---------- 236

3- پاکستان کا مطالعہ ---------- 237

3.1- قومی صورت حال ---------- 237

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

-3.2	تحقیق و ترقی	239
-3.3	سائنسی و تکنیکی افرادی قوت	242
-3.4	وسائل اور اختصاص	242
-3.5	مستقبل کے امکانات	244
-3.6	اہم نکات	245
-3.7	خود آزمائی نمبر 3	246
-4	عالم اسلام میں تعاون اور ترقی	248
-4.1	بنیادی مسائل	248
-4.2	علوم کا اسلامیانہ	249
-4.3	تعلیمی نظام اور سائنسی افرادی قوت	253
-4.4	اعداد و شمار، تحقیق و ترقی کے مشترک منصوبے	254
-4.5	اسلامی فاؤنڈیشن برائے ترقی سائنس و ٹیکنالوجی	255
-4.6	اہم نکات	257
-4.7	خود آزمائی نمبر 4	257
-5	جوابات	258
-6	کتابیات	259

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یونٹ کا تعارف

موجودہ صدی سائنس اور ٹیکنالوجی کی صدی ہے۔ یہ یونٹ زیر تربیت اساتذہ کو دنیائے اسلام اور ترقی یافتہ ممالک کو سائنسی ترقی سے متعارف کروانے کے لیے پیش کیا جا رہا ہے۔ یونٹ کو بالترتیب چار حصوں سائنس اور ٹیکنالوجی (ترقی یافتہ ممالک کی صورت حال)، مسلم ممالک اور سائنسی ٹیکنالوجی، پاکستان کا مطالعہ اور عالم اسلام میں تعاون و ترقی میں تقسیم کر کے سائنسی ترقی پر گفتگو کی گئی ہے۔ امید ہے اس یونٹ کا مطالعہ زیر تربیت اساتذہ کے لیے سود مند ہوگا۔

یونٹ کے مقاصد

ہمیں امید ہے کہ اس یونٹ کے مطالعے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ

1- معاشرتی ترقی میں سائنس اور ٹیکنالوجی کی اہمیت واضح کر سکیں۔
2- اسلام اور سائنس کے مابین تعلق کی وضاحت کر سکیں۔
3- ترقی یافتہ اور مسلم ممالک کی سائنسی ترقی کا تقابلی جائزہ لے سکیں۔
4- پاکستان میں سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی کا گراف بنا سکیں۔
5- عالم اسلام کے سائنس اور ٹیکنالوجی کے مشترک منصوبوں پر تبصرہ کر سکیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

1- سائنس اور ٹیکنالوجی

1.1- ترقی اور استحکام

(الف) انسان نے اپنے صدیوں کے روزمرہ مشاہدات اور تجربات سے مندرجہ ذیل اصول اخذ کئے تھے۔

1- کائنات کے اسرار و رموز کا جاننا دشوار نہیں کیونکہ اس کے کچھ قوانین ہیں جو ہر جگہ یکساں طور پر نافذ ہیں۔

2- ان قوانین کو جان کر فطری قوتوں سے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔

3- ان قوتوں سے حسب منشاء وحسب ضرورت کام لیا جاسکتا ہے۔

آج ہم ان اصولوں کے ذریعے حاصل کردہ علم کو سائنس کا نام دیتے ہیں۔

انسان نے جو سب سے پہلی سائنسی دریافت کی وہ ''آگ'' تھی۔ انسان نے دیکھا کہ آگ روشن ہے، جلا دیتی ہے۔ پکا دیتی ہے، جانوروں کو بھگا دیتی ہے، یہ توانائی ہے، اسے قابو کیا جاسکتا ہے، اس سے کام لیے جا سکتے ہیں۔ یہ سائنسی تجربات تھے۔ یہ اس کی سائنس تھی۔

(ب) انسان کائنات کو صرف سمجھتا ہی نہیں تھا۔ وہ تخلیق اور ایجاد کا ذہن بھی رکھتا تھا۔ فطری قوتوں کو حسب منشا استعمال کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس نے قوانین قدرت کو نئے رخ سے استعمال کرنا شروع کیا۔ اپنے اختیارات سے استعمال کرنا شروع کیا۔ یہ استعمال ٹیکنالوجی کہلایا۔

انسان نے جو سب سے پہلی چیز ایجاد کی وہ پہیہ تھی۔ اس نے دیکھا کہ گول چیز دیگر شکلوں والی اشیاء کی نسبت با آسانی حرکت کرسکتی ہے۔ اس قانون قدرت کو اس نے پہیہ بنا کر استعمال کیا۔ یہ اس کی ٹیکنالوجی تھی۔

(ج) آگ توانائی تھی، سائنس تھی اور پہیہ ایجاد تھا، ٹیکنالوجی تھا۔ پھر انسان نے دیکھا کہ جس کے پاس توانائی تھی، وہ طاقتور تھا، اسی نے دوسروں پر سبقت حاصل کر لی تھی۔ جس کے پاس ایجاد تھی، اسی کے پاس قوت تھی وہ آگے بڑھ گیا۔ ان کے استعمال سے انسان پر ترقی کے راستے کھل گئے۔

آج بھی ہم دیکھتے ہیں کہ جن اقوام کے پاس توانائی اور ایجاد، سائنس اور ٹیکنالوجی ہے، وہ ترقی میں سب سے آگے ہیں۔ ان کی معیشت، سیاست، تعلیم، معاشرت ہر چیز دوسروں سے بہتر اور مستحکم ہے۔

انسان کی ثقافتی ترقی میں آگ اور پہیئے نے جو کردار ادا کیا، وہ آج بھی نہیں بدلا۔ آج توانائی کی ایٹمی، شمسی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صورتیں بھی سامنے آ رہی ہیں اور ٹیکنالوجی لیزر سے کمپیوٹر تک نئے نئے آلات کی شکل میں وجود پذیر ہو رہی ہے۔ جدید تہذیب سائنسی اور ٹیکنالوجی کی تہذیب ہے۔

1.2- سائنس اور توانائی

آگ سے سائنسی دریافتوں کا سلسلہ شروع ہوا تو آگ جلائے رکھنے کے لیے مختلف ذرائع دریافت ہونے لگے۔ لکڑی کے بعد کوئلہ استعمال کیا جانے لگا۔ اٹھارویں صدی عیسوی میں بھاپ کی طاقت دریافت ہوئی جس سے ریل

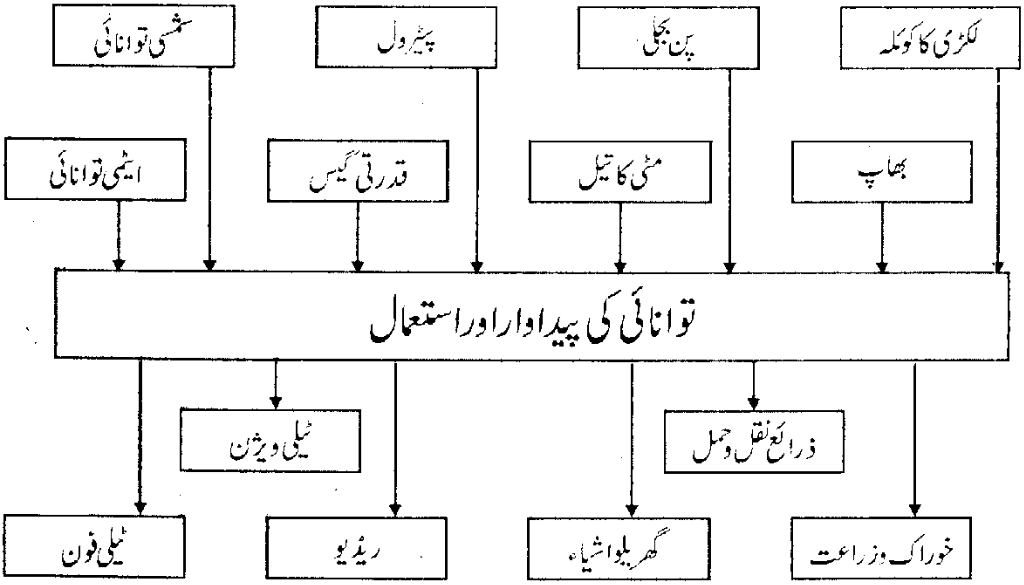

ٹیکنالوجی کا دارومدار سائنس کی ترقی پر ہوتا ہے۔

سائنس اور ٹیکنالوجی کا معاشرتی ترقی میں حصہ 1- خوراک 2- صحت 3- تعلیم

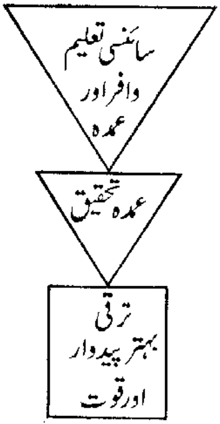

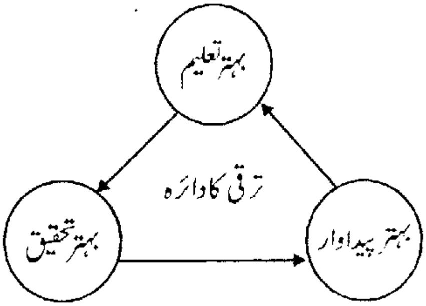

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور بحری جہاز چلنے لگے۔ مٹی کا تیل تو پہلے ہی استعمال میں تھا۔ اب پٹرول توانائی کا ایک بہت بڑا ذریعہ بنا۔ کوئلے اور تیل کو جلا کر توانائی کی ایک اور قسم پیدا کی گئی۔ یہ بجلی تھی۔ برقی توانائی کی دریافت نے ترقی کی رفتار کو اور بڑھا دیا۔ آبی وسائل کو استعمال میں لایا گیا تو پن بجلی پیدا ہوئی۔ پٹرول کی تلاش میں قدرتی گیس سامنے آئی اور توانائی کا بڑا ذخیرہ حاصل ہوا۔ سورج کی گرمی سے شمسی توانائی پیدا کی گئی اور ایٹمی قوت دریافت ہوئی تو انہیں بھی بجلی پیدا کرنے پر لگا دیا گیا۔

توانائی کے مختلف استعمال سے طرز زندگی، معاشرت اور تہذیب کے انداز مسلسل بدلتے رہے ہیں۔ مثلاً 1930ء میں دنیا کی تجارتی توانائی کی ضروریات 80 فیصد کوئلے سے پورا کیا جاتا تھا لیکن 1960ء میں اور بھی کم ہو کر 50 فیصد، 1970 میں 30 فیصد اور 1980ء میں اور بھی کم ہو گیا اس کے مقابلے میں پیٹرولیم کا استعمال اسی عرصے میں 15 فیصد سے بڑھ کر 50 فیصد ہو گیا اور 1980ء میں اس کا استعمال 70 فیصد تک پہنچ گیا۔ اس دوران قدرتی گیس سامنے آئی اور 1980ء میں اس کا استعمال بھی 4.6 فیصد سے بڑھ کر 30 فیصد تک پہنچ گیا۔

توانائی کے استعمال کی بڑی بڑی مدیں خوراک و زراعت، ذرائع نقل و حمل، گھریلو اشیاء، ریڈیو، ٹی وی اور ٹیلی فون وغیرہ ہیں۔

1.3- سائنس اور ٹیکنالوجی میں باہمی ربط

جب ہم معلومہ حقائق سے عام اور مسلمہ اصول وضع کرتے ہیں تو علم سائنس کا روپ دھار لیتا ہے۔ یہی سائنس آگے ٹیکنالوجی کی بنیاد بنتی ہے اور ٹیکنالوجی صنعت، زراعت اور زندگی پر اثر انداز ہوتی ہے۔ گویا سائنس دہرا فرض ادا کرتی ہے ایک طرف یہ کائنات کا فہم عطا کرتی ہے تو دوسری طرف زندگی کا رخ بدلنے میں انسان کی مدد کرتی ہے۔ سائنس قوت اور ٹیکنالوجی فراہم کرتی ہے۔ انسان اسے ایٹم بم بنانے میں صرف کرے یا ادویہ سازی میں اس امر میں سائنس کوئی کردار ادا نہیں کرتی۔ معلوم ہوا کہ ہر ٹیکنالوجی کی بنیاد سائنس ہے۔ چنانچہ سائنس میں ترقی سے ٹیکنالوجی کو ترقی حاصل ہوتی ہے۔ ٹیکنالوجی کے علم کو اکثر اطلاقی علم کا نام بھی دیا جاتا ہے۔ طب، زراعت، انجینئری وغیرہ اطلاقی علوم ہیں۔ یہ سب سائنس کے عملی کرشمے کی حیثیت رکھتے ہیں۔

سائنس دان تین قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ سائنس دان جو قوانین قدرت کا مطالعہ کرتے، اصول اخذ کرتے اور نظریات قائم کرتے ہیں۔ مثلاً گلیلیو، کاپرنیکس، نیوٹن، ڈارون، آئن سٹائن وغیرہ۔ دوسرے وہ جو ان نظریات پر تجربہ گاہ میں تحقیق کرتے، آلات وضع کرتے اور انہیں استعمال میں لاتے ہیں۔ انہیں تجرباتی سائنس دان کہا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جاتا ہے۔تیسری قسم کے سائنس دان، سائنسی اداروں کے دفاتر میں کانفرنسیں منعقد کرتے، منصوبے بناتے، بجٹ تقسیم کرتے اور سائنسی اداروں کا نظم ونسق سنبھالتے ہیں۔انہیں سائنسی منتظم یا تاجر کہا جاسکتا ہے۔یہ پہلی دو اقسام کے سائنس دان کے لیے سہولتیں مہیا کرتے ہیں۔سائنس کی نسبت ٹیکنالوجی میں سائنس دانوں کا کردار علمی سے زیادہ عملی ہوتا ہے۔وہ کاغذی کارروائی سے زیادہ میکانکی امور پر توجہ دیتا ہیں البتہ ٹیکنالوجی کی ترقی کا دارومدار ہمیشہ سائنس کی ترقی پر رہا ہے۔

1.4- معاشرتی ترقی میں حصہ

سائنس اور ٹیکنالوجی کا معاشرتی ترقی میں سب سے بڑا کردار توانائی کے حصول اور صنعت میں انجام دیا گیا ہے۔چینی کپڑا اور دیگر اہم اشیاء کی صنعتوں کے علاوہ ربڑ، پلاسٹک، مصنوعی ریشے، کھاد، بناسپتی گھی، عطریات، مصنوعی پیٹرول اسلحہ سازی، ادویات، انجینئر نگ کا سامان وغیرہ تیار کرنے میں سائنس اور ٹیکنالوجی کا کردار سرفہرست ہے۔اس کے علاوہ عزائم کے انکشاف، دفاعی طریقوں، مواصلات، ٹرانسپورٹ اور کمپیوٹر وغیرہ میں سائنس اور ٹیکنالوجی کے استعمال کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

مندرجہ ذیل سطور میں بعض بنیادی ضرورتیں درج کی جاتی ہیں جن کے لیے سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی لازم اور بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔

1- خوراک میں خودانحصاری

ہر معاشرہ اور قوم اپنی خوراک کے وسائل خود پیدا کرنا چاہتا ہے تاکہ وہ دیگر اقوام کے دست نگر نہ رہیں۔اس میں زراعت ڈیری فارمنگ، ماہی پروری اور زرعی صنعتیں شامل ہیں جن کے لیے آبپاشی، آب رسانی، دیہی ماحول اور ثقافت، فصلوں کی کاشت، بیجوں کی حفاظت، کھاد کی تیاری اور استعمال، دیہات تک سڑکوں کی تعمیر، توانائی کے حصول کے ذرائع جیسے امور میں تحقیق اور ترقی کی ضرورت ہوتی ہے۔

2- صحت کے مسائل

عوام اور کاشتکار اس صورت میں بہتر کام کر سکتے ہیں اگر ان کی صحت بہتر ہو۔معیار صحت بہتر بنانے کے لیے عوام کو صحت کی تعلیم دینا سب سے بڑی ضرورت ہے۔اس مقصد کے لیے سمعی وبصری معاونات کی تیاری، حفاظتی ٹیکے،

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سستی ادویہ، ڈسپنسریوں اور ہسپتالوں کا قیام وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ ان اشیاء کی تیاری، تعمیر اور منصوبہ بندی کے لیے سائنسی تحقیق اور ٹیکنالوجی کا فروغ ضروری ہے۔

3- تعلیم کے مسائل

سائنسی اور ٹیکنالوجی میں تعلیم و ترقی اسی وقت ممکن ہے جب تعلیمی نظام ان کے فروغ کا باعث بنے۔ اعلیٰ سطح پر صرف سائنس اور ٹیکنالوجی کی تعلیم دی جانی چاہیے۔ بہترین محقق اور سائنس دان تیار کرنے کے لیے ضروری ہے کہ تعلیمی نظام میں سائنس اور ٹیکنالوجی کو اہمیت دی جائے۔ اس کے علاوہ عوام کو سائنسی استعمال اور ٹیکنالوجی کی افادیت کے بارے میں باشعور کرنے کے لیے تعلیم عامہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ چنانچہ ترقی یافتہ ممالک میں اس طرف خاصی توجہ دی جاتی ہے۔ ایک مقولہ ہے ''اچھی تعلیم، بہتر تحقیق کی طرف لاتی ہے اور بہتر تحقیق، زیادہ پیداوار دیتی ہے۔'' گویا تعلیم کا اقتصادیات سے گہرا تعلق ہے۔

دور جدید میں سائنسی تحقیق کسی ایک سائنس دان یا فرد کا کام نہیں۔ اس میں کثیر رقم اور وسائل کی ضرورت ہوتی ہے۔ آلات، تجربہ گاہیں، تجرباتی میدان وغیرہ کے لیے معاشرہ، ادارے اور حکومتیں ہی وسائل مہیا کرسکتی ہیں۔ چنانچہ ترقی یافتہ ممالک میں سرکاری اور نجی ادارے فاؤنڈیشنیں، اوقاف اور صنعتیں ایسے فنڈ مہیا کرتے ہیں جو سائنس دانوں کے لیے تحقیقی سہولتوں میں صرف ہوتے ہیں۔ چنانچہ سائنس دانوں کے کام کرنے کے لیے تحقیق و ترقی کے ادارے وجود میں لائے جاتے ہیں۔

1.5- ترقی یافتہ ممالک کی صورت حال

ترقی یافتہ ممالک کی فہرست میں ہم امریکہ اور جاپان کے ساتھ جرمنی، فرانس، برطانیہ، چین، ناروے اور سوئٹزر لینڈ کو شامل کرسکتے ہیں۔ شرح خواندگی کے لحاظ سے چین کے علاوہ باقی تمام ترقی یافتہ ممالک میں 99 فیصد لوگ پڑھے لکھے ہیں۔ GDP کی ترتیب میں امریکہ ہی سے زیادہ دولت مند ملک تصور کیا جاسکتا ہے۔ توانائی کے استعمال کے لحاظ سے جاپان اور جرمنی برابر ہیں۔ یہ شرح فی کلوگرام تیل PPP-US$ کے مساوی ہے۔ تعلیم پر خرچ کرنے میں ناروے اور فرانس اس وقت نمایاں ہیں اور صحت وصفائی کی سہولیات کے اعتبار سے بھی ناروے اول درجہ پر آتا ہے۔ اس کے بعد جرمنی اور فرانس کا نمبر آتا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نمبر شمار ملک	GDPUS Billing	توانائی کا استعمال فی یونٹ GDP (فی کلوگرام تیل $PPP US)	تعلیم پر خرچ GDP فی صد	شرح خواندگی	سائنس دان، انجینئر فی ملین افراد	طبیب و ڈاکٹر فی لاکھ افراد
1- امریکہ	10065.3	4.2	4.8	99	4099	276
2- جاپان	4141.4	6.1	3.5	99	5095	197
3- جرمنی	1846.1	6.1	-	99	3161	354
4- فرانس	1309.8	5.4	5.4	99	2718	303
5- برطانیہ	1424.1	6.0	4.9	99	2666	164
6- چین	1159.0	4.1	2.3	85.8	545	167
7- ناروے	166.1	5.1	6.8	99	4112	413
8- سوئٹزرلینڈ	247.1	7.5	5.1	99	3592	336

Source: UNDP- Human Develoment Report- 2003

جدید سائنس و ٹیکنالوجی کے لحاظ سے ترقی یافتہ ممالک کی صورت حال کچھ یوں ہے کہ بیسویں صدی کے آغاز میں مصنوعات کی پیداوار میں برطانیہ سب سے آگے تھا۔ پھر فرانس، اٹلی اور بیلجیئم کا نمبر تھا۔ لیکن صدی کے وسط میں امریکی کیمیاوی صنعت سرفہرست آ چکی تھی۔ 1960ء تک امریکہ اور یورپ کے ممالک ٹیکنالوجی پر چھائے رہے۔ اس وقت جاپان آگے بڑھا اور امریکہ کے بعد دوسرے نمبر پر آ گیا۔ اب جاپان فولاد، الیکٹرانک آٹوموبائل اور ربڑ کی ٹیکنالوجی میں سب سے آگے ہے لیکن آج بھی سائنسی افرادی قوت اور قومی پیداوار کے لحاظ سے امریکہ سرفہرست ہے۔

سرگرمی

ترقی یافتہ ممالک کی مصنوعات کی پیداوار کا جدول بنائیں اور زرمبادلہ کے لحاظ سے موازنہ کریں۔

1.6- اہم نکات

-1 آگ توانائی جبکہ پہیہ ایجاد ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

-2 توانائی سائنس ہے، ایجاد ٹیکنالوجی ہے۔

-3 جدید دور سائنس و ٹیکنالوجی کا دور ہے۔

-4 ٹیکنالوجی کا دارومدار سائنس کی ترقی پر منحصر ہے۔

-5 سائنس کی اچھی تعلیم بہتر تحقیق سرانجام دیتی ہے اور بہتر تحقیق زیادہ پیداوار کا باعث ہے۔

1.7- خود آزمائی نمبر 1

سوال نمبر 1- خالی جگہ پر کریں۔

-1 کائنات کے قوانین کو جان کر .... کو قابو کیا جا سکتا ہے۔

-2 انسان کی پہلی سائنسی دریافت .... تھی۔

-3 انسان نے جو سب سے پہلی چیز ایجاد کی وہ .... تھی۔

-4 1930ء میں دنیا کی تجارتی توانائی کی ضروریات کا .... فی صد کوئلے سے پورا کیا جاتا تھا۔

-5 ہر ٹیکنالوجی کی بنیاد .... ہے۔

سوال نمبر 2- مندرجہ ذیل فقرات میں صحیح / غلط کی نشاندہی کریں۔

-1 1960ء تک امریکہ اور یورپ کے ممالک ٹیکنالوجی پر چھائے رہے۔ ص / غ

-2 1930ء تک دنیا کی تجارتی توانائی کی ضروریات کا 50% کوئلے سے پورا کیا جاتا تھا۔ ص / غ

-3 انسان نے جو سب سے پہلی چیز ایجاد کی وہ پہیہ تھا۔ ص / غ

-4 انیسویں صدی عیسوی میں بھاپ دریافت ہوئی۔ ص / غ

-5 تعلیم کا اقتصادیات سے گہرا تعلق ہے۔ ص / غ

سوال نمبر 3- سائنس اور ٹیکنالوجی میں باہمی ربط کی وضاحت کریں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

2- اسلام، مسلم ممالک اور سائنس وٹیکنالوجی

2.1- اسلام اور سائنس

سائنس سے مراد اگر علم ہے جس کا تعلق کائنات کی تسخیر سے ہے تو اس کا دائرہ عمل مشاہدات، تجربات نتائج حاصل کرنے پر ہے اور اس کی بنیاد اس یقین پر ہے کہ کائنات میں یکساں قوانین رائج ہیں۔ تو اسلام سائنس کا سب سے بڑا داعی ہے۔ قرآن حکیم میں فرمایا گیا ہے

''جس نے سات آسمانوں کو ایک دوسرے کے اوپر پیدا کیا تو رحمان کی تخلیق میں کوئی اختلاف نہ دیکھے گا۔ پھر نظر کو واپس لا (مشاہدہ کر) اور کیا تو کوئی بگاڑ دیکھتا ہے۔ پھر نظر کو بار بار (اعداد و شمار سے دیکھ) تیری نظر حسرت سے تھک کر واپس لوٹ آئے گی۔'' (الملک 67=403)

''سو تم اللہ کے طریقے میں کوئی تبدیلی نہ پائے گا اور نہ تو اللہ کے طریقے کو ٹلتا ہوا پائے گا۔''
(فاطر 35=43)

صرف اسلام ہی میں مشاہدات اور تجربات کی دعوت دی گئی ہے۔ فرمایا گیا

''مشاہدہ کرو، آسمانوں اور زمینوں میں کیا ہے۔'' (الجاثیہ 45=13)

قرآن مجید نے انسان کو فطرت کے مظاہر، زمین اور آسمانوں کی تخلیق، موسموں کے تغیر و تبدل اور دن رات کی گردش، سمندر، بادلوں، ہواؤں، چاند، سورج، ستاروں پر نیز ان قوانین پر جو ان میں مضمر ہیں سوچنے کی دعوت دیتا ہے۔ قرآن مجید کی 6666 آیات میں سے 756 (قرآن کا نواں حصہ) ایسی آیات پر مشتمل ہے۔

تاریخ سائنس کا باوا آدم جارج سارٹن اپنی کتابوں میں اسلام کو سائنسی تحریک کی روح قرار دیتا ہے اور رابرٹ بریفالٹ جیسے مصنفین سائنس کی ابتداء اسلامی عہد سے بتاتے ہیں۔ ساتویں صدی عیسوی (پہلی صدی ہجری) سے لے کر تیرھویں صدی عیسوی (چھٹی ہجری تک) مسلمانوں کے سائنسی انکشافات نے دھوم مچا رکھی تھی۔ تجرباتی سائنس کی بنیاد مسلمانوں ہی نے رکھی تھی۔ طبیعات، کیمیا، ارضیات، فلکیات، طب، سرجری، زراعت، جغرافیہ اور ریاضی جیسے علوم میں انہوں نے بیش بہا اضافے کئے یہی نہیں بلکہ انہوں نے ٹیکنالوجی خصوصاً میکانیات، آلات سازی،

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اصطرلاب سازی، دریاؤں کے بند، نہروں اور تعمیرات میں کئی ایجادات اور ترقیاں انجام دیں۔

الکندی، جابر بن حیان، الرازی، البتانی، البیرونی، ابن سینا، ابن الہیثم، عمر خیام، الخوارزمی، الفارابی، المسعودی، ابوالوفا، الزہراوی جیسے سائنس دان اور عمر خیام، ابن جزار، الکرخی، االفزاری، الزرقالی، ابن بیطار، ابن خطیب اور حسن الریاح جیسے انجینئر اور ٹیکنالوجی کے ماہر اسی ساڑھے چار سو سالہ دور میں پیدا ہوئے۔ ان کی دریافتوں اور ایجادات کی فہرست تفصیل طلب ہے، مختصراً یہ کہ انہوں نے سائنٹیفک طریق پر علوم کی بنیاد رکھی اور ان کے عملی پہلوؤں کو خاطر خواہ ترقی دی۔

ایک جائزے کے مطابق اگر چودہ صدی ہجری کو دو دو صدیوں کے سات حصوں میں تقسیم کریں تو ہمیں پہلی دو صدیوں میں مسلمان سائنس دان سب سے زیادہ تعداد میں دکھائی دیتے ہیں۔ چوتھی صدی ہجری میں یہ تعداد زوال پذیر ہوتی ہے۔ چھٹی صدی ہجری میں زوال ختم ہو جاتا ہے اور آٹھویں صدی ہجری میں مسلمان ایک بار پھر سائنسی عروج کی طرف بڑھتے ہیں لیکن کامیاب نہیں ہوتے۔ بارہویں صدی ہجری کے آنے تک مسلمان دوسری بار سائنسی زوال سے ہمکنار ہوئے۔ تین صدیوں کے زوال کے بعد چودھویں صدی میں تمام مسلم ممالک رفتہ رفتہ غیر ممالک سے آزادی پا کر جدید سائنس کے حصول کی طرف بڑھنے لگے لیکن ان کی سائنسی ترقی نے پندرھویں صدی ہجری کے آغاز سے صحیح معنوں میں رفتار پکڑی ہے۔

نامور مسلمان سائنس دانوں کی تعداد (ہر دو صدیوں میں)	
پہلی دوسری صدی ہجری	45
پہلی چوتھی صدی ہجری	28
پہلی چھٹی صدی ہجری	18
پہلی آٹھویں صدی ہجری	25
پہلی دسویں صدی ہجری	20
پہلی بارہویں صدی ہجری	12
پہلی تیرھویں اور چودھویں صدی ہجری	12 + (چودھویں صدی ہجری میں جدید علمائے سائنس)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

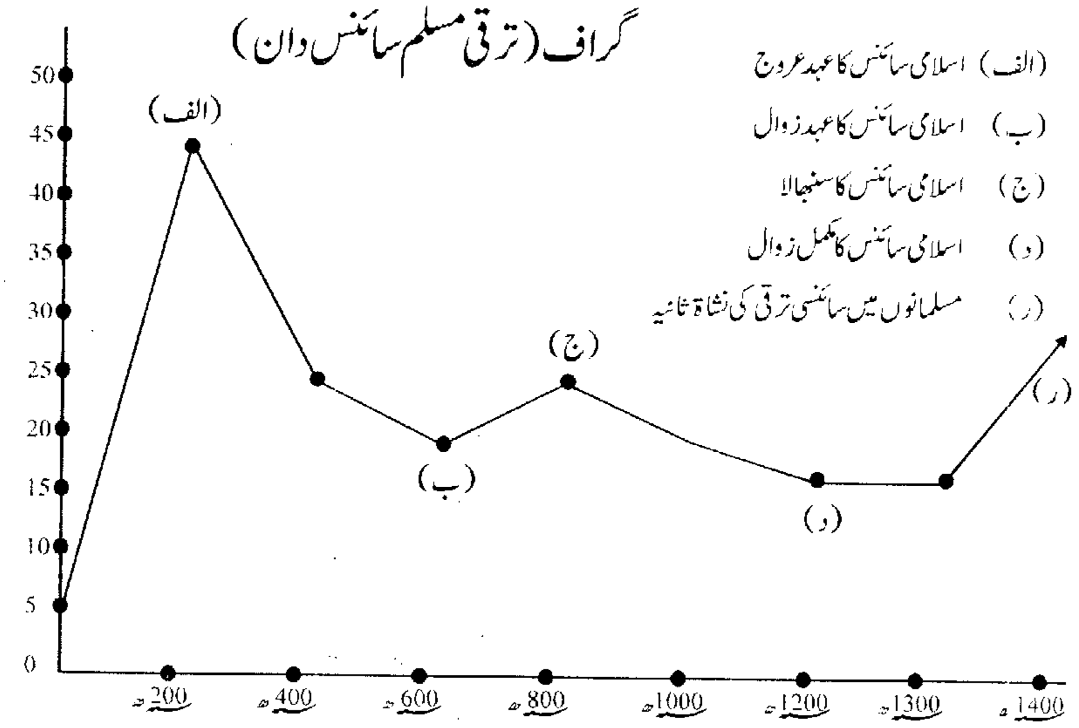

2.2- زوال کے اسباب

مسلمانوں نے یونان، ہندوستان اور چین سے علوم حاصل کیے تھے۔ انہیں سائنسی بنیادوں پر استوار کیا۔ تجربے کیے اور نئے نئے انکشافات کیے لیکن اس دور میں یونانی فلسفے کے جواب میں عیسائیوں نے جس علم الکلام کو جنم دیا تھا، اسے لے کر وہ بغداد کے دربار میں جمع ہو چکے تھے اور اس علم الکلام کے ذریعہ مسلمانوں کے سادہ دین کو مرعوب کر رہے تھے۔ وہ ایسی ایسی علمی موشگافیوں کرتے تھے کہ مسلمان ششدر رہ جاتے یا پھر دین سے برگشتہ ہو جانے۔ مثلاً انہوں نے کہا کہ مسلمان بتائیں قرآن مخلوق ہے یا غیر مخلوق۔ کیونکہ ان کے ہاں کلام خدا کا حصہ ہے اور کلام حضرت عیسیٰ کا لقب تھا۔ اس لیے حضرت عیسیٰ خدا کا جزو ہیں اور اگر مسلمان کہتے کہ قرآن مخلوق ہے تو وہ کہتے کہ مخلوق فانی ہے پھر مسلمان کیسے کہتے ہیں کہ قرآن ازل سے تھا اور ابد تک رہے گا۔ اگر وہ کہتے کہ قرآن غیر مخلوق ہے تو عیسائی کہتے کہ یہ تو مسلمانوں کا شرک ہے اور اگر یہ شرک نہیں تو مسلمان خود ہی کلام کو خدا کا حصہ قرار دے کر عیسائیت کے ہم نوا ہو رہے ہیں۔

اس عیسائی علم الکلام کو ایک شخص نو فلاطینوس نے 200ء میں فروغ دیا تھا۔ غلطی سے اسے یونانی مفکر سمجھا گیا کیونکہ اس علم کا نام لا فلاطونیت رکھا گیا تھا۔ نتیجے کے طور پر افلاطون یا ارسطو کے حوالے سے پیدا ہونے والے یونانی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علوم بھی مسلمانوں کے ردعمل کا شکار ہوگئے۔ چنانچہ مسلم مفکرین مثلاً امام غزالی نے "تہافت الفلاسفہ" لکھ کر یونانی فلسفے کو مسترد کر دیا۔ ان کی تقلید میں مسلمانوں نے عام فلسفے کو بھی رد کرنا شروع کر دیا۔ اس وقت تک سائنس فلسفے ہی کا ایک حصہ تھی۔ نتیجے میں سائنس بھی خاموش ہوگئی۔ مسلمانوں کا یہ رویہ دور جدید تک چلا آیا جب کہ خود امام غزالی نے تجربی سائنس کو مفید علم قرار دیا تھا۔ ان کے نزدیک فلکیات، طبیعات، کیمیا اور ارضیات، جغرافیہ، ریاضی وغیرہ کا براہ راست دین سے کوئی ٹکراؤ نہیں۔ یہ علوم مسلمانوں کے کام آتے ہیں لیکن فلسفیانہ علوم کو رد کرنے کے جوش میں مسلمانوں نے سائنس کو بھی مسترد کرنا شروع کر دیا۔ البتہ فلکیات، جغرافیہ اور ریاضی کسی طرح بچ رہے۔ شاید انہیں چاند دیکھنے، راستے معلوم کرنے اور سمت قبلہ درست کرنے کے لیے ان علوم کی ہمیشہ ضرورت رہی۔ منسلکہ گراف سے مسلمانوں کے سائنسی عروج وزوال کا علم ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ مسلمانوں میں سائنسی زوال کے اسباب مندرجہ ذیل ہیں۔

1- یونانی فلسفے کو بلاوجہ رد کرنا۔

2- صرف قرآن، تفسیر، حدیث، فقہ کلام کی تدریس۔

3- موضوع یا مضمون کی بجائے کتابوں کے تین کی تدریس۔

4- فہم وادراک کی بجائے حافظے پر زور۔

5- لفظی موشگافیوں، مناظروں اور شرحوں کی تعلیم۔

6- تخلیقی ذہن کی حوصلہ شکنی۔

7- استدلال کی بجائے اسناد پر زور۔

8- اسلامی مدارس میں طاقت کی بجائے تسلیم ورضا کی تعلیم۔

9- باطنی علوم کا عروج اور فروغ۔

10- سیاسی طوائف الملوکی اور لامرکزیت۔

2.3- مقبوضاتی دور کا رویہ

تیرھویں اور چودھویں صدی ہجری میں تقریباً تمام مسلم علاقہ غیر مسلموں خصوصاً اہل یورپ کے قبضے میں آ چکا تھا۔ اطاعت تسلیم ورضا اور فقر وغنا کی جو تعلیم مسلمانوں میں سرایت کر چکی تھی، یہ اس کا لازمی نتیجہ تھا۔ جب تک مسلمان سیاسی طور پر مستحکم رہے اور مرکز کے ساتھ وابستہ رہے، ان میں استحکام رہا۔ علوم وفنون ترقی کرتے رہے جب ان میں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طوائف الملوکی اور لامرکزیت آئی۔ وہ غیروں کے دست نگر ہو گئے۔ اہل یورپ ان کے ہاں اپنے ساتھ نیا نظام تعلیم لائے تھے جس میں یورپی زبانیں بھی شامل تھیں اور سائنس اور ٹیکنالوجی بھی۔ مسلمان ممالک میں جبراً یہ علوم پڑھائے گئے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمانوں نے اب سائنس اور ٹیکنالوجی کی معلومات حاصل کرنا شروع کیں لیکن انہیں مغربی علوم سمجھا گیا اور ان کا ذریعہ حصول مغربی زبانیں خصوصاً انگریزی اور فرانسیسی ہی کو قرار دیا گیا۔

2.4- موجودہ صورت حال

(الف) تعلیم اور سائنسی ٹیکنالوجی

آزادی کے بعد سے مسلم ممالک میں قوم پرستی کا جو رجحان پیدا ہوا، اس کے زیر اثر سائنسی تعلیم کو بھی فروغ ملا۔ لیکن ان کی عنان حکومت بڑے بڑے زمینداروں کے ہاتھ میں رہی جو عام طور پر تعلیم سے دور یا جدید رجحانات اور ضروریات سے ناواقف تھے چنانچہ ابھی تک مسلم ممالک میں تعلیم اور اس کے حوالے سے سائنس کو فروغ حاصل نہیں ہوا۔ تعلیم اور سائنس کا انتظام ایسے افسروں کے ہاتھ میں تھا جن کا ان علوم سے براہ راست واسطہ نہیں۔ افسر شاہی اور سیاسی عدم استحکام بھی تعلیم، سائنس اور ٹیکنالوجی کے عدم فروغ کا باعث بنے جن کا ان علوم سے براہ راست واسطہ نہیں۔ افسر شاہی اور سیاسی عدم استحکام بھی تعلیم، سائنس اور ٹیکنالوجی کے عدم فروغ کا باعث بنے۔ ان میدانوں میں ترقی کے لیے تحقیق بھی نہ ہونے کے برابر تھی۔ تحقیقی ادارے بھی بہت کم تھے۔ مسلم ممالک میں اس وقت کل ساٹھ ادارے سائنس اور ٹیکنالوجی میں خالص تحقیق کا کام انجام دے رہے ہیں البتہ ان میں پاکستان، انڈونیشیا اور عراق سرفہرست ہیں۔

اعداد و شمار سے بآسانی معلوم ہو جاتا ہے کہ مسلم ممالک میں تعلیم، سائنس اور ٹیکنالوجی کی کیا صورت حال ہے۔ مسلم ممالک میں اوسط شرح خواندگی 38 فیصد ہے جبکہ ترقی یافتہ ممالک میں 98 فیصد ہے۔ مسلم ممالک میں سکول جانے والے بچے (5 سے 9 سال تک) 40 فیصد ہیں جبکہ ترقی یافتہ ممالک میں یہ تعداد 75 فیصد ہے۔ اسی طرح اعلیٰ تعلیم کے طلبہ (20 سے 24 سال) مسلم ممالک میں 8. فیصد ہیں جبکہ ترقی یافتہ ممالک میں یہ تعداد 39 فیصد ہے۔ دلچسپ عنصر یہ ہے کہ دو مسلم ممالک جہاں سب سے زیادہ اعلیٰ تعلیم کا رجحان پایا جاتا ہے وہ چھوٹے ممالک اردن اور لبنان ہیں جن کی آبادی کل ملا کر بھی کراچی شہر کی آبادی سے کم ہے۔

اقوام متحدہ کی شرح کے مطابق کسی بھی ملک کی تعلیمی ترقی کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے GNP کا 0.7 سے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

3.5 فی صد تک تحقیق و ترقی کے کاموں پر خرچ کرے اور 6000 سائنس دان اور انجینئر فی ملین افراد پیدا کرے۔ ترقی پذیر مسلم ممالک کے 0.5 فیصد GNP تحقیق و ترقی میں صرف کرتے ہیں۔ مسلم ممالک کا تحقیق و ترقی میں کل خرچ 60,000 سے 316 ملین یو ایس ڈالر ہے جبکہ ترقی یافتہ ممالک اس مد میں 11.1 سے 29.24 ٹریلین ڈالر خرچ رہے ہیں۔ مسلم ممالک میں تحقق و ترقی میں مصروف سائنس دانوں اور انجینئروں کی تعداد 16 سے 924 کے درمیان ہے جبکہ ترقی یافتہ ممالک یہ حدود 3800 سے 11000 تک ہیں۔ اگرچہ سائنس و ٹیکنالوجی میں داخلے کی شرح موازنہ کریں (18 سے 23 سال تک) تو مسلمان ممالک کی شرح 2 فیصد ہے جبکہ ترقی یافتہ ممالک کی اوسط شرح 12 فیصد ہے۔

یہ ایک یقینی امر ہے کہ سائنس و ٹیکنالوجی میں ترقی مسلم ممالک کے لیے ناگزیر ہے اور اس کے لیے ضروری نہ صرف مالی استحکام بلکہ افرادی قوت اور لگن کی بھی اشد ضرورت ہے۔

(ب) وسائل (خام مال اور صنعت)

اس وقت 44 مسلم ممالک جن کی آبادی ایک ارب کے قریب ہے، زراعت اور خام مال کی پیداوار میں سرفہرست ہیں۔ دولت کے لحاظ سے سعودی عرب دنیا کا دوسرا بڑا ملک ہے۔ یہاں سونے کی کانیں بھی ہیں۔

اوپیک ممالک میں دنیا کا 60 فیصد سے زائد تیل اور 37 فیصد قدرتی گیس مسلم ممالک میں پیدا ہوتا ہے۔ ان میں سے الجزائر، ایران، عراق، کویت، لیبیا، عمان، قطر، سعودی عرب اور متحدہ عرب امارات کے پاس دو سو سال سے زائد عرصے کے لیے ذخائر موجود ہیں جبکہ چودہ ایسے ممالک ہیں جہاں یہ ذخائر 50 سے 200 سال تک قائم ہیں گے۔ گویا یہ ممالک اکیسویں صدی کی ضروریات پوری کر سکتے ہیں۔

زرعی پیداوار میں یہ مسلم ممالک سرفہرست ہیں ان میں دنیا کا 80 فیصد پٹ سن، 70 فیصد ربڑ، 75 فیصد پام آئل، 25 فیصد سبزیاں اور پھل اور 13 فیصد کپاس پیدا ہوتی ہے۔ دودھ اور مویشی کی پیدوار میں پاکستان سرفہرست ہے۔

معدنیات کے لحاظ سے پاکستان، انڈونیشیا، ملائیشیا اور برونائی میں لوہے، قلعی اور المونیم کے وافر ذخائر ہیں جو انڈونیشیا اور ملائیشیا اور پاکستان کے پاس مینگانیز اور باکسائیٹ کے وافر ذخائر ہیں جو دنیا کا تقریباً 30 فیصد ہیں۔ مزید برآں چونے کے پتھر، جپسم، کرومائٹ، سلیکا، نمک اور کوئلے کے خاصے ذخائر موجود ہیں۔ اردن اور الجزائر کے پاس فاسفیٹ کے بڑے ذخائر ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھاری صنعتی پیداوار میں البتہ مسلم ممالک دنیا سے بہت پیچھے ہیں۔ یہ صرف 5 فیصد ہے۔ ہلکا سامان 21 فیصد پیدا ہوتا ہے۔ سیمنٹ 14 فیصد، چینی 11 فیصد، کپڑا 6 فیصد اور ہلکا اسالحہ صرف 5 فیصد تیار ہوتا ہے۔

مسلم ممالک کے باہمی تجارت صرف 6 فیصد ہے جبکہ غیر مسلم ممالک کے ساتھ ان کی تجارت 94 فیصد ہے۔

(ج) توانائی کا استعمال

مسلم ممالک میں ترقی کا اندازہ توانائی کے استعمال سے لگایا جا سکتا ہے توانائی کے استعمال میں کویت سرفہرست ہے جس کی شرح چھ ہزار کلوگرام کوئلے کی توانائی سے زیادہ ہے۔ اس کے بعد بحرین کا نمبر آتا ہے۔ دیگر ممالک میں لیبیا، سعودی عرب، ایران، لبنان اور شام آتے ہیں۔ یہ شرح ترقی یافتہ ممالک سے نصف ہے۔ اوسطاً شرح تو اور بھی کم ہو جاتی ہے۔

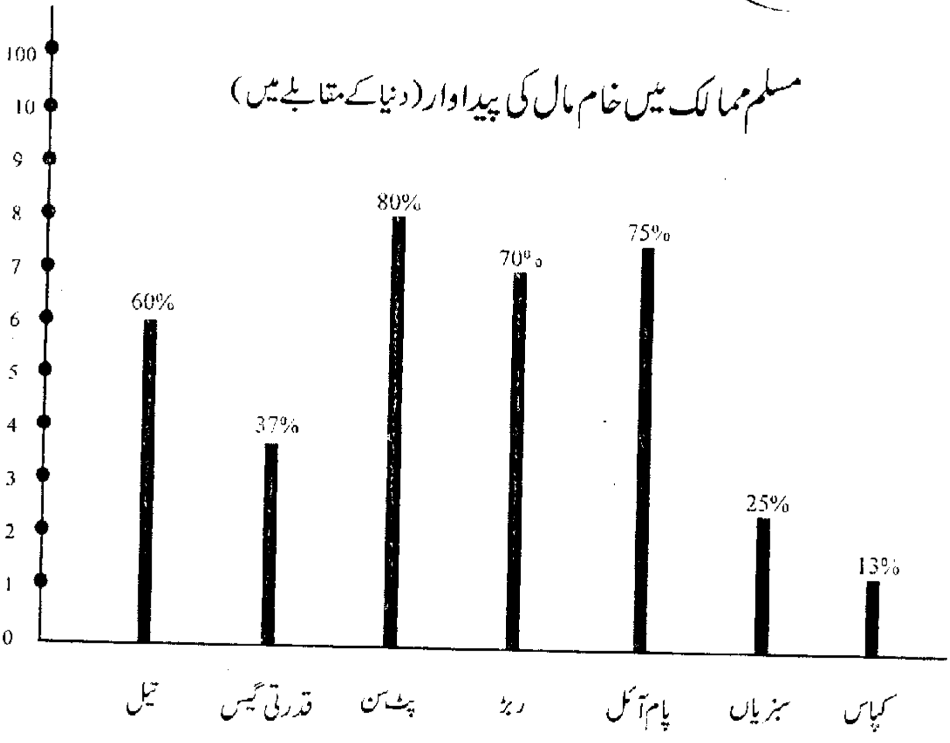

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسلم ممالک میں صنعتی پیداوار (دنیا کے مقابلے میں)

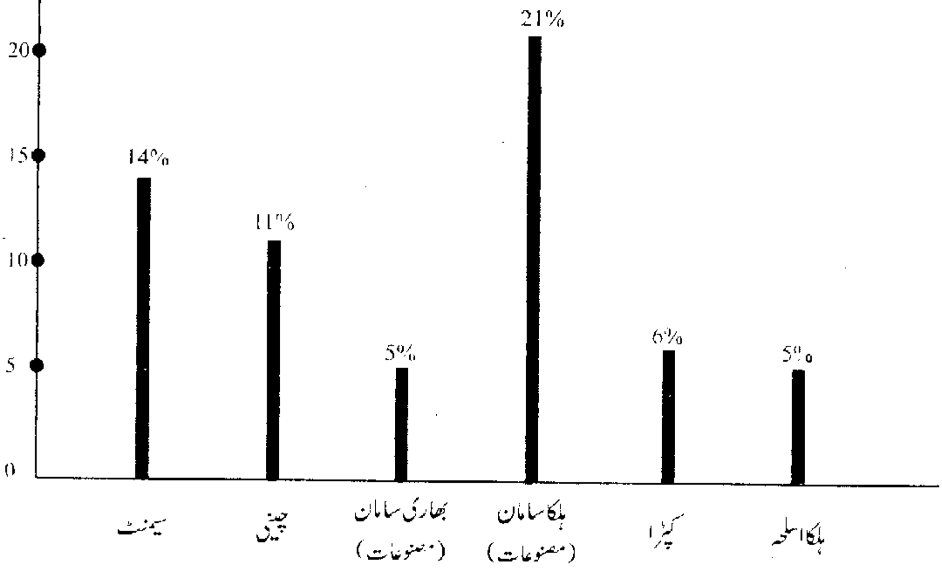

مسلمان ملکوں کی تجارت (دنیا سے اور باہمی)

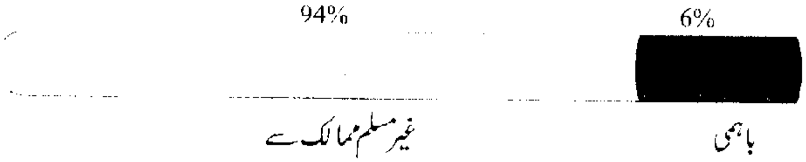

اہم مسلم ممالک کے وسائل، سائنس، تعلیم، تحقیق وترقی کا جائزہ

نمبر شمار ملک	GDP Billing US$	شرح خواندگی	تعلیم پر خرچ فیصد GDP	تحقیق وترقی میں مصروف سائنسدان، انجینئر فی ملین افراد	طبیب ڈاکٹر فی لاکھ افراد
1-مصر	98.5	56.1	3.7	493	218
2-بنگلہ دیش	46.7	40.6	1.5	51	20
3-کویت	32.8	82.4	4.8	212	160

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

4-انڈونیشیا	145.3	87.3	1.0	130	16
5-ایران	114.4	77.1	4.1	590	110
6-اردن	8.8	90.3	8.4	1948	205
7-ملائیشیا	88.0	87.9	6.2	160	68
8-پاکستان	58.7	44.0	2.6	69	68
9-سعودی عرب	186.5	77.1	9.5	-	153
10-شام	19.5	75.3	4.1	29	142
11-لبنان	16.7	86.5	-	-	274
12-قطر	16.5	81.7	3.6	591	220

Source: UNDP- Human Develoment Report- 2003

سرگرمی

مسلمان ممالک اور ترقی یافتہ ممالک کی سائنسی و تحقیقی ترقی کے جدول کا موازنہ کر کے ایک گراف کے ذریعے موجود صورت حال کو پیش کریں اور اس گراف کا تفصیلی جائزہ لیں۔

2.5- اہم نکات

1- تاریخ سائنس کا باوا آدم جارج سارٹن اپنی کتب میں اسلام کو سائنس کی روح قرار دیتا ہے۔

2- ساتویں صدی عیسوی سے لے کر تیرھویں عیسوی تک مسلمانوں نے طبیعات، کیمیا، ارضیات، فلکیات، طب، سرجری، زراعت، جغرافیہ اور ریاضی جیسے علوم میں بیش بہا اضافہ کیا اور تجربی سائنس کی بنیاد رکھی۔

3- افسر شاہی اور سیاسی عدم استحکام کی بدولت تعلیم، سائنس اور ٹیکنالوجی مسلم ممالک میں آزادی کے بعد عدم فروغ کا باعث بنے۔

4- اقوام متحدہ کی رپورٹ کے مطابق کسی بھی ملک کی تعلیمی ترقی کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے GNP کا 0.7

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے 3.5 فی صد تک تحقیق و ترقی کے کاموں پر خرچ کرے۔

5- مسلم ممالک میں اوسط شرح خواندگی 38 فیصد جبکہ ترقی یافتہ ممالک میں 98 فیصد ہے۔

2.5- خود آزمائی نمبر 2

سوال نمبر 1- مندرجہ ذیل بیانات میں سے صحیح یا غلط کی نشاندہی کریں۔

(1)	تاریخ سائنس کا باوا آدم جارج سارٹن کو کہا جاتا ہے۔	ص / غ
(2)	چوتھی صدی ہجری میں نامور مسلمان سائنس دان کی تعداد 28 تھی۔	ص / غ
(3)	یونانی فلسفے کے جواب میں عیسائیوں نے علم الکلام کو جنم دیا۔	ص / غ
(4)	افلاطون نے ''تہافت الفلاسفہ'' لکھ کر یونانی فلسفے میں اضافے کیے۔	ص / غ
(5)	مسلم ممالک میں سب سے زیادہ شرح خواندگی لبنان کی ہے۔	ص / غ
(6)	مسلم ممالک میں توانائی کے استعمال میں کویت سرفہرست ہے۔	ص / غ

سوال نمبر 2- خالی جگہ پر کریں۔

1- قرآن مجید میں کل آیات کی تعداد.................................. ہے۔

2- تجرباتی سائنس کی بنیاد.......................... تھی۔

3- مسلمانوں نے سائنٹیفک طریق پر علوم کی بنیاد رکھی اور اُن کے .... کو خاطر خواہ ترقی دی۔

4- امام غزالی نے .... لکھ کر یونانی فلسفے کو مسترد کر دیا۔

5- اقوام متحدہ کی شرح کے مطابق ملک کی تعلیمی ترقی کے لیے ضروری ہے کہ کوئی بھی ملک اپنے GNP کا .... فی صد تک تحقیق و ترقی کے کاموں پر خرچ کرے۔

سوال نمبر 3- تعلیم اور سائنسی ٹیکنالوجی کی موجودہ صورتحال کا تفصیلی جائزہ لیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

3- پاکستان کا مطالعہ

3.1- قومی صورت حال

آزادی کے وقت پاکستان میں سائنسی تحقیق تو کیا سائنسی تعلیم کی صورت حال بھی دگرگوں تھی۔ صرف دو یونیورسٹیاں، ایک انجینئرنگ کالج، دو میڈیکل کالج اور لاہور میں چند سائنسی ادارے تھے۔ گنتی کے چند سائنس دان تھے۔ تمام تجربہ گاہیں کلکتہ، دہلی اور مدراس میں رہ گئی تھیں۔

(الف) تعلیمی صورت حال

اگلے تیس برس تک سائنس اور ٹیکنالوجی کے لیے افرادی قوت، رقوم اور سہولتیں نہ ہونے کے برابر تھیں۔ تحقیق کے موضوعات بھی متعین نہیں تھے۔ قومی اقتصادی منصوبہ بندی کے ساتھ سائنس اور ٹیکنالوجی کو مربوط نہیں کیا گیا تھا۔ یونیورسٹیوں میں اعلیٰ سطح کی تحقیقی سمت متعین نہیں تھی۔ غیر ملکی ٹیکنالوجی پر انحصار زیادہ تھا۔ پاکستانی سائنس دانوں کے لیے بیرون ملک مطالعہ کی سہولتیں نہ ہونے کے برابر تھیں۔ عوام میں سائنس سے دلچسپی نہیں تھی۔ میڈیکل اور انجینئرنگ کے شعبے پیشوں کی حیثیت سے مقبول تھے۔ خالص سائنسی علوم اور ٹیکنالوجی کو اولین سطح پر پذیرائی حاصل نہیں تھی۔ تعلیمی نظام میں سائنس اور ٹیکنالوجی کو افضل مقام نہیں ملتا تھا۔

(ب) قومی سائنسی پالیسی

1985ء میں پہلی بار قومی سائنسی پالیسی منظور کی گئی جس کے تحت اقدامات کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ چھٹے پنجسالہ منصوبے میں اس مقصد کے لیے پانچ ارب 80 کروڑ 90 لاکھ روپے مہیا کیے گئے تاکہ سائنس اور ٹیکنالوجی میں خود انحصاری کی منزل حاصل کی جاسکے۔ اس میں سائنس وٹیکنالوجی کی تنظیم نو، یونیورسٹی سطح کی تحقیق، سائنسی اور تکنیکی افرادی قوت میں ترقی، معاشرتی صورت حال کو بہتر بنانے اور مندرجہ ذیل امور میں بہتری کو پیش نظر رکھا گیا۔

(1) آبپاشی وآبی وسائل: پانی کو ذخیرہ کرنا اور ضیاع کو روکنا، گلیشیر اور برف کو قابو رکھنا اور اعداد وشمار وغیرہ۔

(2) خوراک وزراعت: مویشی بانی، ماہی پروری، مرغبانی، جنگلات، کھاد، ادویہ، تیل کے بیج، سیم وتھور کا خاتمہ، زرعی مشینری اور زرعی صنعتوں کا قیام۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(3) کوئلے، تیل، گیس کی پیداوار، ٹینک، تحقیق، شمسی توانائی، بحری موجی توانائی، پن بجلی وغیرہ۔

(4) صنعت: لوہے، تانبے، کرومائٹ، سلیکا سے استفادہ، ٹیکنالوجی کا حصول، کیمیاوی کپڑے اور چمڑے کے صنعتیں، خوراک سے متعلق صنعتیں، ادویہ سازی۔

(5) معدنیات: نئی معدنیات کی دریافت، ارضیات کا مطالعہ، ماحول کا مطالعہ وغیرہ۔

(6) الیکٹرانکس: الیکٹرانکس کے آلات، ٹیلی مواصلات، ریڈار، مائیکروچپ، سلیکون وغیرہ کی تیاری

(7) حیاتی ٹیکنالوجی اور جینیاتی انجینئرنگ: خوراک وزراعت اور صحت کے شعبوں میں تحقیق۔

(ج) یونیورسٹیوں میں تحقیق

سائنسی تحقیق اور اعلیٰ تعلیم کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ بنیادی اور اطلاقی سائنسوں میں بہتر نظریاتی اور تجرباتی تحقیق یونیورسٹیوں ہی میں ممکن ہے۔ اس وقت پاکستان میں یونیورسٹیوں کی تعداد 51 ہے ان یونیورسٹیوں میں سائنس اور ٹیکنالوجی کے 80 سے زائد شعبے کام کر رہے ہیں۔ بعض یونیورسٹیوں میں خصوصی مراکز مہارت قائم کیے گئے ہیں۔ جہاں خصوصی مضامین میں تحقیق انجام دی جاتی ہے۔

پاکستان جامعات (شعبہ جات)

1- زرعی یونیورسٹی پشاور	زرعی کیمیا، زرعی معاشیات، تشریح الاعضاء، بیطاری، زرعی، مشینیں، خوراک کی ٹیکنالوجی، افزائش گل، ریاضی
2- بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان	زراعت، ادوی سازی، کیمیا، ریاضی، طبیعات، شماریات
3- اسلامیہ یونیورسٹی، بہاولپور	نباتیات، کیمیا، جغرافیہ، ریاضی، طبیعات، شماریات
4- مہران یونیورسٹی آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی، جامشورو	فن تعمیر و منصوبہ بندی، کیمیاوی انجینئرنگ، مواصلات، الیکٹرانکس، آبپاشی، صنعتی انجینئرنگ، مصنوعات سازی، تعمیراتی انجینئرنگ، کان کنی کی انجینئرنگ، میکانکی انجینئرنگ، صحت عامہ کی انجینئرنگ
5-این ای ڈی انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی یونیورسٹی، کراچی	انجینئری (سول، الیکٹریکل، میکنکل)، ریاضی سائنس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

6- سرحد یونیورسٹی انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی پشاور	زراعت، انجینئرنگ، بنیادی علوم اور ورکشاپ
7- قائداعظم یونیورسٹی اسلام آباد	حیاتیات، کیمیا، کمپیوٹر سائنس، ارضی علوم، ریاضی، طبیعات
8- سندھ یونیورسٹی، ٹنڈوجام	شعبہ زراعت، نباتیات، کیمیا، ریاضی، طبیعات، حیاتیات
9- زرعی یونیورسٹی، فیصل آباد	زراعت۔ زرعی معاشیات و دیہی ترقی، زرعی انجینئرنگ، بیطاری، طبیعات، کیمیا، ریاضی، حیاتیات
10- بلوچستان یونیورسٹی، کوئٹہ	معدنیات کا مرکز مہارت، حیاتیات، نباتیات، کیمیا، ارضیات، ریاضی، طبیعات، شماریات
11- انجینئرنگ یونیورسٹی، لاہور	آبی وسائل کا مرکز مہارت، فن تعمیر، انجینئری، کیمیا، طبیعات، ریاضی۔
12- کراچی یونیورسٹی، کراچی	ادویہ سازی، اطلاقی کیمیا، طبیعات و دیگر سائنسی علوم، کیمیا کا مرکز تحقیق
13- پشاور یونیورسٹی، پشاور	ارضیات و طبعی کیمیا میں مرکز مہارت، دیگر سائنسی علوم
14- سندھ یونیورسٹی، جام شورو	تجزیاتی کیمیا میں مرکز مہارت، ادویہ سازی و دیگر سائنسی علوم، مرکز طبیعات
15- پنجاب یونیورسٹی، لاہور	مرکز مہارت برائے ٹھوس طبیعات و ریاضی، ادویہ، کیمیاوی انجینئری و دیگر سائنسی علوم

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اور علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی بھی جدید سائنسی علوم اور ٹیکنالوجی سے متعلق مضامین اعلیٰ سطح پر متعارف کر رہی ہے۔ علاوہ ازیں کمپیوٹر سائنس اور مینجمنٹ سائنسز کے شعبے بھی مذکورہ بالا تمام یونیورسٹیوں میں روز افزوں ترقی کر رہے ہیں۔

3.2- تحقیق و ترقی

1- تنظیمی سطحیں

پاکستان میں سائنس و ٹیکنالوجی کی تحقیق اور ترقی کی کوششیں تین سطح پر انجام دی جاتی ہیں۔ پہلی سطح، فیصلہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کاری، منصوبہ بندی اور ارتباط کی ہے۔ یہ کام وزارت سائنس اور ٹیکنالوجی انجام دیتی ہے اور اس کے لیے قومی سائنس کونسل اور پاکستان سائنس فاؤنڈیشن مشورے بہم پہنچاتے ہیں۔ دوسری سطح پر تحقیق کا کام سرانجام دینے کی ہے۔ اس سطح پر یونیورسٹیاں، وزارت تعلیم، پاکستان کونسل برائے سائنس و صنعتی تحقیق، پاکستان طبی تحقیقی کونسل، پاکستان کونسل برائے تحقیق آبی وسائل، کونسل برائے تعمیرات ادارہ برائے موزوں ٹیکنالوجی، قومی ادارہ برائے الیکٹرانک، پاکستان زرعی تحقیقی کونسل، تنظیم دفاعی سائنس و ٹیکنالوجی، پاکستان ایٹمی توانائی کمیشن اور خلائی تحقیقاتی ادارہ (سپارکو) تحقیق کا کام سرانجام دیتے ہیں۔ ان کے علاوہ دیگر تحقیقاتی مراکز اور صوبائی ادارے مثلاً مرکزی صنعتی تکنیکی معاونت پاکستان، صوبائی زرعی تحقیقاتی ادارے، ادارہ برائے تحقیقات چاول اور بعض نجی اداروں کے مراکز بھی یہ کام سرانجام دیتے ہیں۔ تیسری سطح معاون خدمات کی ہے۔ خصوصاً معیارات کو قائم رکھنے کے لیے۔

2- قومی سائنس و ٹیکنالوجی کمیشن

چھٹے پنج سالہ منصوبے میں سائنس اور ٹیکنالوجی کے لئے ایک قومی کمیشن قائم کیا گیا ہے۔ جس کا کام فیصلہ کاری اور ارتباط کار ہے۔ اس کا سیکرٹریٹ وزارت سائنس و ٹیکنالوجی میں کام کرے گا۔ یہ کمیشن یونیورسٹیوں اور تحقیقی اداروں کے مشورے، کارکردگی اور انہیں رہنمائی مہیا کر کے پاکستان میں سائنس اور ٹیکنالوجی کا معیار بلند کرے گا۔

3- قومی مرکز برائے منتقلی ٹیکنالوجی

پاکستان میں ٹیکنالوجی کا علم اور مہارت بعض خصوصی منصوبوں کے باعث منتقل ہوتا تھا جب کہ تحقیق و ترقی میں قدم بڑھانے کے لیے ضروری تھا کہ ایک ادارہ باقاعدہ طور پر یہ کام انجام دے۔ اس مقصد کے لیے نومبر 1984ء میں قومی مرکز برائے منتقلی ٹیکنالوجی قائم کیا گیا۔ اس کے مقاصد میں اہم ٹیکنالوجی کے اعداد و شمار معلومات حاصل کرنا، ٹیکنالوجی کا علم اور بعض خدمات میں معاونت انجام دینا اور بین الاقوامی اور پاکستانی اداروں کے مابین ربط پیدا کرنا اور بعض امور میں تحقیق انجام دینا شامل ہے۔

4- معیار بندی

سائنس اور ٹیکنالوجی کی پیداوار میں معیار کو کنٹرول کرنے کے لیے قومی کونسل برائے سائنسی و صنعتی تحقیق پاکستان، قومی تجربہ گاہ برائے طبعی معیارات پاکستان، پاک سورس تربیتی مرکز، مرکزی آزمائش تجربہ گاہ، پاکستان کپاس کمیٹی تجربہ گاہ، صوبائی آزمائشی تجربہ گاہ اور پاکستان ادارہ برائے معیارات کام کر رہے ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پاکستان میں تعلیمی وسائنسی کارکردگی کا اندازہ دیئے گئے جدول سے لگایا جا سکتا ہے نیز تعلیمی اور سائنسی ترقی کے ساتھ پیداوار (Manufacturing) کے رجحانات کا موازنہ بھی کیا جا سکتا ہے۔ اس وقت پاکستان ایک مرتبہ پھر مثبت تبدیلی کی طرف گامزن ہے اور تمام شعبوں میں تحقیق وترقی کا کام جاری ہے۔

پاکستان میں تعلیمی وسائنسی ترقی

نمبر شمار	کل	مرد (Male)	خواتین (Female)
(i) یونیورسٹیوں کی تعداد	51	50	1
(ii) پروفیشنل کالجز	374	354	20
(iii) اساتذہ کی تعداد			
یونیورسٹیوں میں	5160	3913	1247
پروفیشنل کالجوں میں	9358	7343	2015
(iv) پروفیسر کالجوں میں Enrolment	161349	120809	40540
زراعت	1272	1159	113
انجینئرنگ	9177	9044	133
میڈیکل	18880	8333	1054

پاکستان میں مختلف شعبوں میں پیداوار میں اضافہ کی شرح

سال	ملکی مصنوعات	بھاری مصنوعات	کل (Total)
1997-1998ء	5.3	7.6	6.9
1998-9199ء	5.3	3.6	4.1
1999-2000ء	5.3	-0.01	1.5
2000-2001ء	5.3	9.5	8.2

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

2001-2002ء	5.3	4.9	5.0
2002-2003ء	5.3	8.7	7.7

5- پانچویں اور چھٹے پنجسالہ منصوبے

پانچویں پنج سالہ منصوبے میں قومی ادارہ برائے الیکٹرونکس، ادارہ برائے ترقی سلیکون ٹیکنالوجی، قومی ادارہ برائے تجربات، قومی ادارہ برائے بجلی، پاکستان کونسل برائے سائنسی وصنعتی تحقیق، پاکستان زرعی تحقیقاتی کونسل اور ادارہ برائے نکاسی آب وغیرہ قائم کیے گئے تھے۔ چھٹے پنجسالہ منصوبے میں ادارہ برائے سائنس وٹیکنالوجی اعلیٰ ٹیکنالوجی کے کئی ادارے اور سیم وتھور کا بین الاقوامی ادارہ قائم کرنے کے لیے رقم مہیا کی گئی ہے۔

3.3- سائنسی وتکنیکی افرادی قوت

پاکستان میں سائنسی وتکنیکی افرادی قوت نہ ہونے کے برابر ہے۔ پاکسان میں فی کس آمدنی 330 ڈالر سالانہ ہے۔ اس لیے ہر دس لاکھ آبادی کے لیے تین ہزار سائنس دان اور انجینئر ہونے چاہئیں۔ جن کا دس فیصد یعنی تین سو سائنس دان اور انجینئر تحقیق وترقی میں مصروف ہونے چاہئیں لیکن پاکستان میں کل 3238 سائنس دان اور انجینئر تحقیق وترقی میں مصروف ہیں جبکہ آبادی کے لحاظ سے ان کی تعداد 26 ہزار سے زائد ہونی چاہئے۔ گویا پاکستان سائنسی تحقیق وترقی کے میدان میں آٹھویں حصہ کی افرادی قوت بھی نہیں رکھتا۔

تحقیق وترقی کا اندازہ اس امر سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ پاکستان میں صرف 330 پی ایچ ڈی افراد سائنسی تحقیق وترقی میں کام کررہے ہیں جوان اڑھائی سو سے زائد تحقیق مراکز (جامعات وادارے) میں کام کررہے ہیں۔ یہ تعداد کل افرادی قوت کا 2.5 فیصد ہے۔ جبکہ یہ تعداد سو فیصد ہونی چاہئے لیکن جامعات ہر سال سائنس میں بمشکل درجن بھر ڈاکٹریٹ تیار کرتی ہیں۔ اس کا اندازہ برطانیہ کے ساتھ تقابل سے کیا جاسکتا ہے۔ جہاں ہر سال 5 ہزار پی ایچ ڈی ڈگریاں دی جاتی ہیں۔ حکومت نے پی ایچ ڈی کی تحریک دینے اور افردی قوت کو تحقیق کی طرف مائل کرنے کے لیے بہتر مالی معاوضہ مقرر کیا ہے۔ جو فی الوقت -/1500 روپے ماہوار اضافی تنخواہ کی صورت میں ہے۔

3.4- وسائل اور اختصاص

پاکستان میں اس وقت زرعی پیداوار میں کپاس اور چینی سرفہرست ہیں۔ ان کے علاوہ بعض معدنیات مثلاً خام

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لوہا، نمک، مینگانیز، کرومائٹ، تانبا، سیسہ، باکسائیٹ، سلیکا، فاسفیٹ، جپسم، آرائشی پتھر اور کوئلہ وغیرہ وافر مقدار میں ملتا ہے۔ضروریات کا 20 فیصد پیٹرول بھی نکالا جارہا ہے اس کے علاوہ قدرت نے گیس کی دولت سے بھی مالا مال کیا ہے۔

وسائل واختصاص کا عمومی جائزہ

-1	GDP کا شرح اضافہ:	4.5 فیصد	
-2	GDP کا مختلف شعبوں میں تخصص		
	زراعت	24 فیصد	
	صنعت	25 فیصد	
	دیگر	51 فیصد	
-3	افرادی قوت:	40.4 ملین	
	زراعت	44 فیصد	
	صنعت	17 فیصد	
	دیگر	39 فیصد	
-4	بے روزگاری کی شرح	7.8 فیصد	
-5	صنعتی پیداوار میں شرح اضافہ	2.4 فیصد	
-6	بجلی کی پیداوار	66.96 بلین KWH	
	ذرائع:	68.8 فیصد	Fossil Fuel
		28.2 فیصد	Hydro
		3 فیصد	Nuclear
-7	بجلی کا خرچ	62.27 بلین KWH	
-8	تیل کی پیداوار	bbl/day62.870	
-9	تیل کا خرچ	365000	bbi/day

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

-10 تیل کے موجودہ ذخائر 297.1 ملین bbl

-11 قدرتی گیس کے موجودہ ذخائر: 695.6 بلین Cum

Source: 2003 CIA World Fact Book

پاکستان کی توانائی کی زیادہ تر ضروریات پن بجلی، تیل اور گیس سے پوری کی جاتی ہیں۔ کوئلہ بھی استعمال ہوتا ہے لیکن شمسی اور جوہری توانائی کا خاطر خواہ استعمال نہیں کیا جا رہا۔

پاکستان میں تیل (پیٹرول) کا استعمال ضیاع کے ضمن میں آتا ہے۔ پاکستان ایک زرعی ملک ہے لیکن تیل کا صرف 3 فیصد استعمال زراعت میں ہوتا ہے اس کے بعد دوسرا نمبر صنعت کا ہے جہاں 7 فیصد استعمال ہوتا ہے جبکہ سرکاری گاڑیوں پر 14.11 فیصد تیل استعمال ہو جاتا ہے۔

ان وسائل سے استفادہ اور سائنس و تحقیق میں ترقی کے لیے چھٹے پنجسالہ منصوبے میں خاطر خواہ رقوم مختص کی گئی ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ رقم زراعت کے شعبے کے لیے رکھی گئی تھی۔ اس کے بعد تعلیم کا نمبر ہے۔ زراعت کے لیے صوبائی حکومتوں نے بھی رقم مختص کی تھی۔ تیسرے نمبر پر صنعت کے لیے رقوم مہیا کی گئی تھیں۔ اس کے بعد پانی (وفاقی وصوبائی) اور صحت پر توجہ دی گئی ہے۔ دیگر ترجیحی شعبوں میں بجلی، نقل و حمل، مواصلات، ایندھن، معدنیات، تعمیرات (وفاقی وصوبائی) بہبود آبادی و دیگر متفرق شعبے ہیں۔

-3.5 مستقبل کے امکانات

پاکستان میں سائنس و ٹیکنالوجی کی ترقی کے لیے مستقبل میں نظم و نسق، سائنس دانوں، صنعت، افرادی قوت اور تربیت کے کردار پر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ ان کی تفصیل درج ذیل ہے۔

-1 مستقبل کی ضروریات کا اندازہ لگانے کے لیے ایک ایسے ادارے کی ضرورت ہے جس کا نام ہی ادارہ مطالعہ مستقبل رکھا جائے۔ یہ ادارہ وسائل، افرادی قوت اور بجٹ کے تحت آئندہ ضروریات کا اندازہ لگائے اور مختلف اداروں اور حکومت کو مشورے مہیا کرے۔

-2 سائنس اور ٹیکنالوجی کے تربیت یافتہ افراد کی کثیر تعداد ملک سے باہر چلی جاتی ہے۔ اس افرادی ضیاع کو روکنے کے لیے دو سمتوں میں انتظامات کی ضرورت ہے اول یہ کہ ان افراد کو خاطر خواہ معاوضے دے کر (موجودہ تنخواہوں کے سکیل سے ماورا یا 20 گریڈ سے زائد کی زیادہ آسامیاں پیدا کر کے واپس لایا جائے اور دوسرے ان کے لیے بہتر تحقیقی ادارے، تجربہ گاہیں اور سہولتیں مہیا کی جائیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

-3 سائنس اور ٹیکنالوجی کا انتظام افسر شاہی کی بجائے سائنس دانوں کے سپرد کیا جائے۔ سائنسی تحقیقی ضروریات کو وہ بہتر سمجھ سکتے ہیں۔

-4 موجودہ تمام تحقیقی و ترقیاتی اداروں کو ملا کر ایک ہی کارپوریشن بنائی جائے جو مختلف شعبوں میں تحقیقی ضروریات کا اندازہ لگا کر منصوبے تیار کرے۔ ترجیحی طور پر خوراک، زراعت، آبی وسائل، معدنی وسائل، توانائی، الیکٹرانک وغیرہ میں تحقیق، ترقی اور ٹیکنالوجی کی منتقلی کا اہتمام کیا جائے۔

-5 افرادی تربیت کے لیے جامعات کو زیادہ سے زیادہ پی ایچ ڈی تیار کرنے کے لیے کہا جائے اور موجودہ زیر ملازمت افراد کو تعلیمی رخصت دے کر پی ایچ ڈی کرنے کے لیے بھیجا جائے۔

-6 پاکستان میں مجموعی طور پر سائنسی دلچسپی کی فضا پیدا کی جائے اور نصابی تدوین کے وقت نظریہ پاکستان اور اسلامیات کے علاوہ تمام نصاب میں مندرجہ ذیل ترجیحات کو مدنظر رکھا جائے۔

خالص سائنس (نظری علوم، کیمیا، طبیعات، حیاتیات، ریاضی، شماریات وغیرہ)، اطلاقی سائنس (عملی علوم) ارضیات، انجینئرنگ، زراعت، طب، سائنس اور ٹیکنالوجی کے اساتذہ کی تربیت، متفرق ٹیکنالوجی، معاشیات، منصوبہ بندی، متفرق سماجی علوم، متفرق ادبی علوم و دیگر فنون لطیفہ۔

-7 سائنس اور ٹیکنالوجی میں دلچسپی اس وقت تک پیدا نہیں ہو سکتی جب تک کہ قومی اور مقامی زبانوں میں اس سے متعلقہ لٹریچر نہ ہو اور ایک خاص سطح تک سائنس اور ٹیکنالوجی کی تدریس قومی زبان میں نہ دی جائے۔ اس مقصد کے لیے ایک ''ادارہ برائے مطبوعات'' ایسا لٹریچر شائع کرنے کا اہتمام کرے اور کم از کم گریجویٹ سطح تک سائنس کی تعلیم اردو میں دی جائے۔ یہ کام اردو سائنس بورڈ انجام دے سکتا ہے۔

-8 معاشرے میں سائنس کا رجحان عام کرنے اور دین سے ہم آہنگ کرنے کے لیے نہ صرف یہ کہ ان علوم کو اسلامیانے کا عمل جاری رکھا جائے بلکہ دینی اداروں اور اسلامی یونیورسٹیوں کے نصابات اور تدریسی مواد میں سائنسی دریافتوں اور نظریات کو بھی شامل کیا جائے۔ خصوصاً دینی مدارس میں معلومات عامہ کا مضمون شامل کیا جائے۔ علمائے دین کو سائنس کے بنیادی طریق کار اور معلومات سے بہرہ ور کرنے کے لیے تربیتی ورکشاپیں، مذاکرے اور سیمینار منعقد کرائے جائیں۔

3.6 اہم نکات

-1 آزادی کے وقت پاکستان میں سائنسی تحقیق تو کیا سائنسی تعلیم کی صورت حال بھی دگرگوں تھی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

-2 1985ء میں پہلی بار قومی سائنسی پالیسی منظور کی گئی جس کے تحت سائنس اور تحقیق کے میدان میں اہم اقدامات کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔

-3 پاکستان میں سائنس اور ٹیکنالوجی کی تحقیق اور ترقی کی کوششیں تین سطح پر انجام دی جاتی ہیں۔

(i) پہلی سطح فیصلہ کاری، منصوبہ بندی اور ارتباط کی ہے۔

(ii) دوسرے سطح تحقیق کا کام سرانجام دینے کی ہے۔

(iii) تیسری سطح معاون خدمات کی ہے خصوصاً معیارات کو قائم رکھنے کے لیے۔

-4 پاکستان اس وقت زرعی پیداوار میں سرفہرست ہے۔

-5 سائنس اور ٹیکنالوجی میں ترقی کے لیے ضروری ہے کہ تربیت یافتہ قابل افراد کو اپنے ہی ملک میں خاطر خواہ مراعات فراہم کی جائیں اور ان کے لیے بہتر تحقیقی ادارے، تجربہ گاہیں اور سہولتیں مہیا کی جائے۔

سرگرمی

-1 چھٹے پنجسالہ منصوبے کے اعداد و شمار کا جائزہ لے کر دیکھئے کہ ابھی مختلف شعبوں میں سائنسی تحقیق کی کس حد تک گنجائش ہے؟

-2 پاکستان کے کسی سائنسی تحقیق کے ادارے کے بارے میں معلومات (کتب خانے یا اس ادارے کو خط لکھ کر) حاصل کیجئے اور اس ادارے کے بارے میں ایک مضمون لکھ کر اپنے اتالیق کو دکھایئے۔

-3.7 خود آزمائی نمبر 3

سوال نمبر 1- مندرجہ ذیل میں سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں۔

(1) قیام پاکستان کے وقت ملک میں کتنی یونیورسٹیاں تھیں؟

(2) پہلی قومی سائنسی پالیسی کب منظور کی گئی؟

(3) قومی مرکز برائے منتقلی ٹیکنالوجی کب قائم ہوا؟

(4) زرعی ترقیاتی کونسل کا ادارہ کس پنجسالہ منصوبے میں قائم کرنے کی سفارش کی گئی؟

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(5) پاکستان میں سرکاری گاڑیوں پر کتنے فیصد تیل استعمال میں آتا ہے؟

(6) پاکستان میں نکلنے والے تیل سے کس قدر قومی ضرورت پوری کی جاسکتی ہے؟

(7) پاکستان کی افرادی قوت کا کتنا حصہ زراعت سے منسلک ہے؟

(8) پاکستان میں خواتین کی کتنی یونیورسٹیاں ہیں؟

سوال نمبر 2- درست/غلط کی نشاندہی کریں۔

(1) پاکستان میں سائنس وٹیکنالوجی کی تحقیق اور ترقی کی کوششیں پانچ سطح پر انجام دی جاتی ہیں۔

(2) چھٹے پنجسالہ منصوبے میں سائنس اور ٹیکنالوجی کے لیے ایک قومی کمیشن قائم کیا گیا ہے۔

(3) ساتویں پنجسالہ منصوبے میں سیم وتھور کا بین الاقوامی ادارہ قائم کرنے کے لیے رقم مہیا کی گئی۔

(4) حکومت پاکستان نے پی ایچ ڈی کو تحریک دینے اور افرادی قوت کو تحقیق کی طرف مائل کرنے کے لیے 20,000 کا مالی معاوضہ مقرر کیا گیا ہے۔

(5) پاکستان کی توانائی کی زیادہ تر ضروریات پن بجلی، تیل اور گیس سے پوری ہوتی ہیں۔

سوال نمبر 3- خالی جگہ پر کریں۔

(1) پہلی قوم معاشی پالیسی.................میں منظور کی گئی۔

(2) چھٹے پنجسالہ منصوبے کے لیے.........رقم مختص کی گئی۔

(3) پاکستان میں اس وقت سرکاری یونیورسٹیوں کی تعداد.................ہے۔

(4) قومی مرکز برائے منتقلی ٹیکنالوجی.................میں قائم کیا گیا۔

(5) پاکستان میں فی کس آمدنی.................ڈالر سالانہ ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

4- عالم اسلام تعاون وترقی

4.1- بنیادی مسائل

عالم اسلام میں تعاون وترقی پر بحث کرنے سے پہلے ہمیں ان بنیادی مسائل کا جائزہ لینا چاہیے جو اس وقت مسلمان ملکوں کو درپیش ہیں۔ ان میں سرفہرست خوراک کا مسئلہ اور سب سے اہم سیاسی اشتراک وتعاون کا مسئلہ ہے۔ مختصر طور پر ہم ان مسائل کو درج ذیل نکات کی صورت میں دیکھ سکتے ہیں۔

1- مسلم ممالک اپنا خام مال جو زیادہ تر خوراک وزراعت پر مشتمل ہے، ترقی یافتہ ممالک کو دے دیتے ہیں۔

2- مسلم ممالک کے وسائل توانائی نصف سے زیادہ ہیں لیکن وہ اسے مناسب طریقے سے استعمال کرنا نہیں جانتے۔ وہ دولت جو تیل بیچ کر حاصل ہوتی ہے اسے بھی ترقی یافتہ ممالک ہی کے بینکوں میں جمع کرادیا جاتا ہے۔

3- مسلمان ممالک کے عوام میں اسلامی برادری کا تصور اور جذبات نہیں پائے جاتے۔

4- معاشی اور سماجی سمتوں میں مسلمانوں کے پاس مناسب رہنما میسر نہیں۔

5- غیر ملکیوں کے سامنے مسلمان عموماً احساس کمتری کا شکار ہیں۔

6- مسلمان ایک پلیٹ فارم پر متحد نہیں۔

7- سائنس اور ٹیکنالوجی مسلم معاشرے میں روایت کی صورت اختیار نہیں کر سکے بعض دینی علماء آج بھی ان علوم کو غیر اسلامی قرار دیتے ہیں۔

8- سائنس وٹیکنالوجی میں مناسب تحقیق وترقی انجام نہیں دی جارہی۔ اس مقصد کے لیے مناسب تعداد اور اہلیت میں سائنسی منتظمین بھی موجود نہیں اور نہ سائنسی افرادی قوت مناسب طور پر موجود ہے۔

9- مسلم ممالک میں سائنس اور ٹیکنالوجی میں اعلیٰ تربیت یافتہ افراد غیر ممالک میں خدمات انجام دے رہے ہیں ان کی تعلیم وتربیت پر مسلم ممالک کی رقم اور وسائل صرف ہوسکتے ہیں لیکن ان کا فائدہ غیر مسلم ممالک کو حاصل ہوتا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

-10 مسلم ممالک میں معیار زندگی بلند نہیں اور نہ ہی امیر غریب میں فرق کو کم کیا جا سکا ہے۔

-11 مسلم ممالک کی آبادی کا ایک حصہ دیہات میں بھی رہتا ہے۔ چنانچہ تہذیبی ثمرات سے دیہی آبادی استفادہ نہیں کر سکتی۔

4.2- علوم کا اسلامیانا

جہاں تک اسلامی ممالک کے سیاسی مسائل کا تعلق ہے ان کا تذکرہ یہاں ممکن نہیں لیکن بعض سائنسی اور علمی بنیادیں ایسی ہیں جن کے فروغ سے سیاسی مسائل بھی خود بخود حل ہو سکتے ہیں، ان میں سر فہرست جدید علوم کے بارے میں عوام اور دینی علماء کی رائے کو تبدیل کرنا ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ ایسی اسلامی جامعات قائم کی جائیں، جہاں سائنسی علوم کو اسلامی نقطہ نظر سے مرتب کیا جائے اور پڑھایا جائے اور ان کی روشنی میں تمام درسگاہوں میں اسلامی سائنس اور ٹیکنالوجی کو فروغ حاصل ہو سکے۔

اس امر کا بنیادی اصول یہ ہے کہ سائنس کے بنیادی تصور کو عام کیا جائے۔ یعنی یہ کہ سائنس قوانین قدرت کو دریافت کرتی ہے اور اس کی بنیاد وحدت پر ہے۔ یعنی سائنس یہ عقیدہ رکھتی ہے کہ کائنات میں تمام قوانین ہر جگہ اور ہر وقت یکساں ہیں۔

دوسرا اصول یہ ہے کہ سائنس کا کام انسانیت کی خدمت ہے چنانچہ ایسے علوم اور تکنیک کو فروغ دینا چاہیے، جو انسانیت کی خدمت کر سکیں مثلاً زراعت، صنعت اور تعلیم وغیرہ دوسرے لفظوں میں سائنسی اخلاقیات کو فروغ دیا جائے۔ تیسرا اصول یہ ہے کہ موجودہ تمام سائنسی علوم کے فلسفے کو اسلامی نقطہ نظر سے مرتب کیا جائے۔ اس کی تفصیل میں مندرجہ ذیل نکات ملحوظ رکھے جائیں۔

-1 اسلامی تہذیب وتمدن کی عظمتوں کا شعور پیدا کیا جائے اور اسلامیات کے علاوہ اسلامی تہذیب وتمدن کا ایک لازمی کورس تمام ممالک میں پڑھایا جائے اس کورس کو اس طرح مرتب کیا جائے کہ اس میں اسلامی تعلیمات کے تمام پہلو آ جائیں۔ بین الاقوامی ادارہ برائے فکر اسلامی واشنگٹن نے اس کا ایک خاکہ بھی مرتب کیا ہے۔ ان کے نزدیک یہ کورس گریجویٹ سطح تک پڑھایا جائے گا۔ اس کے ہر باب میں سائنسی نقطہ نظر سامنے ہوگا۔

-2 روایتی اور جدید، ہر دو نظام ہائے تعلیم کا فرق ختم کیا جائے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

-3 جدید علوم کو اسلامی نقطہ نظر سے پیش کیا جائے اور ہر علم کے آغاز میں بتایا جائے کہ یہ علم اللہ تعالیٰ کی اس قدرت یا ارادے کا مطالعہ کرتا ہے جو خاص انداز میں جاری ہے اور نتیجے کا مسبب الاسباب اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہے۔

-4 اسلامی طریق کار یا سائنس کے اصول مندرجہ ذیل ہیں۔

(الف) اللہ واحد ہے اور اس کا طریقہ ایک ہے۔

(ب) کائنات میں وحدت پائی جاتی ہے اس وحدت کو سمجھ کر اور اس میں جاری اصولوں کو جان کر انسان اس کائنات کو تسخیر کر سکتا ہے کیونکہ یہ کائنات انسان کے لیے پیدا کی گئی ہے۔

(ج) سچائی واحد ہے اور اسی بناء پر علم واحد ہے۔ ایک ہی شے کی دو حقیقتیں نہیں ہو سکتیں۔

(د) زندگی اللہ تعالیٰ کی امانت ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق بسر کرنا چاہیے۔ انسان دنیا میں اللہ کا نائب ہے۔

(ر) انسانیت واحد ہے اور تمام بنی نوع انسان مساوی حیثیت رکھتے ہیں۔

-5 اسلام کی عظمت رفتہ خصوصاً سائنسی کارناموں کی تشہیر کی جائے اور مستقبل کے لیے مذاکرے، سیمینار، ورکشاپس منعقد کی جائیں۔

بین الاقوامی ادارہ برائے فکر اسلامی واشنگٹن نے اسلامی تہذیب وتمدن کا ایک کورس تمام اسلامی ملکوں میں پڑھانے کی سفارش کی ہے۔ اس کا خاکہ منسلک ہے۔

خاکہ

حصہ اول = اصول

باب 1 قدیم مشرق وسطیٰ

باب 2 یہودیت، صہیونیت، عیسائیت

باب 3 مکہ

باب 4 اسلام بطور دین

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب 5 توحید (بنیاد)

باب 6 توحید پہلا اصول علم

باب 7 توحید پہلا اصول مابعد الطبیعات

باب 8 توحید پہلا اصول سیاست

باب 9 توحید پہلا اصول اخلاقیات

باب 10 توحید پہلا اصول معاشرت

باب 11 توحید پہلا اصول معاشیات

باب 12 توحید پہلا اصول بین الاقوامیت

باب 13 توحید پہلا اصول ادبی جمالیات

باب 14 توحید پہلا اصول سمعی بصری فنون

حصہ دوئم = تاریخ

باب 1 پیغمبر اور سنت

باب 2 صحابہ کرام

باب 3 اسلامی ریاست مدینہ

باب 4 فتوحات

باب 5 انفرادی و اجتماعی تبلیغ

باب 6 نظم و نسق اور انصاف

باب 7 خاندان اور اسلام

باب 8 تعلیمی نظام اور اسلام

باب 9 حسبہ

باب 10 علوم قرآن کریم

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب 11 علوم سنت

باب 12 علوم فقہ و اصول

باب 13 علوم اخلاق و سیاست

باب 14 الادب

باب 15 علوم طبیعہ

باب 16 شہر

باب 17 سمعی بصری فنون

باب 18 اقلیتیں

حصہ سوئم = دیگر تہذیبیں

باب 1 مغربی عیسائیت

باب 2 جدید مغرب

باب 3 اشتراکیت، فاشزم، کمیونزم

باب 4 یہودیت، صہیونیت

باب 5 ہندومت

باب 6 بدھ مت، تیراود

باب 7 بدھ مت، مہایان

باب 8 چینی مذہب ار تہذیب

باب 9 جاپانی مذہب اور تہذیب

باب 10 قدیم معاشرے

حصہ چہارم = تہذیبی بحران

باب 1 مسلم زوال

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب 2 مقبوضاتی دور کا آغاز

باب 3 عیسائی مشنری اور اورنٹیئل مطالعہ

باب 4 مقبوضاتی دور کا خاتمہ

باب 5 سلفیہ تحریک

باب 6 سنوسیہ تحریک

باب 7 دیگر تحریکیں (تحریک پاکستان) وغیرہ

باب 8 مسلمانوں کی تقسیم در تقسیم

باب 9 علم کا مسئلہ

باب 10 فرد اور خاندان کا مسئلہ

باب 11 فطرت کا مسئلہ

باب 12 معاشیات اور سیاسیات کا مسئلہ

4.3- تعلیمی نظام اور سائنسی افرادی قوت

مسلم ممالک کے تعلیمی نظام کو اس طرح سے منظم کیا جائے کہ اس میں اسلامی سائنس کو بنیادی مضمون کی حیثیت حاصل ہو۔ خصوصاً ابتدائی سطح پر روزمرہ سائنس سے آغاز کیا جائے۔ طلبہ کی تعداد 30-40 کے درمیان ہو۔ مدرسوں میں کمرے، بجلی پنکھے پانی وغیرہ کا اہتمام ہو۔ سمعی و بصری معاونات وافر ہوں اور تجربہ گاہوں کی سہولت مہیا ہو۔ اعلیٰ سطح پر ایسے مضامین کی تدریس کا اہتمام ہو، جن کی عالم اسلام کو واقعتاً ضرورت ہے۔ ہر مسلم ملک میں کم از کم ایک مضمون ایک اعلیٰ مہارت کا بہترین مرکز قائم کیا جائے جہاں بہترین تجربہ گاہیں موجود ہوں۔ اعلیٰ سطح کی تحقیق پر زیادہ زور دیا جائے اور زیادہ سے زیادہ پی ایچ ڈی افراد تیار کیے جائیں۔

سائنس کی بہتر تدریس کے لیے سائنس کے اساتذہ کا باہمی تبادلہ کیا جاسکتا ہے اور ایک دوسرے کی ضرورتیں بھی پوری کی جاسکتی ہیں۔ کم از کم گریجویٹ سطح تک سائنس اور ٹیکنالوجی کی تعلیم مسلم ممالک کی اپنی زبانوں میں دی جانی چاہئے۔ اگر فی الوقت تمام ممالک میں ایسا نہ ہو سکے تو عربی، فارسی، ترکی، اردو، بنگالی اور علاقائی زبانیں اس بار کو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اٹھانے کے لیے فوری طور پر تیار ہیں۔اس کے ساتھ ساتھ ان زبانوں میں سے کوئی ایک زبان لازمی طور پر پڑھائی جائے جن میں اسی وقت سائنسی علوم ترقی پا رہے ہیں مثلاً انگریزی (50 فیصد سائنسی تحقیق)، فرانسیسی، جرمن، اطالوی اور لاطینی (30 فیصد سائنسی تحقیق)، روسی، چینی، جاپانی، ولندیزی، پرتگالی، ہسپانوی (آٹھ فی صد) دیگر (دو فیصد) عوام میں سائنس اور ٹیکنالوجی کے جدید علوم کے فروغ کے لیے ایسے دارالترجمے قائم کئے جائیں جو ان زبانوں سے عربی، فارسی، ترکی، اردو، بنگالی اور ملائی میں ترجمے کا کام انجام دیں جیسا کہ بین الاقوامی مرکز ترجمہ ہالینڈ انگریزی کے لیے کر رہا ہے۔

مسلم ممالک میں شرح خواندگی سو فیصد ہونی چاہیے۔کسی مسلمان کو ان پڑھ نہیں ہونا چاہیے کیونکہ علم حاصل کرنا تو ہر مسلمان پر فرض ہے۔اس ہدف کو حاصل کرنا مسلم ممالک کا بنیادی فرض ہونا چاہیے۔

تعلیمی اخراجات، اقراء ٹیکس جیسے ٹیکسوں سے پورے کیے جا سکتے ہیں۔تمام مسلم ممالک ایک تعلیمی فنڈ قائم کریں جس سے سائنسی ترقی کی دوڑ میں پیچھے رہ جانے والے مسلم ممالک کو رقوم مہیا کی جائیں۔خصوصاً پہلے مرحلے میں چاڈ، سینگال، صومالیہ، سیرالیون، گنی، یمن، اپر وولٹا، مالی، نائیجیریا، گبون، سوڈان، ماریطانیہ اور گنی بساؤ اور دوسرے مرحلے پر افغانستان، گیمبیا، پاکستان، مراکش، عراق، سعودی عرب، بنگلہ دیش، الجزائر، جمہوریہ یمن، نائیجیریا، ایران، تیونس اور مصر کو تعلیمی امداد کی ضرورت ہے۔

4.4- اعداد و شمار، تحقیق و ترقی کے مشترک منصوبے

مسلمان ممالک تحقیق و ترقی کے مشترک منصوبے مندرجہ ذیل میدانوں میں شروع کر سکتے ہیں۔

1- اعداد و شمار: مسلم ممالک اپنے وسائل، مسائل اور افرادی قوت کے بارے میں مشترکہ طور پر اعداد و شمار جمع کریں تاکہ تعاون و ترقی میں ایک دوسرے کو یہ اعداد و شمار فراہم کر سکیں۔

2- صنعتیں: صنعتیں بنیادی طور پر زراعت، خوراک اور اسلحہ سے متعلق ہوں اور ان کے قیام میں ایک دوسرے کی مدد کی جا سکتی ہے۔

3- توانائی: اوپیک ممالک توانائی کے ذخائر ایک دوسرے کو مہیا کریں اور اس سے حاصل ہونے والی دولت کو بھی ایک دوسرے کے بنکوں اور منصوبوں میں لگائیں۔تیل کے علاوہ شمسی اور ایٹمی توانائی کی مشترکہ کاوشوں پر توجہ دی جانی چاہیے۔مشترکہ توانائی پالیسی وقت کی بہت بڑی ضرورت ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

-4 خلائی ٹیکنالوجی: مسلم ممالک مشترکہ طور پر خلائی ٹیکنالوجی کے پروگرام مرتب کریں تاکہ اپنے مواصلاتی سیارے قائم کر سکیں۔ پاکستانی ادارہ سپارکو کے پروگرام مشترک بنیادوں پر وضع کیے جا سکتے ہیں۔

-5 ٹیکنالوجی کی منتقلی: مسلم ممالک کو ایسی ٹیکنالوجی کا علم اپنے ہاں منتقل کرنے کا بندوبست کرنا چاہئے جن کی انہیں فوری ضرورت ہے اس سلسلے میں ایک دوسرے سے اشتراک کر کے ہر ملک کسی ایک ٹیکنالوجی میں مہارت پیدا کرے تاکہ وہ دوسرے ممالک کے محتاج نہ رہیں اور آئندہ سائنس اور ٹیکنالوجی میں آگے بڑھ سکیں۔ اس مقصد کے لیے اسلامی مرکز برائے منتقلی ٹیکنالوجی قائم کرنا چاہئے۔

4.4.1- بنیادی ٹیکنالوجی اور ترجیحات

-1 خوراک، زراعت، معدنیات، زرعی مشینیں، زرعی صنعتیں، کھادیں وغیرہ۔

-2 صنعتیں: فولاد، کیمیا، ادویہ سازی، کپڑا، شیشہ، برتن سازی۔

-3 الیکٹرانکس: مائیکرو اور میکرو چپ۔

-4 ذرائع نقل و حمل: سڑکیں، ریلوے، انجن، گاڑیاں، ہوائی جہاز۔

-6 تعمیرات: ڈیزائن اخراجات کے مسائل، خام مواد کے مسائل۔

-7 بند نہریں، آبپاشی: تعمیر، کنٹرول سیم و تھور، سیلاب کے مسائل۔

-8 صحت اور ادویہ: ہوا، پانی، خوراک میں ملاوٹ کی روک تھام، معیار زندگی، صحت، آلات طب وغیرہ۔

-9 ایٹمی ٹیکنالوجی: یورانیم کے ذخائر سے استفادہ، ریڈیو آئیسوٹوپ اور زراعت، ادویہ، خوراک وغیرہ میں استعمال۔

-10 خلائی ٹیکنالوجی: مصنوعی سیارے، راکٹ، ٹیلی مواصلات وغیرہ۔

4.5- اسلامی فاؤنڈیشن برائے ترقی سائنس وٹیکنالوجی

مسلم ممالک میں سیاسی طور پر متحد ہونے کا خیال جب تحریک کی صورت اختیار کر گیا تو انہوں نے مل کر اسلامی کانفرنس تنظیم (OIC) قائم کی۔ جس نے اپنے پہلے ہی اجلاس میں سائنس وٹیکنالوجی اور ترقی و تحقیق میں ایک ادار قائم کرنے کی تجویز پیش کی۔ پانچویں وزرائے خارجہ کانفرنس کوالالمپور 21 تا 25 جون 1974ء میں سائنس فاؤنڈیشن

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قائم کرنے کی باقاعدہ منظوری دی گئی۔ اگلے برس چھٹی کانفرنس میں ایک سائنسی کونسل عمل میں آئی۔ فاؤنڈیشن قائم کرنے کے لیے پانچ کروڑ امریکی ڈالر خرچ کرنے کا اختیار دیا گیا۔ گیارہویں کانفرنس 1400ھ/ 1980ء منعقدہ اسلام آباد میں فاؤنڈیشن قائم کرنے کی منظوری دی گئی اور اگلے برس ڈاکٹر کیتانی کو اسلامی فاؤنڈیشن کا پہلا ناظم اعلیٰ مقرر کیا گیا۔ جس نے یکم رمضان 1401ھ سے جدہ میں کام کرنا شروع کر دیا۔ یوں یکم جولائی 1981ء سے فاؤنڈیشن کا آغاز ہوا۔

4.5.1- اسلامی فاؤنڈیشن کے منصوبے (1983ء)

1- یوگنڈا میں اسلامی یونیورسٹی کا قیام۔

2- مراکش میں مسلم مرکز مہارت کا قیام۔

3- ہسپانوی مرکز برائے تحقیق وتوانائی المیریا (اسپین) کا قیام۔

4- وظائف کا فنڈ قائم کرنا۔

5- مسلم سائنس دانوں کے منصوبے منظور کرنا۔

6- مسلم ریاستوں کے علاقائی پروگرام مربوط کرنا۔

7- ایشیا اور افریقہ میں ایک ایک تحقیقی مرکز قائم کرنا۔

8- سائنسی مطبوعات شائع کرنا۔

9- سائنس اور ٹیکنالوجی پر کانفرنس منعقد کرانا۔

10- موسم گرما کے کورس منعقد کرنا۔

11- شمسی چولہے پر مطالعہ۔

فاؤنڈیشن دو حصوں یعنی سائنس کونسل اور نظامت اعلیٰ پر مشتمل ہے۔ نظامت اعلیٰ میں ناظم اعلیٰ کے علاوہ دو معاون ناظم اعلیٰ اور مشاورتی بورڈ کام کرتا ہے۔ اس کے علاوہ فاؤنڈیشن مندرجہ ذیل شعبوں پر مشتمل ہے۔ اطلاعات، نظامیہ انسانی وائل، قدرتی وسائل، توانائی، ٹیکنالوجی اور پانی، زراعت اور ماحول کا شعبہ۔ یہ ادارہ سرکاری اور نیم سرکاری مسلم اور غیر مسلم تحقیقی اداروں کے ساتھ رابطہ قائم کر کے مسلم ممالک میں سائنس، ٹیکنالوجی اور تحقیق کے لیے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مناسب طریقے سے کام کر کے اسلامی سائنس کی نشاۃ ثانیہ کے لیے راہ ہموار کرے گا۔

4.6- اہم نکات

1- مسلم ممالک کو درپیش مسائل میں اس وقت سرفہرست خوراک کا مسئلہ اور سیاسی اشتراک وتعاون کا مسئلہ ہے۔

2- مسلم ممالک میں سیاسی طور پر متحد ہونے کا خیال تحریک کی صورت اختیار کر گیا تو انہوں نے مل کر اسلامی کانفرنس تنظیم (OIC) قائم کی۔

3- فاؤنڈیشن دو حصوں یعنی سائنسی کونسل اور نظامت اعلیٰ پر مشتمل ہے۔

4- مسلم ممالک میں تحقیق وترقی کے مشترک منصوبے اور سرمایہ کاری کے مواقع ان ملکوں میں سائنس وٹیکنالوجی کے میدان میں ترقی کا باعث بن سکتے ہیں۔

5- بین الاقوامی ادارہ برائے فکر اسلامی واشنگٹن نے اسلامی تہذیب وتمدن کا ایک کورس تمام اسلامی ملکوں میں پڑھانے کی سفارش کی ہے۔اس کے ہر باب میں سائنسی نقطہ نظر سامنے رکھا جائے گا۔

سرگرمی

وزارت سائنس اور ٹیکنالوجی/ پاکستان سائنس فاؤنڈیشن کے شائع کردہ مواد یا کسی نزدیکی لائبریری سے اسلامی تعاون برائے ترقی کے بارے میں کتابیں/ اخباروں میں مضامین کی ایک مختصری فہرست بنائی۔جس میں کم از کم دس مضامین یا کتابوں کا ذکر کیا گیا ہو۔یہ فہرست اپنے اتالیق کو دکھائیں۔

4.7- خود آزمائی نمبر 4

سوال نمبر 1- مندرجہ ذیل پر مختصر نوٹ تحریر کریں۔

(الف) علوم اسلامیانہ۔

(ب) سائنسی افرادی قوت۔

(ج) اسلامی فاؤنڈیشن برائے سائنس،ٹیکنالوجی وترقی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

5- جوابات

خود آزمائی نمبر 1

سوال نمبر1- (1) فطری قوتوں (2) آگ (3) پہیہ

(4) 80 (5) سائنس

سوال نمبر2- (1) درست (2) غلط (3) درست

(4) غلط (5) درست

خود آزمائی نمبر 2

سوال نمبر1- (1) ص (2) ص (3) ص

(4) غ (5) ص (6) ص

سوال نمبر2- (1) 6666 (2) مسلمانوں (3) عملی پہلوؤں

(4) تہافت الفلاسفہ (5) 3.5% سے 0.7

خود آزمائی نمبر 3

سوال نمبر1- (1) دو (2) 1985ء (3) 1984ء

(4) پانچویں پنج سالہ منصوبے میں (5) 11-14 فیصد

(6) 20 فیصد (7) 44 (8) ایک

سوال نمبر2- (1) غلط (2) درست (3) درست

(4) غلط (5) درست

سوال نمبر3- (1) 1985ء (2) 80 کروڑ 90 لاکھ (3) 51

(4) نومبر 1984ء (5) 736

خود آزمائی نمبر 4

سوال نمبر1- (الف)،(ب) اور (ج) کے جوابات یونٹ کے متعلقہ حصے سے تلاش کریں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

6- کتابیات

1- ذوالفقار احمد، پاکستان کی معدنی دولت، لاہور 1978ء

2- عطش درانی، اسلامی فکر و ثقافت، لاہور 1986ء

3- غلام رسول محمد، اسلام کے کارہائے نمایاں، لاہور 1977ء

4- میاں محمد شریف، مسلمانوں کے افکار، لاہور، 1963ء

5- نور احمد، اسلام کے تہذیبی کارنامے، لاہور 1964ء

6- نوشہروی، پروفیسر عبدالروف، سائنس اور مسائل امروز، کراچی، 1982ء

7- گورنمنٹ آف پاکستان سٹیٹکس، منتقلی بلیٹن، اسلام آباد، 2004ء

8. http://www.undp.org/hdr.2003/indicator/indic2.1.1.html

9. http://unstats..un.org/unsd/demographic/social/literacy.htm

10. http://www.cia.gov/cia/publications/factbook

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یونٹ 6

اسلامی مفکرین

(سیاسی و معاشرتی خدمات)

تحریر: ڈاکٹر افتخار احمد غوری

نظر ثانی: ڈاکٹر ذوالکیف احمد، فاروق سولنگی

ڈاکٹر محمد جاوید اقبال

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فہرست

	یونٹ کا تعارف	263
	یونٹ کے مقاصد	263
-1	شیخ احمد سرہندی	264
-1.1	مذہبی وسیاسی خدمات	264
-1.2	سلسلہ نقشبندیہ	266
-1.3	اسلام کی تعلیمات اور بھگتی تحریک	267
-1.4	اہم نکات	268
-1.5	خود آزمائی نمبر 1	269
-2	شاہ ولی اللہ	270
-2.1	مذہبی، سیاسی اور معاشرتی خدمات	270
-2.2	مشرکانہ عقائد و رسوم کے خلاف جہاد	271
-2.3	تعلیمات کا اثر	272
-2.4	شاہ ولی اللہ کے عظیم کارنامے	273
-2.5	اہم نکات	275
-2.6	خود آزمائی نمبر 2	275
-3	سرسید احمد خاں	277
-3.1	حالات زندگی	277
-3.2	1857ء کی جنگ آزادی	278
-3.3	سائنٹفک سوسائٹی	280

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

-3.4 سرسید کا سفر یورپ (70 - 1869) ---------- 281
-3.5 سرسید کی سیاسی خدمات ---------- 284
-3.6 اہم نکات ---------- 287
-3.7 خود آزمائی نمبر 3 ---------- 288
-4 علامہ اقبال ---------- 289
-4.1 حالات زندگی ---------- 289
-4.2 علامہ اقبال کی سیاسی و معاشرتی خدمات ---------- 290
-4.3 دو قومی نظریہ ---------- 292
-4.4 وطنیت کے خلاف ---------- 292
-4.5 علامہ اقبال کا عملی سیاسیات میں متحرک کردار ---------- 293
-4.6 علامہ اقبال کے کارہائے نمایاں ---------- 295
-4.7 اہم نکات ---------- 295
-4.8 خود آزمائی نمبر 4 ---------- 296
-5 جوابات ---------- 297

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یونٹ کا تعارف

اقوام عروج وزوال کے ادوار سے گزر کر ہی سرخرو ہوتی ہیں۔ برصغیر کے مسلمان بھی زوال پذیر ہوئے اور انگریزوں نے ان پر اپنا تسلط قائم کر لیا، تو اس دورِ زوال میں چند دردمند افراد نے اپنے افکار اور عمل سے برصغیر کے مسلمانوں میں آزادی کی روح پھونکنے میں اہم کردار ادا کیا۔ ان میں شیخ احمد سرہندی، شاہ ولی اللہ، سرسید احمد خاں اور علامہ اقبال کی خدمت نا قابل فراموش ہیں زیر مطالعہ یونٹ میں ان مفکرین کی سیاسی ومعاشرتی خدمات کا اجمالی خاکہ پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

یونٹ کے مقاصد

ہمیں امید ہے کہ اس یونٹ کے مطالعے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ

1- شیخ احمد سرہندی کے افکار میں دوقومی نظریے کی بنیادیں تلاش کر سکیں۔

2- شاہ ولی اللہ کی خدمات اور کارناموں کا جائزہ لے سکیں۔

3- تحریک پاکستان میں سرسید احمد خان کے کردار پر تبصرہ کر سکیں۔

4- علامہ اقبال کے سیاسی افکار کی روشنی میں دوقومی نظریے کی وضاحت کر سکیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

1- شیخ احمد سرہندی (1564-1524ء)

شیخ احمد سرہندی کا نسب امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔ اسم مبارک احمد، لقب بدر الدین، کنیت ابوالبرکات اور عرف امام ربانی ہے۔ آپ کو عام طور پر حضرت مجدد الف ثانی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے جس کا مطلب دوسری ہزارویں ہجری میں اسلام کا احیاء کرنے والا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ راسخ العقیدہ مسلمانوں کی نظر میں شیخ احمد سرہندی کی بہت قدر ومنزلت ہے۔ اس اعزاز سے یہ بھی عیاں ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی مذہبی حالت کتنی دگرگوں تھی اور شیخ موصوف نے اپنی علمی اور روحانی قوتوں سے اسلام کا خوب دفاع کیا اور یہ عظیم خطاب حاصل کیا۔

آپ کی ولادت 26 جون 1564ء کو سرہند میں ہوئی۔ سترہ سال کی عمر میں اپنے والد شیخ عبدالاحد کی زیر سرپرستی درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ ان کے علاوہ آپ کے اساتذہ میں شیخ یعقوب، صوفی کشمیری، مولانا قاضی بہاول بدخشانی اور مولانا کمال کشمیری خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

1.1- مذہبی وسیاسی خدمات

حضرت شیخ احمد سرہندی کا ظہور اس زمانے میں ہوا جبکہ برصغیر پاک و ہند میں مسلمانوں کا سیاسی اقتدار زوروں پر تھا۔ لیکن اکبر اعظم کی مبہم اور کمزور مذہبی حکمت عملی نے مسلمانوں کو دھچکا لگایا تھا۔ اکبر نے اپنے آپ کو خلیفۃ الاسلام بھی کہتا تھا اور ساتھ ہی اسلام کے بنیادی عقائد سے اسے چڑ بھی تھی۔ اس کا کلمہ طیبہ میں تبدیلی کرنا، بجائے ایک خدا کے کئی خداؤں پر اعتقاد رکھنا، کھلے بندوں سورج کی پرستش کرنا اور عوام الناس کو حکم دینا کہ وہ اسے سجدہ کریں (جبکہ مسلمانوں کے عقیدے کے مطابق خدا کے سوا کسی کو سجدہ کرنا کفر ہے) اور ایک نئے مذہب دین الٰہی کا اجراء کرنا۔ ان حرکات کی وجہ سے تمام مسلمان برصغیر پاک و ہند میں مسلم حکومت کے ستون اور شراکت دار سمجھتے تھے، اکبر اعظم سے نالاں اور برانگیختہ ہو گئے تھے۔ اکبر اعظم کی ان حکمت عملیوں نے مسلمانوں کی سماجی اور مذہبی زندگی میں خلل پیدا کر دیا تھا۔ ہندوؤں کو اکبر اعظم کی اس حکمت عملی سے بڑی شہ ملی جس کے نتیجے میں بھگتی تحریک نے اسلام کی ترقی میں رکاوٹیں کھڑی کر دیں۔

متھرا بھگتی تحریک کا بڑا مرکز تھا۔ یہاں کے قاضی نے مسجد کی تعمیر کے لیے عمارتی سامان جمع کیا تو مقامی برہمنوں نے اسے اپنے مندر کی تعمیر کے لیے جبراً استعمال کر لیا۔ ہندو یوگیوں کے میل جول سے اسلامی تصوف پر بھی منفی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اثرات ظاہر ہو رہے تھے۔ تصوف اسلامی، مسلمانوں کو باعمل زندگی بسر کرنا اور شعائر اسلامی کی پیروی کرتے ہوئے دنیا سے تعلق قائم رکھنے کی تاکید کرتا ہے، لیکن اس کے برعکس ہندوازم یہ بتاتا ہے کہ دنیا کو ترک کرنے اور جسم کو فنا کرنے سے خدا ملتا ہے۔ یہ زندگی کا ایک منفی فلسفہ ہے۔ ان منفی تعلیمات کا اثر اتنا مہلک تھا کہ مسلم معاشرے کے اونچے درجے کے طبقے بھی ان اثرات کی طرف مائل تھے۔ عبدالرحیم خان ناناں جو کہ مغل امراء میں باکمال شخص تھا، ہندو یوگی ترلوچن گوسائن سے اتنا مرعوب تھا کہ وہ اسے سجدہ کیا کرتا تھا۔ ظفر خان احسن عہد ساہ جہاں کا بے نظیر صاحب سیف وقلم ادیب، شاعر اور گورنر کشمیر اسی یوگی سے دعائے برکت حاصل کرنے کے لیے انتہائی غیر اخلاقی حرکات کا مرتب ہوا تھا۔ اکبر اعظم کے چہیتے شیخ مبارک اور اس کے بیٹوں فیضی اور ابوالفضل کی تعلیمات راسخ العقیدہ مسلمانوں کے لیے زہر قاتل تھی۔ جن علماء نے اکبر اعظم سے اظہار بیزاری کیا ان پر شاہی قہر نازل ہوا اور اکثر علماء کو ملک کے مختلف حصوں میں تتر بتر کر دیا گیا۔ بالآخر مسلمانوں نے تنگ آ کر اکبر اعظم کو تخت سے برطرف کرنے کی کوشش کی تاکہ اس کا بھائی مرزا حکیم اس کی جگہ لے سکے۔ اگرچہ یہ بغاوت ناکام ہوگئی مگر اکبر اعظم کی مذہب سے بیزاری روز بروز زور پکڑتی گئی جس کے نتیجے میں شیخ احمد سرہندی کی سربراہی میں ایک باقاعدہ تحریک کا آغاز ہوا۔ آپ نے اکبر اعظم کی مذہبی حکمت عملی کو زائل کرنے کے لیے اپنے نہایت ہی مؤثر اور دلنشین قلم کا آزادانہ استعمال کیا اور اپنی خداداد روحانی قوتوں سے ان شیطانی حرکات کو فرد کرنے میں پورا زور لگایا۔ آپ کے مکتوبات ان چند کتب تصوف میں سے ہیں جنہیں تصوف کا علمی سرمایہ کہا جاتا ہے۔ ان مکتوبات میں شریعت کے رموز طریقت کے ذریعے اور طریقت کے حقائق شریعت کے آئینے میں دکھائے گئے ہیں۔

یہ مکتوبات درحقیقت معارف وعرفان کا خزینہ ہیں۔ ان کے ذریعے آپ نے دینی و دنیاوی، اخلاقی اور معاشرتی مسائل پر روشنی ڈالی۔ شریعت حقہ کی ترویج واشاعت خوب دل کھول کر کی۔ نیز ان بدعتوں کو روکا جو ہندوستانی ماحول اور اکبر اعظم کی ڈھیلی مذہب حکمت عملی اور اسلامی تصوف پر برا اثر ڈال رہی تھیں۔ ملت اسلامیہ کے اس تاریک دور میں بعض صوفیائے کرام وحدت الوجود یا ہمہ اوست کی نامناسب تاویلیں کرنے لگے تھے۔ یعنی خدا اور کائنات کو ایک ہی چیز سمجھتے تھے۔ حالانکہ کائنات تو خدا کی پیدا کردہ ہے، وہ اس کا حصہ کیسے ہوسکتی ہے؟ یہ ہندو یوگیوں کی تعلیمات کا اثر تھا کہ مسئلہ وحدت الوجود مسئلہ ویدانت کے زیر اثر آ گیا تھا، جس میں تمام دنیا کو ترک کر کے اپنے آپ کو فنا فی اللہ کرنے کی تعلیم دی جاتی تھی۔ حضرت شیخ احمد سرہندی نے ان اعتقادات کے خلاف قلمی جہاد کیا۔ ان کی تعلیمات کے مطابق مکمل طور پر شریعت کے تحت زندگی بسر کرنے سے ہی خدا مل سکتا ہے۔ آپ مسئلہ وحدت الشہود کے قائل تھے۔ ہر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چیز خدا کی طرف سے ہے آپ کے اعتقاد کے مطابق شریعت سے ہٹ کر عبادت اور ریاضت سب بے کار ہے۔ ایسی ریاضتیں تو یونان کے فلسفی اور ہندوستان کے یوگی بھی کرتے ہیں۔ آپ نے اپنے مکتوبات کے ذریعے مسلمانوں کے ذہنوں کو شکوک وشبہات سے پاک کیا، بدعتوں کے خطرات سے آگاہ کیا، حقیقی تصوف سے روشناس کرایا۔ دین کو نئی زندگی دی، جذبہ ایمان سے دلوں میں حرارت پیدا کی اور اس طرح مسلم معاشرے کو مذہبی اور سماجی استحکام میسر آیا جو اورنگ زیب کی وفات تک قائم رہا۔

1.2- سلسلہ نقشبندیہ

حضرت خواجہ باقی باللہ (1563-1603) نے سلسلہ نقشبندیہ ہندوستان میں شروع کیا۔ آپ نے اپنی زندگی کے آخری سال ہندوستان میں گزارے اور یہاں پر سلسلہ نقشبندیہ کو رائج کیا۔ شیخ احمد سرہندی کو یہ سلسلہ عین شریعت کے نزدیک نظر آیا اور وہ بھی اسی سلسلہ میں منسلک ہوگئے اور خواجہ باقی باللہ کے مریدوں میں شامل ہوگئے۔ خواجہ باقی باللہ اپنے ان مرید کی صلاحیتوں سے اتنے متاثر ہوئے کہ انہوں نے یہ اعلان کیا کہ شیخ احمد سرہندی ایک نور ہے جو جلد ہی تمام دنیا کو منور کرے گا۔ حضرت خواجہ باقی باللہ کے اثر ورسوخ سے شیخ احمد سرہندی کی واقفیت اور میل جول امرائے شاہی دربار سے بہت بڑھ گئے۔ جنہیں شیخ موصوف نے اپنی تعلیمات کی تبلیغ کرنے میں استعمال کیا۔ شیخ فرید نے جو جہانگیر کے بخشی تھے اور کئی صوبوں کے گورنر بھی رہ چکے تھے شیخ موصوف کے مشن کو زیادہ سے زیادہ رائج کرانے میں ہر ممکن مدد کی۔ حتیٰ کہ شیخ فرید شیخ احمد سرہندی کی مخلصانہ کوششوں کے نتیجے میں جہانگیر کو اسلام کی راسخ الاعتقادی کی طرف مائل کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ طبقات شاہجہانی میں (جو کہ محمد صادق نے شاہجہان کے عہد میں تصنیف کی ہے) مصنف نے اس زمانے کے نامی وگرامی صوفیائے کرام کی فہرست بھی دی ہے جو شاہجہان کے دورِ حکومت کے پہلے تیرہ سالوں میں مصروفِ عمل تھے انہی صوفیائے کرام میں آدھے سے زیادہ نقشبندی سلسلے کے معتقد تھے اور شیخ احمد سرہندی کو اپنا روحانی پیشوا مانتے تھے۔ تصوف کو عین شریعت سمجھتے تھے ار اسلام کے تمام عقائد کو تسلیم کرنا اور ان پر عمل کرنا ان کا ایمان تھا۔

حضرت مجدد الف ثانی کا اعتقاد تھا کہ شاہی دربار اور درباری لوگ سب راسخ العقیدہ ہونے چاہئیں کیونکہ مسلمانوں کی حکومت کا نصب العین ہی شریعت کی حفاظت اور اسے مستحکم کرنا ہے۔ آپ نے دور اکبر کی ملحدانہ روایات کے خلاف جہاد کیا اور لاتعداد مسلم امراء کو جو فوج اور نظامت میں اعلیٰ عہدیدار تھے، صحیح مسلمان بنایا۔ برصغیر پاک وہند

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں مسلمان ہندو ہمسایوں سے الگ تھلگ زندگی بسر کرتے تھے۔ لیکن چودھویں اور پندرھویں صدی کی مذہبی تحریکوں نے شیخ احمد سرہندی کو چوکنا کر دیا تھا۔ انہیں اسلام کی عظمت خطرے میں نظر آ رہی تھی۔ اس لیے آپ نے اسلام کی حفاظت کے لیے جدوجہد کا آغاز کر دیا۔ آپ نے ہندوؤں سے ہر قسم کی علیحدگی کی تلقین کی۔ ہندوؤں پر جزیہ لگانے کے لیے حکومت پر زور دیا کیونکہ جزیہ لگانے کے متعلق شریعت کے واضح احکامات ہیں۔ آپ نے زکوٰۃ کی ادائیگی پر بھی زور دیا۔ کسی مسلمان ریفارمر نے اکبر کی مقلدانہ مذہبی حکمت عملی کی مسلسل اتنی مخالفت و قفے اور شدومد کے ساتھ نہیں کی جتنی کہ حضرت مجدد الف ثانی نے کی ہے۔ آپ غیر مسلموں سے الگ تھلگ رہنے کے سخت حامی تھے۔ اسی لیے مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ ہندوستان میں موجودہ زمانے کی علیحدگی کی تحریکیں دراصل حضرت مجدد الف کی مذہبی احیاء کی تحریک سے ہی فیضان لیتی رہی ہیں۔ اس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں کہ حضرت مجدد اس سلسلے میں ہراول دستے کے سردار تھے۔ آپ نے غیر اسلامی شعائر کی مذمت ہی نہیں کی بلکہ وحدت الشہود کی تعلیمات سے علیحدگی کے تصور کو ایک جامع اور معنی خیز نظریہ قرار دیا۔ حضرت مجدد الف ثانی کی تعلیمات سے عالمگیر اورنگ زیب بہت زیادہ متاثر تھا۔ چنانچہ اس نے آپ کی کئی تعلیمات پر عمل بھی کروایا۔ یہ ناقابل تردید حقیقت ہے کہ اکبر کی مذہبی حکمت عملی کو شدید ردعمل کا سامنا کرنا پڑا۔ تخت نشینی کی جنگ میں داراشکوہ کی ناکامی اور عالمگیر کی بالآخر فتح بھی اکبر کی ناکام مذہبی حکمت عملی کا نتیجہ تھی۔ عالمگیر نے حضرت مجدد کی تعلیمات کو مستحکم کرنے کی کوشش کی۔ اس کام کے لیے اورنگ زیب نے اسلامی تعلیمی اداروں کو مستحکم کیا۔ ملا نظام الدین کا مشہور درس نظامی بھی اس زمانے میں شروع ہوا۔ اسلامی تعلیم کے پھیلاؤ کے لیے انعام و اکرام اور وظائف کا جال بچھا دیا گیا مسلمانوں کو ہندوں کے مدرسوں میں پڑھنے سے منع کیا گیا۔ چنانچہ اورنگ زیب عالمگیر کی وفات کے وقت مسلمانوں میں اتنی خود اعتمادی پیدا ہوگئی تھی کہ اسلامی تعلیمات سے سرشار ایک بہت بڑی تعلیم یافتہ مسلم عوام تیار ہوگئی تھی۔

1.3- اسلام کی تعلیمات اور بھگتی تحریک

ہندو پاک کی تاریخ گواہ ہے کہ اس برصغیر میں لاتعداد حملہ آور آئے۔ یہاں کی فرحت بخش آب و ہوا نے انہیں ایسا محفوظ کیا کہ وہ یہاں ہی کے ہو کر رہ گئے اور ہندومت میں جذب ہوتے گئے لیکن ہندومت مسلمانوں کو اپنے اندر جذب کرنے میں بالکل ناکام رہا۔ اگرچہ مسلمان بہت عرصے تک ہندوؤں سے الگ تھلگ رہے اور اپنے مذہب کے معمولات پر قائم رہے لیکن پھر بھی کچھ عرصے کے بعد ان دونوں مذاہب کے سنگم سے کچھ اثرات ظہور پذیر ہوئے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسلم صوفیا کا فلسفہ ہندو یوگیوں اور فلسفیوں پر اثر دکھانے لگا۔ اس طرح سے ہندو یوگیوں مثلاً نام دیو، بھگت بھیر اور گرونا نک پر مسلمانوں کے خیالات اثر انداز ہونے لگے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام کی روحانی بنیادیں مستحکم تھیں۔ اسلامی تعلیمات کی سادگی اور نظریہ توحید کی اثر پذیری کی وجہ سے ہندو مصلحین نے بت پرستی اور ذات پات کی سخت مذمت کی اور یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ صالح انسان صرف مذہبی رسم ورواج پر عمل کرنے سے صرف بھگتی سے بنتا ہے۔

اس نظریے کا سب سے پہلا پرچار کرنے والا رامانج (Ramaranja) تھا جو ذات پات اور بت پرستی کے سخت مخالف تھا۔ یہ ایک خدا (وشنو) کی پرستش پر یقین رکھتا تھا۔ جنوبی ہند میں اس کے بہت معتقدین تھے۔ رامانند یوگی نے بھگتی کی تعلیمات عوامی زبانوں میں دینی شروع کیں۔ اس نے بھی ذات پات کو رد کیا اور ہر مذہب کے پیروکار کو اپنا معتقد بننے کی دعوت دی۔ بنگالی مصلح چیتنیہ نے خدا کی محبت کا پرچار کیا۔ ذات پات جیسی رسومات کی مذمت کی۔ بھگتی تحریک کا ایک اور مصلح کبیر تھا۔ وہ مسئلہ تناسخ کو نجات کا ذریعہ سمجھتا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ ہندو اور مسلمان ایک ہی مٹی کے دو برتن ہیں۔ اس کے خیال میں دونوں ہی نصب العین حاصل کرنے کے لیے دو مختلف راستوں پر چل رہے ہیں۔ گرونانک بھی بھگتی تعلیمات کا معتقد تھا۔

ان سب کی تعلیمات پر اسلام کا اثر نمایاں ہے۔ یہ سب ذات پات اور بت پرستی کی مذمت اور ایک خدا کی پرستش کا پرچار کرتے ہیں۔ ان کی تعلیمات کے مطابق ہندوؤں، مسلمانوں، برہمنوں وغیرہ سب کا ایک ہی مشترکہ خدا ہے۔ یہاں تک تو ٹھیک تھا لیکن ہندومت کے اسلام پر اثرات مہلک بھی نظر آرہے تھے۔ حضرت مجدد الف ثانی نے سب سے پہلے اس خطرے کو بھانپ لیا اور مسلمانوں کو ہندوؤں سے ہر قسم کی علیحدگی کی تلقین کی۔

1.4- اہم نکات

(1) شیخ احمد سرہندی کا اسم مبارک احمد، لقب بدرالدین، کنیت ابوالبرکات اور عرف امام ربانی ہے۔

(2) حضرت شیخ احمد سرہندی کا ظہور اُس زمانے میں ہوا جب برصغیر پاک و ہند میں مسلمانوں کا سیاسی اقتدار زوروں پر تھا۔

(3) شیخ احمد سرہندی نے اکبر اعظم کے نام نہاد دین الٰہی کے خلاف آواز اٹھائی اور اُن کی سربراہی میں باقاعدہ ایک تحریک کا آغاز ہوا۔

(4) حضرت شیخ احمد سرہندی نے اُس دور کے غلط عقائد اور اعتقادات کے خلاف قلمی جہاد کیا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(5) شیخ احمد سرہندی ہی نے دورِ اکبر کی ملحدانہ روایات کے خلاف علم جہاد بلند کیا اور لاتعداد مسلم امراء کو جو فوج اور نظامت میں اعلیٰ عہدیدار تھے، سچا مسلمان بنایا۔

(6) رانا نند یوگی نے بھگتی کی تعلیمات عوامی زبانوں میں دی۔

(7) گرونانک بھگتی تعلیمات کا بہت زیادہ معتقد تھا۔

(8) اورنگ زیب نے اسلامی تعلیمی اداروں کو مستحکم کیا اور اورنگ زیب نے اسلامی تعلیم کے پھیلاؤ کے لیے انعام واکرام اور وظائف کا جال بچھادیا۔

1.5- خود آزمائی نمبر 1

سوال نمبر 1- درج ذیل خالی جگہ درست الفاظ سے پر کریں۔

1- متھرا.........................تحریک کا بڑا مرکز تھا۔

2- شیخ احمد سرہندی نظریہ وحدت.................................کے قائل تھے۔

3- ہندوستان میں سلسلہ.....................خواجہ باقی باللہ نے شروع کیا۔

4- ملا نظام الدین کا مشہور.........................بھی اسی زمانے میں شروع ہوا۔

5- بھگت کبیر، نام دیو اور.............................نے مسلمانوں کے خیالات بھی قبول کیے۔

سوال نمبر 2- درست پر نشان لگائیں۔

1- شیخ احمد سرہندی کا نصب امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔ ص/غ

2- شیخ احمد سرہندی کو مجدد الف ثانی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ص/غ

3- شیخ احمد سرہندی کی تاریخ ولادت 26 جون 1568ء ہے۔ ص/غ

4- حضرت خواجہ باقی باللہ نے سلسلہ نقشبندیہ ہندوستان میں شروع کیا۔ ص/غ

5- عالمگیر نے حضرت مجدد کی تعلیمات کو مستحکم کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ ص/غ

سوال نمبر 3- احمد سرہندی کی مذہبی وسیاسی خدمات کا تنقیدی جائزہ لیں۔

سوال نمبر 4- بھگتی تحریک پر مختصر نوٹ تحریر کریں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

2- شاہ ولی اللہ

اورنگ زیب عالمگیر کی وفات (1707) میں مسلمانان پاک و ہند کے مستقبل کے لیے ایک (1703-02) سانحہ تھا۔ اس کے بعد جلد ہی برصغیر میں مسلمانوں کی اخلاقی مذہبی قدروں کا زوال شروع ہو گیا۔ جب تک مسلمانوں کا یہاں پر سیاسی غلبہ تھا انہیں جداگانہ طور پر منظم کرنے کی ضرورت محسوس نہ کی گئی لیکن مسلم معاشرے میں ہندوؤں سے میل جول کے اثرات اب شدت سے محسوس کیے جانے لگے۔ سولہویں صدی عیسوی میں بھی ہندو اثرات اپنا رنگ دکھانا شروع کر رہے تھے، لیکن چونکہ مسلمانوں کا سیاسی غلبہ اس وقت عروج پر تھا اس لیے مجدد الف ثانی اور ان کے ساتھی اسلام کو بچانے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ اٹھارہویں صدی میں مسلمانوں کا سیاسی غلبہ کم اور ہندووانہ اثرات بہت نمایاں ہو رہے تھے اور اس کے نتیجہ میں مسلمانوں کی اخلاقی اور اقتصادی قدریں گر رہی تھیں۔ اس نقصان کا مداوا کرنے کے لیے کئی جامع تحریکیں نمودار ہوئیں تا کہ مسلمانوں کو سنبھالا دیا جا سکے۔ شاہ ولی اللہ کی دوراندیش نگاہوں نے ان سب حالات کا بخوبی جائزہ لیا اور وہ ان کے سدباب کے لیے کمربستہ ہو گئے۔

2.1- شاہ ولی اللہ کی مذہبی، سیاسی اور معاشرتی خدمات

شاہ ولی اللہ دہلی کے قریب موضع پھلت میں فاروقی نسل کے ایک بزرگ شاہ عبدالرحیم کے ہاں پیدا ہوئے آپ کا اصلی نام قطب الدین تھا اور اپنی نیک عادات کی وجہ سے ولی اللہ کہلاتے تھے۔ آپ نے چھوٹی عمر میں ہی دینی علوم میں سبقت حاصل کر لی اور سترہ برس کی عمر میں اپنے والد کے قائم کردہ مدرسہ میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اپنے ہم مذہبوں کی زندگیاں سنوارنے میں آپ کی سب سے بڑی کوشش رواداری اور وسیع مشرب ہونے کی تعلیمات تھیں۔ آپ سے پہلے مجدد الف ثانی کی تعلیمات نے بھی اسلام میں ایک نئی روح پھونک دی تھی لیکن اس وقت مسلمانوں کے مختلف متحارب فرقوں کو اخوت اور بھائی چارے کا سبق دینے کی سخت ضرورت محسوس کی جا رہی تھی۔ ملا اور صوفی شیعہ اور سنی حنفی اور حنبلی کا آپس میں اتفاق کرانا اشد ضروری تھا۔ شاہ ولی اللہ کا پختہ عقیدہ تھا کہ عدل ہر مہذب معاشرے کی بنیاد ہوتی ہے۔ عدل کو بنیاد رکھتے ہوئے آپ نے ایسا قابل قبول نقطہ نظر یہ پیش کیا جس سے صرف انتہا پسند لوگ ہی اختلاف رکھ سکتے تھے۔ آپ نے شیعہ سنی منافرت کو ختم کرنے کی غرض سے کئی پر مغز کتابیں لکھیں۔ مسلمانوں کے مجلسی حالات بہتر بنانے کے لیے آپ نے مشہور کتاب تفہیمات الٰہیہ میں مسلمانوں کو پُر زور الفاظ میں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نصیحت کی کہ ہندوؤں سے میل جول رکھنے کے باعث پیدا شدہ برائیوں سے بچیں۔ مثلاً نکاح بیوگان سنت رسول اللہ ہے اس سے پرہیز مت کریں۔ نکاح پر بڑے بڑے حق مہر باندھنا اور خوشی غمی پر بے دریغ پیسہ خرچ کرنا بدعت ہے۔ مسلمان سیاسی زوال کے بعد صرف نام کے مسلمان رہ گئے تھے۔ صحیح عقائد کو خیر باد کہہ کر مشرکانہ عقائد کو اپنا رہے تھے۔ ہر طرف بدعات کا اثر رونما تھا۔ علماء ایک دوسرے کے خلاف کفر کے فتوے لگا کر باہمی اختلافات اور فسادات کو ہوا دے رہے تھے۔

2.2- مشرکانہ عقائد و رسوم کے خلاف جہاد

بقول عبداللہ ملک، ''سیاسی زوال نے نہ صرف اخلاقی اقدار کو ہی مجروح کیا تھا بلکہ اس نے دینی عقائد کو بھی مسخ کیا تھا۔ توہم پرستی، جن بھوت اور تعویذ گنڈوں پر اعتقاد عام تھا اور جیسے جیسے قوم کی خود اعتمادی غائب ہوتی جا رہی تھی ویسے ہی قبر پرستی اور اولیاء اللہ سے استمداد کا عقیدہ تقویت پکڑتا جا رہا تھا۔ کہیں امام کے آنے کا چرچا ہوتا اور کہیں مہدی کا انتظار ہوتا۔ آیا ایسے عقیدے مذہبی طور پر جائز تھے یا نہیں لیکن قومی کردار اور جدوجہد کی صلاحیتوں اور عملی قوتوں پر ان کا اثر بہت مہلک ثابت ہو رہا تھا...... خانوادہ شاہ ولی اللہ اسی اخلاقی گراوٹ اور دینی انحطاط کے خلاف مصروف جہاد تھا''۔

آپ کی دلی خواہش تھی کہ شاہ ولی اللہ نے ایک ماہر طبیب کی طرح مسلمانوں کے معاشرے کی کمزوریوں کی نشاندہی کی اور اس نتیجے پر پہنچے کہ جب تک مسلمان اسلام کے اصول پر سختی سے کاربند نہ ہوں گے، ان کی اصلاح ممکن نہیں ہے۔ آپ نے معاشرے کے تمام طبقوں حکمرانوں، امراء، علماء، مشائخ اور عوام سے خطاب کیا اور انہیں بتایا کہ ان کی سب بیماریوں کا علاج اسلام پر سختی سے عمل کرنے میں مضمر ہے۔ خدائی احکام کی تعمیل کریں۔ بدعات سے بچیں، اسلام کو اپنی روزمرہ زندگی کا حصہ بنائیں۔ آپ نے حدیث، فقہ، تفسیر، تاریخ اور علم الکلام پر عربی و فارسی تقریباً پچاس اعلیٰ پایہ کی کتابیں لکھیں۔ آپ کی شہرہ آفاق تصنیف ''حجتہ البالغہ'' ہے۔

قرآن مجید کو عام فہم اور سادہ زبان میں ترجمہ کر کے عوام الناس تک پہنچایا جائے۔ چنانچہ آپ نے قرآن مجید کا آسان فارسی زبان میں ترجمہ کیا جب یہ ترجمہ 1738ء میں عوام الناس کے سامنے آیا تو جاہل مولویوں نے تلواریں کھینچ لیں اور کہا کہ قرآن مجید کو فارسی میں تبدیل کرنا پاک کتاب کی انتہائی توہین ہے۔ چنانچہ شاہ صاحب کی جان خطرے میں پڑ گئی لیکن انہوں نے ہمت نہ ہاری اور عوام کو سمجھایا کہ قرآن مجید دنیا میں اس لیے نازل نہیں ہوا کہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسے ریشمی جزدانوں میں لپیٹ کر، معطر کر کے طاق پر تبرکاً رکھ دیا جائے یا جس طرح غیر مسلم قومیں منتر پڑھتی ہیں مسلمان بھی اسے طوطے کی طرح رٹ کر بغیر سمجھے قرآن پڑھتے جائیں۔ قرآن مجید دراصل اسی مقصد کے لیے دنیا میں آیا ہے کہ لوگ اسے بار بار پڑھیں اور ان حقائق سے اپنی روزمرہ زندگی کا لائحہ عمل تیار کریں اور اس مقصد کے حصول کے لیے رائج الوقت زبانوں میں اس کا ترجمہ نہایت اہم ہے۔ چنانچہ آہستہ آہستہ معترضین کا غصہ ٹھنڈا ہوتا گیا اور نہ صرف شاہ صاحب کا فارسی ترجمہ مقبول عام ہوا بلکہ اردو اور دوسری زبانوں میں اس کے ترجمے کے لیے راستہ ہموار ہو گیا۔

2.3- تعلیمات کا اثر

شاہ صاحب اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے سب سے بڑے مبلغ تھے۔ انہوں نے اپنی بلند پایہ تصانیف کے ذریعے ذہنی انقلاب برپا کرنے کی کوشش کی۔

آپ کی تعلیمات نے مسلمانوں کو دینی حمیت اور سیاسی بیداری کو اجاگر کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا اور اس طرح احیائے دین کے لیے پوری دنیائے اسلام میں ان کے پیغام پر عملدرآمد کرنے والی ایک جماعت پیدا ہوگئی۔ انہوں نے شریعت اور طریقت کے اختلاف مٹا کر مسلمانوں کو صحیح معنوں میں ایک جماعت بن جانے کی ہدایت کی۔ انہوں نے علماء اور صوفیوں کے اختلافات ختم کرانے کی کامیاب کوشش کی۔

شاہ صاحب نے قرآن کو عام فہم بنانے کے لیے اسے فارسی میں ترجمہ کیا ان کے بعد ان کے ہونہار فرزندوں نے قرآن پاک کا اردو میں ترجمہ کیا۔ شاہ رفیع الدین کا سب سے بڑا علمی کارنامہ قرآن مجید کا اردو میں تحت اللفظ ترجمہ ہے جو اب تک مقبول عام ہے۔ شاہ عبدالقادر نے قرآن مجید کا بامحاورہ اردو میں ترجمہ کیا جسے آج تک مقبولیت کی سند حاصل ہے۔

وحدت الوجود اور وحدت الشہود کے اختلافات کا پڑنا جھگڑا آپ نے مدلل دلائل سے ختم کر دیا۔ آپ نے ثابت کیا کہ یہ دونوں مسلک ایک دوسرے کی ضد نہیں ہیں بلکہ روحانی علم حاصل کرنے کے لیے سیڑھیاں ہیں۔ وحدت الوجود شروع میں آتی ہے اور وحدت الشہود بعد میں ظہور پذیر ہوتی ہے اور مقصد دونوں مسالک کا ایک ہی ہے یعنی روحانی علم حاصل کرنا۔

شاہ صاحب کی تعلیمات کا نچوڑ یہ تھا کہ ہر مسلمان قرآن و سنت پر سختی سے عمل کرے، بدعتوں سے بچے اور عجمی اور ہندوؤں کے رسم ورواج سے دور بھاگے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شاہ ولی اللہ کی جدوجہد برائے ترویج اسلام کے فوری نتائج ان کی زندگی میں تو نمایاں نہ ہوئے لیکن ان کے بعد کی اصلاحی تحریکیں ہندوستان کو دوبارہ غلبہ دلانے کے لیے انہی کے نامدار خانوادہ سے شروع ہوتی رہیں۔ شاہ ولی اللہ کے مشن کو ان کے چار نامدار فرزندوں نے جاری رکھا اور ان میں سے دو نے قرآن کا اردو میں لفظ بہ لفظ اور بامحاورہ ترجمہ کیا۔ ان کے بڑے بیٹے شاہ رفیع الدین نے کلکتہ مدرسہ کی پرمنفعت ملازمت کو نامنظور کر دیا اور اپنی زندگی کے بقیہ پچاس سال ہندوستانی مسلمانوں کی روحانی تربیت کے لیے وقف کر دیئے۔ ان کے معروف پیروکار سید احمد بریلوی شہید نے تجدید اسلام کی سعی میں خاص نام حاصل کیا اور سکھوں کے خلاف عظیم جہاد کو منظم کیا۔ اگرچہ یہ جہاد ناکام رہا لیکن اس کے جوشیلے اثرات صرف دہلی تک ہی محدود نہ رہے بلکہ سید احمد بریلوی اور ان کے ساتھیوں نے تحریک جہاد کا راستہ اتحاد بنگال مسلمانوں کی جدوجہد کے ساتھ جوڑ دیا۔ 1757ء کی جنگ پلاسی کے بعد بنگال کا رشتہ شمالی ہند کے تعلیمی و روحانی حلقوں سے کٹ چکا تھا جس کو سید احمد بریلوی نے از سر نو جوڑ دیا اور اس طرح ایک صدی بعد بنگالی اور شمالی ہند کے مسلمانوں کے اتحاد کی بدولت پاکستان معرض وجود میں آیا۔

2.4- شاہ ولی اللہ کے عظیم کارنامے

اورنگ زیب کی وفات کے بعد فتنہ وفساد اور طوائف الملوکی کا سلسلہ چل نکلا۔ نااہل اور کمزور جانشینوں نے مسلم حکومت کی بنیادیں کھوکھلی کر دیں۔ سید برادران کے ہاتھوں جہاندادشاہ اور فرخ سیر قتل کر دیئے گئے۔ ایرانی اور تورانی امرا کی باہمی کش مکش نے مسلم ریاست کی بنیادیں ہلا دیں اور انہی باہمی سازوں کی بدولت بعد میں سید برادران بھی قتل ہو گئے۔ شاہ ولی اللہ یہ مخدوش حالات دیکھ کر سخت پریشان ہوئے۔ آپ کی دوربین نگاہوں نے بھانپ لیا کہ مرہٹے مغلوں کو ختم کر کے ہندو راج کا خواب دیکھ رہے ہیں۔ ان کی افواج اٹک سے راس کماری تک برصغیر کے بیشتر حصوں میں آگے ہی آگے بڑھ رہی ہیں۔ مغل بادشاہ مرہٹوں کے سامنے بالکل بے بس تھا۔ مسلمان امرا اپنی اخلاقی اور فوجی کمزوریوں کی وجہ سے مرہٹوں سے خائف تھے۔ مرہٹوں کی دیکھا دیکھی پنجاب میں جاٹ اور سکھوں نے اودھم مچا رکھا تھا اور مسلمان عوام کا ناطقہ بند کر رکھا تھا۔ 1738ء میں نادر شاہ نے دہلی میں قتل عام کروا کے مغلوں کی بنیادوں کو سخت دھچکا لگایا اور مرہٹوں کا دہلی پر قبضہ ہو گیا۔ اسی اثنا میں یورپین عوام اقوام بھی ہندوستان میں تجارت کے لیے آئی ہوئی تھیں۔ یہاں کی طوائف الملوکی سے فائدہ اٹھا کر انہوں نے بھی فتوحات کا سلسلہ شروع کر دیا۔ 1757ء کی جنگ پلاسی نے بنگال انگریزوں کے قدموں میں ڈال دیا۔ اس سے پہلے وہ دکن میں اپنے مضبوط قدم جما چکے تھے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ سب روح فرسا واقعات شاہ ولی اللہ کی دوررس نگاہوں کے سامنے تھے۔ انہوں نے درس وتدریس اور اپنی لاتعداد تصانیف کے ذریعہ اسلام کے دوبارہ احیاء کی جدوجہد کی۔ انہوں نے سوچا کہ اگر سیاسی طاقت مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گئی تو کہیں اسلام کو ہندوستان سے جلاوطن نہ ہونا پڑے۔ لہٰذا انہوں نے مسلمانوں کے سیاسی زوال کو بچانے کے لیے عملی کارروائی شروع کی۔ آپ نے مغل بادشاہ کی کمزوریوں کی مندرجہ ذیل وجوہات بتائیں۔

مغل بادشاہ کا خزانہ خالی تھا۔ لوگ بغیر کام کیے سرکاری خزانہ سے وظیفہ جعلسازی سے لیتے تھے۔ اپنے آپ کو طبقہ علماء سے ظاہر کرتے تھے اور مدد معاش کے طالب بن جاتے تھے یا سپاہی بن جاتے تھے اور تنخواہ کے حق دار ہو جاتے تھے۔ یا ایسے گروہوں یعنی شعراء یا صوفیاء وغیرہ سے تعلق ظاہر کرتے تاکہ بادشاہ سے انعام واکرام لیتے رہیں۔ اس طرح یہ لوگ ملکی معیشت پر بوجھ تھے اور بغیر کوئی کام کیے سرکاری خزانہ سے رقوم بٹورتے رہتے تھے۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ کاشت کاروں، تاجروں وغیرہ پر ٹیکسوں کا بوجھ بہت زیادہ تھا اور وہ آہستہ آہستہ تباہ ہو رہے تھے۔ وہ بغاوت پر تل جاتے اور ٹیکس ادا نہ کرتے اور پھر حکومت سے ان کی وفاداری مشکوک ہو جاتی تھی۔ کسی ملک کی خوشحالی کا راز یہ ہے کہ وہاں عوام پر ٹیکس ہوں اور فوج اور دوسرے محکموں میں دیانتدار اور باضمیر لوگ کام کریں۔ مفت خوروں کو کوئی تنخواہ نہ ملے۔

شاہ ولی اللہ نے مسلمانوں کے مختلف گروہوں میں صلح کرانے کی انتھک کوشش کی۔ آپ نے مغل بادشاہ نظام دکن، روہیلہ سرداروں حافظ ملک، رحمت خان اور نجیب الدولہ، اودھ کے نواب شجاع الدولہ اور دیگر سرکردہ امرا کو خطوط لکھے اور انہیں حالات کی نزاکت کا احساس دلایا۔ ان امرا کی آپس میں صلح کرادی لیکن ان کے باہمی شکوک پھر بھی زائل نہ ہوئے اور یہ اتحاد دیرپا ثابت نہ ہوا۔ چنانچہ بالآخر آپ نے بادشاہ احمد شاہ ابدالی (افغانستان) کو ایک دردناک خط لکھا کہ وہ مرہٹوں کے طوفانی فتنے سے ہندوستانی مسلمانوں کو بچائیں۔ چنانچہ 1761ء کی پانی پت کی تیسری لڑائی میں احمد شاہ ابدالی کے لشکر اور مرہٹوں کی فوج کے درمیاں گھمسان کی لڑائی ہوئی اور بالآخر مرہٹے ہمیشہ کے لیے برباد ہو گئے۔ اس فتح کے چند ماہ بعد حضرت شاہ ولی اللہ وفات پا گئے۔

اگر احمد شاہ ابدالی تخت دہلی پر قبضہ کر کے بادشاہ ہند ہو جاتا تو آج ہندو پاک کی تاریخ مختلف ہوتی۔ احمد شاہ ابدالی نے مغل بادشاہ کی بادشاہی بحال کر کے واپس کابل کی راہ لی۔ بعدازاں اسی لغزش کی وجہ سے سکھوں اور جاٹوں کے فتنے بہت خطرناک صورت اختیار کر گئے۔ اس طرح شاہ ولی اللہ کی جدوجہد جو وہ مسلمانوں کی بقا کے لیے کر رہے تھے ناکام ہو گئی اور مسلم حکومت ہندوستان میں ڈانواں ڈول ہو گئی۔ علیحدگی کا تشخص جسے مجدد الف ثانی نے محسوس کیا تھا اور شاہ ولی اللہ نے اسے بچانے کے لیے سرتوڑ کوشش کی بالآخر مسلمانوں کے لیے ایک مستقل شناخت بن گئی اور مشترکہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قومیت کا نعرہ جو کہ غیر مسلم ہندوستان میں لگاتے تھے وہ مسلمانوں کے لیے کبھی بھی کشش کا باعث نہ ہوا۔ مسلمان ہمیشہ اپنے علیحدہ تشخص سے باخبر رہے اور ہندوؤں کے رسم و رواج اور مذہب کے اثرات ان پر کم سے کم پڑے۔ یہی شاہ ولی اللہ کا عظیم کارنامہ ہے۔

2.5- اہم نکات

(1) شاہ ولی اللہ دہلی کے قریب موضع تھلت میں پیدا ہوئے۔

(2) شاہ ولی اللہ کا اصل نام قطب الدین تھا۔

(3) چھوٹی عمر میں ہی دینی علوم پر فضیلت حاصل کر لی اور سترہ برس کی عمر میں اپنے والد کے قائم کردہ مدرسے میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا۔

(4) شاہ ولی اللہ کا پختہ عقیدہ تھا کہ عدل مہذب معاشرے کی بنیاد ہوتا ہے۔

(5) آپ نے شیعہ سنی منافرت کو ختم کرنے کی غرض سے کئی کتابیں لکھیں۔

(6) شاہ ولی اللہ نے ایک ماہر طبیب کی طرح مسلمانوں کے معاشرے کی کمزوریوں کی نشاندہی کی اور اس نتیجے پر پہنچے کہ جب تک مسلمان اسلام کے اصولوں پر سختی سے کاربند نہ ہوں گے ان کی اصلاح ممکن نہیں۔

(7) شاہ ولی اللہ کا قرآن مجید کا آسان فارسی ترجمہ کیا۔

(8) فارسی میں ترجمہ کرنے پر شاہ ولی اللہ کی جان کو شدید خطرہ لاحق ہو گیا مگر آپ نے ہمت نہ ہاری۔

(9) وحدت الوجود اور وحدت الشہود کے اختلافات کا پرانا جھگڑا آپ نے مدلل دلائل سے ختم کر دیا۔

(10) مسلمانوں کو اپنے تشخص سے باخبر رکھنا اور ہندوؤں کے رسم و رواج اور مذہب کے اثرات ان پر کم کرنا شاہ ولی اللہ کا عظیم کارنامہ ہے۔

2.6- خود آزمائی نمبر 2

سوال نمبر 1- شاہ ولی اللہ نے مسلمانوں کی مجلسی اور مذہبی زندگی میں جو نقائص دیکھے ان کی فہرست بنائیں اور بتائیں کہ شاہ ولی اللہ نے ان کے لیے کیا علاج تجویز کیا؟

سوال نمبر 2- شاہ ولی اللہ کی تعلیمات پر ایک مختصر نوٹ لکھیں نیز ان تعلیمات کے کیا اثرات ظہور پذیر ہوئے؟

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سوال نمبر 3- شاہ ولی اللہ نے مسلمانوں کو سیاسی طور پر مضبوط بنانے میں کیا کردار ادا کیا اور وہ کہاں تک کامیاب رہے؟

سوال نمبر 4- برصغیر کے مسلمان معاشرے میں اصلاحی تحریکوں کا زور اٹھارہویں صدی میں شدت کے ساتھ ہوا۔ اس سے پہلے کیوں نہ ہوا؟ اس کی وجوہات کا جائزہ لیں؟

سوال نمبر 5- درج ذیل خالی جگہ درست الفاظ سے پر کریں۔

-1 1757ء کی جنگ پلاسی کے بعد .... کا رشتہ شمالی ہند کے تعلیمی و روحانی حلقوں سے کٹ گیا۔

-2 اورنگ زیب کی وفات کے بعد .... کا سلسلہ چل نکلا۔

-3 1738ء میں .... نے دہلی میں قتل عام کروا کے مغلوں کی بنیادوں کو سخت دھچکا دیا۔

-4 1761ء کی پانی پت کی تیسری لڑائی میں .... کے لشکر اور مرہٹوں کی ٹڈی دل فوج کے درمیان گھمسان کی لڑائی ہوئی۔

-5 نکاح پر بڑے بڑے حق مہر باندھنا اور خوشی غمی پر بے دریغ پیسہ خرچ کرنا .... ہے۔

سوال نمبر 6- درست اور غلط کی نشاندہی کریں۔

-1 مسلمان سیاسی زوال کے بعد صرف نام کے مسلمان رہ گئے تھے۔ ص / غ

-2 شاہ ولی اللہ کی شہرہ آفاق تصنیف ''حجۃ البالغہ'' ہے۔ ص / غ

-3 شاہ ولی اللہ نے حدیث، فقہ، تفسیر، تاریخ اور علم الکلام پر عربی اور فارسی میں تقریباً سو سے زائد اعلیٰ پائے کی کتابیں لکھیں۔ ص / غ

-4 شاہ رفیع الدین کا سب سے بڑا علمی کارنامہ قرآن کا اُردو میں تحت اللفظ ترجمہ ہے۔ ص / غ

-5 شاہ ولی اللہ نے مسلمانوں کے مختلف گروہوں میں صلح کروانے کی انتھک کوشش کی۔ ص / غ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

3- سرسید احمد خان

3.1- حالات زندگی

سرسید مسلمانان پاک و ہند کے عظیم محسن ہیں۔ ان کو جدید تعلیم سے آشنا کرنے والی اور مسلمانوں کی جداگانہ قومیت کے نظریے کے بانی وہ ایک ہی وقت میں اسلام کے محقق، علم کے پرچارک، قوم کے سوشل ریفارمر، نکتہ رس سیاستدان، مصنف، مضمون نگار، سچائی و صداقت کے علمبردار اور اس کی حمایت میں کسی قربانی سے دریغ نہ کرنے والے۔ وہ باوجودیکہ نہ جاہ، نہ مرتبہ، نہ دولت کا مالک ہے۔ پھر بھی مسلمانوں کا مسلمہ رہنما بن کر ابھرے۔ یاد رہے کہ ایسا رتبہ اس سے پہلے کسی شخص کو تلوار کے زور کے بغیر نصیب نہ ہوا تھا۔

سرسید رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے امام حسین علیہ السلام کی چھتیسویں پشت میں سے تھے۔ بنو امیہ کے ظلم و تشدد نے ان کے آباؤ اجداد کو ایران میں پناہ لینے پر مجبور کیا۔ شاہ جہان کے عہد میں یہ لوگ ہندوستان میں آ گئے جہاں انہیں اعلیٰ سرکاری عہدوں پر متمکن کیا گیا۔ سرسید 1817ء میں دہلی کے ایک معزز گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد سید محمد متقی ایک بہت بڑے عالم درویش صفت اور تارک الدنیا قسم کے بزرگ تھے اور حضرت شاہ غلام علی نقشبندی مجددی کے خاص مریدوں میں سے تھے۔ سرسید کے نانا دبیر الملک خواجہ فرید بھی اپنے زمانے کے جید عالم تھے اور وہ شاہ عبدالعزیز (ولی اللہی تحریک والے) کے سلسلہ طریقت کے پیرو تھے۔ اس طرح سے سرسید کو بچپن ہی میں ان دونوں مذہبی سلسلوں سے روحانی فیض پہنچا۔ ان کے نانا خواجہ فرید شہنشاہ اکبر ثانی کے وزیر بھی رہ چکے تھے اور ایسٹ انڈیا کمپنی کی طرف سے برما اور ایران میں سفارتی فرائض بھی انجام دیئے تھے۔ سرسید کی تعلیم کی طرف خاص توجہ دی گئی سب سے پہلے آپ نے قرآن مجید پڑھا پھر عربی فارسی کی تعلیم دی گئی اور علم طب کا مطالعہ کروایا گیا۔ قدیم فن ریاضی گویا ان کا موزونی ترکہ تھا جسے آپ نے بہت غور سے پڑھا۔ غالب اور صہبائی جیسے باکمال ادیبوں کی صحبت نے آپ کی زبان اور ادب کا ذوق نکھارنے میں بڑا کام کیا۔ تیراندازی گھوڑ سواری وغیرہ اور فنون حرب کی بھی آپ نے کافی مشق کی ہوئی تھی جس کی وجہ سے آپ کی جسمانی حالت مضبوط اور قابل رشک تھی۔ 1838ء میں آپ کے والد سید محمد متقی وفات پا گئے تھے اور ساتھ ہی شاہی وظیفے میں بند ہو گئے۔ تو سرسید کو فکر روزگار ہوئی اگرچہ سرسید کی تعلیم و تربیت قدیم طرز پر ہوئی تھی لیکن آزاد خیالی اور آزاد منشی بھی انہیں وراثت میں ملی تھی جس کی وجہ سے ان کے خیالات جدید

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھے۔آپ نے رشتہ داروں کی مخالفت کے باوجود انگریزی حکومت کی نوکری کو ترجیح دی۔اس اثناء میں بڑے بھائی کی وفات (1846) کا صدمہ نوجوان سرسید کے لیے سخت تکلیف کا باعث ہوا اور اس غم کو انہوں نے عبادت و ریاضت اور حدیث وفقہ کے مطالعہ سے دُور کیا۔انہی دنوں آپ کی طبیعت تحقیق کی طرف مائل ہوگئی۔اور دہلی کے آثار قدیمہ پر آثار الصنادید (1847ء) میں تصنیف کی۔اس کتاب میں دوسو سے زائد تاریخی عمارتوں اور دوسرے آثار مثلاً بازار، گلی، کوچے، باولوں اور کنوؤں کے متعلق بیانات بھی شامل ہیں۔اس میں ایک سو بیس مشاہیر یعنی علماء، فقراء، اطباء، شعراء، خوش نویسان اور دیگر اہل کمال حضرات کے حالات بھی درج ہیں۔اس کتاب کو آج تک مورخین اور ماہرین آثار قدیمہ سند کے طور پر تسلیم کرتے ہیں۔بعض محققین تو یہاں تک کہتے ہیں کہ اگر سرسید نے اپنی باقی ماندہ زندگی میں کوئی اور کام سرانجام نہ بھی دیا ہوتا تو بھی یہی ایک کتاب ان کو زندہ جاوید رکھنے کے لیے کافی تھی۔اس کتاب کی تصنیف سے سرسید کا فن معماری سے گہرا شغف ظاہر ہوتا ہے۔

3.2- 1857ء کی جنگ آزادی

1857ء کی جنگ آزادی برصغیر پاک و ہند کے لئے مسلمانوں کے ملکی سانحہ عظیم تھی۔اس عظیم سانحے کے بعد سرسید کی عظیم شخصیت منظر عام پر ابھری اور انیسویں صدی کے بقیہ حصے پر سرسید نے مسلمانوں کے عظیم محسن کی حیثیت سے لازوال اثرات چھوڑے ہیں۔سرسید جس گھرانے سے تعلق رکھتے تھے اس میں دین و دنیا کی بہت سی خوبیاں تھیں یعنی شان وحشمت، علم وعمل اور زہد وتقویٰ سب کچھ تھا۔ان کے اپرداداکی شجاعت، نانا کا علم ریاضی میں جید عصر ہونا اور والدین کا غیر معمولی دینی شغف اور قومی ہمدردی کا بہت عمل دخل تھا اور سرسید کو یہ سب اوصاف وراثت ہی میں ملے تھے۔ہندوستان میں مسلمان حکمران طبقے سے تعلق رکھتے تھے، ان کا اپنا ایک خاص تمدن تھا مخصوص معاشرت وتہذیب تھی اور ایک اعلیٰ معیار کے مالک تھے، مسلم سلطنت کے ستون اور شراکت دار تھے اور وہ ان سب پر بجا طور پر فخر کرتے تھے۔اعلیٰ ملازمتیں ان کے لیے منتظر رہتی تھیں۔وکالت، دیوانی قوانین اور فوجداری پر ان کی اجارہ داری تھی۔اپنی علمی وتمدنی قابلیت کی ہر جگہ داد پاتے تھے لیکن 1857ء کے ہنگامے کے بعد ان کے معاشرے کا نظام درہم برہم ہو گیا۔امراء شرفاء کے صد ہا خاندان تباہ ہو چکے تھے۔نظام تعلیم وتربیت جو صدیوں سے شہروں اور قصبوں میں نافذ تھا برباد ہو گیا تھا۔قدیم تہذیب کا کوئی مرکز نہ رہا تھا اس لیے وہ دم توڑ رہی تھی۔جدید خیالات سے نہ صرف یہ لوگ نابلد تھے بلکہ ان کی طرف سے سخت کشیدگی، بیزاری بلکہ نفرت پائی جاتی تھی۔سرسید نے اپنی آنکھوں سے اس تباہی کا خوفناک منظر دیکھا تھا جو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

1857ء کے انقلاب کے بعد مسلمانوں پر نازل ہوئی۔ مصیبتوں کے پہاڑ ان پر ٹوٹ پڑے تھے۔ انگریز (ہندوؤں کو ہرگز نہیں) صرف مسلمانوں کو ہی اصلی مجرم اور اپنا حقیقی دشمن سمجھتا تھا کیونکہ اس نے ان سے حکومت چھینی تھی۔ مسلمانوں کے مذہبی تعصب کا بھی انگریزوں میں بڑا چرچا تھا۔ انگریزوں سے ہاتھ ملانا یا اس کے ساتھ بیٹھ کر کھانا مسلمان بہت ہی غیر مناسب سمجھتے تھے۔ انہی حالات کو ذہن میں رکھتے ہوئے مسلمانوں کو ذلیل کرنا اور کچل دینا انگریزوں کی حکمت عملی کا لازمی حصہ تھا۔ ادھر ہندو انگریز کو اپنی خیر خواہی جتانے کے لیے اور مسلمانوں سے پرانے بدلے لینے کے لیے انگریزوں کے ساتھ یکجا ہو گئے تھے۔

اقتصادی بدحالی، تعلیمی پسماندگی، بے یقینی، لادینی، حرمان و یاس کی زندہ تصویر اور احساس کمتری کے شکار مسلمان ان کمزوریوں کا شکار ہو چکے تھے۔ خاص طور پر مسلمان عورتوں کی تعلیم سے بے گانگی اور جہالت اور اس کے پیدا شدہ نتائج زندگی کے حقائق سے فرار ہونے کی عادت اور اس سے پیدا شدہ نتائج کا سرسید نے بنظر غائر مطالعہ کیا تو وہ اسی نتیجے پر پہنچے کہ بنیادی وجہ مسلمانوں کی تعلیمی زبوں حالی اور ثقافتی پسماندگی ہے۔ آپ مغربی تہذیب کے اندھا دھند دلدادہ نہ تھے لیکن مغربی تعلیم سے مسلح ہو کر مغربی ثقافت کے اثرات سے اپنی ثقافت کو بچانا چاہتے تھے۔ انگریزوں نے مسلمانوں کے لیے تعلیم کے راستے مسدود کر دیے تھے اور مسلمان خود بھی مغربی علوم پڑھنا کفر سمجھتے تھے۔ مزید یہ کہ انہیں مغربی تعلیم حاصل کرنے کا کوئی فائدہ نظر نہ آتا تھا۔ اس طرح سرسید نے مسلمانوں کی تمام بیماریوں کی وجہ ان کی تعلیمی زبوں حالی کو قرار دیا اور اس خرابی کو دور کرنے کے لیے آپ نے اپنی زندگی وقف کر دی۔ سرسید کی دوربین نگاہوں نے اچھی طرح پرکھ لیا تھا کہ انگریزوں کو ہندوستان سے بزور شمشیر نہیں نکالا جا سکتا۔ حضرت احمد شہید بریلوی کی ناکامی اور پھر سکھوں کے خلاف وہابی تحریک کی ناکامی نے یہ امید ختم کر دی کہ مسلمان دوبارہ اقتدار حاصل کر سکیں گے۔ بقول حضرت شاہ عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ نے بطور سزا غیر قوم کو حکمران مقرر کیا۔ سرسید کے مطابق مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اپنا طور طریقہ بدلیں اور فوجی اقدامات کا خیال چھوڑیں۔ انگریزی کے ذریعے مغربی علوم حاصل کر کے ہی وہ اپنی ثقافت وغیرہ کو بچا سکتے ہیں۔ اس نصب العین کو حاصل کرنے کے لیے سرسید نے تن من دھن کی بازی لگا دی یہاں پر یہ ذکر کرنا بے جا نہ ہوگا کہ یہ وہی سرسید تھے جو 1857ء کی تباہ کاریوں کو دیکھ کر اتنے مایوس ہو گئے تھے کہ اُن کا خیال تھا کہ اب ہندوستان میں کوئی مسلمان عزت کی زندگی بسر نہیں کر سکتا۔ سرسید کی مسلم اخوت نے جوش مارا ان ہندوستانی مسلمانوں کی بہتری کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیا اور ہندوستان کو خیر باد کہنے کا خیال ہمیشہ کے لیے دل سے نکال دیا۔ سرسید کے خیال میں حاکم و محکوم کے درمیان بے اطمینانی و بدامنی کی سب سے بڑی وجہ ناواقفیت و

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لاعملی تھی۔ جس کو دور کرنے کی اہم ذمہ داری سرسید نے اپنے کندھوں پر لے لی اور 1858ء میں ایک معرکتہ الآراء تصنیف، اسباب بغاوت، شائع کی اور اسے حکومت ہند کی مخالفت اور اپنی ملازمت کی پابندیوں کے باوجود بھی برطانوی پارلیمینٹ کے ہر ایک رکن تک پہنچایا۔ سرسید کے مخالفین جو انہیں زندگی بھر انگریز دوستی اور انگریز پرستی کا طعنہ دیتے تھے، اس کتاب میں آزادانہ تنقید دیکھ کر دم بخود رہ گئے۔ سرسید نے اس کتاب میں نہایت مدلل، معقول اور غیر جذباتی انداز میں انگریز حکمرانوں کی غلط حکمت عملیوں کا تجزیہ کیا اور بتایا کہ کون سے نامناسب قوانین انہوں نے بنائے، کس طرح سے انہوں نے مسلم ماتحتوں اور محکوموں کے ساتھ غیر ہمدردانہ رویہ اختیار کیا اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ مسلمانوں کو باغی سمجھنا انگریزوں کی غلط فہمی ہے۔ سرسید نے یہ ثابت کیا کہ 1857ء کی بغاوت درحقیقت فوج کی بغاوت تھی نہ کہ قومی تحریک کا نتیجہ۔ انہوں نے لطیف پیرائے میں یہ بھی بیان کر دیا کہ مسلمانوں کو اپاہج کر کے انگریز ہندوستان میں کامیابی سے حکومت نہ کر سکیں گے۔ دراصل انہیں بغاوت کی حقیقت و وجوہات دور کرنی چاہئیں۔ اب اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ہندوستانی مسلمانوں کے بارے میں انگریزی حکام کے رویے میں جو بعد ازاں تبدیلیاں آئیں، ان کی وجہ سرسید کی یہ تصنیف ہی تھی۔

سرسید نے انگریزوں کے غیض و غضب کو ٹھنڈا کرنے کے لیے (Loyal Mohammadans of India) بھی لکھی جس میں مسلم امراء کی وفاداری کے کارنامے بڑھ چڑھ کر بیان کیے گئے۔ علماء کی تنگ نظری نے مسلمانوں کو مغربی تعلیم سے دور کر رکھا تھا۔ سرسید نے ایسے تنگ نظروں کے خلاف قلم جہاد کیا۔ لہٰذا جہاں بھی ان کی تعیناتی ہوتی تھی وہ وہاں مدرسے قائم کرتے تھے۔ سب سے پہلا مدرسہ 1859ء میں مراد آباد میں اور دوسرا 1863ء میں غازی پور میں قائم ہوا۔ ان مدرسوں کا عوام الناس میں بہت اچھا اثر پڑا۔ کیونکہ اس وقت صرف عیسائی مشنریوں کے مدرسوں نے مغربی تعلیم پڑھانے کی اجارہ داری سنبھالی ہوئی تھی۔

3.3- سائنٹفک سوسائٹی (Scientific Society)

1853ء میں سرسید کی زمانہ شناس نگاہیں دیکھ رہی تھیں کہ مغربی ادب اور علوم و فنون عالمگیر حیثیت حاصل کر رہے ہیں اور جو قوم ان جدید علوم و فنون سے بے بہرہ رہے گی وہ بالکل ہی پسماندہ اور ناکارہ ہو جائے گی۔ چونکہ ہندوستانی عوام بالعموم اور مسلمان بالخصوص انگریزی زبان سے ناواقفیت کی بناء پر جدید مغربی علوم کی تحصیل سے قاصر تھے اس لیے یہ مشکل اس طرح سے حل کی گئی کہ مشرق کے قدیم مصنفین کی عمدہ کتابیں اور جدید مغربی علوم کی کتابیں اردو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں ترجمہ کر کے چھاپی جائیں۔اس ادارے کا نام سائنٹفک سوسائٹی رکھا گیا سرسید کا تبادلہ 1864ء میں علی گڑھ میں ہو گیا اس لیے یہ ادارہ بھی ان کے ساتھ علی گڑھ چلا گیا۔علمی ذوق کو فروغ دینے کے لیے مختلف علوم وفنون کی کتابوں کی تالیف وترجمہ اس سوسائٹی کا اہم ترین مقصد قرار دیا گیا۔سرسید کی اولوالعزمی کا اندازہ اسی سے لگایا جا سکتا ہے کہ ترجمے کا کام موجودہ دور میں بھی نہایت مشکل سمجھا جاتا ہے غور کیجئے کہ اُس وقت یعنی ایک سو سال پہلے یہ کام کس قدر دشوار ہو گا جبکہ اچھے مترجم بھی نہیں ملتے تھے۔مذہبی ترجموں سے فیض یاب ہونے والوں کی تعداد قابل قدر تھی۔تقریباً چالیس نادر کتابیں اردو میں ترجمہ کی گئیں۔ترجموں کے اس عظیم کارنامے کے علاوہ سائنٹفک سوسائٹی کا ایک معرکتہ الآراء کام علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ کا اجراء تھا۔اس کا مقصد انگریزی حکومت کو ہندوستانیوں کے مسائل سے روشناس کرانا اور ہندوستانیوں کو انگریزی تہذیب کے قریب لانا تھا۔اس اخبار میں مختلف موضوعات یعنی اخلاقیات،سماجیات،سیاسیات، و دیگر علوم وفنون پر مقالے چھپتے تھے تا کہ ہندوستانی لوگوں میں مسائل سمجھنے کا شعور پیدا ہو سکے اور ان کے ذہن اور مزاج میں ایک مخصوص سیاسی ہم آہنگی پیدا کی جائے،اس میں بیشتر مضامین سرسید کے اپنے تصنیف کردہ ہوتے تھے۔یہ سرسید کا بہت بڑا کارنامہ ہے۔

3.4- سرسید کا سفر یورپ(70-1869)ء

سرسید نے باون سال کی عمر میں سفر یورپ کیا جب کہ اس عمر میں ہمارے لوگ اتنی تھکاوٹ سے بھرپور زندگی گزارنے کے بعد آرام وتفریح کو اپنا جائز حق سمجھتے ہیں۔سرسید انگریزوں کے نظام تعلیم کا مطالعہ کرنا چاہتے تھے تا کہ اپنے ہم وطن مسلمانوں کی تعلیمی ترقی میں رہنمائی کر سکیں۔1869ء میں آپ کے بیٹے سید محمود کو انگریزی حکومت نے اعلیٰ تعلیم کے لیے کیمبرج یونیورسٹی میں وظیفہ دیا تو سرسید بھی اپنے بیٹے کے ساتھ انگلینڈ چلے گئے جہاں انہوں نے سترہ ماہ قیام کیا اور زندگی کا مصروف ترین وقت گزارا۔انہوں نے وہاں کے عظیم کتب خانوں مثلاً انڈیا آفس لائبریری اور برٹش میوزیم کو کنگھالا،سر ولیم میور کی چار جلدوں پر مشتمل کتاب سوانح محمد ﷺ کی تصحیح کی اور کئی ماہ کی صبر آزما تحقیق کے بعد محمد ﷺ کی زندگی پر مضامین کی شکل میں ایک ضخیم کتاب لکھی جس کی طباعت پر مبلغ چار ہزار روپے کی خطیر رقم اپنی جیب سے خرچ کی۔اسی دوران آپ کی ایک انگریز (Jhon Daven Port) سے ملاقات ہوئی۔اس نے ایک بڑی اچھی کتاب (An Apology From Mohammad And) تصنیف کی تھی لیکن سرمایہ کی کمی کی وجہ سے چھپ نہ سکی تھی۔سرسید حالانکہ مالدار شخص نہ تھے لیکن انہوں نے یہ کتاب اپنے خرچ پر چھپوا دی۔اس سے ظاہر ہوتا ہے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ سرسید کو رسول کریم صلعم سے کتنی عقیدت تھی۔

سرسید نے 1869ء میں انگلستان کا سفر کیا جوان کے عظیم کارنامے کا آغاز تھا۔ آج مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی شکل میں یہ تعلیمی کارنامہ دنیا کے سامنے ہے۔ اس سفر کا سب سے بڑا مقصد یہ تھا کہ انگلستان کے نظام تعلیم کا مطالعہ کر کے اس کے نمونے پر مسلمانوں کی ایک عظیم درسگاہ قائم کی جائے۔ آپ کے دونوں فرزند سید حامد اور سید محمود بھی آپ کے ساتھ تھے۔ سرسید نے کیمبرج یونیورسٹی کے نظام تعلیم کا گہرا مطالعہ کیا اور ہر چھوٹی اور بڑی شے کو خوب غور سے دیکھا، اس پر غور وفکر کیا اور اس نتیجے پر پہنچے کہ مسلمانان ہند کی بہتری صرف جدید نظام تعلیم کے حصول میں ہی ہے۔ چنانچہ مسلمانوں کو جدید معاشرتی تقاضوں سے آگاہ کرنے اور ان کے ذہنوں کو دقیانوسی نظریات سے پاک کرنے کے لیے انگلینڈ سے واپسی کے بعد آپ نے تہذیب الاخلاق کے نام سے ایک رسالہ جاری کیا۔ یہاں پر اپنے ہم وطن مسلمانوں کے رسم ورواج اور عادات کو آڑے ہاتھوں لیا جن کی وجہ سے ان کی ترقی رکی ہوئی تھی۔ ان کا مغربی لوگوں سے موازنہ کیا اور سخت ترین زبان میں ان کی مذمت کی۔ نتیجتاً سرسید کے خلاف ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔ آپ نے 1868ء (یعنی انگلینڈ جانے سے پہلے) ایک رسالے میں لکھا تھا کہ اگر مسلمان عیسائیوں یا یہودیوں کے ساتھ کھانا کھائیں تو حرام نہیں ہے۔ ان کے دورہ انگلینڈ کو بھی راسخ العقیدہ لوگ اچھا نہیں سمجھتے تھے۔ ''تہذیب الاخلاق'' نے ان کے صبر کا پیمانہ لبریز کر دیا مگر سرسید اپنے مشن کی تکمیل میں مگن رہے۔ جدید تعلیم کو پھیلانے کے لیے ایک کمیٹی ''خواستگار تعلیم مسلمانان ہند'' قائم کی اور اہل قلم کو دعوت دی کہ جدید تعلیم پر اپنے خیالات انہیں لکھ کر دیں۔ سرسید نے ان سب تجاویز کا خلاصہ تیار کیا اور اسی خلاصے کے آخر میں جدید علوم کی اسلامی درس گاہ کا خاکہ پیش کیا جو سرسید کے فرزند سید محمود نے تیار کیا تھا۔ اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کے لیے سرمایہ فراہم کرنے کے لیے جدوجہد شروع کی گئی راسخ العقیدہ لوگ جو کہ سرسید کو پہلے ہی شک سے دیکھتے تھے انہوں نے اس نئی تعلیمی حکمت عملی کی شدید مخالفت کی۔ سرسید نے یہی مناسب سمجھا کہ مجوزہ مدرسہ جلد از جلد قائم کر دیا جائے تا کہ مخالفین ان کے پروگرام کا اپنی آنکھوں سے جائزہ لے سکیں۔ مجوزہ مدرسہ کے لیے آگرہ یا دہلی کو نظر انداز کر دیا گیا کیونکہ ان بڑے شہروں میں لگا تار گہما گہمی کی وجہ سے مدرسہ کی اہمیت کم ہو جائے گی۔ لہٰذا علی گڑھ جیسے خاموش قصبہ کو منتخب کیا گیا جہاں تعلیمی فضا سے سارا علاقہ گونج اٹھے گا۔ شومئی قسمت جب علی گڑھ میں قطعہ زمین برائے ادارہ متعین کر لیا گیا تو ضلعی انتظامیہ یعنی ضلع کے کلکٹر اور محکمہ تعلیم کے سربراہ نے سخت مخالفت کی لیکن صوبائی گورنر (Sir John Strachy) نے اس مخالفت کو رد کر دیا اور یہی قطعہ زمین تعلیمی ادارے کے لیے مخصوص کرنے کا حکم دے دیا۔ چنانچہ جون 1857ء میں ابتدائی جماعتوں کا داخلہ کر دیا گیا۔ جولائی 1876ء میں سرسید نے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حکومت میں ملازمت سے فراغت لی اور پنشن پر چلے گئے تاکہ ادارہ کے لیے ہمہ وقت تن من دھن سے کام کرسکیں۔ چنانچہ 8 جنوری 1877ء کو لارڈ لٹن وائسرائے ہند نے اسی تعلیمی ادارے کا سنگ بنیاد رکھا۔ اس طرح سرسید کی دیرینہ خواہش پوری ہوئی لیکن ایسے عظیم ادارے کے لیے سرمایہ کی اہم ضرورت تھی جس کے لیے سرسید نے ہزار جتن کیے تمام ملک میں دورے کیے اور ان کی کوششیں بارآور ہوئیں۔

یہ امر قابل غور ہے کہ سرسید نے دارالعلوم کا نشان امتیازی (Insignia) کھجور رکھا کیونکہ اس پھل دار درخت پر دور خزاں کبھی نہیں آتا۔ اور ہلال کا نشان بھی رکھا جس میں عزائم علیہ کی نمود ظاہر ہوتی ہے اور ساتھ ساتھ تاج برطانیہ کا نقش بھی رکھا مقصد یہ تھا کہ مسلمان اچھی طرح سے سمجھ سکیں کہ ان کی بقاء صرف تاج برطانیہ کی وفاداری ہی میں ہے اور انہیں برطانیہ کے خلاف کسی شورش میں حصہ نہیں لینا چاہیے لیکن کالج کا یونیفارم ایسا مقرر کیا جو کہ امیرالمومنین (ترکی) کا تھا تاکہ مسلمان یہ ذہن نشین رکھیں کہ مقامی حکمت عملی کے باوجود وہ عالمگیر مسلم برادری کے جزو ہیں۔

سرسید کی ایماندارانہ رائے تھی کہ سرکاری تعلیم مسلمانوں کے درد کی دوائے شافی نہیں ہے۔ اس لیے ان کو اپنی تعلیم کی خود فکر کرنی چاہیے۔ چنانچہ مسلمانوں کی فلاح وبقاء اسی میں ہے کہ ان کے ایک ہاتھ میں قرآن ہو اور دوسرے میں علوم مغربی اور سر پر لا الہ اللہ کا تاج ہو۔ علوم مغربی کے ساتھ مذہبی تعلیم لازمی قرار دی گئی۔ کیونکہ مذہبی تعلیم جسمانی تعلیم کے لیے جان ہے۔ یہ بھی ضروری قرار دیا گیا کہ دارالعلوم کو ایک اقامتی درسگاہ ہونا چاہیے، یعنی بورڈنگ ہاؤس ادارہ کے ساتھ ملحق ہونا چاہیے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ سارا ہندوستان بورڈنگ ہاؤس کے تخیل سے بالکل نابلد تھا۔ مولانا حالی کی مسدس نے سرسید کے دارالعلوم کی مخالفت کو ختم کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ 1880ء تک سرسید کا یہ ادارہ مسلمانوں کا ہر دلعزیز ادارہ بن چکا تھا اور مسلمان جوق در جوق اس میں داخل ہونا شروع ہو گئے تھے۔

علی گڑھ کا دارالعلوم سرسید کی زندگی میں ہی ایک عظیم تعلیمی ادارہ بن کر ابھرا لیکن سرسید کے زرخیز ذہن نے اسی پر اکتفا نہ کیا۔ ان کا خیال تھا کہ صرف ایک ہی ادارہ سارے ہندوستان کے مسلمانوں کی تعلیمی ضروریات پوری نہیں کرسکتا۔ چنانچہ آپ نے 1886ء میں محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کی بنیاد رکھی اور علی گڑھ کا پیغام تمام ملک میں پہنچایا۔ اس کانفرنس کا مقصد مسلمانوں کی تعلیم کو فروغ دینا اور ان کی جدید تعلیم کی ترقی پر کڑی نظر رکھنا تھا۔ اس کے سیاسی اثرات کا جائزہ ہم بعد میں لیں گے۔

مسلمانوں کو جدید تعلیم سے مزین کرنے میں سرسید کا نام اور کام غیر فانی ہے۔ وہ مسلمانان ہندو پاک کے ابدی شکریے کے مستحق ہیں۔ بقول جواہر لال نہرو سرسید کا قائم کردہ ادارہ دارالعلوم بعد میں آل انڈیا مسلم لیگ کا اسلحہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خانہ بن گیا اور اس نے قیام پاکستان میں بہت اہم کردار سرانجام دیا۔

3.5- سرسید کی سیاسی خدمات

ہندوستان میں مسلمانوں نے کم وبیش ایک ہزار سال حکومت کی جب ان کی سلطنت آفتاب غروب ہو چکا اس وقت سرسید اس دنیا میں آئے۔ وہ سن شعور کو پہنچے تو اپنے ملک کی عجیب وغریب حالت دیکھی۔ انگریزوں کا تسلط تیزی سے بڑھتا جا رہا تھا۔ مسلمانوں کو ہر طرف سے شکست ہو رہی تھی۔ مرہٹوں کا زور تو ایک حد تک ختم ہو چکا تھا لیکن سکھ اور انگریزوں نے دن دوگنی رات چوگنی ترقی کی جبکہ مسلمانوں کو اپنی تباہی کے سوا اور کچھ نظر نہ آتا تھا۔ چنانچہ جب 1857ء کا ہنگامہ برپا ہوا جسے مسلمان جنگ آزادی اور غیر مسلم غدر کہتے ہیں تو برطانوی سرکار اور اس کے فوجی افسروں نے یہی مناسب سمجھا کہ مسلمانوں کو سیاسی اور اقتصادی اعتبار سے ناکارہ کر دیا جائے۔ ہنگامہ ختم ہونے کے بعد مسلم اکابرین کا قتل عام کیا گیا، ان کی جاگیریں ضبط کر لی گئیں اور ملازمتوں کے دروازے ان پر مکمل طور پر بند کر دیئے گئے۔ ہندو اکثریت نے بہ عجلت تمام انگریزی حکمرانوں کی خوشنودی حاصل کر لی تھی اور ان کے ساتھ مل کر مسلمانوں کو ملیامیٹ کرنے کی کوشش میں سرگرم عمل تھے۔ اس وقت مسلمان اپنی تقدیر کے دوراہے پر کھڑے تھے اور کوئی تعجب نہ ہوتا کہ وہ مکمل تباہی اور بربادی کے گڑھے میں دب جاتے۔ 1857ء کا سانحہ سرسید کی زندگی میں ایک انقلاب لے کر آیا۔ انہوں نے مسلمانوں کو بچانے کے لیے سردھڑ کی بازی لگانے کا مصمم ارادہ کیا کیونکہ وہ اپنے آپ کو اس نہایت مشکل کام کا اہل سمجھتے تھے۔ ان کے سامنے دو فوری مقاصد تھے۔ اول یہ کہ انگریزوں اور مسلمانوں کے درمیان کشیدگی اور غلط فہمی کو دور کیا جائے، دوسرا یہ کہ انہیں جدید تعلیم سے آشنا کیا جائے تاکہ وہ نئے دور میں ترقی کی مواقع سے فائدہ اٹھا سکیں۔ تعلیمی حکمت عملی پر گزشتہ صفحات میں بحث آپ پڑھ چکے ہوں گے۔ اس لیے سرسید کے پہلے فوری مقصد یعنی انگریزوں کے مسلمانوں کے ساتھ تعلقات پر بحث ضروری ہے۔

سرسید نے رسالہ "اسباب بغاوت ہند" میں غدر کا ذمہ دار ان لوگوں کو ٹھہرایا جنہوں نے ہندوستانیوں کو وائسرائے کی کونسل میں نمائندگی سے محروم رکھا۔ انہوں نے یہ خواہش کی تھی کہ سلطنت برطانیہ کے دوسرے ممالک میں بھی مقامی لوگوں کو مجلس قانون ساز میں نمائندگی دی جائے۔ اس پمفلٹ کی کاپیاں برطانوی پارلیمینٹ کو بھی بھیجی گئیں اور ان خیالات کا خاص پذیرائی ہوئی۔ یہ جرأت مندانہ قدم سرسید نے ایسے وقت پر اٹھایا جبکہ ہندو محبان وطن انگریزی حکومت کی خوشامد میں سرگرم عمل تھے۔ تاہم 1857ء کے چند واقعات نے سرسید کو بہت مضطرب کر دیا۔ 1867ء میں بنارس کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بعض سربرآوردہ ہندوؤں نے یہ مہم چلائی کہ شمالی ہند میں اردو کی جگہ ہندی کو دفتری زبان بنایا جائے۔ اردو زبان کا فارسی رسم الخط ضرور تھا لیکن یہ زبان مسلمان ایران یا عرب سے نہیں لائے تھے بلکہ وہ یہاں ہی پھولی پھلی تھی لیکن اب ہندو اردو زبان کو مسلمانوں کی مذہبی زبان اور قرآنی رسم الخط میں لکھی جانے والی زبان کہہ کر اس کی بیخ کنی کے در پے تھے۔ اس پر سرسید نے فرمایا '' یہ پہلا موقع تھا کہ مجھے یقین ہو گیا تھا کہ ہندوستان میں مسلمانوں کا بطور قوم چلن محال ہو گیا ہے '' چنانچہ مسٹر شیکسپیئر کمشنر بنارس نے سرسید سے حیرانگی ظاہر کی کہ '' آپ تو ہندو مسلم اتحاد کے سب سے بڑے علمبردار تھے، اب آپ کو کیا ہو گیا ہے؟ '' سرسید نے فرمایا '' اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ یہ دونوں قومیں کبھی اکٹھی مل کر نہیں رہ سکتیں۔ جوں جوں وقت گزرے گا ان کے درمیان اختلافات کی خلیج وسیع تر ہوتی جائے گی۔ '' سرسید بخوبی جانتے تھے کہ ہندوستان میں مسلمان ایک علیحدہ ثقافتی وحدت بن کر ہی زندہ قوم کی حیثیت سے رہ سکتے ہیں جس طرح بدھ مت اور جین مت ہندو مذہب میں جذب ہو چکا ہے۔ اس طرح اگر مسلم ثقافت اور اردو ہندو دھرم اور ہندی میں ضم ہو گئی تو ہندوستان میں اسلام کا نام لیوا کوئی نہیں رہے گا۔ سرسید ضم ہونے کے عمل کے سخت مخالف تھے۔ (اس بات پر مہاتما گاندھی زور دیتے تھے کہ اردو کو ہندی میں ضم کیا جائے تاکہ مسلمانوں کی ثقافت ہندو دھرم میں جذب ہو جائے یہ بات قائداعظم محمد علی جناح کی سمجھ میں خوب آ گئی تھی اسی لیے مسلم ثقافت کو بچانے کے لیے انہوں نے ہر ممکن جدوجہد کی۔

1882ء میں سرسید نے لدھیانہ کے مسلم طلباء کے سامنے تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ سماجی اور سیاسی نقطہ نظر سے مسلمانوں کی قومی بنیاد اسلام ہے۔ وہ مسلمانوں کی غیر مسلم قوموں کے ساتھ مشترکہ قومیت کے سخت مخالف تھے۔ یہ بات نہ صرف ان کی تقاریر و تحریر بلکہ ان کی سماجی، ثقافتی، تعلیمی اور سیاسی سرگرمیوں سے بھی پوری طرح ظاہر ہوتی ہے۔

1883ء میں سرسید نے لارڈ رپن کے لوکل مبلیف گورنمنٹ بل پر ایک معرکتہ الآرا تقریر کی جن ممالک میں ایک ہی قوم ایک ہی نسل اور ایک ہی مذہب ہو وہاں مغربی جمہوریت یقیناً کامیاب ہے لیکن ہندوستان جیسے ملک میں جہاں ذات پات کی منافرت مخاصمت کی حد تک پھیلی ہوئی ہے۔ مختلف نسلیں نہ ہی ایک دوسرے کے پاس بیٹھتی ہیں اور نہ ہی ملنا گوارا کرتی ہیں۔ جہاں جدید تعلیم کے مواقع سب قوموں کو برابر میسر نہ ہوں وہاں لوکل بورڈ ڈسٹرکٹ کونسل میں اکثریت کی یعنی اونچے ذات کے ہندوؤں کی حکومت قائم کرنا اقتصادی سماجی اور سیاسی لحاظ سے تباہ کن ثابت ہوگی۔ کثیر التعداد قوم اقلیت کے حقوق کو کچل دے گی اور عوام حکومت وقت کو اسی ظلم کا ذمہ دار ٹھہرائیں گے۔

1885ء میں انگریز سویلین اے او ہیوم نے انڈین نیشنل کانگریس کی بنیاد رکھی اور کئی سال تک اسے برطانوی حکومت کی مکمل تائید حاصل رہی۔ اس کے سالانہ جلسوں میں انگریز گورنر بھی شریک ہوئے اور اس کے ہل

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سالانہ اجلاس کی ہر پہلی قرارداد تاج برطانیہ سے دلی لگاؤ اور گہری وفاداری ظاہر کرتی ہے۔ سرسید نے مسلمانوں کو مشورہ دیا کہ وہ کانگریس سے بالکل الگ تھلگ رہیں کیونکہ ہمارے ہندو بھائی جب مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں تو ہم ان کے ساتھ دوستانہ تعلقات نہیں رکھ سکتے۔

کانگریس نے وائسرائے کی قانون ساز اسمبلی کے ایک حصہ کو پر کرنے کے انتخابات کا مطالبہ کیا۔ سرسید نے اس کی سخت مخالفت کی کہ مغربی جمہوریت کا طریقہ انتخاب یعنی اکثریت کی حکومت ہمارے لیے زہر قاتل ہے۔ اس کی مثال ایک جوئے کی طرح ہوگی جبکہ ہندو کھلاڑیوں کے پاس چار پانسے اور مسلم کھلاڑیوں کے پاس صرف ایک پانسہ ہے اور نتائج کیا ہوں گے، بتانے کی ضرورت نہیں۔ سرسید کی اس تقریر نے ملک میں کھلبلی مچادی۔ ہندوؤں نے سرسید کو انگریزوں کا پٹھو کہا اور مسلمانوں نے اس تقریر کو بہت سراہا اور کانگریس میں شامل ہونے سے احتراز کیا۔

1893ء میں الہ آباد کے اخبار (Pioneer) میں سرسید کا ایک زبردست مضمون شائع ہوا۔ جس میں انہوں نے ہندوستان کے سماجی اور سیاسی مسائل پر سیر حاصل بحث کی تھی۔ آپ نے فرمایا کہ جان سٹورٹ مل کا فلسفہ کہ اکثریت کی حکومت ہو، میری سمجھ سے بالاتر ہے جب کہ اس کا اطلاق ہندوستان جیسے لا تعداد مختلف اقوام کے ملک میں ہو۔ بلحاظ قوم اور مذہب، عادات، رسومات، تمدنی حالات تاریخی روایات جب تک ایک جیسی نہ ہوں تو ملک کے امن اور بہتری کو غارت کرنے کے مترادف ہوگا یہ تجربہ تباہ کن ثابت ہوگا اور مسلم اقلیت کو تلوار کے زور سے اپنی حفاظت کرنا پڑے گی۔

سرسید کی ان تحریروں اور تقاریر نے مسلمانوں کے خوابیدہ احساس، جداگانہ قومیت کو بیدار کیا اور اسی سے مسلمانوں کی سیاسی تحریک کی راہ متعین ہوئی۔ سرسید نے کانگریس سے پوچھا کہ کیا یہ ممکن ہے کہ اگر انگریز ہندوستان سے اچانک چلے جائیں تو ہندو اور مسلمان تخت پر مساویانہ انداز سے متمکن ہوں گے یا خانہ جنگی کی لپیٹ میں سارا ملک آ جائے گا۔ سرسید کے خیال میں ایسی صورت میں خانہ جنگی یقیناً تھی۔ چنانچہ 30 دسمبر 1893ء کو سرسید کی تجویز پر مسلمانوں کے سیاسی حقوق کے تحفظ کے لیے مسلم ڈیفنس ایسوسی ایشن قائم ہوئی تاکہ مسلمانوں کے حقوق کی ترجمانی کی جائے اور ایسی عوامی ایجی ٹیشن کی حوصلہ شکنی کی جائے جو حکومت برطانیہ کے خلاف ہو۔ سرسید کے بیٹے سید محمود نے اس ایسوسی ایشن کی طرف سے ایک میمورنڈم پیش کیا۔ جس میں یہ واضح کیا گیا کہ ہندو ووٹر صرف ہندو اقتدار کو منتخب کریں اور مسلمان ووٹر صرف مسلمان امیدوار کو منتخب کریں ورنہ مخلوط انتخاب میں غلط مسلمان امیدوار جو کہ ہندوؤں کے پروردہ ہوں گے، منتخب ہو جائیں گے اور یہ مسلمانوں کا نقصان عظیم ہوگا۔ جسٹس سید محمود نے لطیف پیرا میں یہ بیان کیا کہ مخلوط انتخاب

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایسے ہوگا جیسے سکاٹ لینڈ کے کیتھولک عیسائیوں کو پروٹسٹنٹ عیسائی منتخب کریں۔ سرسید کے خیال میں انگریزوں کے بعد ہندو اکثریت کی حکومت مسلمانوں کے لیے مہلک ثابت ہوگی۔ اس لیے ہمارا کانگریس کا ساتھ دینا مسلمانوں کے گلے پر چھری پھیرنے کے مترادف ہے۔ ہندو پریس اور ہندو سیاستدانوں نے سرسید پر نہایت ہی گھٹیا حملے کیے لیکن وہ اپنے نصب العین پر ڈٹے رہے۔ آپ مسلمانوں کے پہلے رہنما تھے جنھوں نے مسلمانوں کے لیے اپنا مقصد اور علیحدہ سیاسی راستہ پیش کیا۔ ان کی تحریک علی گڑھ نے ایسی نسل پیدا کی جسے اپنے قومی فریضے اور تشخص کا پورا احساس تھا۔ ایک قدم کے بعد دوسرا قدم اٹھا۔ جداگانہ سیاسی راہ کے بعد جداگانہ انتخاب پھر جداگانہ قومیت اور بالآخر جداگانہ مملکت۔ مسلمانوں کے سیاسی شعور کو سرسید نے متحرک کیا تھا اور قائداعظم محمد علی جناح کی لاثانی قیادت نے اسے حقیقی مملکت اسلامی میں تبدیل کر دیا۔ بقول بابائے اردو مولوی عبدالحق اس میں ذرہ بھر مبالغہ نہیں کہ قصر پاکستان کی بنیاد میں سب سے پہلی اینٹ اسی پرمرد (یعنی سرسید) کے مبارک ہاتھوں نے رکھی اور اگر ہم سرسید احمد خان کو تحریک پاکستان کا پیشرو کہیں تو ہرگز مبالغہ نہ ہوگا۔

3.6- اہم نکات

(1) سرسید احمد خان 1817ء میں دہلی کے ایک معزز گھرانے میں پیدا ہوئے۔

(2) سرسید احمد خان کے والد اور نانا اپنے زمانے کے جید عالم تھے۔

(3) 1857ء کی جنگ آزادی برصغیر کے مسلمانوں کے لیے ایک عظیم سانحہ تھا۔

(4) 1857ء کے ہنگامے کے بعد مسلم معاشرے کا نظام درہم برہم ہو گیا تھا۔

(5) سرسید احمد خان نے اپنی آنکھوں سے اُس تباہی کا منظر دیکھا جو 1857ء کے انقلاب کے بعد مسلمانوں پر نازل ہوئی۔

(6) سرسید نے مسلمانوں کی تمام بیماریوں کی وجہ اُن کی تعلیمی زبوں حالی کو قرار دیا۔

(7) 1857ء کی بغاوت درحقیقت فوج کی بغاوت تھی نہ کہ قومی تحریک کا نتیجہ۔

(8) سرسید احمد خان نے انگریزوں کے غیض و غضب کو ٹھنڈا کرنے کے لیے Loyal Mohammadans of India لکھی جس میں مسلم امراء کے کارنامے وضاحت کے ساتھ بیان کئے گئے۔

(9) سرسید نے پہلا مدرسہ 1859ء میں مرادآباد میں اور دوسرا 1863ء میں غازی پور میں قائم کیا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(10) سرسید احمد خان نے ہمیشہ مغربی جمہوریت کے طریقہ انتخاب یعنی اکثریت کی حکومت کو مسلمانوں کے لیے زہر قاتل قرار دیا۔

3.7- خود آزمائی نمبر 3

سوال نمبر 1- درج ذیل خالی جگہ موزوں الفاظ سے پر کریں۔

(1) سرسید احمد خان کے والد .... نقشبندی کے خاص مریدوں میں سے تھے۔

(2) سرسید کی .... 1858ء میں شائع ہوئی۔

(3) سائنٹفک سوسائٹی نے اخبار .... کا اجراء کیا۔

(4) سرسید نے 1886ء میں .... کی بنیاد رکھی۔

(5) انڈین نیشنل کانگریس کی بنیاد .... نے رکھی۔

سوال نمبر 2- درست اور غلط کی نشاندہی کریں۔

-1 دسمبر 1893ء کو سرسید کی تجویز پر مسلمانوں کے سیاسی حقوق کے تحفظ کے لیے مسلم ڈیفنس ایسوسی ایشن قائم کی گئی۔ ص/غ

-2 سرسید احمد خان نے 1868ء میں انگلستان کا سفر کیا۔ ص/غ

-3 سرسید احمد خان نے سب سے پہلے قرآن پڑھا پھر عربی اور فارسی کی تعلیم لی اور طب کا بھی مطالعہ کیا۔ ص/غ

-4 سرسید احمد خان رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسے امام حسینؓ کی چھتیسویں پشت میں سے تھے۔ ص/غ

-5 سرسید نے انگریزوں کے غیض وغضب کو ٹھنڈا کرنے کے لیے Loyal Mohammadans of India لکھی۔ ص/غ

سوال نمبر 3- سرسید احمد خان نے انگریزوں اور مسلمانوں کے تعلقات خوشگوار بنانے میں کیا کردار ادا کیا؟ تفصیل سے بیان کریں۔

سوال نمبر 4- سرسید ہندو مسلم اتحاد سے بالآخر مایوس کیوں ہوئے اور اس کے کیا اثرات مرتب ہوئے؟

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

4- علامہ سر محمد اقبال (1877-1936)

4.1- حالاتِ زندگی

آپ کشمیر کے مشہور نو مسلم برہمن خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔آپ کا خاندان کشمیر کی صاحب دماغ پنڈت قوم سے وابستہ تھا۔ان کی گوت سپرد تھی۔آج سے تقریباً تین سو سال قبل آپ کے آباؤ اجداد مشرف بہ اسلام ہوئے۔ قبول اسلام کے بعد اس خاندان نے پہلے جس سنت نبوی ﷺ پر عمل کیا وہ ہجرت تھی اور کشمیر کو چھوڑ کر سیالکوٹ میں آباد ہو گئے۔ہر نو مسلم اپنے عقائد اور اپنے مذہب میں خاندانی مسلمانوں سے زیادہ پرجوش ہوتا ہے۔چنانچہ یہ خاندان بھی شریعت اور طریقت کی بہترین روایات کا حامل رہا ہے۔اسی لیے کلام اقبال میں ابتداء ہی سے اسلام سے محبت اور عشق رسالت واضح طور پر دکھائی دیتا ہے۔عام روایت ہے کہ سیالکوٹ شہر میں علامہ اقبال کا خاندان غربت کے باوجود اپنی نیکی اور پاک دامنی کی بدولت عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ان کے والد شیخ نور محمد کی معمولی سی دکان تھی لیکن ان کا بزرگوں سا احترام کیا جاتا تھا۔سید میر حسن عربی زبان کے فاضل تھے۔انہی سے علامہ اقبال نے عربی فارسی اور قرآن کا وہ بنیادی علم حاصل کیا جس نے ان کی فکر کو روشن کیا۔علامہ سید میر حسن عربی دانی میں اتنا کمال رکھتے تھے کہ مرے کالج سیالکوٹ جیسا مشنری ادارہ انہیں اپنے ہاں ملازمت دینے پر فخر محسوس کرتا تھا۔سید میر حسن کے شاگردوں کے آخری دستے میں ایک شاگرد جناب محمد فاضل جو 1926ء میں ان سے عربی پڑھتے تھے، بتاتے ہیں کہ جب وہ کالج سے ریٹائر ہوئے تو جو الوداعی تقریب منعقد ہوئی اس میں ان کے شاگردوں کی تعداد ایک ہزار سے متجاوز تھی۔آپ کے والد شیخ نور محمد کو تصوف ورثے میں ملا تھا۔ان پڑھ ہونے کے باوجود تصوف کے معاملات اور دین کے مسائل سے بخوبی آگاہ تھے۔انہوں نے روحانیت کی کئی منزلیں طے کی تھیں اور صاحب کشف و کرامت بزرگ تھے اور ان کا غیر فانی اثر ان کے فرزند ارجمند پر یقیناً پڑا۔

آپ 1877ء میں سیالکوٹ میں پیدا ہوئے آپ کے والدین کسی امیر کبیر طبقے سے تعلق نہ رکھتے تھے لیکن اپنی خداداد قابلیت سے سکول اور کالج میں آپ نے باقاعدہ وظائف حاصل کیے جن کی وجہ سے آپ کا اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا آسان ہو گیا۔ابتدائی تعلیم کے بعد آپ گورنمنٹ کالج لاہور میں داخل ہوئے جہاں پروفیسر تھامس آرنلڈ جیسے کہنہ مشق استاد کے چہیتے شاگرد بن گئے (پروفیسر صاحب دس سال مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں ملازمت کے بعد حال ہی میں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گورنمنٹ کالج لاہور میں ملازم ہوئے تھے) علامہ اقبال نے 1897ء میں وہاں سے بی اے اعزاز کے ساتھ پاس کیا۔ وظیفہ حاصل کیا۔عربی اور انگریزی جیسے مضامین میں امتیاز حاصل کرنے کی وجہ سے دو سونے کے تمغے بھی حاصل کیے۔1899ء میں ایم اے فلسفہ پاس کیا پھراسی کالج میں تعلیم وتدریس کا سلسلہ شروع کیا لیکن آپ کا ادبی ذوق جو کہ پہلے ہی اعزاز جیت رہا تھا اب دن بدن بڑھتا گیا۔1901ء میں آپ کے دوست سر عبدالقادر نے ''مخزن'' رسالہ جاری کیا جسے علامہ اقبال نے وقتاً فوقتاً اپنی نظموں سے نوازا۔اس وقت تک آپ کی شہرت انجمن حمایت اسلام تک بھی پہنچ چکی تھی۔آپ نے انجمن کے سالانہ اجتماعات میں اپنی نظمیں پڑھنا شروع کیں۔ جس سے آپ کی شہرت کو چار چاند لگ گئے۔آپ کا مشہور ومعروف ''ترانہ ہند'' برصغیر کی تمام قوموں کا ہردلعزیز تھا یہ نسبت بنکم چندر چیڑجی کے ''بندے ماترم'' کے جو مسلمانوں کے جذبات مجروح کرتا تھا اور بعدازاں بندے ماترم انڈین نیشنل کانگریس کا قومی ترانہ بن گیا تھا۔

اقبال کی شاعری کی ابتدا ایک قوم پرست اور ''ہمہ اوست'' کی شاعری کے مترادف تھی اور یہ دور 1905ء میں ختم ہوگیا جب وہ اعلیٰ تعلیم کے لیے انگلینڈ چلے گئے۔اور وہاں سے اتحاد اسلامی کے زبردست علم بردار اور اخلاق اور مذہب میں کٹر بن کر واپس آئے۔اس انقلابی تبدیلی کی وجہ یہ تھی کہ وہاں پر انہوں نے اسلامی تصوف پر دورس تحقیق کی۔علامہ اقبال کا اسلام سے لگاؤ بطر سیاسی اور معاشرتی تنظیم کے بھی تھا لیکن انگلینڈ سے واپسی کے بعد یہ سیاسی اور معاشرتی لگاؤں ایک عملی شکل اختیار کر گیا جس کی واضح مثال 1909ء میں ملی جبکہ امرتسر کی انجمن (جسے میفر والاج کہتے تھے) جو کہ ایک وسیع المشرب اور اپنے آپ کو ملک وملت کے تعصبات سے آزاد اور تمام دنیا کو اپنا سمجھنے کا دعویٰ کرتی تھی جس کے ممبران ہندو، مسلمان بھی تھے، نے آپ کو اس کے جلسہ میں شرکت کی دعوت دی لیکن علامہ نے اسے قبول نہیں کیا کیونکہ اب ان کا پختہ اعتقاد ہو چکا تھا کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کا میل جول ناممکن ہے اور ان کے بہترین مفاد میں ہے کہ وہ اپنے قومی تشخص کی خود حفاظت کریں مشترکہ قومیت ایک خوبصورت نصب العین ہے لیکن ہندوستان میں اس کا حصول محال ہے۔

4.2- علامہ اقبال کی سیاسی ومعاشی خدمات

علامہ اقبال کی لازوال شہرت آپ کی غیر فانی شاعری کی بدولت ہے۔حالانکہ معاشرتی اور سیاسی میدان میں بھی علامہ اقبال کے کارنامے ضرب المثل ہیں۔ابھی تک کسی محقق نے علامہ اقبال کا مطالعہ بطور دورس سیاستدان اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ماہر معاشرتی علوم کے نہیں کیا۔ اگر ایسا کیا جائے تو ہمیں معلوم ہوگا کہ اقبال نے نہ صرف ہمیں ایک جاندار تخیل دیا بلکہ برصغیر کی آئینی گھتیاں سلجھانے میں بے مثال مدد دی۔

1914ء کی جنگ عظیم کے خاتمے کے بعد ترکوں کے ساتھ مناسب سلوک نے ہندوستان میں تحریک خلافت کو جنم دیا۔ کچھ عرصہ تک علامہ اقبال نے اس تحریک کے ساتھ یک جہتی ظاہر کی لیکن جلد ہی اس سے کنارہ کش ہو گئے۔ تحریک خلاف کے رہنماؤں کا ''کاسۂ گدائی'' لے کر انگلینڈ جانے کا آپ نے بہت برا منایا کہ خلافت کے رہنما یا تو عقل سے خالی ہیں یا وہ مسلمانوں کی بہتری سے نابلد ہیں۔ اس لیے آپ نے تحریک خلافت سے قطع تعلق کر لیا اور تحریک عدم تعاون کی کھلم کھلا مذمت کی، اسلامیہ کالج لاہور کے طلباء کو اس میں شرکت سے باز رکھا اور اس طرح ایک قومی ادارے کو تباہی سے بچا لیا۔ مہاتما گاندھی نے تحریک خلافت کی صرف اس لیے حمایت کی تھی کہ مسلمانوں کو متحد ہونے سے انگریزوں کے خلاف متحدہ محاذ مضبوط تر ہوتا تھا لیکن بعد میں رونما ہونے والے واقعات نے علامہ اقبال کو سخت مایوس کیا اور کانگریسی ہندوؤں کی مسلم آزار روش بے نقاب ہو گئی۔ 1916ء کے میثاق لکھنؤ نے مسلمانوں کو بالآخر سخت دھچکا دیا۔ یہ معاہدہ مسلم لیگ اور کانگریس کے درمیان پہلا اور آخری سمجھوتہ تھا اس کی رو سے مسلمانوں کے جداگانہ انتخاب کے حق کو تسلیم کر لیا گیا تھا اور مسلم قوم کے الگ وجود کو مان لیا گیا تھا لیکن دھچکا اس وجہ سے لگا کہ ہندو اکثریتی صوبوں میں مسلمانوں کو آبادی سے زیادہ تناسب یعنی پاسنگ (Weightage) دے دیا گیا لیکن پنجاب اور بنگال جیسے مسلم اکثریتی صوبوں میں غیر مسلموں کو پاسنگ یعنی (Weightage) مل گیا تو مسلمان یہاں بھی اکثریت یعنی اہمیت کھو بیٹھے۔ اس طرح برصغیر میں ایک صوبہ بھی ایسا نہ رہا جسے مسلمان اپنا صوبہ کہہ سکتے۔ میثاق لکھنؤ کے سات سال بعد ہندو اس سے لاتعلق ہو گئے کیونکہ وہ مسلمانوں کے جداگانہ نیابت کے سخت مخالف ہو گئے اور مسلمان اس سے اس لیے منحرف ہوئے کیونکہ وہ اپنے اکثریتی صوبوں میں اپنی اکثریت کھو بیٹھے۔ مثال کے طور پر پنجاب میں مسلم آبادی کا تناسب 55 فیصد جب کہ صوبائی کونسل میں مسلم ارکان کا تناسب 50 فی صد قرار پایا اس طرح 5 فیصد کم نشستیں ملیں۔ ان حالات کی وجہ سے فریقین نے اپنی پوزیشنوں پر از سر نو غور کیا۔ متحدہ قومیت کے متعلق علامہ اقبال کہتے ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ ایک قوم کا تخیل پسندیدہ بھی ہے یا نہیں۔ مسلمانان ہند کے لیے ایک ایسا وطن ہونا چاہئے جسے وہ اپنا گھر سمجھیں اور جہاں رہ کر وہ اپنی تہذیب اپنے افکار اپنے تمدن و معاشرت کو اپنی منشا اور خواہش کے مطابق ترقی دے سکیں آپ نے اس نظریے کو انتہائی غلط قرار دیا کہ اتحاد اسلامی کے لیے احیائے خلافت ضروری ہے کیونکہ مسلمان ممالک کو چاہئے کہ پہلے اپنی آزادی اور استحکام کا بندوبست کریں اس کے بعد انجمن مسلم اقوام متحدہ بنائی جاسکتی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

4.3- دوقومی نظریہ

(آپ نے جداگانہ انتخاب کی زبردست حمایت کی۔آپ کے خیال میں جداگانہ نیابت کو قومیت کے خلاف سمجھتے ہیں کیونکہ ہندوؤں کے نزدیک برصغیر کے تمام باشندے ابتداً ہندو تھے وہ ان سب کا اختلاط چاہتے تھے تاکہ کسی مخصوص ملت کا انفرادی نشان باقی نہ رہے لیکن علامہ اقبال ہندوستان میں مسلمانوں کو ایک علیحدہ قوم سمجھتے تھے اور ہندوستان کے سیاسی مسائل کا صرف ایک ہی حل تھا کہ ہر جماعت اپنی مخصوص قومی تہذیبوں کی بنیاد پر آزادانہ طور پر پھلے اور پھولے۔)

4.4- وطنیت کے خلاف

علامہ اقبال نے مسلمانوں کو نیشنلزم کے زہر سے بچایا۔آپ نے مسلمان نوجوانوں کو ان کے اسلاف اور بزرگوں کی عظمت و برتری یاد دلائی تاکہ ان میں شعور پیدا ہو سکے کہ قوم وطن اور زبان سے نہیں بلکہ ''عقائد'' قوم کو جنم دیتے ہیں۔آپ نے وطن کی بنیاد پر قومیت کے تصور کو بالکل رد کر دیا۔آپ نے برصغیر کے مسلمانوں کے اندر قومی حمیت کا جذبہ پیدا کیا۔علامہ اقبال نے یہ کہہ کر مسلمانوں کو گرمایا کہ ان کی مجموعی تعداد تمام ایشیائی ملکوں کے مسلمانوں کی مجموعی تعداد سے زیادہ ہے اس لیے انہیں متحد ہو کر اسلام کی ایک متحرک قوت کی حیثیت سے ابھرنا چاہئے۔آپ نے عملی سیاست میں نہ صرف حصہ لیا بلکہ برصغیر کے مسلمانوں کی مشکلات کا حل سب سے پہلے عملی صورت میں پیش کیا۔علامہ اقبال نے بھی اس راستے کی پیروی کی جو سرسید احمد خان نے پہلے ہی دکھا دیا تھا۔آپ اگرچہ فطری طور پر فلسفی اور شاعر تھے مگر ملت اسلامیہ کا درد انہیں سیاست کے میدان میں کھینچ لایا اور مسلمانوں کو بحیثیت ایک ملت اور قوم کے اپنے تہذیبی وملی وجود کے تحفظ کے لیے آمادہ کیا۔تحریک خلافت کی ناکامی نے مسلمانوں کو مایوسی اور ناامیدی کا شکار کر دیا تھا۔آپ کی شخصیت نے اپنی شاعری، پیغامات اور فلسفے سے ملت میں نئی روح پھونک دی۔انسانیت کی راہ نجات صرف تعلیمات اسلامی میں مضمر ہے مسلمانوں کی تہذیب سب سے بہتر اور قابل فخر ہے مسلمانوں کو دوسروں کی تقلید کرنے کے لیے نہیں بلکہ امامت کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔لہٰذا مسلمان خود کو پہچانے اور اسلام کی سربلندی کے لیے خود کو وقف کرے۔

انہی مقاصد کے حصول کے لیے آپ نے سیاسی سرگرمیوں میں بھرپور حصہ لیا چنانچہ 1926ء میں آپ پنجاب لیجسلیٹو اسمبلی کے رکن منتخب ہو گئے اور یہاں بھی مسلمانوں کے حقوق کے لیے سینہ سپر ہو گئے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

30 دسمبر 1930ء میں مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں جو کہ الہ آباد میں منعقد ہوا، آپ نے اپنا شہرہ آفاق خطبہ صدارت دیا۔ پاکستان کے تخیل کو عملی صورت میں ڈھالنا اور مسلمانوں کے ایک بہت بڑے اجتماع میں پیش کرنا یہ آپ ہی کا کارنامہ تھا۔ اس میں مسلم لیگ کے سیاسی پلیٹ فارم پر پہلی بار علیحدگی کا نعرہ لگایا گیا۔ آپ نے اسی خطبے میں مسلمانوں کے علیحدہ تشخص کو واضح کرنے میں وضاحت کے دریا بہا دیئے۔ برصغیر کے سات کروڑ مسلمان ایشیائی مسلمانوں کی مجموعی افرادی قوت سے بھی زیادہ ہیں۔ اس لیے اگر ان کا علیحدہ تشخص قائم نہ ہوا تو ان کا کیا حشر ہوگا۔ اس لیے مسلمان صرف متحد ہو کر ہی یہ نصب العین حاصل کر سکتے ہیں۔ ہندو مسلم اتحاد ایک ناممکن سا عمل نظر آتا ہے اور عین ممکن ہے کہ ہندوستان میں ایسے خطرناک حالات پیدا ہو جائیں کہ مسلمانوں کو اپنا علیحدہ تشخص قائم کرنے کے لیے سخت جدوجہد کرنا پڑے۔ اگر مسلمانوں کے اس حق کو تسلیم کر لیا جائے تو مسلمانان ہند ہندوؤں کے ساتھ مل کر وطن کی آزادی کے لیے کسی قربانی سے دریغ نہ کریں گے۔ ہندوستان مختلف اقوام کا وطن ہے جن کی نسل، زبان، مذہب وغیرہ سب ایک دوسرے سے لگ ہیں۔ اس لیے جب تک یہاں اسلامی ہندوستان نہ بن جائے یہاں کے حالات پرسکون نہیں ہو سکتے۔ اس لیے آپ نے پیشگوئی کی تھی کہ اسلامی ریاست ہندوستان کے اندر بننے کا مقدر بن چکا ہے۔ اسی طرح بنگال کے ہندو اضلاع علیحدہ کر کے وہاں بھی مسلم ریاست بنا کر پائیدار امن قائم کیا جا سکتا ہے ایسی مملکت کے ظہور میں آنے سے مسلمانوں میں احساس ذمہ داری قوی ہو جائے گا، ان کا جذبہ حب الوطنی دن دوگنی رات چوگنی ترقی کرے گا اور ہندوستان کو اس مسئلہ کے حل سے حقیقی امن اور سلامتی کی ضمانت مل جائے گی۔ یہی لاثانی خطبہ بعد ازاں پاکستان کے تصور کی بنیاد بنا۔ اسی تخیل کو بعد میں پاکستان کا نام دیا گیا۔ اس لفظ کے خالق چوہدری رحمت علی کیمبرج یونیورسٹی کے طالب علم تھے۔ بعد ازاں یہی تخیل ایک متحرک قوت بنتا گیا۔

4.5- علامہ اقبال کا عملی سیاسیات میں متحرک کردار

آپ نے کشمیر میں ڈوگرہ راج کی ظالم حکومت کی پرزور مذمت کی اور 1931ء کی کشمیر ایجی ٹیشن میں بھرپور حصہ لیا۔ صوبہ پنجاب اس وقت یونینسٹ پارٹی کی اجارہ داری بن چکا تھا آپ نے اس کو جاگیرداروں کے چنگل سے آزاد کرانے میں نمایاں حصہ لیا۔ جب قائداعظم اور میاں سر فضل حسن کے مذاکرات ناکام ہوئے تو اول الذکر کو پنجاب میں مسلم لیگ کی از سر نو تنظیم کرنا پڑی اس وقت علامہ اقبال کی لگاتار مخلص اور انتھک حمایت ہی آپ کا سب سے بڑا سہارا تھی۔ خرابی صحت کے باوجود آپ نے پنجاب مسلم لیگ کا سربراہ منظور کر لیا۔ یہ تمام واقعات ہمیں قائداعظم کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اقبال کے نام خطوط سے ملتے ہیں۔

قادیانیوں کے خلاف مسلم عوام میں چنگاری اس وقت بہت تیز ہوئی جب میاں سر فضل حسن کی وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کی ممبری کی مدت میعاد ختم ہوگئی اور ان کی جگہ مرزا سر ظفر اللہ خان ایک قادیانی کو لگا دیا گیا حالانکہ نواب چھتاری اور سر سکندر حیات جیسے مسلم زعماء بھی اس اعزاز کے امیدوار تھے اس موقع پر علامہ اقبال نے اعلان کیا کہ قادیانیوں کو مسلمانوں سے آئینی طور پر علیحدہ کر دینا چاہئے اور ہندوستانی مسلمان انہیں باقی غیر مسلموں کی طرح برداشت کریں گے۔ اقبال کے اس فتویٰ نے ان کے راسخ العقیدہ مسلمان ہونے کی تصدیق کر دی۔

اسی زمانے میں ہندوستان میں مصطفیٰ کمال پاشا کی ترکی میں اصلاحات کو مشکوک نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا لیکن علامہ اقبال نے ان اصلاحات کو سراہا۔

علامہ اقبال بالشویکوں کے فلسفہ کے بھی مداح تھے۔ فرق یہ تھا کہ علامہ اقبال کے مطابق بالشویک اور خدا ایک ہو جائیں تو جلد یا بدیر اسلام روس کو ہڑپ کر جائے گا یا روس اسلام کو نگل جائے گا۔

علامہ اقبال ارتقائی عمل میں پختہ یقین رکھتے تھے اسی لیے وہ کہا کرتے تھے کہ مسلمانوں کے چاروں مکاتب فکر یعنی حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ وہ ہر غلطی سے قطعاً مبرا ہیں۔ علامہ اقبال اجتماع پر بہت زور دیتے تھے جسے مسلم لیجسلیٹو اسمبلی کہا جا سکتا ہے۔ اقبال کے خیال میں علماء کو اس ادارے کا ممبر ہونا چاہئے لیکن انہیں اس کی نگرانی کرنے کا کوئی حق نہیں۔

علامہ اقبال مسلم لیگ کے ستون تھے۔ آپ نے مسلم لیگ اور یونینسٹ پارٹی کے نیم دلانہ اتحاد کی ہمیشہ خدمت کی اور یہ محسوس کیا اگر مسلم لیگ نے عوامی جماعت بننا ہے تو اسے یونینسٹ پارٹی کے جاگیرداروں کے خلاف جہاد کرنا پڑے گا۔ یہ اقبال کی تعلیمات ہی کا اثر تھا کہ بعد ازاں پنجابی مسلم نوجوانوں نے یونینسٹوں کے قصر اقتدار کو ہلا کر رکھ دیا تھا اسی لیے کہا جاتا ہے کہ قلم تلوار سے زیادہ طاقتور ہے۔

1935ء کے آئین کے نفاذ نے کانگریس کی ذہنیت کو بے نقاب کر دیا۔ اس وقت تک علامہ اقبال اسلامی مملکت کے قیام کا مطالبہ صرف مسلم ثقافت و مذہب کی حفاظت کے لیے کرتے تھے لیکن اب انہوں نے 28 مئی 1937ء کے ایک خط بنام قائداعظم میں واشگاف الفاظ میں کہہ دیا کہ اگر مسلم لیگ نے زندہ رہنا ہے تو مسلمانوں کو افلاس سے دور کرنا پڑے گا اور یہ اسی صورت ممکن ہے کہ اسلامی ریاست ظہور میں آئے، اسلامی قوانین کا آغاز ہو اور مسلمانوں کی روٹی کپڑے مکان کا مسئلہ حل ہو ورنہ خانہ جنگی ناگزیر ہے۔ اس لیے ہندوستان کی تقسیم ایک لازمی امر ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

4.6- علامہ اقبال کے کارہائے نمایاں

ملی شاعر ہونے کے علاوہ آپ کے سیاسی اور معاشرتی کارنامے ضرب المثل ہو گئے۔ یہ اعزاز آپ کو ہی حاصل ہے کہ علیحدہ تشخص کا تخیل عملی شکل میں ایک قومی نمائندہ اجلاس میں پیش کیا۔ اس نصب العین کے حصول کے لیے آپ کی دور بین نگاہوں نے قائداعظم جیسے زیرک انسان کو چن لیا اور انہیں اس امر پر مائل کیا کہ وہ مجوزہ نصب العین کے حصول کے لیے تن من دھن کی بازی لگا دیں۔ آپ نے مسلم لیگ کو ایک قومی جماعت سمجھا اور اس کی تنظیم کے لیے اپنی انمول خدمات پیش کیں۔ پنجاب پر یونیسف پارٹی کے جاگیرداروں کا قبضہ تھا ان کی اجارہ داری انہی پنجابی نوجوانوں نے بالآخر ختم کی جو علامہ اقبال کی تعلیمات کے احسان مند تھے۔

ابتداء میں علامہ اقبال مسلمانوں کے علیحدہ وطن کے حامی صرف مسلم مذہب اور ثقافت کی حفاظت کی وجہ سے تھے بعد میں معاشی وجوہات میں بھی شامل ہو گئیں۔ آپ کی یہ اٹل رائے ہو گئی کہ مسلمانوں کے لیے علیحدہ وطن مذہبی اور اقتصادی حالات دونوں کی وجہ سے اشد ضروری ہے۔ آپ کا یہ عقیدہ کہ وطن مشترکہ عقائد سے بنتا ہے نہ کہ مشترکہ زبان یا ایک ہی جگہ رہائش سے، بعد میں عالمی مسلم اتحاد کی بنیاد بنتی۔

4.7- اہم نکات

(1) علامہ اقبال کا تعلق کشمیر کے مشہور نومسلم برہمن خاندان سے تھا۔

(2) علامہ اقبال 1877ء میں سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔

(3) اقبال کی شاعری کی ابتداء ایک قوم پرست اور ہمہ اوست کی شاعری کے مترادف تھی اور یہ دور 1905ء میں ختم ہو گیا۔

(4) اقبال کی لازوال شہرت آپ کی غیر فانی شاعری کی بدولت ہے۔

(5) اقبال کی شاعری نے نہ صرف مسلمانوں کو ایک جاندار تخیل دیا بلکہ برصغیر کی آہنی گھتیاں سلجھانے میں بے مثال مدد دی۔

(6) اقبال نے ہمیشہ جداگانہ انتخابات کی زبردست حمایت کی۔

(7) اقبال نے مسلمانوں کو نیشنلزم کے زہر قاتل سے بچایا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(8) اقبال نے ڈوگرہ راج کی نام نہاد ظالم حکومت کی ہمیشہ پرزور مذمت کی اور 1931ء میں کشمیر ایجی ٹیشن میں بھرپور حصہ لیا۔

(9) 1935ء کے آئین کے نفاذ نے کانگریس کی ذہنیت کو بے نقاب کیا۔

(10) ابتداء میں اقبال مسلمانوں کے لیے علیحدہ وطن کے حامی صرف مسلم مذہب اور ثقافت کی حفاظت کی وجہ سے تھے بعد میں معاشی وجوہات بھی اس میں شامل ہوگئیں۔

4.8- خود آزمائی نمبر 4

سوال نمبر 1- درج ذیل میں صحیح اور غلط بیان کی نشان دہی کریں۔

(1) علامہ اقبال نے ابتدائی تعلیم میر امن سے حاصل کی۔ ص/غ

(2) اقبال نے وطن کی بنیاد پر قومیت کے تصور کو رد کر دیا۔ ص/غ

(3) علامہ اقبال نے 1826ء میں پنجاب لیجسلیٹو اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ ص/غ

(4) مولانا حسین احمد مدنی متحدہ قومیت کے حامی تھے۔ ص/غ

(5) رسالہ ''مخزن'' اقبال نے جاری کیا۔ ص/غ

سوال نمبر 2- خالی جگہ پر کریں۔

(1) علامہ اقبال 1877ء میں.......................میں پیدا ہوئے۔

(2) 1914ء کی جنگ کے خاتمے کے بعد ترکوں کے ساتھ نا مناسب سلوک نے ہندوستان میں.......................کو جنم دیا۔

(3) خطبہ الہ آباد.......................میں ہوا۔

(4) ہندوستان میں.......................کی ترکی میں اصلاحات کو مشکوک نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا۔

(5) علامہ اقبال نے.......................کشمیر ایجی ٹیشن میں بھرپور حصہ لیا۔

سوال نمبر 3- مندرجہ ذیل پر مختصر نوٹ تحریر کریں۔

(1) علامہ اقبال کی سیاسی و معاشرتی خدمات۔

(2) دو قومی نظریہ اور اقبال۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

5- جوابات

خود آزمائی نمبر 1

سوال نمبر 1- (1) بھگتی (2) الشہود (3) نقشبندیہ

(4) درس نظامی (5) گرونانک

سوال نمبر 2- (1) غلط (2) درست (3) غلط

(4) درست (5) درست

سوال نمبر 3 اور 4 کے جواب یونٹ کے متعلقہ حصے سے تلاش کریں۔

خود آزمائی نمبر 2

سوال نمبر 3,2,1 اور 4 کے جواب یونٹ کے متعلقہ حصے سے تلاش کریں۔

سوال نمبر 5- (1) بنگال (2) فتنہ وفساد اور طوائف الملوکی (3) نادر شاہ

(4) احمد شاہ ابدالی (5) بدھ مت

سوال نمبر 6- (1) درست (2) غلط (3) غلط

(4) درست (5) غلط

خود آزمائی نمبر 3

سوال نمبر 1- (1) شاہ غلام علی (2) اسباب بغاوت ہند (3) علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ

(4) محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس (5) اے او ہیوم

سوال نمبر 2- (1) ص (2) ص (3) ص

(4) ص (5) غ

سوال نمبر 3 اور 4 کے جواب یونٹ کے متعلقہ حصے سے تلاش کریں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خودآزمائی نمبر4

سوال نمبر1- (1) غ (2) ص (3) غ

(4) ص (5) غ

سوال نمبر2- (1) سیالکوٹ (2) تحریک خلافت (3) الہ آباد کے مقام

(4) مصطفیٰ کمال پاشا (5) 1931ء

سوال نمبر 3 کا جواب یونٹ کے متعلقہ حصے سے تلاش کریں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یونٹ 7

دنیائے اسلام کا سیاسی منظر

تحریر: ڈاکٹر اظہر حمید

نظر ثانی: عطش درانی

ڈاکٹر محمد محمود حسین اعوان

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فہرست مضامین

یونٹ کا تعارف ---------- 302

یونٹ کے مقاصد ---------- 302

1- موضوعاتِ مطالعہ ---------- 303

1.1- موضوع مطالعہ کی تشریح ---------- 303

1.2- سیاسی منظر میں تنوع ---------- 304

1.3- متن مطالعہ ---------- 304

1.4- ذیلی عنوانات مطالعہ ---------- 305

1.5- دیگر مندرجات کورس سے ربط ---------- 306

2- قومیت پرستی ---------- 307

2.1- قومیت اور یورپی سوچ ---------- 307

2.2- عرب دنیا میں قومیت پرستی ---------- 308

2.3- مصر ---------- 310

2.4- عرب جمہوریہ لیبیا ---------- 313

2.5- اہم نکات ---------- 316

2.6- خود آزمائی نمبر 1 ---------- 316

3- جمہوریت ---------- 317

3.1- ترکی ---------- 317

3.2- انڈونیشیا ---------- 321

3.3- ملائشیا ---------- 323

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

-3.4 سعودی عرب ---------- 323

-3.5 اسلامک ریپبلک آف افغانستان ---------- 324

-3.6 اہم نکات ---------- 324

-3.7 خود آزمائی نمبر 2 ---------- 325

-4 اسلام۔ ابھرتے سیاسی مناظر ---------- 326

-4.1 جمہوریت اور اسلامی نظام سیاست ---------- 327

-4.2 سعودی عرب ---------- 327

-4.3 ایران ---------- 330

-4.4 پاکستان ---------- 334

-4.5 اہم نکات ---------- 338

-4.6 خود آزمائی نمبر 3 ---------- 339

-5 جوابات ---------- 340

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یونٹ کا تعارف

زیر مطالعہ یونٹ عالم اسلام میں سیاسی منظر اور یہاں جاری تین مختلف دھاروں قومیت پرستی، جمہوریت اور اسلامی اقدار کے سیاسی نظام میں اجراء سے متعلق ہے۔ یہ مطالعہ نہ تو ان دھاروں کی کوئی لگی بندھی تعریف و توضیح کے لئے ہے اور نہ عالم اسلام کے لئے کوئی راہ عمل تجویز کرنے کے لئے ہمارا مقصد یہاں ایسی آگاہی حاصل کرنا ہے جو موجودہ دور کے نمایاں منظر سے متعلق ہو۔ اس لئے یونٹ کے ابتدائی حصے میں پہلے مطالعے کے مقاصد سے آگاہی حاصل کر لیجئے۔ پھر اس یونٹ کے موضوعات مطالعہ اور بعض اصطلاحات کی عمومی توضیح دی گئی ہے۔ یونٹ کے دوسرے حصے میں قومیت پرستی کے حوالے سے پہلے عرب دنیا اور اس کے نمائندہ ملک کا ذکر ہے اور بعد ازاں ایک منفرد عرب ملک جمہوریہ لیبیا کا۔

یونٹ کا تیسرا حصہ جمہوریت سے متعلق ہے۔ یہاں پہلے ترکی کے سیاسی منظر کا تذکرہ ہے جسے خلاف عثمانیہ کے خاتمے پر مغربی انداز حکومت پر ڈھالا گیا اور پھر انڈونیشیا کا، جہاں جمہوریت کو لگام لگانے کی بات ہوتی ہے۔

یونٹ کا چوتھا اور آخری جزو اسلام کے والے سے ابھرتے ہوئے سیاسی منظر سے متعلق ہے۔ اس حصے میں سعودی عرب، ایران اور پاکستان کا تذکرہ ہے، تو آیئے ان سب سے آگاہی حاصل کرتے ہیں۔

یونٹ کے مقاصد

ہمیں امید ہے کہ اس یونٹ کے مطالعہ کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

1- دنیائے اسلام میں جدید دور کی سیاسی پیش رفت کا جائزہ لے سکیں۔

2- آپ سیاسی امور میں عامۃ الناس کی کسی نہ کسی طور پر شرکت کر سکیں۔

3- سیاسی اسلوب کار میں قومیت پرستی خصوصاً عرب دنیا میں اس کے عمل دخل پر بحث کر سکیں

4- پاکستان کے حوالے سے جس کے قیام کا جواز اسلام اور جس کے وجود کی بنیاد جمہوریت پر رکھی گئی ہے، بدلتے سیاسی منظر میں عوامی امنگوں کی پاسداری کی اہمیت پر تبصرہ کر سکیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

1- موضوعاتِ مطالعہ

دنیائے اسلام میں سیاسی منظر کا مطالعہ دو حوالوں سے کیا جا سکتا ہے۔ ایک اس کا عالمی حوالہ ہے، اس حوالے سے عالمی طاقتیں اس منظر کے بدلتے خاکوں پر کہیں حیران ہوتی ہیں تو کہیں مضطرب۔ کبھی انہیں اپنی پھیلائی ہوئی ریشہ دوانیوں کے کامیاب ہونے کا گمان ہوتا ہے اور کبھی اسلامی دنیا کے استحکام و استقلال کی جھلک دکھائی دیتی ہے جس سے خوف زدہ ہو کر وہ نت نئی تاویلوں کا سلسلہ شروع کر دیتی ہیں۔ دوسرے، پاکستان کے حوالے سے اس موضوع میں بڑی جاذبیت ہے۔ پاکستان کے مخصوص حالات میں اس موضوع کی اہمیت و افادیت مسلم ہے۔ سیاسی نظر کا ایسا مطالعہ جو ہم عصر مسلم ممالک میں ابھرنے والی سیاسی زندگی سے روشناس کرائے، قابل تقلید نمونے بھی دے سکے گا۔ پاکستان کو عرصے سے ایک ایسے نظام سیاست کی تلاش ہے جو اس کے بنیادی نظریے سے ہم آہنگ ہو۔ چالیس سال میں اس جانب یقیناً پیش رفت ہوئی ہے۔ البتہ ابھی کئی ارتقائی منازل سے گزرنا باقی ہے۔

1.1- موضوع مطالعہ کی تشریح

مطالعے کی ابتدا کرتے ہوئے پہلے ہم کو موضوع کی لفظی تشریح کی طرف آتے ہیں۔ اولاً دنیائے اسلام اور ثانیاً سیاسی منظر دونوں ہی اصطلاحیں عام قاعدے سے کسی احاطے میں نہ سمانے والی حقیقتوں کا پتہ دیتی ہیں۔

دنیائے اسلام سے کیا مراد ہے؟ دنیا کی کل آبادی کا پانچواں حصہ اسلام کا پیروکار ہے۔ یوں تو مسلمان دنیا کے ہر حصے میں آباد ہیں لیکن ایشیا اور افریقہ میں ان کی کثیر تعداد رہتی ہے۔ ان آزاد و خود مختار مسلم ممالک کے علاوہ آزادی کے لئے جدوجہد کرنے والی مسلم اکثریتی آبادیاں غیروں کے زیر تسلط ہیں۔

تاریخی ادوار میں کچھ مسلم ممالک نے اپنے آپ کو نو آبادیاتی تسلط سے محفوظ رکھا جیسے ترکی اور کئی ایک ممالک اپنی آزادی کے لئے نو آبادیاتی حکومتوں سے برسر پیکار رہے، ان میں انڈونیشیا اور الجزائر اور بعض ایسے بھی ممالک شامل ہیں جنہوں نے آزادی بھی اس حوالے سے حاصل کی کہ وہ اپنی سرزمین پر اپنی مرضی کا طرز حکومت چاہتے تھے جیسے پاکستان۔ ان تمام مسلم ممالک میں سیاسی مفکرین کیا سوچتے رہے، یہ ایک وسیع موضوع ہے۔ لیکن مقامی، ملکی اور بین الاقوامی سطح پر سیاسی منظر سے متعلق سوچنے والے تو کہیں سے بھی ہو سکتے ہیں۔ آزاد و خود مختار ممالک سے بھی اور آزادی کے لئے جدوجہد کرنے والی مسلم آبادیوں سے بھی۔ البتہ ان کی سوچ میں یک رنگی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسلام کے بنیادی فلسفہ معاشرت سے آتی ہے، جس میں اقتدار و اختیار کا سر چشمہ خدائے تعالیٰ کی ذات وحدہٗ لا شریک ہے۔ البتہ اس کے نائب و نمائندہ کی حیثیت میں کبھی تمام افراد قوم، کبھی منتخب افراد اور کبھی خلیفہ و بادشاہ شمار ہوتے رہے۔ بدلتے ہوئے سیاسی منظر کو جاننے کے لئے عمومی طور پر تو دنیا بھر کے مسلمان ممالک میں سے کہیں کا بھی حوالہ دیا جا سکتا ہے البتہ مطالعہ کے خدوخال نکھارنے کے لئے چند نمائندہ اور واضح رجحانات رکھنے والے علاقوں کا ذکر ہی موزوں ہے۔ اس طرح آئندہ صفحات میں چند ایک ممالک کا تفصیلی جائزہ سیاسی منظر کے ابھرتے ہوئے نقوش کو اجاگر کرنے کے لئے شامل مطالعہ کیا گیا ہے۔

1.2- سیاسی منظر میں تنوع

سیاسی منظر بدلتا ہوا منظر ہوتا ہے۔ ہم جس ملک کا بھی سیاسی حوالے سے مطالعہ کریں بالآخر بات طرز حکومت پر آ کر ٹھہرے گی۔ ہمارے مطالعے کی حد تک اس میں سے بھی چیدہ چیدہ رجحانات کا انتخاب موزوں ہے ورنہ تفصیلات میں جائیں تو پھر ہر ہر ملک میں طرز حکومت سے متعلق سوچ اور اس کے عملی نفاذ کی صورتوں میں فرق اتنا نمایاں ہو جاتا ہے کہ منظر ہی اوجھل ہو جاتا ہے۔ یہ مسلمان ملکوں ہی کی بات نہیں، بلکہ چاہے مغربی جمہوریت ہو چاہے اشتراکی نظام، کسی دو ممالک میں کہیں مشترک طرز حکومت نہیں ملتا۔ مغربی جمہوریت میں امریکہ میں صدر اور کانگریس، برطانیہ میں وزیراعظم و کابینہ مقتدر ہیں۔ لیکن ساتھ میں بادشاہت بھی موجود ہے جو دارالعوام کے لیے انتخابات کے فوراً بعد اکثریتی پارٹی کے لیڈر کو کابینہ بنانے کی دعوت دیتی ہے۔ اشتراکی حکومتوں میں چین اور روس کے اختلافات تو تھے ہی، اب روسی قیادت خود اپنے ہاں اقتدار و اختیار میں ایسی مراعات کو رواج دے رہی ہے جن سے اشتراکی طرز حیات پر دوررس اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔

1.3- متن مطالعہ

اس میں شک نہیں کہ سبھی مسلمان ممالک ایک ہمہ جہت سیاسی کشمکش سے دوچار ہیں۔ ان کے لیے ایک طرف مغربی افکار ہیں تو دوسری طرف اپنا تاریخی و ثقافتی ورثہ۔ مغربی افکار سے شناسائی تو گزشتہ چند صدیوں میں ہوئی اور ہر ایک علاقے میں مختلف انداز میں، البتہ تاریخی ورثے پر اسلامی طرز حیات کی گہری چھاپ ہر علاقہ میں موجود ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

1.4- ذیلی عنوانات مطالعہ

سیاسی منظر کا مطالعہ کرتے وقت ایسی اصطلاحات بھی الجھن پیدا کرتی ہیں جن مطلب ومفہوم بھی وقت کے ساتھ ساتھ بدلتا رہتا ہے۔ ہمارے مطالعے کے تین ذیلی عنوانات قومیت پرستی، جمہوریت اور اسلام ہیں۔ ان ذیلی عنوانات کی تشریح ایک تو ان کے سیاسی اصطلاح ہونے کے حوالے سے ہو سکتی ہے۔ دوسرے اطلاقی حوالے سے اور ان کا یہ اطلاق نمائندہ اسلامی ممالک پر کرنے سے ہی بات واضح ہو جاتی ہے۔ اس طرح قومیت پرستی، جمہوریت اور اسلام بطور ماخذ طرز حکومت ہی ہمارا متن مطالعہ ہے۔ یہاں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ قومیت ایک احساس ہے، جمہوریت ایک رویہ ہے اور اسلام ایک نظام حیات ہے۔ اس کا مخصوص نظام معاشرت بھی ہے اور نظام معیشت بھی۔ اسی طرح نظام سیاست کا بھی اسلام کا اپنا انداز اور تقاضا ہے۔ مختصراً ان تینوں کا تعارف یوں سمجھ لیجئے۔

(الف) قومیت پرستی

قومیت ایک احساس ہے۔ اس کی بنیاد رنگ، نسل، زبان اور علاقے کے فرق پر ہے۔ اس میں اپنے لئے تفاخر کا عنصر نمایاں ہوتا ہے۔ پھر دوسرے رنگ، دوسری نسل، دوسری زبان اور غیر علاقے کے لیے نفرت کا جذبہ ابھرتا ہے اور انہیں کمزور کرنے، اپنے زیرنگیں کرنے یا پھر نیست و نابود کرنے کا احساس جنم لیتا ہے۔

(ب) جمہوریت

جمہوریت ایک رویہ ہے۔ بنی نوع انسان کے کسی گروہ کے لیے اس کا اپنا لینا دراصل اس معاشرے میں ایک ترقی یافتہ قدر کا عمل دخل واضح ہو جانے کے مترادف ہے۔ آج کی پہچان کے حوالے سے جمہوری رویئے ان یورپی معاشروں میں پروان چڑھے ہیں جہاں عرصہ دراز سے تعلیم عام ہے۔ جمہور سے مراد اکثریت کی آراء اور جمہوریت ایسے سیاسی نظام کا نام ہے جو عوام سے عوام کے لیے اور عوام کے نمائندوں کے ذریعے ہو۔

(ج) اسلام

اسلام ایک نظام حیات ہے۔ یقیناً اس میں سیاسی نظام بھی شامل ہے۔ یوں تو عرصہ دراز سے اسلام کے بارے میں یہی خیال کیا جاتا رہا ہے کہ وہ اپنے علاقوں میں موجود حالت کو برقرار رکھنے کے لیے ایک جابر قوت ہے۔ اسی لئے جہاں کہیں اسلام کی طرف رجوع کی بات ہونے لگتی ہے، ایک نئی اصطلاح بنیاد پرستی کا ذکر شروع ہو جاتا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے حالانکہ حالیہ دہائیوں میں اسلام کا کردار کئی ممالک میں نو آبادیاتی نظام، سرمایہ داری اور اشتراکیت کے ساتھ ساتھ مقامی جاگیرداری اور جبر کے خلاف مؤثر انداز میں نمایاں ہو رہا ہے۔ اصل کی طرف رجوع کرنے میں مقصد پیچھے نہیں بلکہ اس اصل کا احیاء ہے جس سے ابتداء میں رہبری و رہنمائی ملتی ہے۔ اسلام دین فطرت ہے جو انسان کی ہمہ جہت بھلائی چاہتا ہے۔ اسلام کا سیاسی نظام بنیاد پرستی کی تعلیم نہیں دیتا بلکہ ایسے طرز عمل کو فروغ دیتا ہے جو افراد کے لیے دارین کی فلاح کا راستہ آسان بناتا ہے اور قرب الٰہی کا سبب بنتا ہے۔

1.5- دیگر مندرجات کورس سے ربط

زیر مطالعہ یونٹ دنیائے اسلام کا سیاسی منظر، نظام سیاست کے ایسے نمایاں فکری نظریات سے متعلق ہے جن کا ملکی تعمیر و ترقی، استحکام اور بیرونی تعلقات سے براہ راست تعلق ہوتا ہے۔

زیر نظر مطالعہ یونٹ کا تیسرا ذیلی جزو اسلام (نظام سیاست کے حوالے سے) ابتدائی یونٹ اسلام بطور نظریہ اور نظام سے براہ راست منسلک ہے۔ ایک اور یونٹ اسلامی مفکرین سے متعلق ہے جبکہ ملت اسلامیہ کو درپیش مسائل میں بھی اس کی جھلک موجود ہے۔ پھر مقصد مطالعہ کے لحاظ سے سیاسی منظر نامے میں جس قدر اشارات بھی معاشرتی استحکام سے متعلق موجود ہیں ان سب کا براہ راست تعلق تعمیر پاکستان سے ہے۔ غرض جب ہم دنیائے اسلام میں سیاسی منظر کا مطالعہ کرتے ہیں تو بار بار اپنے احوال اور ماحول سے کہیں مطابقت تو کہیں مخالفت کا احساس ابھرتا ہے۔ کہیں تاریخی حوالوں کے تانے بانے ملنے لگتے ہیں تو کہیں اپنے جداگانہ تاریخی تجربے کی چھاپ نظر آتی ہے۔ وطن عزیز کی یہ منفرد حیثیت ہے کہ برصغیر کے مسلم اکثریتی علاقوں پر مبنی اس کی جغرافیائی حدود 14 اگست 1947ء میں آئیں جبکہ کل برصغیر کے مسلمانوں کا طویل تاریخی رویہ اس کی نظریاتی حدود کی بنیاد ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

2- قومیت پرستی

قومیت ایک احساس ہے جو رنگ، نسل، زبان یا علاقے کے اختلاف سے ابھرتا ہے اور یہی اختلاف اس کی بنیاد ہے۔ معاشرتی علوم میں لفظ قوم کئی مختلف مفاہیم میں استعمال ہوتا رہا ہے۔ تاریخی ادوار میں قوم کا لفظ انسانی معاشروں کی ابتدائی اکائیوں سے متعلق رہا ہے۔ البتہ قریبی ادوار میں لفظ قوم اپنے مخصوص اصطلاحی معنوں میں اٹھارویں صدی کے یورپ میں استعمال میں آنے لگا اور اس کا مطلب قومی ریاست یا ایک قوم کی فرمانروائی کے علاقے سے منسوب ہونے لگا مثلاً جرمن قوم جرمن علاقوں میں فرانسیسی قوم فرانس میں بسنے والے افراد اور انگریز قوم برطانیہ میں رہنے والے افراد پر شمار ہونے لگی۔ اسی طرح سوس اور ولندیزی اقوام سوئیٹزرلینڈ اور ہالینڈ سے متعلق ہیں یعنی اقوام کے اپنے مخصوص علاقے وطن اور ریاستیں ہیں۔

2.1- قومیت اور یورپی سوچ

یورپی فکر میں جسے آج کی دنیا میں خاصی برتری حاصل ہے قوم، قومی ریاست اور ان کے آثار وحقوق ایک لائق مطالعہ عنوان ہے جو بہرحال ہمارے موجودہ مطالعہ کی حدود سے باہر ہے۔ البتہ اتنا یاد رکھیں کہ یہ تصور قوم اور قومی ریاست یورپ میں بھی ایسا ہی متنازعہ ہے جیسا ہم اپنے اس مطالعہ کی تفصیل میں پائیں گے۔

انگریز قوم ہی کی مثال لے لیجئے۔ مملکت برطانیہ میں تو سکاٹس بھی ہیں اور ویلش بھی۔ ویلش لوگ لندن سے صرف سو کلومیٹر مغرب میں اپنی زبان اور اپنی ثقافت کا نقارہ پیٹتے رہتے ہیں اور یہ جو آئرش پبلکن آرمی گزشتہ ایک صدی سے اپنے چھ ضلاع کی بازیابی کے لیے تگ ودو کر رہی ہے وہ پورے جزیرہ آئرلینڈ پر آئرش قوم کی حکمرانی کی دعویدار ہے جبکہ سابقہ مملکت برطانیہ اپنے موجودہ مروجہ نام مملکت متحدہ (United Kingdom) میں بھی جزیرہ آئرلینڈ کے چھ شمالی اضلاع کو اپنا جزو لاینفک گردانتی ہے۔

تصور قومیت جو تفاخر ہے، اس میں جرمن قوم کی برتری کا تصور اس صدی کے پہلے نصف میں دنیا کو دو عظیم جنگوں سے دوچار کر چکا ہے۔ ان جنگوں کی ہولناکی سے گزر کر اور اپنے ہاں ان کے جھمیلوں سے تائب ہو کر اہل یورپ اب ایک یورپی پارلیمینٹ تک آ پہنچے ہیں جبکہ اس تصور کی انتہا پر ہٹلر کے عہد سے گزر کر خود جرمنی ایسا دولخت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوا کہ ملک تو ملک دارالخلافہ برلن کے بھی دو ٹکڑے ہو گئے۔ اب اس شہر برلن کے محلوں' سڑکوں اور گلیوں کے بیچوں بیچ دیوار کھینچ دی گئی ہے جس نے کنبوں اور خاندانوں کو بھی جدا جدا ملکوں اور نظام ہائے ریاست میں تقسیم کر دیا۔

2.2- عرب دنیا میں قومیت پرستی

دنیائے عرب میں قومیت پرستی کے موجودہ رجحان کی ابتداء قوم یورپ کے توسط اور ایماء سے انیسویں صدی میں ہوئی۔ انگریز، فرانسیسی جرمن اور اطالوی کہیں حکمران بن کر اور کہیں مددگار کے بہروپ میں دنیائے اسلام کے ایک بڑے حصے میں زبان، نسل اور علاقے کی بنیاد پر قومیت پرستی کا احساس ابھارتے گئے۔ اب اس احساس قومیت کا نمایاں نمونہ جو مغربی فکر سے خاصا متاثر ہے عرب دنیا میں موجود ہے۔ لہٰذا اس کی ابتداء، ارتقاء اور اثرات کا مطالعہ کرنے کے لیے ہم کچھ ممالک کا بالخصوص ذکر کریں گے۔ ان ممالک کے ریاستی نظام میں وہ ربط واستحکام تو نہ آسکا جو یورپی ممالک کا طرہ امتیاز ہے اور جن کی تقلید میں عربوں کی ایک بڑی تعداد نے قومیت پرستی کو اپنایا، البتہ حکومتی سطح پر مقامی آبادی کی شمولیت کے ساتھ ساتھ نئے سیاسی ادارے (جیسے پارلیمنٹ اور کابینہ) متعارف ہوئے۔

چند ممالک کے خصوصی تذکرے سے پہلے ذرا عرب دنیا یعنی عرب قوم کے علاقے یا ممالک پر بھی نظر ڈالتے ہیں۔ مغرب میں بحراوقیانوس کے ساحل یعنی مراکش سے لے کر مشرق میں شط العرب (ایران کی مغربی سرحد) تک عرب قوم کا علاقہ ہے۔ ان کی بڑی پہچان عربی زبان ہے اور دراصل یہی قدر مشترک بھی ہے۔ دوسری بڑی پہچان عرب لیگ ہے جس کے اکیس ممالک ممبر ہیں۔

عربی زبان تو واقعی قدر مشترک ہے لیکن رنگ ونسل کے اعتبار سے مغربی افریقہ، وسطی افریقہ اور مشرقی یا مراکش، چاڈ اور مصر کے باسیوں میں اتنا ہی نمایاں فرق ہے جتنا برصغیر کے مشرقی (بنگالی) جنوبی (مدراسی) اور مغربی (پختون) لوگوں میں موجود ہے جبکہ مغربی ایشیا جس میں جزیرہ نما عرب اور اس سے ملحقہ علاقے شامل ہیں زمانہ قدیم سے نسلوں اور تہذیبوں کا مشترکہ چوراستہ (Cross Road) اس اعتبار سے اس جزیرہ نما پر واقع ممالک اور ریاستیں نہ صرف جغرافیائی تشخص سے ماوراء ہیں بلکہ اکثریت کی سرحدیں بھی بین الاقوامی معیار واعتبار نہیں رکھتیں۔

قومیت کے نظریہ سازوں کے نزدیک عربی بولنے والے افراد اپنی منفرد ساخت رکھتے ہیں۔ ان عرب نظریہ سازوں میں عیسائی مفکرین پیش پیش رہے ہیں۔ اگرچہ کئی اہم اور بلند بانگ دعوے دار جو اسلام کے پیروکار بھی ہیں' ان کے نزدیک عرب قومیت میں تفاخر انہیں ورثہ میں ملا ہے لیکن جب تاریخی ورثہ اور عربی زبان کی بات

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوتی ہے تو عرب تاریخ، عرب تمدن اور عرب وثقافت میں اسلام ہی سرمایہ افتخار ٹھہرتا ہے۔ یہ نظریہ ساز ایک عجیب مخمصہ سے دوچار ہیں۔ عرب قوم پرست اپنے منفرد ہونے کے دعووں کی تاویل میں یا تو مسئلہ اقدار ہی کو توڑتے دکھائی دیتے ہیں یا پھر گھوم پھر کر اسلام کی پناہ گاہیں تلاش کرتے نظر آتے ہیں۔

عرب قوم پرستی کے دعویداروں میں زیادہ تر جزیرہ عرب سے باہر کے مکین ہیں۔ اسلام سے تعلق رکھے بغیر یہ عرب کیسے ہو سکتے ہیں یا ان کا عربی زبان سے ناطہ کیسے جڑ گیا؟ ان عرب قوم پرستوں کی اپنی سوچ کچھ یوں ہے کہ اسلامی تہذیب کی بلندی پرواز دراصل عرب قوم کی سربلندی کا نکتہ عروج ہے' یعنی یہ عرب تھے اب بھی عرب ہیں اور تاریخ میں جو مقام اسلام کے حوالے سے حاصل ہوا وہ بھی انہی کا بلند مقام ہے جس کا انہیں استحقاق حاصل تھا۔ ایسی ہی انفرادی سوچ رکھنے والے ایک فیصل بن شریف حسین مکہ ہیں۔ جنہوں نے بیسویں صدی کی ابتداء میں اپنے خیالات کے اظہار میں کہا تھا ''ہم مسلمان ہونے سے پہلے عرب ہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبی ہونے سے پہلے ایک عرب ہیں''۔

عرب قومیت کے پرستاروں میں اس طرح کے دعوے داروں کی ایک کھیپ ضرور ہے لیکن یہاں اسلام ہی کو قوم کا مدعا جاننے والے مفکرین کی بھی ایک بڑی تعداد سرگرم عمل رہی ہے جن کے نزدیک عرب قوم کی تعمیر و ترقی اسلامی اقدار کے احیاء ہی میں مضمر ہے۔ ہاں اتنا ضرور ہوتا ہے کہ گزشتہ تقریباً ایک سو سال سے سیاسی نظریات میں اول الذکر یعنی خالص عرب قومیت کے علمبردار آگے آتے رہے ہیں۔ یہ سب نوآبادتی غلبے کے دوران اپنی قوم اور اپنے علاقے میں حق حکمرانی کے طلبگار رہے اور اس جدوجہد میں بڑی حد تک کامیاب بھی ہوئے۔ اس کامیابی کے بل بوتے پر کئی حکومتیں قائم ہوئیں۔ ان عرب قوم پرستوں کے نزدیک آزادی اور خودمختاری ملکی سیاست کے اہداف ہیں جن کے حصول کے بعد ہی عرب ثقافت کی ترویج اور اسلامی قانون کا نفاذ ممکن ہے۔

یوں تو عرب قومیت کا جذبہ کئی ملکوں کی آبادی کے بڑے حصے کو متاثر کیے ہوئے ہے لیکن ان کے مابین اختلافات جوں کے توں چلے آ رہے ہیں۔ ان اختلافات کو ختم کرانے اور آپس میں اتحاد و یگانگت قائم کرنے کے لیے بین الملکی ادارہ عرب لیگ قائم کیا گیا ہے جن کے 21 ممالک ممبر ہیں لیکن ان میں سے کسی نے آج تک عرب قوم کا ایک وطن یا ایک ریاست بنانے کی بات نہیں کی۔ گزشتہ چوتھائی صدی میں دو دو تین ممالک پر مشتمل اتحادی ریاستیں بنانے کے اعلان ضرور ہوئے لیکن ایسی متحدہ ریاستیں دو تین برس بھی نہ چل سکیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

2.3- مصر

دنیائے عرب کا معروف ترین ملک مصر براعظم افریقہ کے شمالی مشرقی حصے پر مشتمل ہے۔ زمانہ قدیم کی اعلیٰ تہذیب اور موجودہ اعلیٰ پیداواری صلاحیت کے لیے مصر اپنے مشہور دریائے نیل کی زیریں وادی اور ڈیلٹا کا مرہون منت ہے۔ اس آبادی میں قدیم باشندے، وسط افریقہ کے حبشی نسل، جزیرہ نما عرب سے منتقل ہونے والے (عربی نسل) اور ان سب کی مخلوط نسل شامل ہے۔

مصر کی سرزمین پر کبھی فراعین حکومت کیا کرتے تھے۔ اس زمانے کے آثار اب اہرام کی شکل میں یا پھر عجائب گھر اور کتب خانوں میں محفوظ ہیں۔ ایک عرصے تک یہاں رومیوں کا اقتدار رہا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں مشہور جرنیل عمرو بن العاص نے اسے فتح کیا۔ بارہویں صدی عیسوی میں یہیں سے عظیم مجاہد صلاح الدین ایوبی نے صلیبی جنگوں میں پیش قدمی کرتے ہوئے فلسطین اور بیت المقدس کو آزاد کرایا۔ سولہویں صدی کی ابتداء میں مصر سلطنت عثمانیہ کا حصہ بنا۔ تاہم یہاں مقامی سردار جنہیں ''بے'' کہا جاتا تھا' مقامی حاکم رہے۔

اٹھارویں صدی میں کچھ عرصے کے لیے فرانس نے قاہرہ پر قبضہ کرلیا۔ پھر برطانوی اثر ورسوخ بھی بڑھا۔ بالآخر انیسویں صدی کی ابتداء میں ایک ترک افسر محمد علی مصر کا گورنر مقرر ہوا۔ محمد علی نے نہ صرف برطانوی قابض فوجوں سے قاہرہ کو چھٹکارا دلایا بلکہ شمالی سوڈان بھی فتح کرلیا۔ محمد علی کا عہد حکومت مصر کا زریں دور کہلاتا ہے لیکن ان کے جانشین برطانوی اور فرانسیسی سیاسی و معاشی ریشہ دوانیوں سے ملک کو نہ بچا سکے۔ معاشی کمزوری اس حد تک بڑھی کہ نہر سویز تعمیر ہوئی تو اس کے بیشتر حصص برطانیہ نے خرید لئے یوں عملاً مصر برطانوی نو آبادی بن گیا، گو جنگ عظیم اول تک یہ سلطنت عثمانیہ ہی کا حصہ شمار ہوتا رہا۔

2.3.1- قوم پرست رجحانات کی پہلی کامیابی

ملکی وسائل پر اس طرح غیر ملکی اجارہ داری قائم ہوتی دیکھ کر مصری قوم پرست رہنماؤں نے اپنے طرفداروں کو چوکنا کیا۔ ان کے جو ساتھی فوج میں شامل تھے، انہوں نے خاص طور پر غیر ملکی اثر ورسوخ کے خلاف آواز اٹھائی۔ البتہ حکومت کے زیر سایہ موجود غیر ملکی مشیروں نے الٹا مصری فوجی کمانڈروں پر مقدمات چلوا دیئے۔ اس کشمکش میں مصری فوجی جوانوں نے قوم پرست رجحان رکھنے والے فوجی کمانڈروں کا کھل کر ساتھ دیا تو برطانوی مشیروں اور حکومت نے مجبوراً قوم پرستوں کے ساتھ مصالحانہ رویہ اپنایا۔ اس طرح برطانیہ اپنا اثر ورسوخ مزید

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

50 برس تک برقرار رکھنے میں کامیاب رہا اور جنگ اول میں مصرف برطانیہ کا ایک بڑا فوجی اڈہ بنا۔

2.3.2- بادشاہت کا خاتمہ اور جمہوریہ مصر کا قیام بادشاہت کا یہ دور کوئی 30 برس چلا۔ جس کا اختتام 1952ء میں ایک فوجی انقلاب کے توسط سے ہوا۔ اسے جواں سال فوجیوں پر مشتمل ایک انقلابی کونسل نے برپا کیا جس کی ابتدائی قیادت جنرل محمد نجیب کے پاس تھی لیکن جلد ہی ملک کی باگ دوڑ انقلابی کونسل کے روح رواں کرنل جمال ناصر نے سنبھال لی۔

مصر کی بادشاہت کے خاتمے اور مصر کے جمہوریہ بن جانے سے ایک بڑی ضرب تو برطانوی مفادات پر پڑی جو اب بھی نہر سویز کے علاقے پر قابض چلے آ رہے تھے جنہیں نئی قیادت نے للکارا۔ برطانیہ نے نہر سویز کے حصص برقرار رکھنے اور مصری قومی تحویل کی بجائے بین الاقوامی کنٹرول میں رکھنے کے بہانے فرانس کے ساتھ مل کر مصر پر یلغار کر دی البتہ بیرونی دنیا کے دباؤ کے سبب انہیں سویز کو مصریوں کے حوالے کرنا پڑا۔

سوویز کی مہم میں کامیابی نے مصری صدر جمال ناصر کو جو مقام دلایا، اس کے عوض وہ تمام عرب دنیا کے رہنما بننے کی طرف راغب ہوئے۔ مصر عرب دنیا کا سب سے زیادہ آباد اور سب سے زیادہ ترقی یافتہ ملک تو تھا ہی لیکن عرب قومیت پرستوں میں اتفاق و اتحاد کی بات جس میں رہنمائی کا مقام مصریوں کو حاصل رہے، زیادہ دیر نہ چل سکی۔ شام کے ساتھ جو یونین بنائی گئی وہ ناپائیدار رہی۔

ادھر جزیرہ نما عرب کے بڑے رقبے پر سعودی حکومت مستحکم ہوتی گئی جبکہ خلیج فارس کے کنارے واقع چھوٹی ریاستوں میں تیل کی ریل پیل نے نئے اقتصادی افق روشن کر دیئے اور یہ سب کسی ایسے ملک کی بہتری سے خاف رہے جو آمدنی کے سوا ہر لحاظ سے ان سے آگے تھا۔ اسی دوران عراق میں بھی بادشاہت کے خاتمے کے بعد انقلابی فوجی حکومت قائم ہوئی اور شام میں بھی قومیت پرستانہ رجحانات پروان چڑھے البتہ اب ایک بین الاقوامی سازش کے ذریعہ قائم ہونے والی اسرائیلی ریاست ان سب کے لیے دردسر بن گئی اور عرب دینا برطانوی چنگل کی بجائے امریکہ اور روس کی باہمی چپقلش میں گھر گئی۔ اسی طرح عراق میں صدام حسین کی حکومت ختم ہوگئی، نئے انتخابات کے ذریعے بظاہر جمہوری سیاسی نظام کو مستحکم کرنے کی کوششیں جاری رہیں۔ اتحادافواج کی زیرنگرانی امورحکومت چلانے کی تگ و دو مستقبل میں کیا صورت اختیار کرتی ہے سرِدست اس بارے میں ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا ہے۔

مصر نے انورالسادات کے زمانے میں اسرائیل سے اپنے مقبوضہ علاقے تو خالی کرا لئے لیکن وہ عربوں کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باہمی نااتفاقی سے اتنا دل برداشتہ ہوا کہ اسرائیل سے نباہ کرنے پر آمادہ ہو گیا جسے عرب دنیا میں بہر حال بزدلی تصور کیا گیا اور مصری لیڈر شپ کا خواب ادھورا رہ گیا۔

اسی طرح مصر نے شام، لیبیا اور سوڈان کو ساتھ ملانے اور عرب قوم کو مطلوبہ ترقی و خوشحالی سے ہمکنار کرنے کی جو کوششیں کیں ان کی تفصیل میں جائے بغیر اتنا اندازہ ہو جاتا ہے کہ قومیت پرستی کا تصور محدود پیمانے اور عرصے کے لیے تو کارگر رہا لیکن اس کی کامیابی کا حدود اربعہ کسی طور پر بھی ایک سے زیادہ ملک پر محیط نہ ہو سکا۔

عرب ریپبلک آف EGYPT

جمہوریہ مصر العربیۃ 1922ء میں برطانیہ سے جزوی آزادی کے بعد جنگ عظیم دوم تک مکمل آزادی حاصل کر چکا تھا۔ 1971ء میں اسوان ہائی ڈیم کی تعمیر اور جھیل ناصر کی تیاری نے وادی نیل کی آبادی کو زرعی ترقی کی راہ پر ڈال دیا۔ جس نے مصر کی بڑھتی ہوئی آبادی (جو کہ عرب دنیا میں سب سے زیادہ ہے) کی ضروریات کو پورا کرتے ہوئے معیشت کو بڑا سہارا دیا۔ مصر لیبیا اور غزہ کی پٹی کے درمیان بحرالکاہل پر واقع ہے اس کا کل رقبہ 1,001,450 مربع کلومیٹر اور آبادی جولائی 2004ء کے ریکارڈ کے مطابق 76,117,421 نفوس پر مشتمل ہے۔ 26 گورنریٹ پر مشتمل ہے۔ صدر محمد حسنی مبارک جو 14 اکتوبر 1981ء سے اقتدار میں ہیں۔ وزیر اعظم احمد نصیف جولائی 2004ء میں منتخب ہوئے۔ کابینہ صدر تشکیل دیتا ہے۔ پیپلز اسمبلی صدر کو چھ سال کے لیے نامزد کرتی ہے جس کی توثیق قومی سطح پر عوامی ریفرنڈم سے ہوتی ہے۔ 26 ستمبر 1999ء میں بھی ریفرنڈم ہوا۔ وزیر اعظم کا تقرر صدر کرتا ہے۔ پیپلز اسمبلی یا مجلس الشعب جس کی 454 نشستوں میں 244 عوام کے ووٹ سے اور دس ممبران صدر کی طرف سے پانچ سالہ مدت کے لیے منتخب کیے جاتے ہیں۔ اسی طرح ایڈوائزری کونسل یا مجلس شوریٰ 264 نشستوں پر مشتمل ہے جس میں سے 176 عوام کے ووٹوں سے اور 88 صدر کے تقرر سے وجود میں آتی ہیں۔ ان ممبران کا تقرر چھ سال کے لیے ہوتا ہے۔ مصر میں مذہبی پارٹیوں کی تشکیل آئینی طور پر پابندی سے نافذ ہے۔

2.4- عرب جمہوریہ لیبیا

یوں تو عراق، شام اور لبنان عرب قوم پرستوں کی زیادہ مشہور آماجگاہیں ہیں جن میں سے لبنان اس اعتبار سے بھی قابل ذکر ہے کہ یہاں عرب عیسائیوں کی بڑی آبادی میں کئی قوم پرست مفکر گزرے ہیں لیکن ہم تفصیلی مطالعہ میں ایک اور عرب ملک لیبیا کو شامل کر لیں تو ابھرتے ہوئے سیاسی نظام کا ایک منفرد نقشہ سامنے آ جائے گا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیبیا صرف ایک مختلف سیاسی، سماجی و اقتصادی سوچ کا مظہر ہے بلکہ یہ تاریخی طور پر ایک نسبتاً کم معروف نو آبادیاتی طاقت اٹلی کے زیرنگیں رہا۔ نسبتاً بعد میں آزاد ہوا اور یہاں قدامت پسند بادشاہت کو ختم ہوئے بھی نسبتاً کم ہی عرصہ گزرا ہے جبکہ یہاں کے انقلابی رہنما معمر قذافی اپنے منفرد اطوار کے ساتھ ساتھ عالمی طاقت امریکہ کے لیے ایک چیلنج کردار کے حامل رہے ہیں۔

1911ء میں لیبیا پر اٹلی نے اپنا قبضہ جمایا جو دوسری جنگ عظیم کے درمیانی سال یعنی 1943ء تک قائم رہا پھر فرانسیسی اور برطانوی آ گئے جو 1951ء میں اس ملک کو شاہ ادریس کے حوالے کر گئے۔ ساحلی پٹی کو چھوڑ کر اس بے آب و گیاہ اور کم آبادی والے ملک میں کوئی سامان بخشش نہ تھا کہ 1959ء میں تیل دریافت ہوا اور فوراً ہی تیل کی اجارہ داری مغربی کمپنیوں کی آماجگاہ بن گیا۔ یورپ سے نزدیکی کی بناء پر اس کی اہمیت میں اضافہ ہوا اور جلد ہی یہاں امریکہ نے بھی اپنا اثر و رسوخ قائم کر لیا۔

ستمبر 1969ء میں یہاں ایک جواں سال کرنل نے فوجی انقلاب کے ذریعے زوال پذیر بادشاہت کو ختم کیا اور ریڈیو پر اپنی قوم کو یہ نوید سنائی۔

> ''لیبیا کے لوگو! تمہیں مبارک ہو۔ تمہاری آرزوئیں پوری ہوئیں۔ آج تمہاری فوج نے سامراج کو غلام، رجعت پسند، بدعنوان اور غیرت سے عاری حکومت کا تختہ الٹ دیا ہے۔ آج سے لیبیا کو عرب جمہوریہ لیبیا کہا جائے گا۔ یہ جمہوریہ آزادی، اتحاد اور معاشرتی انصاف کی شاہراہ پر چلے گی۔ تم ہمارا ساتھ دو۔ ہمیں اسلام اور انسانیت کے دشمنوں سے لڑنا ہے''۔

لیبیا والوں کا ایک مقبول نعرہ ہے:

''الفاتح ثورہ اسلامیہ'' یعنی ہمارا انقلاب اسلامی ہے۔ اس انقلاب کے بعد لیبیا نے عرب دنیا، افریقی دنیا، اسلامی دنیا، ترقی پذیر دنیا اور خود عالمی تناظر میں کئی معاملات میں حیران کن فیصلے کیے۔ اس نے امریکہ جیسی سپر طاقت کی پالیسیوں کو کئی بار چیلنج کیا، اسرائیل اور اس کے طرف داروں کو للکارا۔ لیبیا جیسے چھوٹے سے ملک میں یہ ہمت اسی سبب پیدا ہوئی ہے کہ وہاں انقلابی سوچ رکھنے والوں کو عوامی سطح پر پذیرائی حاصل ہے۔ ملک میں بادشاہت اور اس کے گماشتے انتہائی کمزور پوزیشن میں ہونے کے سبب جلد ہی ناپید ہو گئے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الجمہوریہ العربیہ اللیبیا الشبیہ الاشتراکیہ الفطمی

لیبیا نے 24 دسمبر 1951ء کو اٹلی سے آزادی حاصل کی۔ 1969ء کے فوجی انقلاب کے نتیجے میں کرنل محمد ابومنیار القذافی نے لیبیا میں اقتدار سنبھالا۔ یہاں کا سیاسی نظام سوشلزم اور اسلام کا امتزاج ہے جو قبائلی روایات سے اخذ کیا گیا ہے جو لیبیا کے عوام خود نافذ کرتے ہیں براہ راست جمہوریت کے ذریعے سے۔ قذافی نے تیسری دنیا کا نظریہ متعارف کرایا، اقوام متحدہ نے 1992ء میں لیبیا پر اقتصادی پابندیاں لگائیں تاکہ قذافی کی سیاسی سرگرمیوں کو محدود کیا جا سکے۔ قذافی پر یہ لزام بھی لگایا گیا کہ وہ دہشت گردی کی پشت پناہی کر رہا ہے۔ لیبیا پر اپریل 1999ء میں اقتصادی پابندیاں نرم کر دی گئیں اور بالآخر ستمبر 2003ء میں مکمل طور پر ہٹالی گئیں۔ PaNAM فلائٹ 103 لوکربی (Lockerbie) کیس کو بھی ختم کر دیا گیا اور 2003ء میں لیبیا نے یہ اعلان کیا کہ وہ وسیع پیمانے پر تباہی پھیلانے والے ہتھیاروں کی تیاری سے دست بردار ہوتا ہے۔ اس کے نتیجے میں ان کے تعلقات مغربی دنیا سے بہتر ہوئے اور 1980ء میں رجسٹرڈ دہشت گردی کے بے شمار مقدمات 2004ء میں ختم ہو گئے۔ اتا UTA اور LaBella ڈسکہ بم کیس میں مرنے والے لوگوں کے خاندانوں کو معاوضہ بھی ادا کیا گیا۔ اس کا رقبہ 1,759,540 مربع کلومیٹر آبادی 5,631,585 نفوس سنی مسلم 97% الجیریا، چاڈ، مصر، نیجر، سوڈان اور تنزینیا سے سرحدیں ملتی ہیں۔ یہاں عربی، اٹالین اور انگلش بولی جاتی ہے۔

25 میونسپلٹی پر قائم ہے جنہیں 13 ریجن میں تقسیم کیا گیا ہے۔ انقلابی لیڈر معمر قذافی حکمران جبکہ 14 جون 2003ء سے وزیر اعظم شکری محمد عالم ہیں۔ جنرل پیپلز کانگریس کے انتخابات بالواسطہ ہوتے ہیں۔ یہ کونسل وزیر اعظم اور کابینہ کا انتخاب کرتی ہے۔

2.4.1- لیبیا میں مقاصد انقلاب

لیبیا کا انقلاب سیاسی، سماجی اور اقتصادی ہر اعتبار سے منفرد ہے جس کے تین بنیادی مقاصد کو انقلاب کے سربراہ معمر کرنل قذافی نے کچھ اس طرح بیان کیا ہے کہ:

1- لیبیا کو ایک ایسی عوام سوشلسٹ جمہوریہ بنایا جائے جس کی حکومت کی بنیاد قرآن کے سیاسی اور مشاورتی فلسفہ پر ہو۔

2- ملک کو بنیادی اشیائے ضرورت میں اس طرح خودکفیل بنایا جائے کہ تیل کی آمدنی پر بھروسہ کیے بغیر روزمرہ کی ضرورتیں پوری ہوتی رہیں اور بیرونی محتاجی نہ رہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

3- تمام دنیا عرب کو اور اس کے ذریعے تمام مسلمان ممالک کو ایک ایسے قرآنی نظام سیاست اور طرز معیشت میں ڈال دیا جائے کہ ان میں حریت کی روح بیدار ہو۔ مسلمانوں کو فرقوں، عقیدوں اور مسلکوں کی زنجیروں سے آزاد کر کے صرف قرآن کی لڑی میں پرو دیا جائے تاکہ اندرونی انتشار ختم ہو۔ اسلام کی ایسی نشاۃ ثانیہ کے بعد بزور شمشیر اسلامی ملکوں کی سرزمین کو سامراج اور صیہونیت کے چنگل سے آزاد کرایا جائے۔

اہل لیبیا پہلے دو مقاصد میں خاصے کامیاب رہے ہیں اور ہمارے اس مطالعہ کی حد تک یہی کامیابی قابل غور ہے۔ لیبیا نے جو مشاورتی نظام قائم کیا ہے وہ نہ صرف اسلام کی تاریخ بلکہ موجودہ زمانہ کی تمام تحریکوں میں اپنی مثال آپ ہے۔ قصبات، شہروں میں مشاورتی مجالس کے ماہانہ اور سالانہ اجلاس ہوتے ہیں جن میں تمام افراد کی طرح عمال حکومت بھی برابر کی سطح پر شریک ہوتے ہیں اور یہاں تمام سرکاری کارروائیوں کا احتساب عام ہوتا ہے۔ کاروبار مملکت میں افرادِ قوم کی براہ راست مشاورت اچھے سیاسی نظام کی ایک عمدہ مثال ہے۔ کیونکہ اس سیاسی و انتظامی نظام میں ملک ہر حصے کی الگ مجلس ہوتی ہے لہٰذا ملک اب ایک جمہوریہ نہیں بلکہ کئی جمہوریتوں کا مجموعہ ہے اور اس کا نام ''لیبیا سوشلسٹ جماہیر'' ہے۔

لیبیا کا یہ نظام مشاورت کس حد تک قابل تقلید ہے اور کہاں تک کامیابی حاصل کرتا ہے اس کا اندازہ بعد میں ہی ہوگا لیکن مملکت کے سیاسی نظام میں عوام کی براہ راست شرکت کا ضامن ضرور ہے۔ نوآبادیاتی نظام کے اختتام پر عالم اسلام میں اقتدار کے جو نمونے قائم ہوتے رہے ان میں موروثی بادشاہتیں ہوں یا چند طبقات کی فرمانروائی یہ ان سب سے بالکل مختلف مثال ہے۔

البتہ ایک سمت جس کا اسرائیلی ردعمل میں جائزہ لینا ضروری ہے، وہ ہے سوشلسٹ حکومت کا قیام۔ عرب ممالک میں لیبیا اور کسی حد تک شام خود کو سوشلسٹ بھی کہلواتے ہیں جبکہ عملاً وہاں شاید ہی سوشلسٹ نظام قائم ہو۔ دراصل جب اسرائیل کی پشت پناہی امریکہ جیسا سرمایہ دارانہ نظام کا حامل ملک کرتا ہے تو ردِعمل میں لوگوں کو روسی سوشلسٹ معاشرہ نظر آتا ہے اور اسی رو میں وہ خود کو سوشلسٹ کہنے لگتے ہیں، جبکہ حقیقت میں اسلام سے ان کی پختہ وابستگی بدستور قائم و دائم رہتی ہے۔

2.5- اہم نکات

(1) دنیا کی کل آبادی کا پانچواں حصہ اسلام کا پیروکار ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(2) قومیت ایک احساس ہے جس کی بنیاد رنگ و نسل، زبان اور علاقے کے فرق پر ہے۔

(3) جمہوریت ایک رویہ ہے اور جمہوریت ایسے سیاسی نظام کا نام ہے جو عوام کے لیے اور عوام کے نمائندوں کے ذریعے ہو۔

(4) اسلام ایک نظام حیات ہے۔

(5) دنیائے عرب میں قوم پرستی کے موجودہ رجحان کی ابتداء اقوام یورپ کے توسط اور ایماء سے انیسویں صدی میں ہوئی۔

2.6- خود آزمائی نمبر 1

سوال نمبر 1- مندرجہ ذیل بیانات میں صحیح اور غلط کی نشاندہی کیجیے۔

1- قومیت کا تصور تفاخر کے نتیجے میں دنیا کو دو جنگوں سے دوچار کر چکا ہے۔ ص ۔ غ

2- عرب قومیت پرستی کے احساس کو یورپی حکمرانوں نے ابھارا۔ ص ۔ غ

3- عرب لیگ کے ممبر ممالک کی تعداد 121 ہو چکی ہے۔ ص ۔ غ

4- 1923ء میں بادشاہت کے ساتھ پارلیمانی نظام کا بھی آغاز ہوا۔ ص ۔ غ

5- مصر میں بادشاہت کا خاتمہ 1852ء میں ہوا۔ ص ۔ غ

سوال نمبر 2- مندرجہ ذیل بیانات میں صحیح اور غلط کی نشاندہی کیجیے۔

1- مصر کی سرزمین پر .... حکومت کیا کرتے تھے۔

2- اٹھارویں صدی میں کچھ عرصے کے لیے .... نے قاہرہ پر قبضہ کر لیا۔

3- جمہوریہ مصر العربیہ .... میں برطانیہ سے جزوی آزادی کے بعد جنگ عظیم دوم تک مکمل آزادی حاصل کر چکا تھا۔

4- 1911ء میں لیبیا پر .... نے قبضہ کر لیا۔

5- 24 دسمبر 1951ء کو .... اٹلی سے آزادی حاصل کی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

3- جمہوریت

نظام سیاست کا ایک وقیع لیکن سادہ سا عنصر جمہوریت ہے جس کے معنی کاروبار ریاست میں عوام کی رائے کا احترام ہے۔ یہ قرآنی ہدایت" وامرھم شوری بینھم "ہی کی ایک صورت ہے جسے مغربی ممالک نے اپنے ہاں جاری کرنے کے لیے گزشتہ دہائی تین صدیوں میں باقاعدہ ادارے بنا لئے ہیں۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ عالم اسلامی میں خلافت راشدہ کے بعد قریباً ڈیڑھ ہزار برس سے سیاسی اداروں کی تخلیق رکی رہی۔ خلافت بطور ادارے کے کمزور تر ہوتی گئی اور ملوکیت پھیلتی گئی۔ مغربی دنیا کے توسط سے قومی ریاستوں اور جمہوریت سے تعارف ہوا تو جہاں قومیت پرستی اپنائی گئی وہاں جمہوریت بطور طرز حکومت اپنانے پر بھی توجہ دی گئی۔

مغرب سے مستعار طرز حکومت اپنانے پر توجہ دی گئی لیکن اہل اقتدار کے رویوں اور طرز عمل میں جمہوری روایات راہ نہ پا سکیں۔ پھر خود جمہوریت کے اجزائے ترکیبی مثلاً انتخاب، مشاورت اور رائے دہی اگرچہ اصلاً قرن اول کی اسلامی روایات ہی سے ماخوذ ہیں لیکن اسلام میں ابھی تک ان پر مبنی ایسے نظام ہائے حکومت تشکیل نہیں پا سکے جو جدید زمانے کے تقاضوں کے مطابق تعمیر ریاست و معاشرہ کے لیے ضروری ہیں۔

آئندہ صفحات میں پہلے آپ ان ممالک کا سیاسی منظر پڑھیں گے جہاں جمہوریت کو فوقیت دینے کی کوشش نظر آتی ہے اور پھر ایسے ممالک کا تذکرہ ہے جہاں جمہوری روایات کو اسلامی اقدار سے ہم آہنگ کئے جانے کے حوالے ملتے ہیں۔

3.1- ترکی

جمہوریہ ترکی مغربی ایشیا کے شمال میں اس طرح پھیلا ہوا ملک ہے کہ اس کا کچھ حصہ براعظم یورپ میں واقع ہے۔ تنگ آبنائے باسفورس ان دو حصوں کو جدا کرتی ہے جہاں عظیم شہر استنبول واقع ہے۔ ترکی کی موجودہ آبادی میں مسلمانوں کا تناسب 98 فیصد ہے۔

نظام ریاست و سیاست کے اعتبار سے مسلم ممالک میں ترکی آج یورپی سوچ کے قریب ترین شمار ہوتا ہے۔ یہاں انتظام ریاست میں سیکولرازم کا دور دورہ ہے جو یورپی سوچ میں جمہوریت کی روح رواں ہے۔

جمہوری اقدار پر کاربند یہی ترکی اس صدی کی ابتدائی چوتھائی تک سلطنت عثمانیہ کا مرکز ہونے کے ناطے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عرب قوم پرستوں کی نفرتوں کا ہدف بنا ہوا تھا۔ اس وقت بیشتر عرب علاقے اس سلطنت کا حصہ تھے۔ سیاسی زوال کی اس حد تک پہنچنے میں بڑا وقت لگا۔ اس سے قبل سلطنت عثمانیہ کا شمار (جو خلافت اسلامیہ کی وارث وامین تھی) دنیا کی عظیم طاقتوں میں ہوتا تھا۔ پندرہویں تا سترہویں صدی کے زمانہ عروج میں اس کی سرحدیں بحرہند کے ساحلوں سے لے کر سوڈان تک اور وسطی یورپ میں آسٹریا اور ہنگری سے لے کر بحیرہ کیسپن تک پھیلی ہوئی تھیں۔

ترکی اس وقت عالم اسلام کا رکھوالا تھا جہاں کا سلطان ظل اللہ ہی نہیں خلیفۃ الاسلام بھی تھا۔

جنگ عظیم اول سے قبل ہی سلطنت عثمانیہ کے حصے بخرے ہو چکے تھے اور اس جنگ کے اختتام پر ترکی یورپی اقوام کے ہاتھوں ایسی شکست سے دوچار تھا کہ شاید اندلس کی تاریخ دہرائے جانے کو تھی۔ ایسے میں ایک جری جرنیل مصطفیٰ کمال نے سنبھالا دیا اور اسی وجہ سے اسے غازی کا خطاب ملا۔ اس نے ترکوں کے لیے ایک آزاد ترک وطن کا تصور دیا اور اس کی حدود کا دفاع کیا۔ خود اتاترک کہلایا لیکن موروثی سلطانی کی جگہ جمہوریت کو رواج دیا۔ انہوں نے سیکولرازم کو نظریہ مملکت کے طور پر اپنایا اور فوج کو ملک اور اس کے نظام حکومت کا محافظ قرار دیا۔ البتہ اتاترک نے مسلح افواج کو سیاست سے الگ اور بالاتر رہنے کی تلقین کی۔

اتاترک نے اپنے ملکی اداروں اور طور طریقوں کو سیکولرازم کی بنیاد اور اپنی کامیابی کے لیے بڑی حد تک انہیں یورپی انداز پر ڈھالا۔ یہ بات ہمارے مطالعہ سے متعلق نہیں ہے البتہ گزشتہ تین چار دہائیوں سے عالم اسلام میں اسلامی اقدار کی سربلندی اور سیاست میں بنیاد پرستی کی جو تحریکیں مختلف ممالک میں چل رہی تھی، ترکی میں ان کا اثر بس اس حد تک نظر آتا ہے کہ مصطفیٰ کمال کے وقت بعض دینی اقدار سے متصادم فیصلے بدلتے گئے ہیں، البتہ ملکی سیاست میں سیکولرازم اور جمہوریت کو بنیادی حیثیت حاصل رہی۔

مصطفیٰ کمال کی سرکردگی میں مسلمان آبادی کی نمائندہ ترک قومی اسمبلی نے پہلے (1923ء میں) ترک جمہوریہ کا اعلان کیا پھر دوسرے مرحلے میں (1924ء میں) خلافت کے خاتمے کا فیصلہ کر کے منتخب ایوان کی حیثیت سے مقتدر اعلیٰ کی حیثیت اختیار کی، یعنی خلیفہ کو قوانین کی آخری منظوری کا جو حق حاصل تھا وہ اس منتخب ایوان نے اپنے لیے مختص کر لیا۔

ترک قوم کی سوچ کے مطابق، جسے اپنے مسلمان ہونے کا بھی احساس ہے، دورِ حاضر کے چیلنجوں کا مقابلہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرنے کے لیے سیکولرازم اور جمہوری راہ عمل ہی کامیابی کی ضمانت ہیں۔

ترک رہنماؤں اور سیاسی مفکرین کو اپنی اس سوچ میں برصغیر کے مسلمان مفکرین، خصوصاً علامہ اقبال کے ان تصورات سے مماثلت کا غالب گمان نظر آتا ہے جن میں تقلید اور قدامت پرستی کی مذمت کی گئی ہے اور اجتہاد کی راہ اپنانے پر توجہ دلائی گئی ہے۔

کثیر الجماعتی نظام

جیسا کہ آپ پہلے پڑھ چکے ہوں گے کہ جمہوری ترکی کی بنیاد وسیع سلطنت عثمانیہ کے یورپی طاقتوں کے ہاتھوں حصے بخرے ہو جانے پر اور عثمانیہ افواج کی شکست کے بعد ایک جرنیل کے ہاتھوں رکھی گئی۔ اپنے ذاتی تجربے کی بنیاد پر وہ جانتے تھے کہ عثمانی سلطنت کی کمزوری میں مسلح افواج ملوث تھیں۔ لہٰذا اتاترک کا ساتھ دینے والے انقلابیوں اور ان کے بعد آنے والے ترک رہنماؤں نے ملک میں فرد واحد کی حکمرانی کی جگہ کثیر الجماعتی نظام کو فروغ دینے کی تدابیر اختیار کیں۔

جنگی محاذوں کی کارروائیوں سے فرصت پانے کے بعد اتاترک اور ان کے ساتھیوں نے جنہیں جدید خیالات کی بنیاد پر جوانان ترکیہ (Yound Turko) کہا جاتا ہے، 1923ء میں اپنی سیاسی جماعت تشکیل دی۔ جنگی کامیابیوں سے ہمکنار رہنماؤں کو سیاسی میدان میں پذیرائی نصیب ہوئی اور 1924ء میں خلافت کے خاتمے اور سیکولرازم کی حکمت عملی اپنائے جانے کے ساتھ ہی اس جماعت کا نام ری پبلکن پارٹی رکھ دیا گیا۔ انہی دنوں تصور خلافت کے حامیوں نے پروگریسوری پبلک پارٹی بنالی تو کثیر الجماعتی نظام کی ابتداء کے طور پر اس کی حوصلہ افزائی کی گئی۔ نئے اور سیکولر نظام کے قیام میں رخنہ اندازی کے اندیشے کے تحت اگلے سال ہی یعنی 1925ء میں یہ نئی جماعت کابینہ کے حکم سے توڑ دی گئی لیکن جلد ہی ایک دوسری جماعت لبرل ری پبلکن پارٹی کے نام سے قائم ہوگئی جو آئندہ پانچ برس تک ملک میں اپوزیشن کا کردار ادا کرتی رہی۔ پھر 1930ء میں اسے بھی سرکاری مداخلت کے ذریعے ختم کر دیا گیا۔

ان دنوں اور بعد ازاں اتاترک جس تیزی سے اور جس بڑے پیمانے پر ترک معاشرے میں جدید یورپی تصورات کو رواج دینے میں لگے ہوئے تھے اور انہیں اپنی سوچ کے صحیح ہونے پر جو اعتماد تھا، اس کے پیش نظر سیاسی نقطہ نظر سے کسی دوسری سوچ کی گنجائش ہی نہ تھی۔ وہ یورپی اقوام کی بالادستی کو یورپی معاشرتی اقدار کا بدیہی نتیجہ گردانتے تھے لہٰذا وہ اپنی قوم میں اور اس ملک میں جس کے حدود اربعہ کا انہوں نے خود دفاع کیا تھا، ایسی ہی اقدار کو فوقیت دلاتے گئے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کمال اتاترک بہر حال ایک فوجی جرنیل تھے اور وہ اپنی سپاہیانہ قیادت میں باکمال وسرخ رو رہے تھے لہٰذا سربراہِ مملکت بن جانے کے بعد اپنی ہر دلعزیزی کی بنیاد پر ان کی طرف سے جمہوریت کا ایسا ہی نفاذ ہوا جیسا فوجی حکومتوں کا ہوا کرتا ہے یعنی کسی قسم کی مخالفت گوارا نہیں کی جاتی۔ البتہ 1938ء میں اتاترک کی وفات کے بعد ان کے معتمد ساتھی عصمت انونو نے دوسری مؤثر جماعت کے طور پر قائم ہونے والی ''جمہوری پارٹی'' کو پروان چڑھنے کا موقع دیا۔

جمہوری پارٹی نے ملکی نظام معاشرت میں یورپی تقلید کو کم کرنے پر زور دیا اور اتاترک کے زمانے میں مذہبی اقدار پر جو پابندیاں لگائی گئیں، انہیں ہٹانے پر بھی قوم کی توجہ دلائی۔ سیاست و معاشرت میں مذہبی رجحان کی پذیرائی چاہنے والوں میں 1950ء کے بعد برسراقتدار رہنے والے صدر جمہوریہ جلال بایار اور وزیراعظم مندریس خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ ان کے عہد میں عربی زبان میں اذان اور عربی کی تعلیم کی دوبارہ اجازت دی گئی۔ قرآن کریم عربی رسم الخط میں طبع کرنے کی اجازت ملی۔ ساتھ ساتھ دینی مدارس بھی خاصی تعداد میں قائم ہوئے۔

معاشرے میں ایسی تبدیلیاں لائی جا رہی تھیں کہ اس حکومت کو 1960ء میں فوجی قیادت نے مارشل لاء کے ذریعے ختم کیا۔ وزیراعظم عدنان مندراس کو'' آئین سے انحراف کے جرم'' میں پھانسی دے دی گئی اور بزرگ رہنما جلال بایار نے عمر قید کی سزا پائی۔

ترکی کی فوجی قیادت کو اس آئین کے سہارے میں جس میں ملک کو سیکولر ریاست کہا گیا ہے، سیاست میں مذہبی مداخلت ناگوار گزرتی رہی لہٰذا گزشتہ نصف صدی میں دو مرتبہ ایسے رجحان کو روکنے کے لیے سیاست میں دخل دے چکی ہے۔ اسی آئین میں فوج کو جب کبھی سیاسی الجھاؤ پیدا ہوا تو چھ ماہ کے لیے مارشل لاء نافذ کرنے کا اختیار بھی دیا گیا۔ اس طرح دوبار کے مکمل مارشل لاء نظام کے نفاذ کے علاوہ بھی سیاسی پارٹیوں کے اختلافات کو کم کرنے کے لیے ترکی کی مسلح افواج کبھی یادداشت، کبھی وارننگ اور کبھی مختصر عرصے کا مارشل لاء جاری کر دیتی ہیں۔ ایسے اقدامات کا مقصد سیاسی نظام کی راست سمت میں رہنمائی بتایا جاتا ہے جس کا آئین میں ذکر موجود ہے۔ بعض کے خیال میں فوج کا ادارہ سیاسی منظر کا رکھوالا ہے۔

موجودہ ترکی 1923ء میں وجود میں آیا۔ گو یہاں 1960ء، 1971ء اور 1980ء میں فوجی انقلاب بھی آئے لیکن آخر میں سیاسی قوت عوام کے حوالے کر دی گئی۔ اس کا رقبہ جولائی 2004ء کے اندازے کے مطابق 780,580 مربع کلومیٹر اور آبادی 68,893,918 ہے۔ اس کی سرحدیں آرمینیا، آذربائیجان، بلغاریہ، جورجیا، یونان، ایران، عراق اور شام سے ملتی ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

موجودہ صدر احمت نیکڈٹ سیزر (Ahmet Needed Sezer) ہیں جو 16 مئی 2000ء میں منتخب ہوئے۔ وزیر اعظم رجب طیب اردگان (Recep Tayyip Erdogan) (14 مارچ 2003ء) ہیں۔ وزیراعظم کی نامزدگی پر صدر کابینہ مقرر کرتا ہے۔ صدر کا انتخاب نیشنل اسمبلی سات سال کے لیے کرتی ہے۔ وزیراعظم کا تقرر صدر پارلیمنٹ کے ممبر میں سے کرتا ہے۔ ترکی کی اعلیٰ نیشنل اسمبلی کی 550 نشستیں ہیں۔ ممبران کا انتخاب عوامی ووٹ کے ذریعے پانچ سال کے لیے ہوتا ہے۔

3.2- انڈونیشیا

سترہویں صدی کی ابتداء میں ڈچ نے انڈونیشیا کو اپنی کالونی بنانا شروع کیا اور جاپان نے 1942ء سے 1945ء تک جزائر پر قبضہ کر لیا۔ نیدر لینڈ کی حکومت نے 27 دسمبر 1949ء میں اس کی آزادی کو تسلیم کیا۔ رقبہ 1919440 مربع کلومیٹر اور آبادی جولائی 2004ء تک 23 کروڑ 40 لاکھ افراد پر مشتمل ہے۔ مسلم 88 فی صد جبکہ دیگر مذاہب میں پروٹسٹنٹ، رومن کیتھولک، ہندو بدھ مت شامل ہیں۔ بھاشا انڈونیزی سرکاری زبان جبکہ جکارتہ دارالخلافہ ہے اور ملک 30 صوبوں پر مشتمل ہے۔

انڈونیشیا جنوب مشرقی ایشیا میں تیرہ ہزار سے زائد چھوٹے جزائر پر مشتمل ہے۔ ان میں جاوا، ساٹرا، بورنیو، بالی اور ایریان زیادہ مشہور ہیں۔ جزیرہ جاوا دنیا کے گنجان ترین علاقوں میں شمار ہوتا ہے۔ مشہور آبی راستہ آبنائے ملاکا انہی جزائر اور ملائشیا کے مابین گزرتا ہے۔

انڈونیشیا ایک ایسا ملک ہے جہاں دنیا کے کسی بھی دوسرے ملک کے مقابلے میں زیادہ مسلمان آباد ہیں۔ یہ ملک عرصہ دراز تک ولندیزی نوآبادیات میں شامل رہا جس سے چھٹکارا پانے کی خاطر سیاسی کوششوں کے علاوہ مسلح جدوجہد بھی جاری رہی۔ جنگ عظیم دوم کے دوران کچھ عرصے کے لیے جاپانیوں نے بھی یہاں قبضہ کر لیا تھا اور اس قبضے کے اختتام پر مسلح جدوجہد کے لیڈروں نے اگست 1945ء میں انڈونیشیا کے آزاد جمہوریہ ہونے کا اعلان کیا۔

اس موقع پر جنرل سوئیکارنو کو صدر اور جناب محمد حتیٰ کو نائب صدر مقرر کیا گیا۔ پہلے عارضی اور پھر مستقل آئین بنایا گیا۔ اس کے مطابق آئندہ پانچ سات سال ملکی انتظام بخیر وخوبی چلایا جاتا رہا۔ اس زمانے میں سیاسی جماعتیں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرتی رہیں۔ ان دنوں ماشومی پارٹی برسر اقتدار تھی۔ پھر رفتہ رفتہ جنرل سوئیکارنو خود اپنی جماعت نیشنل پارٹی کو برسر اقتدار لانے کے لیے تگ و دو کرنے لگے لیکن 1955ء کے انتخابات میں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھی ان کی پارٹی اکثریت حاصل نہ کر سکی۔ اقتدار پر اپنی گرفت مضبوط بنانے کے لیے انہوں نے نیشنلزم اور کمیونزم کے امتزاج سے اپنا ایک منفرد نظریہ ''نیکوم'' پیش کیا اور نظام ملک میں کمیونسٹوں کو شریک کار بنانے لگے۔

پابند جمہوریت

انڈونیشیا میں قومی سیاسی عمل میں فوج کی عملداری کا سلسلہ خاصا وسیع رہا ہے۔ اس کی ایک وجہ آزادی کے لیے مسلح جدوجہد کرنے والے رہنماؤں کا انداز فکر وعمل رہا ہے۔ اپنے خودساختہ نظریئے کو بڑھاتے ہوئے 1956ء میں صدر سوئیکارنو نے مغربی طرز کی جمہوریت کو ملک کے لیے تباہ کن قرار دیا۔ اس کے مقابلے میں انہوں نے پابند جمہوریت کا نیا منصوبہ پیش کیا۔ اس مرحلے پر نائب صدر جناب محمد حتیٰ نے استعفیٰ دے دیا۔ کئی جزائر میں بے چینی پھیلی جسے طاقت کے استعمال سے دبا دیا گیا۔ اب اپنی من پسند کارروائیاں بروئے کار لانے کے لیے صدر سوئیکارنو نے جمہوری آئین ہی منسوخ کر دیا۔

اس کے بعد ملک میں جو پابند جمہوریت رائج کی گئی اس میں پارلیمنٹ کے بارے میں فیصلہ کیا گیا کہ نصف ارکان کو صدر خود نامزد کرے گا جبکہ بقیہ نصف کے لیے انتخاب ہوگا مگر صرف وہی امیدوار انتخاب میں حصہ لیں گے جنہیں صدر اجازت دے گا۔ اس پابند جمہوریت کو قبول نہ کرنے والی سیاسی جماعتوں کو خلاف قانون قرار دے دیا گیا۔ پابند جمہوریت کے تحت قائم ہونے والی پارلیمنٹ پر صدر کی گرفت مضبوط ہوگئی۔ اس پارلیمنٹ نے 1963ء میں سوئیکارنو کو انقلاب کا عظیم رہنما کے خطاب سے نوازا اور انہیں تاحیات صدر جمہوریہ بنانے کا اعلان کر دیا۔

سوئیکارنو اپنا اقتدار بڑھانے اور بحال رکھنے کے لیے کمیونسٹوں کے مرہون منت تھے جو ایسی پالیسیاں آگے لا رہے تھے جن سے ملک کی اقتصادی حالت بگڑتی جا رہی تھی۔ یہ لوگ جانتے تھے کہ کمزور اقتصادی حالت کمیونسٹ انقلاب کا پیش خیمہ بنتی ہے۔ ملکی حالات اس طرف بڑھ رہے تھے جن پر مسلح افواج کے رہنماؤں کی بھی نظر تھی جو اس صورتحال سے نالاں تھے۔ نتیجہ 1965ء میں کمیونسٹوں اور جرنیلوں کے درمیان زبردست تصادم ہوا۔ جس میں کمیونسٹ مخالف جنرل سہارتو کامیاب رہے۔

اکثریت کی رائے میں اس خونی تصادم کا باعث صدر سوئیکارنو کی ذات اور پالیسیاں تھیں۔ لہٰذا کچھ عرصہ بعد ''تاحیات صدر'' کو صدارت سے الگ کر دیا گیا اور انہیں دیا گیا خطاب ''انقلاب کا عظیم رہنما'' بھی ختم کر دیا گیا۔

جنرل سہارتو نے اپنے دور کو ''پنج شیلا'' جمہوریت کا نام دیا یعنی پانچ نکاتی جمہوریت۔ اس نئی جمہوریت کے تحت بھی پارلیمنٹ کے اکثر ارکان نامزد ہوتے ہیں۔ انہوں نے جو پارٹی قائم کی اس میں سرکاری ملازمین کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شرکت لازمی قرار دی گئی۔

3.3- ملائیشیا

1957ء میں برطانیہ سے آزادی حاصل کی لیکن موجودہ سڑوک اور شمالی سمندری ساحل بورنیو اس میں شامل ہوا۔ ملائیشیا 1963ء میں وجود میں آیا۔ گویا 1963ء میں آزادی حاصل کی اور 1965ء تک ملائیشیا فلپائن میں علاقائی برتری کے لیے کاوشوں میں مصروف رہا۔ رقبہ 329750 مربع کلومیٹر اور آبادی 23,522,482 (جولائی 2004ء)، بھاشا ملایو ہے کے علاوہ کئی علاقائی زبانیں ہیں برونائی، انڈونیشیا اور تھائی لینڈ سے سرحدیں ملتی ہیں۔ مسلم اور بدھ مت آبادی میں زیادہ ہیں۔ دارالخلافہ کوالالمپور ہے۔ اس کی 13 ریاستیں ہیں۔ 12 دسمبر 2001ء سے اعلیٰ حکمران تنکو سید سراج الدین ابن المرحوم تنکو سید پترا جمال الدین ہرلس کا راجہ ہے۔ وزیر اعظم عبداللہ بن احمد بداوی 31 اکتوبر 2003ء اور ڈپٹی پرائم منسٹر نجیب تن رزاق ہے۔ 7 جنوری 2004ء ممبر آف پارلیمنٹ میں سے وزیر اعظم کابینہ تشکیل دیتا ہے۔ پارلیمنٹ کی مرضی کے مطابق اعلیٰ حکمران 5 سال کے لیے منتخب کیے جاتے ہیں جو پارٹی پارلیمنٹ میں زیادہ نشستیں حاصل کر لے اس کا لیڈر وزیر اعظم منتخب کر لیا جاتا ہے۔ پارلیمنٹ جسے دیوان نگارا کہا جاتا ہے، 70 سیٹوں پر مشتمل ہوتا ہے جس میں سے 44 اعلیٰ حکمران تقرر کرتا ہے اور 26 ریاستوں کی مقننہ مقرر کرتی ہے جبکہ House of Representative دیوان رکنیت کی 219 نشستیں ہیں جن کا انتخاب ووٹ کے ذریعے ہوتا ہے۔ دیوان کنیت کے آئندہ انتخابات 2009ء میں ہوں گے۔

3.4- سعودی عرب

رقبہ 1,960,582 مربع کلومیٹر ہے۔ عراق، اردن، کویت، اومان، قطر، متحدہ عرب امارات اور یمن کے ساتھ سرحدیں ملتی ہیں۔ آبادی 25,795,938 نفوس پر مشتمل ہے۔ 100% مسلم عربی بولی جاتی ہے۔ دارالخلافہ ریاض ہے اور یہ ملک 13 صوبوں پر مشتمل ہے۔ بادشاہ اور وزیر اعظم فہد بن عبدالعزیز السعود 13 جون 1982ء اول ڈپٹی پرائم منسٹر اور جانشین عبداللہ بن عبدالعزیز السعود ہیں جو کہ 1963ء سے نیشنل گارڈ کے کمانڈر ہیں۔ کابینہ کی تشکیل شاہ کرتا ہے۔ وزراء میں زیادہ تر شاہی خاندان کے لوگ ہیں۔ اکتوبر 2003ء منسٹرز کونسل نے اعلان کیا کہ فروری سے اپریل 2005ء کے دوران مجلس شوریٰ کے انتخابات کرائے جائیں گے جو چار سے پانچ سال کے لیے ممبر بنیں گے۔ یہ مجلس شوریٰ 120 ممبران پر مشتمل ہوگی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

3.5- اسلامک ریپبلک آف افغانستان

افغانستان ایک قدیم مسلم ریاست ہے۔ 1979ء میں سوویت یونین نے اسے اپنے زیر تسلط کیا لیکن دس سال بعد ہی کمیونزم کے مخالف مجاہدین نے سوویت یونین کو افغانستان سے نکال دیا۔ 1992ء میں افغانستان سے کمیونسٹ غلبہ کا خاتمہ طالبان نے کیا۔ 1996ء میں طالبان نے کابل پر قبضہ کرلیا اور افغانستان کا بہت بڑا علاقہ ان کے زیرنگیں آ گیا۔ ماسوائے شمال مشرقی حصہ کے جہاں کمیونزم کے حامی ''شمالی اتحاد'' کی حکمرانی تھی لیکن 11 ستمبر 2001ء کے واقعہ جس میں ٹریڈ سنٹر نیویارک کو تباہ کیا گیا تھا، اس حملہ کی ذمہ داری اسامہ بن لادن جو کہ ان دنوں افغانستان میں تھا، پر ڈالی گئی۔ حکومت افغانستان کے ساتھ مذاکرات ہوئے اور طالبان کی حکومت کے خلاف افغانستان پر اتحادی فوجوں نے شمالی اتحاد کی مدد سے حملہ کر دیا جس کے نتیجے میں طالبان کی حکومت ختم ہوگئی اور 2004ء میں اقوام متحدہ کی نگرانی میں نیا آئین جو 16 جنوری 2004ء سے نافذ العمل تھا، کے تحت صدارتی انتخابات ہوئے جس کے نتیجے میں حامد کرزئی 9 اکتوبر 2004ء کو بحیثیت صدر منتخب ہوئے۔ حکومت کا اگلا اہم قدم قومی اسمبلی کے انتخابات تھے۔

کل رقبہ 647500 مربع کلومیٹر ہے۔ چین، ایران، پاکستان، تاجکستان، ترکمانستان اور ازبکستان کے ممالک سے اس کی سرحدیں ملتی ہیں۔ جولائی 2004ء میں یہاں کی کل آبادی 2 کروڑ 90 لاکھ نفوس پر مشتمل تھی۔ زیادہ آبادی پشتو (42%) اور تاجک (27%) ہیں۔ 99% مسلم آبادی ہے جس میں شیعہ آبادی 19% اور سنی 80% ہیں۔ سب سے زیادہ بولی جانے والی زبان افغان پرشین، دری 50% اور پشتو (سرکاری) 35% ہے۔ دارالخلافہ کابل ہے اور یہ 34 صوبوں پر مشتمل ہے۔

آئین میں سابق بادشاہ ظاہر شاہ کو عزت مآب بابائے مملکت کے خطاب سے نوازا گیا۔ نئے قانون کے تحت 27 وزراء کا تقرر صدر کرے گا جس کی منظوری قومی اسمبلی دے گی۔ صدر اور دو نائب صدور کا انتخاب براہ راست ووٹوں کے ذریعے عوام کرتے ہیں جو ہر پانچ سال بعد ہو گا۔

3.6- اہم نکات

(1) جمہوریت نظام سیاست کا ایک دقیق مگر سادہ ترین عنصر ہے۔

(2) نظام ریاست وسیاست کے اعتبار سے مسلم ممالک میں ترکی آج یورپی سوچ کے قریب ترین شمار ہوتا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(3) کمال اتاترک نہ صرف ایک فوجی جرنیل بلکہ اپنی سپاہیانہ قیادت میں باکمال شخصیت تھے۔

(4) سترہویں صدی کی ابتداء میں ڈچ نے انڈونیشیا کو اپنی کالونی بنا لیا اور جاپان نے 1942ء سے 1945 تک جزائر پر قبضہ کرلیا۔

(5) انڈونیشیا جنوب مشرقی ایشیا میں تیرہ ہزار سے زائد چھوٹے بڑے جزائر پر مشتمل ہے۔

(6) سعودی عرب کا کل رقبہ 1,960582 مربع کلومیٹر ہے۔

(7) ملائیشیا نے 1963ء میں برطانیہ سے آزادی حاصل کی۔

(8) جنرل سہارتو نے اپنے دور کو پنج شیلا جمہوریت کا نام دیا۔

3.7- خود آزمائی نمبر 2

سوال نمبر 1- درج ذیل خالی جگہ درست الفاظ سے پر کریں۔

1- ترکی میں مسلمانوں کی آبادی کا تناسب .... فی صد ہے۔

2- اتاترک نے .... میں اپنی سیاسی جماعت تشکیل دی۔

3- انڈونیشیا .... میں آزاد ہوا۔

4- ترکی میں خلافت کا خاتمہ .... میں ہوا۔

5- اتاترک کی وفات .... میں ہوئی۔

سوال نمبر 2- درست پر نشان لگائیں۔

1- جمہوریہ ترکی ایشیائے مغرب میں پھیلا ہوا ہے۔

2- جنگ عظیم اول سے قبل سلطنت عثمانیہ کے حصے بخرے ہو چکے تھے۔

3- مصطفیٰ کمال کی سرکردگی میں مسلمان آبادی کی نمائندہ ترک قومی اسمبلی نے پہلے 1923ء میں ترک جمہوریہ کا اعلان کیا۔

4- ترکی کے اعلیٰ نیشنل اسمبلی کی نشستوں کی تعداد 600 ہے۔

5- جاپان نے 1942ء سے 1945 تک جزائر پر قبضہ کرلیا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

4- اسلام: ابھرتے سیاسی مناظر

اس یونٹ میں ہمارا مدعا دنیائے اسلام میں سیاسی منظر کا مطالعہ رہا ہے اور اب تک ہم چیدہ چیدہ ممالک میں قومیت پرستی اور جمہوریت کی کارفرمائی کا احوال پڑھ چکے ہیں۔ آیئے اب سعودی عرب، ایران اور پاکستان کے اسلامی نظام سیاست کا جائزہ لیتے ہیں۔ ان تینوں ممالک میں جدا جدا نظام ریاست و سیاست ابھرتے رہے ہیں۔ اس حصہ کے مطالعہ میں ہم یونٹ کے خاص مقصد کی طرف بڑھیں گے یعنی ابھرتے سیاسی منظر کا ایسا مطالعہ جو ہمیں اس عنوان سے نہ صرف متعارف کروائے بلکہ اس میں پیدا ہونے والے رجحانات کی نشاندہی بھی ہو جائے اور پندرہویں صدی ہجری کی ابتداء میں اسلام بطور نظریہ حیات پھر سے رائج و راسخ کئے جانے کی کوششوں سے کچھ آگاہی حاصل ہو جائے۔

ابتداء میں اتنی بات ذہن نشین کر لیجئے کہ اس صدی کی ابتداء میں جزیرہ ما عرب، مقامات مقدسہ کے سوا، ایک غیر معروف علاقہ تھا۔ ایران میں تیل کی تلاش کے لیے کچھ یورپی ماہرین سرگرداں تھے اور یہاں قاچار بادشاہت کا دور دورہ تھا۔ جبکہ برصغیر میں برطانوی سلطنت کا راج تھا گو عرب اور ایران میں بھی انگریز ہی نظام ریاست پر اثرانداز ہو رہے تھے البتہ برصغیر میں تو اپنی زبان اور فکر کو بھی راسخ کر رہے تھے۔ عرب، ایران اور برصغیر ہی میں نہیں بلکہ کل عالم اسلام میں مغربی اقوام کی برتری کا سکہ رواں تھا اس کے اسباب و علل تو ہمارے مطالعے سے متعلق نہیں ہیں البتہ اتنا ضرور ہے کہ ملت اسلامیہ اپنی بے چارگی کی انتہا سے گزر رہی تھی۔ تعلیم، ہنر اور اقتصادیات سب ہی تنزلی کا شکار تھے۔ اس گئی گزری حالت سے دھیرے دھیرے جو تبدیلیاں آئیں ان میں بدلتے سیاسی نظریات اس لحاظ سے اہم ہیں کہ پہلے مغربی سوچ کا امتزاج ابھرا، پھر یہاں بسنے والوں نے اپنے اصل کی جانب رجوع کرنے کی سعی کی لیکن یہ تینوں ہی علاقے ایسا سیاسی منظر رکھتے ہیں جس کی اساس اسلام کے نظریہ ریاست و سیاست پر قائم ہے۔

نظریاتی مباحث میں الجھے بغیر ہمارا یہ مطالعہ آئندہ صفحات میں ان تینوں طاقتوں یعنی سعودی عرب، ایران اور پاکستان کے سیاسی نظام میں ایسے اقدامات اور رجحانات کا احاطہ کر رہا ہے جن کا تعلق عوام کی مرضی، اقتدار میں ان کی شرکت اور اسلام کی تعلیمات سے ہے۔ ان میں سے سعودی عرب ایک بادشاہت ہے، ایران میں شہنشاہی دور ختم ہوئے کئی برس گزرے ہیں اور پاکستان کا قیام برصغیر کے مسلم عوام کی مشترکہ سوچ سے عمل میں آیا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

4.1- جمہوریت اور اسلامی نظام سیاست

تینوں ممالک میں اسلامی نظام سیاست کے ابھرتے خاکوں کا مطالعہ کرنے سے پہلے یہ جان لیجیے کہ آخر جمہوریت اور اسلامی نظامت سیاست میں کیا فرق ہے اور کہیں اصل میں دونوں ایک تو نہیں۔

جمہوری طرز عمل کے اجزائے ترکیبی، مشاورت، رائے دہی، انتخابات اپنی اصل میں اسلامی فکر کے قریب تر ہیں۔فرق ہے تو فقط سرچشمہ قانون کا۔فکر اسلامی میں قانون سازی کا سرچشمہ انسانی سوچ نہیں بلکہ قرآنی احکام ہیں اور ان قرآنی احکام میں کوئی بھی کسی بھی حالت میں تغیر و تبدل کرنے کا مجاز نہیں۔ہاں ان احکام کی تعبیر و تشریح کے لیے احادیث مبارکہ اور سیرت طیبہ کے ساتھ ساتھ اجتہاد کا طریق کار رہنمائی کے لیے موجود ہے۔جب قرآنی احکام کو اصل سرچشمہ رشد و ہدایات مان لیا جائے تو پھر ان کے مطابق حاکمیت و اقتدار کا مالک رب کائنات ہے۔ اسلام کے نزدیک کوئی انسان، انسانوں پر حکمرانی نہیں کرتا۔

دوسری جانب مسئلہ عمل درآمد کا ہے یعنی مشاورت کیسے ہو، انتخاب کیسے ہو، رائے دہی کا طریق کار کیا ہو، اور ان سب باتوں کو مربوط بنانے کے لیے ادارے کون کون سے ہوں جیسا کہ ہم نے یونٹ کی ابتداء میں پڑھا اداروں کا فرق کسی ملک کی اندرونی ضرورت کے مطابق ہوتا ہے۔ریاستی سطح پر اعلیٰ ترین اقتدار کا حامل ادارہ اب پارلیمینٹ ہی شمار ہوتا ہے۔اب اگر پارلیمینٹ کی ساخت میں عوام کی رائے کارفرما ہو تو یہ جمہوری ادارہ ہے اور جب یہاں قانون سازی کا سرچشمہ قرآن کے احکام ہوں تو اسلامی نظام سیاست کا مقصد بھی پورا ہو جاتا ہے۔اس طرح ملک میں شخصی اور ذاتی مصلحتوں کی بجائے قومی و ملکی مصلحت کے مطابق فیصلے ہونے لگتے ہیں۔

4.2- سعودی عرب

جزیرہ نما عرب کا نمایاں ترین ملک سعودی عرب رقبہ کے اعتبار سے بہت وسیع (8,65,000 مربع کلو میٹر) اور انسانی آبادی (2 کروڑ 60 لاکھ افراد) کے لحاظ سے بہت کم آباد علاقہ ہے۔آبادی 100% مسلمان ہے۔عربی زبان بولی جاتی ہے۔یہ ملک 13 صوبوں پر مشتمل ہے۔دار الخلافہ ریاض ہے۔اس کی شہرت دوام تو مقامات مقدسہ کے طفیل ہے ہی البتہ تقریباً دو صدی پہلے عظیم دینی رہنما دینی عبدالوہاب نے دنیائے اسلام میں احیائے دین کی معرکتہ الآراء تحریک برپا کی۔پھر اس صدی کی ابتداء میں جب اس جزیرہ نما کے بڑے حصے پر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

برطانوی گماشتے مقامی حکمرانوں کو خلافت عثمانیہ کے خلاف عرب قومیت کے نام پر اکسا رہے تھے، اندرون ملک سے جواں سال عبدالعزیز بن مسعود نے پہلے ریاض اور پھر پورے نجد پر اپنی برتری قائم کی۔ عرب ان دنوں نہ صرف سیاسی اعتبار سے پارہ پارہ تھا بلکہ معاشرتی احوال بھی دگرگوں تھا جبکہ عبدالعزیز میں تبدیلی لانے کے لیے قوت و حوصلہ بھی تھا اور شعائر اسلام کی پابندی کا جذبہ بھی۔

خلافت عثمانیہ کو کمزور کرنے کی خاطر انگریز جنگ عظیم اول سے قبل والئی حجاز اور مقامی حکمران حسین کی طرف داری کر رہے تھے جو ہاشمی نژاد ہونے کے ناطے شریف مکہ کہلاتا تھا۔ انگریزوں نے اسے خلیفہ بن جانے کی راہ سجھائی اور تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ ہندی مسلمانوں کے اصرار پر انگریزوں نے حسین شریف مکہ کی سرپرستی چھوڑ دی البتہ عبدالعزیز بن مسعود کو حجاز پر اپنا اثر و رسوخ پھیلانے اور مکہ آ کر محافظ حرمین شریفین کے طور پر ذمہ داریاں سنبھالنے میں کچھ وقت لگا۔ پھر پانچ سات سال حجاز کے ان قبائل کو راہ راست پر لانے میں صرف ہوئے جنھوں نے ارض مقدسہ کے مسافروں کے لیے راہ میں دشواریاں حائل کر رکھی تھیں۔ حجاز مقدس میں بہتری کی خبریں عالم اسلام میں اطمینان کا باعث بنیں۔

1924ء میں جب خلافت عثمانیہ ختم ہوگئی۔ عبدالعزیز بن مسعود چاہتے تو شریف مکہ کی طرح خود خلیفہ بن جاتے یا کم از کم مقامی طرفداریوں اور لوگوں میں عزت و احترام کی بنیاد پر امام کہلانے لگتے لیکن انہوں نے اپنے مسلک (جسے عرف عام میں وہابیت کہا جانے لگا تھا) پر پوری طرح کاربند رکھنے کے باوجود اس کی تندی کو نرمی میں تبدیل کر لیا۔ اب استحکام کے ساتھ اندرونی اتحاد کا موقع ملا تو عبدالعزیز ابن مسعود نے 1932ء میں مملکۃ السعودیہ عربیہ کے قیام کا فرمان جاری کیا۔

سعودی عرب کے بانی نے اپنا مطمح نظر ایک مضبوط مملکت کا قیام رکھا جس کی خاطر علماء کی سرپرستی میں اور اپنی محنت و فراست سے قبائل کو متحد کیا۔ 1938ء میں تیل کی دریافت سے وسائل آمدنی میں خاطر خواہ اضافے نے تعمیر و ترقی کی نئی راہیں کھول دیں اور یوں مملکۃ سعودیہ عربیہ اپنی جغرافیائی حدود میں بتدریج مضبوط ہوتی چلی گئی' حتیٰ کہ 1953ء میں ملک عبدالعزیز کی رحلت کے بعد آئندہ دس گیارہ برس کا عرصہ جبکہ مسعود بن عبدالعزیز فرمانروا تھے، خاص کوتاہیوں کے باوجود مملکت کے لیے کوئی بڑا مسئلہ ثابت نہ ہوا۔ البتہ سیاسی و انتظامی امور کی پختگی 1964ء میں ملک فیصل بن عبدالعزیز کے دور حکمرانی میں آئی۔ ملک فیصل نے جنہیں شاہ فیصل کہا جاتا ہے مملکت کے انتظام و انصرام کے لیے کئی ادارے قائم کیے۔ ان کا دور نہ صرف اندرونی تعمیر و ترقی کا پیش خیمہ بنا بلکہ اس دوران سعودی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مملکت کو عالمی سطح پر منوایا گیا۔

ملک فیصل جلد ہی عالم اسلام کے ایک قابل قدر رہنما کے طور پر قدر کی نگاہ سے دیکھے جانے لگے دو تین دہائیوں میں مسلم ممالک کے مابین اتحاد و یکجہتی کی فضا قائم کرنے میں انہوں نے نمایاں کردار ادا کیا۔ انہی کی کوششوں سے اسلامی کانفرنس جیسا ادارہ قائم ہوا۔ 1974ء میں لاہور میں منعقد ہونے والی دوسری اسلامی سربراہی کانفرس کی کامیابی اور پاکستان کی خیر خواہی میں ان کی ذاتی دلچسپی کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ 1975ء میں اپنی شہادت تک وہ عالم اسلام میں اتحاد و یگانگت کو فروغ دینے میں کوشاں رہے۔ شاہ فیصل کی وفات کے بعد شاہ خالد اور پھر ان کی وفات کے بعد شاہ فہد سعودی عرب کے حکمران بنے۔

4.2.1- شریعت انتظام کار کا سرچشمہ

مملکۃ السعودیہ عربیہ پر اقتدار کے لحاظ سے آل سعود کی حکمرانی قائم ہے۔ مملکت کے رہنما اصول کے طور پر بہت پہلے علماء (جن کی کثیر تعداد آل وہاب ہے) اور آل سعود کے مابین یہ طے پایا کہ نظام مملکت چند مذہبی اقدار کے پاسداروں کی مرضی کا پابند نہیں بلکہ اس کی قوت محرکہ تعلیمات اسلامی کی پیروی ہوگی۔ یہ علماء خود بھی انظام و انصرام حکومت میں اتنی دلچسپی رکھتے ہیں جتنی علم و فضل کی بنیاد پر کسی بھی فرد کو حاصل ہوتی ہے۔ یعنی مملکت کے لیے قوانین وضع کرتے وقت ان کی آراء کو مدنظر رکھا جاتا ہے اور ملکی ضروریات کے مطابق الملک کی جانب سے فرمان جاری کیئے جاتے ہیں۔

صورت احوال کو آسان انداز میں سمجھنے کے لیے یوں کہہ لیجئے کہ آل سعودی کو مملکت پر فرمانروائی کا اختیار عوام میں ان کی پذیرائی کی بنیاد پر حاصل ہے۔ اس فرمانروائی میں شریعت انتظام کار کا سرچشمہ ہے۔ معاشرے کی ترقی، اس کی بڑھتی ہوئی ضروریات اور بدلتے ہوئے حالات کے تحت 1970ء میں مفتی اعظم کا عہدہ ختم کر کے اس کی جگہ وزارت انصاف قائم کی گئی۔ تمام انتظامات میں شریعت کی بالادستی اور نفاذ اسی وزارت کا کام ہے۔ وزیر انصاف آل وہاب ہی میں سے کوئی عالم ہوتا ہے جبکہ وزارتی کونسل کے دیگر ارکان کا تعلق آل سعود سے ہے۔

شریعت کی بالادستی کے اعتراف کا اندازہ اس اہتمام سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ قواعد وضوابط کے لیے قانون چونکہ شریعت کا وضع کردہ ہے لفظ نظام استعمال ہوتا۔ یعنی انتظامی امر بنایا جاتا ہے جس کی اساس قوانین شریعت پر رکھی جاتی ہے۔ 1950ء سے ملک میں باقاعدگی سے قانون سازی کا عمل شروع ہوا۔ پہلے تجارت اور نیشنلٹی (1952ء

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کان کنی (1953ء)، خواتین کی تعلیم (1960ء) اور غلامی کا خاتمہ (1962ء) کے لیے قواعد وضوابط جاری کیے گئے۔ پھر جوں جوں معاشرتی ضرورتیں بڑھیں نئے تقاضوں کے مطابق قواعد بنائے گئے جن میں سے مزدور کاریگر (1970ء) سوشل انشورنس (1970ء) اور سول سروس (1971ء) سے متعلق قواعد قابل ذکر ہیں۔

سعودی مملکت شریعت کی تعمیر وتنقید میں جمود کی قائل نہیں۔ یہاں تعلیماتِ امام حنبل، تعلیمات ابن تیمیہ اور تعلیمات ابن عبدالوہاب کے مطابق اجتہاد کی گنجائش ہے۔

4.2.2- اسلام کی بالادستی

اسلام کی بالادستی صرف شریعت کو سرچشمہ قوانین مان لینے کی حد تک نہیں بلکہ مملکت سعودیہ میں اسے شعوری اور غیر شعوری سطح پر اعلیٰ ترین نظام حیات مانا گیا ہے۔ گزشتہ صدیوں میں علمی وثقافتی دور انحطاط یہاں بھی گزرا ہے اور تعمیر وترقی کے مسائل بڑے گھمبیر رہے ہیں لیکن خوش قسمتی سے یہ سرزمین نوآبادیاتی تسلط سے محفوظ رہی۔ یورپی اقوام کو اپنے زمانہ عروج میں یہاں نہ ہوئی ان میں ہونے کے سبب براہ راست قبضہ کرنے کی خواہش نہ ہوئی۔ اسی طرح یہاں جداگانہ افکار جن میں بعض نوع انسانی کے لیے واقعی قابل تقلید ہیں، نہ پہنچ پائے لہٰذا مغرب کی تہذیب و ثقافت کی بالادستی کے تصور سے بھی محفوظ رہے۔ اسلامی اقدارِ معاشرت کی بالادستی اس حد تک واضح ہے کہ سعودی عرب آج تک اقوام عالم کے وضع کردہ منشور حقوق انسانی (Human Rights) پر محض اس لیے صادر نہیں کیا کہ اسلام کے وضع کردہ حقوق العباد ان پر فوقیت رکھتے ہیں۔

4.3- ایران

ایران پاکستان کا مغربی ہمسایہ اور پرانا دوست ملک ہے۔ پاکستان کے علاوہ اس کی سرحدیں عراق، ترکی، روس اور افغانستان سے ملتی ہیں۔ ملکا رقبہ پاکستان سے تقریباً دگنا ہے لیکن آبادی پاکستان سے کم ہے۔ ایران کا رقبہ 1.648 ملین مربع کلومیٹر ہے جولائی 2004ء میں آبادی 6 کروڑ 90 لاکھ افراد پر مشتمل تھی۔ ایرانی سرزمین پر نہ صرف قدیم صدیوں میں عظیم سلطنتیں قائم ہوئیں بلکہ حالیہ سالوں میں بھی اس کی سیاسی حیثیت واہمیت مثالی رہی ہے۔

بیسویں صدی کی آخری دہائی سے پہلے تک ایران میں موروثی شہنشاہی کی شان میں بڑے قصیدے سنائی دیتے تھے۔ ان میں شہنشاہیت کے ڈھائی ہزار سالہ جشن اور رضا شاہ کے اپنے لیے پسند کئے جانے والے لقب آریہ مہر معروف تھے۔ ایسے میں دنیا والے خاص طور سے اہل مغرب خزاں 1978ء میں یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ مسلم دنیا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں ان کا سب سے حلیف، شہنشاہ ایران جو مضبوط اور توانا نظر آتا تھا۔ اللہ اکبر کا نعرہ لگانے والے عوامی ریلے کے سامنے گھٹنے ٹیک گیا۔ ایک بڑی بادشاہت جسے ایک بڑی عالمی طاقت کی مکمل تائید وحمایت حاصل تھی، جس کا فرمانروا خود چاک و چوبند اور بری وفضائی معرکوں کا تربیت یافتہ تھا وہ اسلامی جمہوریہ ایران میں تبدیل ہوگئی جس کی پیشوائی امام خمینی فرمارہے تھے۔

اسلامی جمہوریہ ایران کے قیام کے بعد کئی نشیب و فراز آئے اور بے شمار قربانیاں بھی دینا پڑیں۔ ملک ایران کی حالیہ تاریخ یا انقلاب اسلامی کی تفصیل میں جائے بغیر ہم یہاں دو تین بنیادی امور کا تذکرہ کرتے ہیں جو ہمارے موضوع مطالعہ سے براہ راست متعلق ہیں۔

4.3.1- علماء عوام کی سوچ اور ان کی سیاست میں شرکت

اسلامی انقلاب کے حوالے سے ایرانی عوام کی سوچ میں ان کے شیعہ مسلک کا خاصا عمل دخل نظر آتا ہے۔ اسلام ایک نظریہ حیات ہے اور ناموافق حکومت کے ہوتے ہوئے یہ ضروری ہے کہ ایک مذہبی تنظیم پیروکاروں کی رہنمائی کرے۔ یہ ذمہ داری مجتہدین اٹھاتے رہے ہیں۔ جب وہ حکومت میں شریک نہ ہوئے تو مجتہدین شریعت کا نفاذ تو نہ کر سکتے تھے لیکن پیروکاروں کو شریعت بتا دیتے تھے اور ایسے معاشرتی مسائل جو پیروکاران کے سامنے پیش کرتے ان پر شرعی احکام کے مطابق فیصلہ بھی سنا دیتے۔ حکومتوں کو یہ بات بڑی ناگوار گزرتی۔ اسی سبب، تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ اٹھارویں صدی سے جید علماء ملک سے باہر (نجف اشرف میں) قیام کرنے لگے تھے۔ اندرون ملک ہوں یا بیرون ملک علماء نے جب کبھی ایرانی سکمرانوں کو ملکی اثر و رسوخ کے نرغے میں اسی طرح پایا کہ اسلامی روایات پرزد پڑنے لگی یا معاشرتی بے راہ روی بڑھی تو انہوں نے اپنی آواز بلند کی۔

سیاسی نظام میں بادشاہوں کی قوت کمزور رکھنے، یورپی اثر و رسوخ کم کرنے اور معاشرے میں اسلامی اقدار کو برقرار رکھنے میں علماء کی کاوشوں کی ایک مثال موجودہ صدی کے ابتدائی برسوں کی ہے جب مظفرالدین شاہ قاچار برسر اقتدار تھے۔ ان دنوں ملک کے لیے دستور کی بات ہورہی تھی اور قانون سازی کے ادارہ مجلس کا طریق کار طے پارہا تھا۔ ایسے میں قوم پرست رہنماؤں کے سامنے تو ایک ہی مقصد یعنی شاہ قاچار کی بے پناہ قوت کو کم کرنا تھا لیکن علماء یہ بھی جانتے تھے کہ ان سے اسلامی روایات کی پاسداری اتنی منوالی جائے کہ معاشرے میں یورپی تہذیبی اثرات کی پذیرائی نہ ہو۔ ان کے سامنے ''عدل'' اور ''شریعۃ'' کی اہمیت تھی جن کے مقابل وہ کسی دستوری ادارے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے قیام کو قابل توجہ نہ سمجھتے تھے۔ اکثر علماء نے مجلس کے ''بنیادی قانون'' بنانے کے اختیار کی مخالفت کی۔ اس موقع پر وہ اتنی تبدیلی لانے میں کامیاب رہے کہ آئینی حکومت کے قیام کے اعلان میں علماء کو یہ حق دیا گیا کہ مجوزہ قانون کو مجلس میں پانچ مجتہدین کی ایک کمیٹی ویٹو کر سکے گی۔ یہ بادشاہوں کی مطلق العنانی ختم کرنے کا اعلان تو نہ تھا البتہ علماء کی رائے کو ایک حد تک پذیرائی دینے کا وعدہ تھا۔ کئی علماء کے نزدیک دستوری مجلس غنیمت تھی جو ملک کو بڑھتے ہوئے غیر اسلامی اثرات سے محفوظ رکھے اور حکومت کو اسلامی اقدار پر مبنی قوانین بنانے میں معاون ہو لیکن حکمرانوں کی بدنیتی آخرکار اس دستوری مجلس کے خاتمہ کا سبب بنی۔

4.3.2- مغربی طاقتوں کی دلچسپی میں اضافہ

انہی دنوں ملک میں تیل دریافت ہوا اور 1907ء میں ایران، برطانیہ اور روس میں ایک معاہدہ ہوا۔ اس معاہدے کے تحت برطانیہ اور روس کو ایرانی امور میں مداخلت کا حق مل گیا۔ پہلی جنگ عظیم کے دوران حکومت ایران نے کچھ حد تک جرمنی کی جانب جھکاؤ ظاہر کیا لیکن اس سے برطانوی مفادات پر کوئی زد نہ پڑی۔ جنگ کے خاتمے پر ایرانی فوج کے ایک آزمودہ افسر رضا خان نے پہلے کمانڈر انچیف کا عہدہ سنبھالا اور پھر دو تین برس بعد ہی رضا شاہ کے لقب سے پہلا پہلوی بادشاہ بنا۔

رضا شاہ نے ملک کے مالیاتی نظام کی بہتری کے لیے کئی اقدامات اور تیل کی آمدن میں بھی ملکی حصہ منوایا۔ اس کے ساتھ ہی ملک میں عوام اور علماء کی سوچ کے برعکس جدیدیت کے نام پر معاشرت میں تبدیلیاں نافذ کرنا شروع کیں۔ اس نے 1926ء میں مشرقی لباس کی جگہ مغربی لباس کو رواج دیا، پردہ ممنوع قرار دیا اور فارسی زبان سے عربی زبان کا تعلق کم کرنے کے لیے اقدامات کیے۔ دارالحکومت تہران اور چند دوسرے شہروں میں حکومتی اقدامات کا زیادہ اثر ہوا جبکہ ایران کی کثیر آبادی ایسی جدیدیت سے گریزاں و نالاں رہی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

4.3.3- بیرونی سرپرستی اور جبری اقتدار

بیرونی طاقتوں خصوصاً امریکہ کی سرپرستی حاصل ہو جانے پر محمد رضا شاہ نے فوج کو زیادہ سے زیادہ طاقتور بنایا۔ اس کے ساتھ خفیہ کارروائیوں کے لیے جاسوسی کا ادارہ ساواک (سازمان اطلاعات وامنیت کشور) قائم کیا۔ اس طرح وہ حکومت مخالف عناصر کی سرکوبی کرنے لگا۔ اس چیز میں اس نے عوام کو خوش اور مطمئن کرنے کی جانب بھی توجہ دی۔ اس مقصد کے لیے فلاحی نوعیت کے کئی اقدامات کیے۔ پیداوار بڑھانے کے لیے زرعی اصلاحات جاری کیں جن میں شاہی ملکیت سے زمینوں کی کسانوں کی تقسیم بھی شامل تھی۔ اس طرح کئی سرکاری کارخانے نجی ملکیت میں دے دیئے تاکہ صنعت وتجارت سے متعلق افراد خوش رہیں۔ اقتصادی ومعاشرتی تبدیلیاں ملک میں ظاہراً خوشحالی لا رہی تھیں۔ محمد رضا کو اندرون ملک اپنے مشیروں کی کارکردگی اور ملک کی باگ ڈور پر مکمل بھروسہ تھا۔ بیرون ملک اسے مغربی ممالک خصوصاً امریکہ کی مکمل پشت پناہی حاصل تھی۔ ہر طرف سے مطمئن ہو جانے پر شہنشاہ ایران نے ملک میں اپنی مطلق العنانی کو مضبوط کرنے کے لیے اقدامات کیے۔ علماء کا حق استرداد ختم کر دیا گیا۔ علماء کے اس حق کی بحالی کے لیے باقاعدہ تحریک چلی۔ اس تحریک کے مطالبات میں خلاف شریعت قوانین کی منسوخی اور تحریر وتقریر کی آزادی پر زور دیا گیا۔ اس تحریک کے ابتدائی دنوں میں علامہ آیت اللہ خمینی کو ملک بدر ہونا پڑا اور وہ عراق کے شہر نجف اشرف آ گئے۔

اندرونی طور پر علماء کی تحریک عوام میں پھیلتی گئی اور 15 برس بعد 1978ء میں رضا شاہ پہلوی کے جبر کے خلاف عوام اٹھ کھڑے ہوئے۔ اسی موقع پر اشتراکی اور لبرل عناصر نے بھی آگے آنے کی کوشش کی لیکن تحریک کی ابتداء علماء اور مجتہدین کے جس آئینی حق کی بحالی کے لیے شروع ہوئی تھی، عوام کی دلچسپی اس کی بحالی میں تھی۔ لہٰذا رضا شاہ پہلوی، اس کی فوج اور خفیہ پولیس کی ہزار کوشش کے باوجود ایرانی عوام نے اللہ اکبر کے نعرے کے ساتھ اپنی وابستگی کا بھرپور مظاہرہ کرتے ہوئے ایک ایسے انقلاب کی بنیاد فراہم کی جو بیسویں صدی میں عالمی طاقتوں کے لیے بھی اچھنبے کا باعث ہے۔ شاہ ایران اوائل 1979ء میں ملک چھوڑ گئے اور اسلامی انقلاب کے قائد جلاوطنی ختم کر کے اپنے لوگوں میں آ گئے۔ ایرانی عوام نے استصواب رائے سے شہنشاہیت کے خلاف اور ایرانی انقلاب کے حق میں 97% ووٹ دے کر ایران کے اسلامی جمہوریہ ہونے پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

4.3.4- عظیم روحانی پیشوا: امام

اسی سال یعنی 1979ء میں نئی آئین سازی ہوئی اور آئینی ماہرین کی کونسل نے جسے مجلس خبرگان کہا گیا، آئین میں ''ولایت فقہی''، یعنی عظیم روحانی پیشوا کا عہدہ قائم کیا جسے صدر مملکت اور مقننہ دونوں سے بلند رکھا گیا۔ بلاشبہ یہ وقتی طور پر اسلامی انقلاب کے قائد امام خمینیؒ کے لیے مختص کیا گیا تھا اور پہلی سوچ کے مطابق ان کے بعد تین سے پانچ علماء کی ایک کونسل اس عظیم مرتبہ کی حامل ہوگی۔ البتہ 3 جون 1989ء کو انقلاب اسلامی کے عظیم رہنما امام خمینی کے انتقال کے فوراً بعد اغلباً جمہوریہ اسلامی ایران میں قیادت و رہنمائی کے تسلسل اور استحکام کے حوالے سے صدر جمہوریہ خامنہ ای کا قومی اقتدار اعلیٰ پر تقرر عمل میں لایا گیا۔ وزراء کی کونسل کا انتخاب صدر قانونی اجازت کے ساتھ کرتا ہے۔ سپریم لیڈر حساس وزارتوں پر اپنا کنٹرول رکھتا ہے۔ اسلامی انقلاب کے رہنما کا انتخاب مجلس ماہرین کرتی ہے۔ صدر کا انتخاب ووٹ کے ذریعے چار سال کے لیے کیا جاتا ہے۔ موجودہ صدر خاتمی 77 فیصد ووٹ لے کر صدر منتخب ہوئے تھے۔ مجلس شوریٰ اسلامی 290 اراکین پر مشتمل ہوتی ہے، اراکین عوامی ووٹ لے کر منتخب ہوتے ہیں۔ غرض ایران میں بادشاہت کے مضبوط اقتدار کے باوجود علماء عوام کی بھرپور تائید سے ایسا سیاسی نظام قائم کرنے میں کامیاب ہوئے جس میں عوام کی شرکت تو ہے لیکن خود انہیں اپنی رائے اور اپنے علمی مرتبہ کے مطابق اپنی بات منوانے کا حق بھی حاصل ہے۔

4.4- پاکستان

مسلم ممالک کے سیاسی مناظر سے شناسائی پر مشتمل اس یونٹ کے آخری حصہ میں ہم نے ابھی اسلام کے حوالہ سے ابھرتے ہوئے سیاسی منظر کے حامل دو نمایاں ترین ممالک: سعودی عرب اور اسلامی جمہوریہ ایران کے احوال پر نظر ڈالی ہے معروف مغربی اصطلاح کے مطابق دونوں کا منظر بنیاد پرستی (Fundamentalism) کا طرفدار ہے۔ یہاں قانون سازی اور قوانین کے اطلاق پر عقیدہ و ایمان کی گہری چھاپ ہے۔ دونوں میں بس اتنا فرق ہے کہ ایک بادشاہت ہونے کے ناطے سعودی عرب میں الملک یا فرمانروا کو فیصلے کرنے میں اختیار کل حاصل ہے جبکہ شریعت کی پاسداری ان کا فریضہ ہے اور قانون میں علماء کا مشورہ وزارتی کونسل اور وزارت انصاف کے توسط سے حاصل ہوتا ہے۔ ایران میں قانون سازی منتخب مجلس کی ذمہ داری ہے جہاں ''ولایت فقہی'' کے حوالے سے علماء کو فیصلہ کن فوقیت حاصل ہے۔ اب ہمیں خود اپنے سیاسی منظر پر نظر ڈالنا ہے لیکن صرف ابھرتے ہوئے سیاسی نظام کے حوالے سے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پاکستان ایک نظریاتی ملک ہے جس کا قیام جمہوریت کا مرہون منت ہے۔ نظریاتی اساس کے حوالے سے اسلام نہ صرف یہاں کا سرکاری مذہب ہے بلکہ کاروبار مملکت میں عقیدہ و ایمان پر عمل پیرا ہونا شرط اول ہے۔ یہ دونوں باتیں آئین پاکستان کی ابتدائی شقوں میں شامل ہیں اور اسی حوالے سے ملک کا سرکاری نام اسلامی جمہوریہ پاکستان ہے۔ پاکستان کا رقبہ 796097 مربع کلومیٹر ہے اور جولائی 2004ء کے سروے کے مطابق اس کی آبادی 15 کروڑ 91 لاکھ نفوس پر مشتمل ہے۔

4.4.1- آئین پاکستان اور سیاسی منظر

آئین پاکستان ملک کے اسلامی اور جمہوری ہونے کے ساتھ ساتھ اس کے فلاحی مملکت ہونے کا بھی علمبردار ہے لیکن پاکستان کی ستاون سالہ تاریخ میں اتنے نشیب و فراز آئے ہیں اور اس بدلتے منظر کی اونچ نیچ سے سب اہل پاکستان واقف ہیں۔ یہاں ضرورت کے مطابق ہمارا مطالعہ ان بنیادی نکات پر ہی مشتمل ہے جو سیاسی منظر کا لب لباب ہیں۔

4.4.2- جمہوری اساس اور رخنے

مسلمانان برصغیر سیاسی رویوں کے لحاظ سے عالم اسلام میں ایک منفرد مقام رکھتے ہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ برصغیر میں جمہوری طرز حکومت کے حوالے سے ووٹ، انتخاب اور پارلیمینٹ کا تصور دیگر مسلم ممالک کے مقابلے میں نسبتاً موثر طور پر متعارف اور رائج تھا۔ ابتداء میں اس مغربی جمہوریت کے ناموافق پر چار کے باعث اور برصغیر میں کل آبادی کا پانچواں حصہ ہونے کے حوالے سے ممکن تھا کہ مسلمان ہمیشہ کے لیے محکوم بنا لیے جاتے لیکن اس موقع پر اپنی جداگانہ شناخت کے حوالے سے قومی لیڈروں نے دوقومی نظریہ پیش کیا اور باور کرایا کہ برصغیر کے مسلمان ہر اعتبار سے ایک جدا قوم ہیں اور وہ اپنے اکثریتی علاقوں اپنی حکومت بنانے کے مستحق ہیں' جہاں وہ اپنے نظریہ حیات کے مطابق ترقی کی منزلیں طے کرسکیں۔ 23 مارچ 1940ء کی قرارداد اس پر گواہ ہے کہ قائداعظم کی سرکردگی میں تحریک پاکستان کو مسلمانان برصغیر کے جمہوری حق کی بنیاد پر کامیابی حاصل ہوئی۔ اس جمہوری اساس میں پہلا ناگہانی حادثہ قائداعظم کی بے وقت رحلت تھی۔

کم و بیش سبھی مسلم ممالک میں جن کا تذکرہ آپ گزشتہ صفحات میں پڑھا ہوگا، بانیان وطن کو اتنا موقع ملا کہ وہ اپنی سوچ کو آزادانہ مملکت کا حصہ بنا گئے۔ قائداعظم نے مستقبل کے پاکستان کا راستہ تو بتایا لیکن ان کی عمر طبیعی نے آئین سازی کا موقع نہ دیا۔ پھر آزاد وطن اگرچہ عوام کا جمہوری حق تھا لیکن اس وقت کے برطانوی حکمرانوں اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہندو اکثریت نے اسے دل سے نہیں مانا، لہٰذا نوزائیدہ مملکت کو درپیش مسائل گھمبیر تھے جبکہ ایسی آئین سازی جس کا عوام کے نظریہ حیات کی پاسداری بھی ہو اور جدید تقاضوں پر پورا بھی اترے، یک دقت طلب مرحلہ تھا۔

ابھی پاکستان کی دستور ساز اسمبلی نے مارچ 1949ء میں قرارداد مقاصد منظور کی تھی کہ سیاست دانوں میں اختلاف کے باعث بیوروکریسی کو اپنی گرفت مضبوط کرنے کا موقع ملا۔ بالآخر 1956ء میں آئین بن گیا لیکن کسی حکومت کو استحکام نصیب نہ ہوا۔ سیاسی جوڑ توڑ کی کہانی دل گرفتہ ہے۔ ملک میں تین بار آئین سازی ہوئی اور تین بار طویل دورانیے کے مارشل لاء لگے۔

4.4.3- جمہوریت پر پختہ یقین

مارشل لاء تو ترکی میں بھی لگتے رہتے ہیں لیکن یہاں ایک واضح فرق ہے۔ ترکی کا آئین مسلح افواج کو نظام مملکت میں شرکت کا حق بھی دیتا ہے اور بنیادی نظریے کی حفاظت کی خاطر مارشل لاء کے نفاذ کی اجازت بھی لیکن نہ تو آئین پاکستان میں ایسی کوئی گنجائش تھی اور نہ ہی پاکستان کے عوام مسلح افواج سے پوری عقیدت وانسیت کے باوجود حق حکمرانی میں ان کی شرکت کے خواہاں تھے لیکن اب آئین میں ترامیم کے ذریعے سیکورٹی کونسل کا قیام عمل میں لایا گیا ہے جس میں فوج کو نمائندگی دے کر یہ توقع کی گئی ہے کہ ملک آئندہ کسی مارشل لاء سے محفوظ رہے گا۔

جمہوریت کے لیے اصحاب اقتدار نے مختلف بہروپ بدلے۔ پہلے پہل منضبط جمہوریت (Controlled Democracy) کی بات ہوئی، پھر بنیادی جمہوریت (Basic Democracy) نافذ کی گئی، کچھ عرصے کے لیے ملک میں مجلس شوریٰ بھی قائم کی گئی۔ پھر غیر جماعتی پارلیمانی حکومت بنانے کا تجربہ بھی کیا گیا لیکن عوام کو کچھ نہ بھایا اور پارلیمانی جمہوریت ہی پاکستان کا مقدر ٹھہری۔ موجودہ حکومتی ڈھانچے میں ضلعی حکومتوں کا نظام بھی سردست کامیابی سے چل رہا ہے۔

الیکشن 1988ء سے جو منظر سامنے آیا وہ اس بات کی عکاسی کرتا ہے کہ پاکستان کے عوام جمہوریت پر پختہ یقین رکھتے ہیں۔ وہ راسخ العقیدہ مسلمان ہیں لیکن انتہا پسندی کے خلاف ہیں۔ سماجی ترقی ان کا مطمعٔ نظر ہے جو اسلام سے کسی طور پر متصادم نہیں۔ اس لحاظ سے وہ غیر بنیاد پرست لوگ ہیں۔ اب پاکستانی قوم اس مقام پر پہنچ گئی ہے جہاں سے حقیقی جمہوریت کے باقاعدہ سفر کا آغاز ہوتا ہے۔ جمہوریت میں قومی تعمیر نو کا کام ایک معینہ مدت کے لیے کسی ایک جماعت کی ذمہ داری ہے جبکہ اس کی تکمیل پوری قوم کا فریضہ ہے۔ ملکی تعمیر و ترقی اور فلاح و بہبود کے لیے قانون سازی کی بنیاد آئین میں دی گئی رہنمائی کے مطابق رہتی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

4.4.4- عوامی امنگوں کی پاسداری اور آئین 1973ء

سیاسی زبان میں عوام کے لیے، عوام کے ذریعے، عوام کی حکومت جمہوریت کہلاتی ہے۔ قیام پاکستان کے بعد قائم ہونے والا پارلیمانی نظام، صدارتی نظام اور فوجی حکومت میں سے پاکستانی عوام نے پارلیمانی نظام کو بہتر گردانا ہے اور پاکستانی قوم کے سبھی طبقے اپنے وقتی اختلاف کے باوجود اس امر پر متفق ہیں کہ اسلام کو ایک ایسے نظام حیات کے طور پر نافذ اور رائج کیا جائے جو ماضی سے ایک تسلسل کا ضامن بھی ہو اور عصر جدید کے مسائل کا مثبت اور قابل عمل حل بھی پیش کرے۔

کسی ریاست کے قیام کی غرض و غایت اور اس کے قومی عزائم کا اظہار اس کے آئین کی صورت میں کیا جاتا ہے۔ پاکستان کا آئین 1973ء میں ایسی ہی عوامی امنگوں کا ترجمان ہے جن کا خمیر برصغیر کے مسلمانوں کے تاریخی ورثے اور اسلام کے سچے پیروکار ہونے کی بنیاد پر قائم ہے۔ اس آئین میں سب سے پہلے ملک کا نام اسلامی جمہوریہ پاکستان رکھا گیا جو اس کے اسلامی اور جمہوری ملک ہونے کا عکاس ہے۔ آئین میں اس بات کا اقرار کیا گیا ہے کہ تمام کائنات پر حاکیت اللہ تعالیٰ کی ہے اور پاکستان کے عوام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ حدود کے اندر جو اختیارات حاصل ہیں وہ ایک مقدس امانت کی حیثیت رکھتے ہیں۔ آئین میں وضاحت کر دی گئی ہے کہ ملک میں ایسا قانون نہیں بنے گا جو قرآن و سنت کے منافی ہو۔ نیز لوگوں کو اسلامی تعلیمات کے مطابق زندگی گزارنے کے مواقع اور حالات فراہم کیے جائیں گے۔ یہ بھی درج ہے کہ پاکستان اسلام کے معاشرتی انصاف کے اصولوں پر مبنی ایک جمہوری ریاست ہوگی جس میں جمہوریت، آزادی، مساوات، رواداری اور معاشرتی انصاف کے اصولوں کا اسلامی تعلیمات کے مطابق مکمل نفاذ ہوگا۔

4.4.5- پاکستان، عالم اسلام اور مستقبل

پاکستان کا آئین یقیناً انہی امنگوں کا ترجمان ہے جو یہاں کے عوام کی سوچ سے ابھرتی ہیں۔ ان امنگوں میں اسلام کی سربلندی اور جمہوریت رچی بسی ہے، ساتھ ہی اس میں عالم اسلام کے اتحاد کے لیے نیک تمناؤں کا ذکر ہے۔ ان سب باتوں کی واضح تر اساس بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کے اقوال میں ملتی ہے جو درج ذیل ہیں۔

1- اسلام اور جمہوریت

''اسلام اور اس کے نظریات سے ہم نے جمہوریت کا سبق سیکھا ہے۔ اسلام ہمیں انسانی مساوات،

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انصاف اور ہر ایک سے رواداری کا درس دیتا ہے''۔ (فروری 1948ء)

-2 مستقبل کی تعمیر

''ہمیں اپنے مستقبل کی تعمیر اپنے طریقے پر کرنی چاہیئے اور دنیا کے سامنے بطور نمونہ اسلام وہ اقتصادی نظام پیش کرنا چاہیئے جو اس کے سچے تصورِ مساوات انسانی اور معاشرتی انصاف پر مبنی ہو۔ اس طرح ہم بحیثیت مسلمان اپنا مشن پورا کریں گے اور دنیا کو امن کا وہ پیغام دیں گے کہ صرف وہی انسانیت کو تباہی سے بچایا جا سکے گا اور بنی نوع انسان کی خوشی اور فلاح و بہبود کی حفاظت کا باعث ہوگا''۔ (جولائی 1946ء)

اس وقت دنیا کو جو مسائل درپیش ہیں ان میں قوموں کے مابین اور لوگوں میں انفرادی طور پر بھی معاشرتی انصاف کی خاصی غلط روش چل رہی ہے۔ ایسے میں مستقبل انہی اقوام کے ہاتھوں میں رہے گا جو سیاسی استحکام سے ہمکنار ہوں گی۔ عالم اسلام کے حوالے سے ابھرتے ہوئے سیاسی منظروں میں ایسی جمہوری روایات ہی کارگر نظر آتی ہیں جو اسلامی اقدار سے ہم آہنگ ہوں۔ جمہوری روایات اور معاشرتی انصاف ہی عالم اسلام کے بیشتر مسائل کا حل ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ اسلام کے تناظر میں بادشاہت، علماء کی فقہی حکومت اور جمہوریت میں اس ارتقائی سفر کی منفعت بخش راہ کون سی ہے۔ پاکستان نے یقیناً جمہوریت کے حق میں آواز اٹھائی ہے جو دیگر مسلم ممالک کے لیے بھی قابل تقلید مثال بن سکتی ہے۔

-4.5 اہم نکات

(1) جمہوری طرزِ عمل کے اجزائے ترکیبی: مشاورت، رائے دہی، انتخابات اپنی اصل میں اسلامی فکر کے قریب ترین ہیں۔

(2) قانون سازی کا سرچشمہ قرآن کے احکام ہیں۔

(3) جزیرہ نما عرب کا نمایاں ترین ملک سعودی عرب ہے جس کی آبادی 2 کروڑ 60 لاکھ سے زائد ہے اور آبادی 100% مسلمان ہے۔

(4) 1924ء میں خلافت عثمانیہ ختم ہوگئی۔

(5) 1907ء میں ایران، برطانیہ اور روس میں ایک معاہدہ ہوا اس معاہدے کے تحت برطانیہ اور روس کو ایرانی امور میں مداخلت کرنے کا حق مل گیا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(6) پاکستان کا کل رقبہ 7,96097 مربع کلومیٹر ہے۔

(7) مسلمانان برصغیر سیاسی رویوں کی وجہ سے عالم اسلام میں ایک الگ مقام رکھتے ہیں۔

(8) اس وقت عالم اسلام جن مسائل کا شکار ہے اُن میں جمہوری روایات کی کمی سرفہرست ہے۔

4.6- خود آزمائی نمبر 3

سوال نمبر 1- خالی جگہ پر کریں۔

1- جزیرہ نما عرب کا نمایاں ترین ملک .... ہے۔

2- 1924ء میں .... ختم ہوگئی۔

3- 1970ء میں مفتی اعظم کا عہدہ ختم کر کے اس کی جگہ .... قائم کی گئی۔

4- 1978ء میں عوام رضا شاہ پہلوی کے .... کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔

5- صدر خاتمی ایران میں .... فیصد ووٹ لے کر صدر منتخب ہوئے۔

سوال نمبر 2- جمہوریت اور اسلامی نظام سیاست کے مشترکہ عناصر کی نشاندہی کریں۔

سوال نمبر 3- سعودی عرب، ایران اور پاکستان میں اسلام کے پس منظر میں اٹھائے گئے سیاسی اقدامات کو نکات کی صورت میں لکھیں۔

سوال نمبر 4- سعودیہ میں اسلام کی بالا دستی کی جو صورت نظر آتی ہے۔ اسے بیان کریں۔

سوال نمبر 5- ایران میں علماء کی سوچ اور سیاست میں شرکت کے محرکات تلاش کر کے درج کریں۔

سوال نمبر 6- پاکستان میں اسلام کے حوالے سے ابھرتے ہوئے سیاسی مناظر کو دس سطروں میں تحریر کریں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

5- جوابات

خود آزمائی نمبر 1

سوال نمبر 1- (1) ص (2) ص (3) غ

(4) ص (5) غ

سوال نمبر 2- (1) فراعین (2) فرانس (3) 1922ء

(4) اٹلی (5) لیبیا

خود آزمائی نمبر 2

سوال نمبر 1- (1) 98 فی صد (2) 1923ء (3) 1945ء

(4) 1924ء (5) 1938ء

سوال نمبر 2- (1) غلط (2) درست (3) درست

(4) غلط (5) درست

خود آزمائی نمبر 3

سوال نمبر 1- (1) سعودی عرب (2) خلافت عثمانیہ (3) وزارت انصاف

(4) جبر (5) 77%

سوال نمبر 2 تا 6 کے جواب یونٹ کے متعلقہ حصے سے تلاش کریں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یونٹ............8

ملت اسلامیہ کو درپیش اہم مسائل

تحریر: فاروق سولنگی

نظر ثانی: غلام رسول محمد

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فہرست

یونٹ کا تعارف ---------- 346

یونٹ کے مقاصد ---------- 346

1- عالم اسلام......ایک تاریخی جائزہ ---------- 347

1.1- تاریخی پس منظر ---------- 347

1.2- حکومتوں کا زوال ---------- 347

1.3- دور جدید کا آغاز اور اتحاد کے لیے کوششیں ---------- 348

1.4- عالم اسلام کی اقتصادی حدود ---------- 354

1.5- اتحاد کی راہ میں درپیش مسائل ---------- 357

1.6- اہم نکات ---------- 360

1.7- خودآزمائی نمبر 1 ---------- 361

2- عالم اسلام کے مسائل ---------- 362

2.1- اسلامی ممالک میں مغربی اور لادینی نظریات کا فکری اسلامی کے تصادم ---------- 362

2.2- مسلم ممالک پر مغربی تہذیب کے اثرات ---------- 364

2.3- کمیونزم کی ناکامی اور مسلم امہ ---------- 365

2.4- نیو ورلڈ آرڈر اور مسلم دنیا ---------- 368

2.5- اہم نکات ---------- 372

2.6- خودآزمائی نمبر 2 ---------- 373

3- مسئلہ کشمیر ---------- 374

3.1- تعارف ---------- 374

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

-3.2	تاریخی پس منظر	374
-3.3	غیر مشروط مذاکرات کرانے کا فیصلہ	381
-3.4	بھارتی وزیر اعظم کی جانب سے کشمیر نہ چھوڑنے کا عزم	383
-3.5	اسلامی کانفرنس کی قرارداد	384
-3.6	سانحہ چرار شریف	384
-3.7	مقبوضہ کشمیر کے انتخابات	384
-3.8	واہگہ سے سری نگر تک انسانی ہاتھوں کی زنجیر	385
-3.9	کشمیری نمائندوں کو خطاب کا موقع	385
-3.10	مسئلہ کشمیر پر مختلف قراردادیں	385
-3.11	جنرل پرویز مشرف دورہ بھارت	387
-3.12	پوٹا (POTA)	387
-3.13	اہم نکات	388
-3.14	خود آزمائی نمبر 3	389
-4	فلسطین	390
-4.1	تعارف	390
-4.2	معاہدہ امن	393
-4.3	معاہدے، قراردادیں اور دیگر واقعات	394
-4.4	اہم نکات	397
-4.5	خود آزمائی نمبر 4	397
-5	افغانستان	399
-5.1	تعارف	399

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

-5.2 تاریخی پس منظر ---------- 400

-5.3 اہم نکات ---------- 404

-5.4 خود آزمائی نمبر 5 ---------- 405

-6 عراق ---------- 406

-6.1 تعارف ---------- 406

-6.2 تاریخی پس منظر ---------- 407

-6.3 خلیج کی جنگ اور عراق ---------- 408

-6.4 اہم نکات ---------- 411

-6.5 خود آزمائی نمبر 6 ---------- 411

-7 ترک جمہوریہ شمالی قبرص ---------- 413

-7.1 تعارف ---------- 413

-7.2 تاریخی پس منظر ---------- 414

-7.3 اہم نکات ---------- 415

-7.4 خود آزمائی نمبر 7 ---------- 415

-8 بوسنیا ہرزیگوینا ---------- 416

-8.1 تعارف ---------- 416

-8.2 تعلیم اور صحت ---------- 416

-8.3 تاریخی پس منظر ---------- 417

-8.4 اہم نکات ---------- 419

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

-8.5 خود آزمائی نمبر 8 ---------- 419

-9 کوسووو کا مسئلہ ---------- 420

-9.1 تعارف ---------- 420

-9.2 سربیا کے خلاف طاقت کا استعمال ---------- 420

-9.3 اہم نکات ---------- 421

-9.4 خود آزمائی نمبر 9 ---------- 422

-10 چیچنیا (شیشان) کی تحریک آزادی ---------- 423

-10.1 تعارف ---------- 423

-10.2 تاریخی پس منظر ---------- 423

-10.3 خودمختاری دینے کا اعلان ---------- 425

-10.4 امن معاہدہ اور تصادم ---------- 426

-10.5 اہم نکات ---------- 427

-10.6 خود آزمائی نمبر 10 ---------- 427

-11 فلپائن کے مورو مسلمانوں کو درپیش مسائل ---------- 428

-11.1 تعارف اور تاریخی پس منظر ---------- 428

-11.2 منڈاناؤ لبریشن موومنٹ کا قیام ---------- 429

-11.3 آزادی کی پہلی منزل ---------- 430

-11.4 اہم نکات ---------- 430

-11.5 خود آزمائی نمبر 11 ---------- 431

-14 جوابات ---------- 432

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یونٹ کا تعارف

اٹھارہویں اور انیسویں صدی عیسوی میں سامراجی طاقتوں نے جب یکے بعد دیگرے مسلمان ممالک پر قبضہ کیا تو اس سے نہ صرف ان کی سیاسی وحدت ختم ہوگئی بلکہ مذکورہ طاقتوں کے زیر تسلط رہنے کی وجہ سے ان کی سوچ بھی بدل گئی۔ بالآخر مسلمان ممالک ایک طویل عرصے تک ظلم وستم کا شکار رہنے کے بعد اپنا ملی تشخص حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے مگر اس ظلم واستبداد کی باقیات نے ابھی تک مسلم ممالک کو بہت سے مسائل سے دوچار کر رکھا ہے۔

زیر مطالعہ یونٹ میں ایسے ہی چند اہم مسائل پر بحث کی گئی ہے۔

یونٹ کے مقاصد

ہمیں امید ہے کہ اس یونٹ کے مطالعے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

1- عالم اسلام کے اتحاد کے لیے کی گئی کوششوں کو تاریخی تناظر میں بیان کرسکیں۔

2- عالم اسلام کی اقتصادی حدود پر تبصرہ کرسکیں۔

3- عالم اسلام کے اتحاد کی راہ میں درپیش مسائل پر بحث کرسکیں۔

4- کشمیر، فلسطین افغانستان عراق، شمالی قبرص، بوسنیا، کوسووو، چیچنیا، فلپائن، کے نامور مسلمان انڈونیشیا میں آزادی کی تحریکیں اور امریکہ میں نیو ورلڈ آرڈر کے نمایاں پہلو کی وضاحت کرسکیں، نیز دہشت گردی کے بارے میں اپنا موقف بیان کرسکیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

1- عالم اسلام......ایک تاریخی جائزہ

1.1- تاریخی پس منظر

گیارہویں صدی عیسی کے اواخر سے تین بڑی مسلم مملکتیں (ترکی، ایران اور برصغیر جنوبی ایشیا میں مملکت ہند) موجود ہیں۔ ترکی کی سلطنت اتنی مستحکم تھی کہ یورپ کی بڑی طاقتیں بھی اس کے آگے جھکتی تھیں۔ مشرقی یورپ کے علاقے بھی ترکی کے قبضے میں تھے مثلاً آسٹریا، ہنگری، رومانیہ، بلغاریہ وغیرہ ترکی کے زیر نگیں رہے۔ بحیرہ اسود کا علاقہ بھی ترکی کی عملداری میں شامل تھا اور کوئی غیر ملکی جہاز اس علاقے میں ترکی کی اجازت کے بغیر داخل نہیں ہوسکتا تھا۔ نہ صرف بڈاپسٹ اور بخارسٹ بلکہ وی آنا بھی ترکی کی ثقافت کے عکاس تھے۔ گویا ترکی نے خود کو اقوام عالم سے بطور سپر طاقت منوالیا تھا۔

اسلام کی دوسری بڑی مملکت جس کا ذکر کرنا ضروری ہوگا وہ تھی حکومت ایران۔ اس کا زیادہ تر اثر اور پھیلاؤ مشرق کی طرف رہا۔ بہرحال شمال مغرب میں آذربائیجان، جارجیا اور آرمینیا کے علاقے اس حکومت میں شامل تھے۔ بحیرہ کیسپین پر ایران کو برتری حاصل تھی۔ اس زمانے میں روس کا شمار بھی بڑی طاقتوں میں ہوتا تھا لیکن ایران کو اپنے علاقے میں سبقت حاصل تھی اور وہ کسی بھی قسم کے چیلنج کا مقابلہ کرسکتا تھا۔

برصغیر جنوبی ایشیا میں بھی ایک عظیم اسلامی مملکت قائم تھی جس کی بنیاد 1526ء میں ظہیر الدین بابر نے رکھی جو اورنگزیب عالمگیر کے دور میں وسیع سلطنت بن گئی۔ اس کا اثر مشرق میں بنگال تک اور مغرب میں افغانستان تک تھا۔

1.2- حکومتوں کا زوال

مذکورہ بالا تینوں حکومتوں کا زوال اٹھارہویں صدی میں ایک ساتھ ہوا۔ یورپی حکومتیں اتنی طاقتور ہوگئیں کہ اسلامی حکومتیں ان کے آگے نہ ٹھہر سکیں۔ ترکی کا زوال 1658-1978ء کے زمانے میں ہوا۔ 1683ء میں ترکی کو ''وی آنا'' سے پیچھے ہٹنا پڑا۔ ترکوں کے لیے یورپی سرزمین پر یہ بڑی شکست تھی۔ اس کے دو تین سال بعد آسٹریا اور جرمنی کی فوجوں نے بڈاپسٹ کو ترکوں سے آزاد کرالیا۔ یہ علاقہ 150 سال تک ترکوں کے زیر اثر رہا۔

ترک حکومت مزید کمزور تب ہوئی جب 1687ء میں موہاجز کی جنگ میں ترکوں کو یورپی ملکوں کی مشترکہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

افواج نے شکست دے کر ترکوں کی طاقت کو پارہ پارہ کر دیا حالانکہ یہ وہ علاقہ تھا جہاں سلطان سلیمان نے 1526ء میں لوئی دوم کو عبرتناک شکست دی تھی۔ اس واقعے کے بعد یورپی اقوام نے ترکی کے خلاف مشترکہ محاذ جنگ قائم کیا۔ نتیجے میں یورپی اقوام سے دو معاہدے عمل میں آئے پہلا معاہدہ کرلاوچی کے مقام پر 1699ء میں اور دوسرا معاہدہ پسراچی کے مقام پر 1718ء میں عمل میں آیا۔ ان دونوں معاہدوں نے بڑے دوررس نتائج سامنے آئے جس سے ترکی اپنی سیاسی فوقیت پھر کبھی نہ حاصل کرسکا۔

یہی حال ایرانی حکومت کا ہوا۔ اٹھارہویں صدی میں روس اور حکومت برطانیہ نے ایرانی حکومت کو کمزور کرنے کے لیے سازشیں شروع کردیں۔ بالآخران سازشوں کے نتیجے میں پہلی جنگ عظیم کے دوران برطانیہ اور روس مشترکہ طور پر ایرانی علاقے پر قابض ہوگئے۔ جنوبی ایشیا میں اورنگزیب عالمگیر کی وفات (1707) کے بعد مغلیہ حکومت کے زوال کا دور شروع ہوا۔ صورت حال کچھ یوں رہی کہ اندرونی خاندانی اختلافات، مقامی ریاستوں کے باہمی اختلافات اور درباری سازشوں نے اس ریاست کو سیاسی طور پر کمزور کردیا۔ جنوبی ہند میں سلطان حیدرعلی ٹیپو نے حالات کا مقابلہ تو ضرور کیا لیکن یہ زیادہ دیرپا ثابت نہ ہوا۔ مسلمان اجتماعی اور انفرادی طور پر سیاسی صلاحیتوں سے محروم ہوچکے تھے۔ اسلامی اقدار کی جگہ اب شخصی اقدار نے لے لی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بیرونی اقوام نے جن میں انگریز پیش پیش تھے مقامی لوگوں پر ہر اعتبار سے تسلط حاصل کرلیا۔

1.3- دور جدید کا آغاز اور اتحاد کے لیے کوششیں

تقریباً دو سو سال تک نوآبادیاتی قوموں کے زیر تسلط رہنے کے بعد بیسویں صدی میں مسلمانوں میں ایک بیداری کی لہر دوڑی۔ مراکش سے لے کر انڈونیشیا تک مسلمانوں میں ایک جذبہ پیدا ہوا کہ اپنی کھوئی ہوئی سیاسی آزادی حاصل کی جائے۔ دوسری عظیم جنگ نے نوآبادیاتی نظام کو کھوکھلا کردیا اور عالم اسلام میں آزادی کی تحریکوں نے جنم لیا۔ جوں جوں وقت گزرتا گیا آزادی کی تحریکیں زور پکڑتی گئیں۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ یہ تمام تحریکیں کسی اتفاقی سبب کا نتیجہ نہیں تھیں، بلکہ یوں کہنا مناسب ہوگا کہ جب مسلمان زوال کی انتہا پر پہنچے تو اسلامی دنیا میں ایسی شخصیتوں نے جنم لیا۔ جنہوں نے اپنی گمشدہ میراث کو دوبارہ حاصل کرنے کی مخلصانہ کوششیں کیں۔ ان شخصیات کو اگر ہم جدید دنیائے اسلام کے مینار کہیں تو مبالغہ نہ ہوگا۔ ان شخصیتوں میں سے مندرجہ ذیل اہم ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سید جمال الدین افغانی	1839ء	1898ء
مفتی محمد عبدہ	1849ء	1965ء
سعد زاغلول پاشا	1857ء	1927ء
انور پاشا	1880ء	1922ء
کمال اتاترک	1880ء	1938ء
عصمت انونو	1880ء	1974ء
رضا شاہ کبیر	1878ء	1956ء
نادر شاہ	1878ء	1934ء
سلطان عبدالعزیز بن مسعود	1878ء	1953ء
سر سید احمد خان	1817ء	1898ء
علامہ محمد اقبال	1877	1938ء
قائداعظم محمد علی جناح	1876ء	1948ء

ان عظیم شخصیتوں نے اسلام دنیا کو ایک نئی آرزو اور نئی ہمت کے زندہ رہنے کا حوصلہ عطا کیا۔ ان میں سے بہت سے ایسے بھی تھے جنھوں نے علمی طور پر کام کر کے اپنے اپنے ملکوں کے عوام میں سیاسی بیداری پیدا کی، جس کے نتیجے میں ان کے ملک حصول آزادی میں کامیاب ہوئے۔

1.3.1- پان اسلام ازم اور جمال الدین افغانی

1861ء میں سلطان عبدالعزیز کو مشورہ دیا گیا کہ وہ عالم اسلام کو مزید زوال سے بچانے کے لیے رہنمائی کریں۔ سلطان نے کافی غور وفکر کرنے کے بعد اس مشورے کو قبول کیا اور ترکی سے ایک اخبار ''الجوائب'' کو اس مقصد کے لیے جاری کیا۔ اس وقت سلطان کئی اندرونی مسائل میں بھی الجھے ہوئے تھے۔ سلطان عبدالعزیز کے بعد سلطان عبدالحمید دوم نے اتحاد اسلام کے مقصد کو آگے بڑھایا۔

سلطان عبدالحمید نے 1876ء میں حکومت کی ذمہ داری سنبھالی اور آتے ہی اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے لیے ایک ادارہ قائم کیا۔ 1884ء میں ایک رسالہ جاری کیا جس کا عنوان ''پیک اسلام'' تھا۔ دو سال بعد 1886ء میں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لندن میں ''پان اسلامک سوسائٹی'' کی بنیاد ڈالی گئی۔ اس کی سرپرستی میں ترکی 'مصر' اور مراکش آگے آگے رہے۔ بیشتر مسلمان اپنے آپ کو' پان اسلام ازم'' سے منسب کرنے لگے۔

اس دور میں جمال الدین افغانی سامنے آئے جو کُل اسلام کے لیے کام کرنے کے خواہاں تھے۔ ابتداء میں وہ میر دوست عدنان کی ملازمت میں رہے۔ اس کے بعد اپنی عمر کا باقی ماندہ حصہ عالم اسلام اور یورپ میں گزارا۔ انہوں نے مسلمانوں میں سیاسی بیداری کی ایک لہر دوڑا دی۔ ان کے زیر اثر مصر میں شیخ محمد عبدہ اور رشید رضا جیسی شخصیتیں سامنے آئیں۔

جمال الدین افغانی کا سیاسی کردار بین الاقوامی طور پر مسلمانوں کے لیے باعث رحمت ثابت ہوا۔ ان کی بدولت مسلمانوں میں حصول آزادی کے لیے ایک نیا حوصلہ پیدا ہوا اور آزاد قوموں کی طرح زندہ رہنے کی ایک خواہش ابھری۔ جمال الدین افغانی نے مسلمانوں پر یہ واضح کیا کہ ان کی نجات اور فلاح ان کے اتحاد میں ہے اور اس اتحاد کی بنیاد ان کا دین ہے۔

1.3.2- تحریک اتحاد اور علامہ محمد اقبال

علامہ اقبال 1905ء سے 1908ء تک یورپ میں رہے۔ وہاں انہوں نے یہ محسوس کیا کہ مغربی ممالک نے اسلامی ممالک کو تباہ کرنے کی سازشیں کر لی ہیں۔ مغربی ممالک نے اپنے منصوبے میں یہ پیروپیگنڈا شامل کیا کہ اسلامی ممالک ترکی کی سرکردگی میں ایک جہاد کے ذریعے جمال الدین افغانی کے ''پان اسلام ازم'' کے پروگرام کی تکمیل کریں گے۔ حالانکہ جمال الدین افغانی کا اصل مقصد اسلامی ممالک کو بیدار کرنا تھا جس کے نتیجے میں ایران، ترکی اور مصر میں انقلاب آیا۔

علامہ اقبال ابھی یورپ میں ہی تھے کہ لندن میں پان اسلامی سوسائٹی قائم ہوئی۔ یہ سوسائٹی مغربی ملکوں کی سازشوں کے خلاف احتجاج کرتی تھی۔ علامہ اقبال ایسی سرگرمیوں میں حصہ لیتے رہے۔ علامہ اقبال نے آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے ایک اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے فرمایا

''مجھ کو پان اسلامسٹ کہا جاتا ہے جس سے مجھے انکار نہیں۔ مجھے یقین ہے کہ میری قوم شاندار مستقبل رکھتی ہے۔ جو مشن اسلام کا ہے وہ پورا ہو کر رہے گا اور اسلامی روح آخر کار غالب آجائے گی۔''

اس کی وضاحت علامہ اقبال کے اس خط سے ہوتی ہے جو انہوں نے پنڈت جواہر لال نہرو کے خط کے جواب

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں لکھا۔

انیسویں صدی میں سید جمال الدین افغانی افغانستان میں، سر سید احمد خان ہندوستان میں ارمفنی عالم جان نے مسلمانوں کی پستی کا علاج جدید تعلیم کو قرار دیا مگر جمال الدین افغانی نے بین الاقوامی تحریک کا آغاز کیا اور اس کے ذریعے ایران، ترکی اور مصر کے ممتاز افراد میں روح عمل پیدا کر دی جواب تک جاری ہے۔

علامہ اقبال نے یورپ سے آنے کے بعد حالات کا بغور جائزہ لیا۔ جمال الدین افغانی کی طرح علامہ اقبال کا بھی یہی خیال تھا کہ اسلام کا اتحاد مسلمانوں کی نجات اور ترقی کا ذریعہ ہو سکتا ہے۔ اس ضمن میں علامہ اقبال نے فرمایا:

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کر تابخاک کاشغر
جو کرے گا امتیاز رنگ و خون مٹ جائے گا
ترک خر گاہی ہو یا اعرابی والا گہر

یہ وہ زمانہ تھا جب مغربی اقوام فوج اور اسلحہ کے اعتبار سے برتر تھیں۔ اسلامی دنیا پر ایسی صورتحال میں بھی علامہ اقبال کو یقین محکم تھا کہ وہ وقت دور نہیں جب مسلمان اپنے سیاسی، مذہبی، اقتصادی ادارے خود چلائیں گے۔ علامہ اقبال کی کی نظر میں اسلامی دنیا کچھ یوں تھی

نے فغانیم و نے ترک و تتاریم
چمن زادیم و از یک شام خساریم
تمیز رنگ و بو برما حرام است
کہ ما پروردہ یک نو بہاریم

اقبال کا یہ پیغام عالم اسلام کے لیے تھا۔ اسلامی ملکوں میں اتحاد کی لہر دوڑی اور اتحاد عالم اسلام کے موضوع پر کتابیں سامنے آئیں۔ مصطفیٰ کمال نے اپنی تصنیف ''مسئلہ شرقیہ'' میں لکھا کہ ''امت مسلمہ اس گھاٹ پر پہنچ گئی ہے کہ جس میں انسان ڈوب تو سکتا ہے لیکن اس سے سیراب نہیں ہو سکتا۔ اس کے دینی عقائد میں اختلاف ہے۔ وہ دینوی معاملات میں متفرق ہے، یہاں تک کہ وہ وطن، ملت، مشرب، مذہب اور خود اپنے نفس کو فراموش کر چکا ہے۔ یہی وجہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے کہ ایک دائمی بدبختی میں مبتلا ہے۔''

مصر میں علمائے ازہر کی کوششوں سے موتمر کا قیام عمل میں آیا۔ 1926ء میں قاہرہ میں اس کے نمائندگان جمع ہوئے لیکن کوئی خاص نتیجہ سامنے نہ آیا۔

نومبر 1927ء میں ینگ مین ایسوسی ایشن قاہرہ میں قائم ہوئی۔ اس کی شاخیں اسلامی دنیا میں کھولی گئیں اور اسلامی اتحاد پر زور دیا گیا۔

1928ء میں حسن البناء نے الاخوان المسلمین کی بنیاد ڈالی۔ یہ بنیادی طور پر اسلامی تنظیم تھی۔ 1933ء میں اس تنظیم کے دفاتر کی تعداد ڈیڑھ دو ہزار ہوئی اور ارکان کی تعداد تین لاکھ سے چھ لاکھ تک پہنچی۔

1931ء میں مفتی اعظم فلسطین محمد الحسینی کی زیر صدارت یروشلم میں موتمر کا دوسرا اجلاس منعقد ہوا جس میں عالم اسلام کے اتحاد کے لیے تجاویز اور منصوبوں پر غور کیا گیا۔

فروری 1949ء میں موتمر عالم اسلامی کا از سر نو جائزہ لیا گیا جس کے لیے کراچی میں ایک کانفرنس بلائی گئی۔ اس کانفرنس میں افغانستان، سری لنکا، مصر، انڈونیشیا، ایران، عراق، لبنان، ملایا، شام، سعودی عرب، تیونس اور یمن کے نمائندگان نے شرکت کی۔ کانفرنس کی صدارت پاکستان کے مولانا شبیر احمد عثمانی نے کی۔ بحث میں انڈونیشیا، فلسطین، حیدرآباد دکن اور شمالی افریقہ کے مسلمانوں کے مسائل پر بحث کی گئی۔

1949ء میں ہی ایک اور کانفرنس جو بین الاقوامی اقتصادی کانفرنس تھی، کراچی ہی میں منعقد ہوئی جس کا بندوبست وزیراعظم پاکستان لیاقت علی خان نے کیا۔ اس میں سولہ اسلامی ممالک نے شرکت کی۔

1950ء میں ایک اور کانفرنس جو بین الاقوامی اقتصادی کانفرنس تھی، کراچی ہی میں منعقد ہوئی جس کا بندوبست وزیراعظم پاکستان لیاقت علی خان نے کیا۔ اس میں سولہ اسلامی ممالک نے شرکت کی۔

1950ء میں ایک اور کانفرنس ایران کے دارالحکومت تہران میں منعقد ہوئی۔ اس میں بین الاقوامی بینک کے لیے سفارش کی گئی۔

1951ء میں موتمر عالم اسلامی نے کانفرنس کے انعقاد کے لیے پاکستان کے شہر کراچی کو منتخب کیا۔ کانفرنس کا افتتاح وزیراعظم پاکستان لیاقت علی خان نے کیا۔ اس میں پہلے سے زیادہ اراکین نے شمولیت کی۔

اپریل 1954ء میں کراچی میں ایک اقتصادی کانگریس منعقد ہوئی لیکن اس کے بعد یہ سلسلہ ختم ہو گیا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

1965ء میں مکہ میں رابطہ عالم اسلامی کانفرنس ہوئی۔

فروری 1970ء میں قاہرہ میں 35 ملکوں کے ایک سو علماء کی کانفرنس بلائی گئی۔ اس کا افتتاح صدر جمال عبدالناصر نے کیا۔ اس کانفرنس میں مسلمانوں کے اتحاد پر زور دیا گیا۔ 1965ء میں جکارتہ میں ایک افرو ایشیائی اسلامی تنظیم قائم کی گئی جس کی پہلی کانفرنس بنڈونگ میں 6 تا 10 اکتوبر 1970ء کو ہوئی۔ اس میں 25 ممالک نے شرکت کی۔ اس میں قبرص، جرمنی، کینیڈا اور آسٹریلیا کے ممالک بھی شامل ہوئے۔ بعد میں اس کا نام بدل کر بین الاقوامی اسلامی تنظیم رکھ دیا گیا۔

1.3.3- پہلی سربراہی کانفرنس

اگست 1969ء میں جب اسرائیل نے مسجد اقصیٰ کے ایک حصے کی بے حرمتی کی اور آگ لگا دی تو مراکش کے شاہ حسین نے اسلامی سربراہوں کی ایک کانفرنس بلائی جو 22 ستمبر تک منعقد ہوئی۔ اس میں 23 ممالک کے اراکین نے شمولیت کی۔ اس کانفرنس میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ اسلامی، روحانی، اخلاقی، عمرانی اور اقتصادی قدروں کا تحفظ کیا جائے۔ اس کانفرنس میں یہ بھی فیصلہ کیا گیا کہ 1970ء میں اسلامی وزرائے خارجہ کا اجلاس جدہ میں ہوگا۔ اجلاس میں اسلامی سیکرٹریٹ کے قیام کی سفارش کی گئی۔ اس میں اسلامی کانفرنس کا قیام عمل میں آیا۔

پہلی سربراہی کانفرنس کے بعد اسلامی ملکوں کے وزرائے خارجہ کی کانفرنسوں کا دور شروع ہوا۔ پہلی کانفرنس مارچ 1970ء میں جدہ میں ہوئی۔ اس میں اسلامی سیکرٹریٹ کے قیام کی منظوری دی گئی اور اس کا صدر دفتر جدہ میں قائم کیا گیا۔ دوسری کانفرنس دسمبر 1970ء میں کراچی میں منعقد ہوئی۔ اس کانفرنس میں اسلامی بینک قائم کرنے کا فیصلہ بھی کیا گیا جس کے نتیجے میں 1973ء میں اسلامی ترقیاتی بینک کا قیام عمل میں آیا۔ اس کا منظور شدہ سرمایہ ساڑھے تہتر کروڑ دینار (ایک کھرب ڈالر) تھا۔ اس کانفرنس میں ایک اسلامی نیوز ایجنسی اور مختلف ملکوں میں اس کے مراکز قائم کرنے اور اسلامی کانفرنس کا مشورہ تیار کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ تیسری کانفرنس مارچ 1972ء میں جدہ میں ہوئی۔ اس میں اسلامی کانفرنس کے منشور کی منظوری دی گئی۔ بھارت کی جارحیت کانفرنس کا اہم موضوع رہا۔ چوتھی کانفرنس مارچ 1973ء میں بن غازی (لیبیا) میں منعقد ہوئی۔ فلپائن کی مسلم اقلیت کانفرنس کا اہم موضوع رہی۔

دوسری اسلامی سربراہی کانفرنس فروری 1974ء میں لاہور میں ہوئی جس میں 37 اسلامی سربراہوں نے شرکت کی۔ پانچویں اسلامی کانفرنس (اسلامی ملکوں کے وزرائے خارجہ کی کانفرنس) جون 1974ء میں ملائیشیا میں کوالالمپور میں ہوئی جس میں 37 وزرائے خارجہ نے شرکت کی۔ مشرق وسطیٰ اور غیر مسلم ممالک میں آباد مسلم اقلیت اہم

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

موضوع تھے۔مختلف اسلامی ملکوں کی امداد کے لیے مشترکہ اسلامی فنڈ کا قیام عمل میں آیا۔چھٹی کانفرنس جولائی 1975ء میں جدہ میں ہوئی جس میں فلسطین اور مشرق وسطی کے مسائل زیر بحث آئے۔ساتویں کانفرنس مارچ 1976ء میں استنبول میں ہوئی جس میں مسلم ممالک میں تدریس عربی کی سفارش کی گئی۔

تیسری اسلامی سربراہی کانفرنس 1981ء میں طائف (سعودی عرب) میں ہوئی۔ان تمام کانفرنسوں کا مشترکہ نکتہ مسلم امہ کے اتحاد واتفاق رہے۔ان کانفرنسوں کے دوررس اور اہم نتائج یہ ہیں۔

1- اسلامی کانفرنسوں کا انعقاد

2- اسلامی ترقیاتی بینک کا قیام

3- اسلامی ممالک کی فلاح و بہبود کے لیے مشترکہ اسلامی فنڈ کا قیام

4- اسلامی کمیشن برائے اقتصادی وسماجی امور

5- اسلامی نیوز ایجنسی کا قیام

بہرحال اب تو اسلامی وزرائے خارجہ کانفرنس یکے بعد دیگرے ہوتی ہیں لیکن اسلامی اتحاد کے لیے اب بھی بہت کچھ کرنا باقی ہے۔

1.4- عالم اسلام کی اقتصادی حدود

عالم اسلام کو دنیا میں قلب کی حیثیت حاصل ہے۔عالم اسلام کا رقبہ ایک کروڑ دس لاکھ مربع میل سے بھی زائد ہے۔جو دنیا کا بائیس فیصد ہے۔وادی نیل، کشمیر، عراق اور دنیا کی حسین ترین وادیاں بھی اس میں شامل ہیں۔دنیا کی اہم بری اور بحری گزرگاہوں میں مسلمانوں کے پاس ہیں۔بحیرہ روم اور بحیرہ اسود کے ساتھ ساتھ بحیرہ قلزم، خلیج فارس اور بحیرہ عرب میں بھی ان کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔دجلہ وفرات سے اومان تک کی خلیج دنیا کے صنعتی وتجارتی وجود میں شہ رگ کی حیثیت رکھتی ہے جہاں ہزاروں بیرل تیل روزانہ فراہم کیا جاتا ہے۔سونے اور تیل کے 75 فیصد ذخائر یہاں پائے جاتے ہیں۔انڈونیشیا، ملائیشیا، بنگلہ دیش، پاکستان، ایران، کویت، سعودی عرب، اومان، یمن، صومالیہ اور سوڈان جو بحر ہند کے کناروں پر ہیں، ان میں 75 فیصد مسلم آبادی ہے۔ان کے ساحلوں پر اتنے معدنی ذخائر ہیں جو کسی اور سمندر کے کناروں پر نہیں جبکہ انڈونیشیا، ملائیشیا اور پاکستان ایسے طاقتور ممالک ہیں جو بحر ہند پر حکمرانی کر سکتے ہیں۔1947ء میں عرب ممالک نے ایک سو بارہ ارب ڈالر کمائے۔تیل کے ذریعے یومیہ پیداوار کے لحاظ سے دنیا میں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تیل کے ذخائر درج ذیل ہیں۔

ملک	زیر زمین ذخائر	روزانہ اخراج
روس	73ارب بیرل	90لاکھ بیرول
ریاست ہائے متحدہ امریکہ	25ارب 30 کروڑ بیرل	80لاکھ 50ہزار بیرل
سعودی عرب	132ارب بیرل	80لاکھ 50ہزار بیرل
ایران	40ارب بیرول	60لاکھ 10ہزار بیرل
وینزویلا (جنوبی امریکہ)	16ارب بیرل	29لاکھ بیرل
کویت	24ارب بیرل	22لاکھ بیرل
نائجیریا	15ارب بیرل	23لاکھ بیرل
لیبیا	25.5ارب بیرل	20لاکھ بیرل
کینیڈا	9ارب بیرل	20لاکھ بیرل
عراق	31.5ارب بیرل	20لاکھ بیرل
انڈونیشیا	10.5ارب بیرل	15لاکھ بیرل
متحدہ عرب امارات	24ارب بیرل	18لاکھ بیرل
الجزائر	7.5ارب بیرل	13لاکھ بیرل
چین	19.5ارب بیرل	8لاکھ بیرل
قطر	6.5ارب بیرل	3لاکھ بیرل
بحرین	4ارب بیرل	7لاکھ بیرل
اومان	5.5ارب بیرل	3لاکھ بیرل
آسٹریلیا	2ارب بیرل	2لاکھ بیرل
گیبان	1.5ارب بیرل	2لاکھ بیرل
ارجنٹائن	2.5ارب بیرل	4لاکھ بیرل

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عرب ریاستوں کی روزانہ آمدنی کچھ یوں ہے۔

فی گھنٹہ 75 لاکھ ڈالر سے زائد

یومیہ 20 کروڑ ڈالر کے لگ بھگ

لندن کے ایک جریدے کے مطابق اس دولت سے عرب دنیا کے تمام وسائل درج ذیل قوت خرید رکھتے ہیں۔

1- امریکہ کی تمام بڑی بڑی تجارتی کمپنیاں	9 سال میں
2- دنیا کی تمام بڑی بڑی تجارتی کمپنیاں	15.5 سال میں
3- مرکزی بینکوں کا تمام سونا	3 سال
4- امریکہ کا سرمایہ دیگر ممالک میں	20 ماہ میں
5- برطانیہ، فرانس اور جرمنی کی تجارتی کمپنیاں	19 سال میں
6- راک فیلر فیملی کی دولت	6 دن میں

عرب ممالک چاہیں تو تین سال کی آمدن سے دنیا کے تمام بینکوں میں موجود سونے کے ذخائر خرید سکتے ہیں ایران کے ذخائر کی مالیت دنیا کے سونے کے ذخائر کی مالیت سے آٹھ گنا زائد ہے اور مشرق وسطی کے ذخائر ان کے ذخائر سے بھی 9 گنا زیادہ ہے۔ لیبیا جس کی آبادی 20 لاکھ ہے اس کے محفوظ ذخائر بھی تین ارب ڈالر ہیں۔ روس اور امریکہ جو تیل پیدا کرنے والے ممالک میں سب سے زیادہ مقدار رکھتے تھے ان کے ذخائر بھی رفتہ رفتہ کم ہو رہے ہیں۔ 1972ء میں امریکہ نے پچاس کروڑ ٹن تیل پیدا کیا بلکہ اس کا خرچ بعض دوسری اشیاء کی پیداوار کی صورتحال درج ذیل ہے۔

اشیاء	کل پیداوار میں عالم اسلام کا حصہ
کوکو	29 فیصد
شیشہ	9 فیصد
فاسفیٹ	33 فیصد
پٹ سن	40 فیصد
مصالحہ جات	7 فیصد
ٹین	52 فیصد

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ربڑ	70 فیصد
سونا	90 فیصد

1973ء میں جب عرب ممالک کی طرف سے تیل کی فراہمی میں رکاوٹ پیدا ہوئی تو کئی ملکوں میں تیل کی راشن بندی ہوئی۔ جاپان، برطانیہ جیسے کئی اور ممالک نے بھی کھلم کھلا اسرائیل کی حمایت سے انکار کر دیا۔ 1972ء میں امریکہ نے تین ارب نوے کروڑ ڈالر کا تیل خریدا۔ لیکن تیل کی قیمت میں اضافے پر اسے 1974ء میں بیس ارب ڈالر خرچ کرنا پڑے۔ ہالینڈ کی سب سے بڑی صنعت تیل صاف کرنے کے کارخانے ہیں یورپ کا 20 فیصد تیل یہاں صاف کیا جاتا ہے۔

1973ء میں تیل بند کیا گیا تو ہالینڈ کی صنعت و معیشت نہایت خسارے میں پڑ گئی۔ جاپان کی نوے فیصد اور مغربی ورپ کی ساٹھ فیصد تیل کی ضروریات عرب ملکوں کے تیل سے پوری ہوتی ہیں۔ دوسری طرف یہ بھی حقیقت ہے کہ دنیا کی کل پیداوار میں عالم اسلام کی پیداوار کا تناسب 3 فیصد سے جبکہ تجارت میں 6 فیصد۔ بہت سے اسلامی ممالک کے محفوظ سرمائے جو اربوں ڈالر ہیں، خود ان کے کام آنے کے بجائے ان کے خلاف استعمال ہو رہے ہیں۔ عالم اسلام ایک اقتصادی طاقت کے طور پر اپنے آپ کو منوا سکتا ہے لیکن اس کے لیے سیاسی اتحاد کی ضرورت ہے۔

دنیا میں تیل اور قدرتی گیس کے بڑے ذخائر مشرق وسطیٰ میں موجود ہیں۔ تیل کے عالمی ذخائر کا پانچواں حصہ سعودی عرب میں ہے۔ آٹھواں حصہ کویت میں ہے۔ اس طرح مسلم ممالک اقتصادی طور پر خوشحال ہیں۔ گویا اس وجہ سے اسلامی دنیا میں ایک پُر اعتماد دور کا آغاز ہوا ہے لیکن یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اسے کس طرح موثر طور پر استعمال کیا جائے جس سے پوری اسلامی دنیا کو فائدہ ہو۔

1.5- اتحاد کی راہ میں درپیش مسائل

رنگ، نسل، زبان اور وطن اگرچہ اتحاد کے ذرائع تسلیم کئے جا سکتے ہیں، لیکن ان میں سے کوئی بھی ذریعہ اتحاد کی ضمانت قرار نہیں دیا جا سکتا۔ قرآن کی رو سے آدم کی اولاد ایک ہی نسل ہے۔ عربوں کی زبان مشترک ہونے کے باوجود یہ مختلف ملکوں میں بیٹے ہوئے ہیں۔ یہ تمام وہ چیزیں ہیں جو حالات کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ اپنا آپ ہمیشہ قائم نہیں رکھ سکتیں۔ ایک چیز جس نے اتحاد کو طویل عرصہ تک قائم رکھا وہ چیز عقیدہ ہے۔ لیکن ایک عقیدہ رکھنے والوں میں بھی جھگڑے ہوتے ہیں، یہ مختلف فرقوں میں بھی تقسیم ہو گئے ہیں، جیسا کہ مسلمانوں کے کئی فرقوں میں اختلاف یا چپقلش

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رہی ہے۔کمیونزم بھی عقیدہ ہے لیکن کمیونسٹ دنیا متحد نہیں ہے جس کی واضح مثال روس اور چین کے اختلافات ہیں۔

مختلف قوموں اور تہذیبوں نے نسل، رنگ، زبان اور مذہب کی بنیاد پر وسیع تر اتحاد کی کوشش کی جس میں فرانسیسی، جدید ڈک ڈی مسلمی کا عظیم منصوبہ جس میں اس نے پورے یورپ کو متحد کرنے کا منصوبہ پیش کیا دوسرے 1815ء میں کانگریس آف وی آنا نے دستاویزات یورپ کے مفادات کے حصول کی خاطر کیں لیکن تبادلہ خیالات کے باوجود یہ دستاویزات صرف کاغذی پرزے ثابت ہوئے۔صرف اسلام ہی وہ عقیدہ ہے جو مسلمانوں کو بھائی بھائی قرار دیتا ہے۔اسود، ابیض، عربی وعجمی اور محمود و ایاز کے ایک صف میں کھڑے ہونے کی مثال صرف اسلام میں ملتی ہے۔

مولانا ظفر علی خان نے علامہ اقبال کے خطبے ''ملت بیضا پر ایک عمرانی نظر'' کو اردو میں منتقل کیا اور 1911ء میں برکت علی اسلامیہ ہال لاہور میں ایک جلسے میں پڑھا۔اس خطبے میں علامہ اقبال نے اسلام اور دوسری قوموں کے تصور قومیت کی وضاحت کرتے ہوئے بتایا کہ قومیت کا موجودہ تصور خود اپنی آستین میں تباہی کے جراثیم کی پرورش کر رہا ہے۔

عقیدہ اسلام میں اتحاد کی وہ عظیم مثال موجود ہے جو کسی اور عقیدے میں نظر نہیں آتی۔حج کے موقع پر دنیا کے مختلف ممالک سے مسلمان آتے ہیں اور اپنے ایک ہونے کا منظر پیش کرتے ہیں۔روز آغاز سے آج تک اس میں کوئی تبدیلی نہیں۔جبکہ مغربی تہذیب میں مذہب سے بیزاری، ہر نوع کی آزادی اور حصول دولت کی دوڑ، جدید مغربی تہذیب کے اہم لوازم قرار پاتے ہیں۔سائنسی ایجادات، اختراعات، ٹیکنالوجی، علمی انکشافات کو بھی جدید تہذیب کا ثمرہ اور مسلمانوں کو بھی اس بات کا احساس دلانے کی کوشش کی گئی کہ مذہب سے بے حد لگاؤ کی وجہ سے وہ پسماندہ ہیں اور یہ کہ جب تک وہ مذہب کی گرفت سے آزاد نہیں ہوتے ترقی نہیں کر سکتے۔پہلی جنگ عظیم سے قبل برطانیہ کا ڈنکا بج رہا تھا لیکن زوال کے بعد اس کی عملداری ختم ہوگئی اور امریکہ اس تہذیب کا علمبردار بن گیا۔

سرمایہ داری کے خلاف اشتراکی انقلاب رونما ہوا۔اشتراکی نظام کی بنیاد پر لادینی نظام قائم ہوا جب اشتراکی ممالک اسلحہ کے سلسلے میں مغرب کے ہم پلہ ہوگئے تو اس بات کو زیادہ ہوا دینا شروع کی کہ مسلمانوں کی پسماندگی کا سبب ان کا مذہب ہے۔بیشتر اسلامی ممالک میں مغربی سرمایہ داری اور اشتراکیت کی اصلی یا فرضی آمیزش کو اس طرح بڑھا چڑھا کر بیان کیا گیا کہ مسلمان مغربی نظام یا اشتراکیت میں سے کسی ایک کو منتخب کرنے پر مجبور ہوگئے۔مسلمانوں نے ان اسباب کو نظر انداز کر دیا جن کے تحت ان افکار نے مغرب میں اجالا کیا تھا۔اس سلسلے میں مسٹر جرڈ این فرائی نے ایک مجلس مذاکرہ میں کہا کہ ''میرا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اسلام مشرق وسطیٰ میں اشتراکیت کا سدباب کر دے گا بلکہ اسلام ہی اس کا سدباب کر سکتا ہے۔'' گویا مغربی مفکرین کے نزدیک تو موجودہ مسائل اور کشمکش کا حل اسلام پیش کرتا ہے لیکن

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خود مسلمان بے یقینی کا شکار ہو گئے۔ وجہ ان کی اپنی بے علمی اور بے بصری ہے کیونکہ مسلمان اپنے سعی و عمل اور تلاش و جستجو کے اوصاف سے محروم ہو کر باہمی تعاون و ایثار کے فقدان کے نتیجے میں بے چارگی اور بے بسی کی حالت میں مبتلا ہو گئے۔ ان حالات میں انسان اپنی بے چارگی کے اسباب کا سدباب کرنے کی بجائے اپنی حالت کو اپنی قسمت تصور کرنے لگتا ہے لیکن احکام الٰہی پر پابندی ہو کر مومن حالات کے تابع ہونے کے بجائے حالات کو اپنے تابع کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اس سے اس کے عقیدے سے متعلق جذبات کو پختگی کا اظہار ہوتا ہے۔

جدید افکار اور معاشرتی اقدار مسلمانوں کے لیے چیلنج بن گئی۔ ٹھوس اتحاد کی راہ میں رکاوٹ وطنیت ہے جو بہت سے عوامل کی پیداوار ہے اور احساس کمتری بھی انہی عوامل میں سے ایک ہے۔ اس کی ایک زندہ مثال 1953ء میں ہونے والی اسلامی ملکوں کے وزرائے اعظم کی کانفرنس تھی جس میں بعض حکومتوں نے جواب میں کہا کہ ہماری حکومتیں اسلامی نہیں بلکہ قومی حکومتیں ہیں، اس لیے ہم بحیثیت اسلامی ممالک کے وزرائے کانفرنس میں شرکت نہیں کر سکتے۔ 1953ء میں عرب لیگ کے سیکرٹری جنرل عبدالرحمٰن عظام نے بھی اسلامی ممالک کے بلاک کے اتحاد کی اہمیت پر زور دیا۔ اس کے علاوہ جمال عبدالناصر نے عرب سوشلزم کا پرچار کیا اور اپنی تصنیف ''فلسفہ انقلاب'' میں عربوں کو دعوت دی کہ وہ اپنی وفاداریاں متاخرالذکر میں منظم کر لیں، لیکن ان کا یہ خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا۔ علامہ اقبال نے بھی مسلمانوں کے اتحاد کی عملی صورت خلافت کو قرار دیا۔ انہوں نے لیگ آف مسلم سٹیٹس کو وجود میں لانے کی ضرورت پر زور دیا۔

برصغیر میں ایک طبقہ اسلامی اتحاد کو ناقابل عمل سمجھتا تھا چونکہ اس کے خیال میں مختلف اسلامی ممالک آپس میں متحد نہیں ہو سکتے اس لیے عالم اسلام کے اتحاد کا خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا۔ اس کشمکش کے دور میں سر فضل حسین نے کہا کہ مسلمان آج تک متحد نہیں ہوئے اور نہ ہی متحد ہو سکتے ہیں۔

علامہ اقبال نے اس کے اس بیان کے جواب میں کہا کہ سر فضل حسین کا یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ مسلمانوں میں سیاسی پان اسلام ازم کی کوئی مثال نہیں ملتی اگر سیاسی اتحاد کبھی موجود بھی رہا ہے تو صرف ان لوگوں کے تخیل میں جنہوں نے پان اسلام کی اصطلاح وضع کی ہے یا شاید یہ ترکی کے سلطان عبدالحمید کے ہاتھوں میں سیاسی ہتھیار کے طور پر موجود رہا ہے۔ پان اسلام ازم کے ساتھ جمال الدین افغانی کا ذکر بھی ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں یہ بات قابل غور ہے کہ اسلامی زبان، عربی، فارسی یا ترکی میں پان اسلام ازم کے ہم معنی کوئی اصطلاح موجود ہی نہیں ہے۔ تاہم یہ ایک حقیقت ہے کہ اسلام ایک سوسائٹی کی حیثیت سے نہ صرف نسلوں اور قوموں بلکہ تمام مذاہب کو یکجا کرنے کے عملی منصوبے کی بحیثیت سے نسل، قومیت یا جغرافیائی سرحدوں کے امتیازات کو تسلیم نہیں کرتا ہے۔ انسان دوست نصب العین کے طور پر پان

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسلامیت (اگر کوئی شخص سیدھی سادی اصطلاح اسلام کی بجائے طویل اصطلاح پان اسلامیت ہی استعمال کرنا چاہتا ہے تو یہ بات کچھ محل نظر ہے۔ یورپی مفکرین اور سیاستدانوں کے نزدیک اسلام میں اتحاد اور مرکزیت کا سب سے بڑا ذریعہ نظام خلافت ہے)۔

مسلمانوں کی سیاسی مرکزیت زیادہ عرصہ برقرار نہ رہی کیونکہ جب خلافت عرب سے نکل کر شام، مصر، عراق اور اندلس میں پہنچی تو قدیم مرکزیت باقی نہ رہی۔ مسلمانوں کی چھوٹی چھوٹی حکومتیں قائم ہوگئیں۔ جو خلیفۃ المسلمین کے خطاب کو تو ضروری سمجھتی تھیں لیکن اندرونی طور پر اپنے آپ کو خلافت کے احکام کا پابند خیال نہیں کرتی تھیں۔ بعض اوقات مذہبی فرقہ پرستوں کی وجہ سے خلافت کو مرکزیت کے مترادف قرار دینے میں ہمیشہ سستی کی گئی۔ خلفاء کا اثر و اقتدار عباسیہ کے آخری دور میں کم ہوگیا۔ آس پاس کی حکومتوں کی فوجی طاقت وسطوت خلیفہ المسلمین سے کہیں زیادہ تھی۔ یوں تو محمود غزنوی، شہاب الدین غوری، التمش اور محمد تغلق نے خلیفہ کی اطاعت کا اقرار کیا مگر یہ محض زبانی اقرار تھا۔ کیونکہ جب اندلس میں مسلمانوں پر بجلیاں گریں تو بربریوں اور افریقیوں نے اسے بچانے کے لیے کچھ نہ کیا۔ خلافت عباسیہ کے زوال سے بچانے کے لیے بھی کوئی اقدام نہ کیا گیا۔ عرب دنیا کا نفاق بھی عالم اسلام کے اتحاد کا خواب دیکھنے والوں کے سوہان روح بنا رہا۔

1.6- اہم نکات

(1) گیارھویں صدی عیسوی کے اواخر تک تین بڑی مسلم مملکتیں ترکی، ایران اور برصغیر جنوبی ایشیا میں موجود تھیں۔

(2) دوسو سال تک نوآبادیاتی قوموں کے زیر تسلط رہنے کے بعد بیسویں صدی میں مسلمانوں میں ایک بیداری کی لہر دوڑی۔

(3) اُس وقت مراکش سے لے کر انڈونیشیا تک مسلمانوں میں ایک جذبہ پیدا ہوا کہ وہ اپنی کھوئی ہوئی شناخت اور سیاسی آزادی کو دوبارہ حاصل کرسکیں۔

(4) علامہ اقبال مسلمانوں کے شاندار مستقبل پر پختہ یقین رکھتے تھے اُن کے الفاظ ہیں کہ "میری قوم شاندار مستقبل رکھتی ہے جو مشن اسلام کا ہے وہ پورا ہوکر رہے گا اور اسلامی روح آخر کار غالب آ کر رہے گی۔"

(5) نومبر 1927ء میں ینگ مین ایسوسی ایشن قاہرہ میں قائم کی گئی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

1.7- خود آزمائی نمبر 1

سوال نمبر 1- درج ذیل فقرات میں سے صحیح اور غلط کی نشاندہی کریں۔

1- بڈاپسٹ کا علاقہ ڈیڑھ صدی ترکوں کے زیر اثر رہا۔ ص غ

2- سلطان سلیمان نے 1526ء میں لوئی دوم سے شکست کھائی۔ ص غ

3- سلطان عبدالمجید نے 1876ء میں ترکی حکومت کی ذمہ داری سنبھالی۔ ص غ

4- الاخوان المسلمین کی تنظیم 1928ء میں عمل میں آئی۔ ص غ

5- فلسفہ ''انقلاب'' جمال عبدالناصر کی تصنیف ہے۔ ص غ

سوال نمبر 2- خالی جگہ پُر کریں۔

1- 1951 میں موتمر عالم اسلامی نے کانفرنس کے انعقاد کے لئے پاکستان کے شہر..............کو منتخب کیا۔

2- دوسری اسلامی سربراہی کانفرنس..............میں منعقد ہوئی۔

3- علامہ اقبال..............سے..............تک یورپ میں رہے۔

4- سلطان عبدالحمید نے 1876ء میں حکومت کی ذمہ داری سنبھالی اور آتے ہی اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے لیے ایک..............قائم کیا۔

5- مولانا ظفر علی خان نے علامہ اقبال کے خطبہ..............کو اُردو میں منتقل کیا۔

سوال نمبر 3- درج ذیل موضوعات پر نوٹ تحریر کریں۔

(1) عالم اسلام کی اقتصادی حدود

(2) اتحاد کی راہ میں درپیش مسائل

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

2- عالم اسلام کے مسائل

اس وقت کرہ ارض پر مسلم ممالک کی تعداد 56 ہے جن میں بسنے والے مسلمان دنیا کی مجموعی آبادی کا تقریباً چوتھائی حصہ ہیں۔ مسلم ممالک معدنی دولت سے مالا مال ہیں، تاہم باہمی عدم تعاون اور اتحاد و یگانگت کے فقدان کے باعث وہ ابھی تک ایک بڑی قوت بننے سے قاصر ہیں بلکہ یہ کہنا بجا ہوگا کہ استعماری طاقتوں نے دانستہ ملت اسلامیہ کو گوناگوں مسائل سے دوچار کر رکھا ہے تاکہ ان کی قوت ایک جگہ مجتمع نہ ہونے پائے۔ اس وقت افغانستان میں غیر ملکی قبضہ، فلپائن میں مسلمانوں کی جدوجہد آزادی، قبرص کا مسئلہ اور مسئلہ کشمیر اور فلسطین کا جائزہ پیش کیا جا رہا ہے۔

2.1- اسلامی ممالک میں مغربی اور لادینی نظریات کا فکر اسلامی سے تصادم

اسلام دین فطرت ہے اور یہ روز اول سے ہی انسان کو سادہ معاشرت اور باہمی محبت کا درس دیتا ہے۔ اسلام اپنے ظہور کے بعد سے دوسری صدی ہجری تک بہت تیزی سے پھیلا۔ اسلام نے نہ صرف مغرب میں بحر اوقیانوس سے صحرائے افریقہ تک اور بحر اوقیانوس کے کنارے سے دیوار چین تک جھنڈے گاڑ دیئے بلکہ اسپین کو فتح کرنے کے بعد شمال میں سرحد پائیرنیز (Pyreness) کو طے کرتے ہوئے فرانس میں داخل ہو گئے اور اس طرح ایک طرف دنیا کے وسیع ترین علاقے پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا تو دوسری طرف مسلمانوں کے دوسرے دستے نے مشرق میں سندھ و پنجاب کو فتح کرتے ہوئے چین کی طرف پیش قدمی کی۔ تقریباً چھ سو سال تک مسلمان دنیا کے ایک بڑے خطے پر حکومت کرتے رہے۔ ساتویں صدی ہجری میں منگولوں نے وسط ایشیا کی مسلمان ریاستوں کو تباہ کر کے رکھ دیا۔ پھر خلافت عباسیہ کے خاتمہ اور بغداد کی تباہی نے مسلمانوں کی سیاسی، تہذیبی اور دینی تشخص کا بالکل ہی خاتمہ کر کے رکھ دیا۔ نویں صدی ہجری میں سپین میں مسلمانوں کی شکست سے مسلمانوں کو بڑا دھچکا لگا۔ ترکی میں خلافت عثمانیہ کا خاتمہ بھی مسلمانوں کے زوال کا باعث بنا۔ چند ایک ممالک کو چھوڑ کر دنیا بھر کے مسلمان اہل مغرب کے غلام بن گئے اور اس طرح ان ممالک میں کسی غیر استحصالی اور حقیقی اسلامی معاشرے کی تعمیر کے تمام تر امکانات معدوم ہو گئے۔ اسلامی دنیا میں مغربی ممالک کی فتوحات نے مسلمانوں کو ایک طویل عرصے کے لیے ایک تاریک غار میں دھکیل دیا۔ برطانیہ ان دنوں دنیا کا سب سے بڑا فاتح ملک تھا۔ اپنی تمام تر توانائیاں اور توجہات کو صرف اس بات پر مرکوز رکھا۔ عرب قوم اور ان کی حامی اقوام کو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایسے فکری سیاسی مسائل میں مبتلا کر دیں کہ وہ دعوت اسلامی کی جانب توجہ نہ دے سکیں۔ چنانچہ اسلام پر اول ترین حملہ مادیت کی راہ سے ہوا جس کے نتیجے میں دولت وثروت کی فراوانی سے اسلامی معاشرے میں تعیش اور راحت پسندی کو فروغ دیا گیا۔ مغربی ممالک کی عیش وعشرت نے مسلمانوں کو بھی اپنے رنگ میں رنگ لیا۔ انہوں نے اپنے مخصوص انداز میں ریڈیو اور سینما فوٹوگرافی کے ذریعے مسلمانوں کو اسلامی تعلیمات سے دور کرنے کے لیے ہر حربہ استعمال کیا جس کے نتیجے میں مسلمان بھی ان کی تقلید کرنے لگے۔

اب جبکہ دنیا بھر میں ماسوائے چند ایک ممالک کے مسلمانوں کو آزادی مل چکی ہے لیکن انگریزوں نے مختلف ہتھکنڈوں کے ذریعے اب بھی انہیں اپنے دائرے میں جکڑ رکھا ہے۔ اسی بنا پر مسلمان انگریزی طور طریقے کو چھوڑنے کو تیار نہیں۔ اسلامی ممالک میں عورتوں میں پردے کا رواج ختم ہو گیا ہے۔ اسلامی تعلیمات مردوں اور عورتوں کے آزادانہ میل جول کے خلاف ہیں جبکہ اس وقت اسلامی دنیا میں اسے برائی نہیں سمجھا جاتا۔ ریڈیو، ٹی وی، کیبل اور وی سی آر سے بعض مخرب الاخلاق پروگراموں کی آزادانہ نشرواشاعت بھی اسلامی تعلیمات سے متصادم ہے۔ تمام اسلامی ممالک میں بینکوں میں سودی کاروبار جاری ہے۔ رشوت کے بغیر کوئی کام انجام نہیں پاتا۔ کذب بیانی عام ہے۔ نتیجتاً اسلام کے ابدی نظام حیات کی جگہ مغربی اقدار کو فروغ دیا جا رہا ہے۔ اسلامی دنیا کے باسیوں نے مغرب کی تقلید زیب وزینت اور چمک سے متاثر ہو کر اسلامی تشخص کو شدید نقصان پہنچایا ہے۔ مخلوط اور مغربی نظام تعلیم رائج ہے۔ امریکی، برطانوی اور فرانسیسی حکومتوں نے اب ان تمام ملکوں میں اسلام کے خلاف متضاد اور مخالف علمی فضا پیدا کر دی ہے جو سیاسی اور اقتصادی لحاظ سے ان کے زیر اثر ہیں۔ مغرب کے لادینی نظریات کے تحت ہی مسلمانوں میں مزید افتراق پیدا کیا گیا اور لادینیت کی طرف مائل کر کے مسلمان ممالک کو ایک دوسرے سے دور رکھنے کی بھرپور کوششیں کی گئیں۔ آپس کی ریشہ دوانیوں اور مغربی تہذیب کے اثرات کی وجہ سے مسلمان ممالک ٹیکنالوجی کے میدان میں بھی کچھ زیادہ پیش رفت نہ کر سکے۔

موجودہ حالات میں مسلمانوں پر مسلسل فتنوں کے طوفان اور تمام شعبہ ہائے زندگی میں علمی، عملی، اخلاقی، معاشرتی، سیاسی اور مذہبی رویوں میں تبدیلی کی وجہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چودہ صدیاں قبل کے اسلامی تعلیمات سے روشناس مسلمان سے آج کے مسلمان کا کوئی رشتہ ہی نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ جب دنیا کے کسی حصے میں مسلمانوں پر کسی قسم کی افتاد کی کوئی خبر آتی ہے تو وقتی طور پر مسلمان مضطرب دکھائی دیتے ہیں لیکن عملی طور پر ان کے لیے کچھ نہیں کیا جاتا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

2.2- مسلم ممالک پر مغربی تہذیب کے اثرات

مسلمانوں کا اپنی انفرادیت برقرار رکھنے کا عزم کسی لحاظ سے بھی دوسرے مذاہب یا نظریات سے تعاون کرنے میں کبھی حائل نہیں رہا۔ خصوصاً جب ایسا تعاون بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود کے لیے ہو رہا ہو۔ انفرادیت برقرار رکھنے کے لیے اسلامی جذبے میں ہی یہ نکتہ کارفرما ہے اور جہاں کہیں تہذیبیں آپس میں ملتی ہیں اور باہم اثر انداز ہوتی ہیں، اس جذبے کے مطابق مسلمانوں کی صلاحیت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ ماضی میں ہر عظیم تہذیب یہ سمجھتی تھی کہ دنیا میں صرف وہی اعلیٰ اقدار کی مالک ہے اور صرف اسے ہی توسیع اور تسلط کا حق حاصل ہے لیکن آج ہم مختلف ثقافتوں کے تصادم کو بہتر طور پر سمجھ سکتے ہیں وہ اس لیے کہ اسلامی تہذیب تمام تہذیبوں کو اپنے اندر سموئے ہے۔ ساتویں صدی عیسوی میں اسلام برسر اقتدار آیا تو اس نے عرب میں اپنی برتری اور سربلندی کے جھنڈے گاڑ دیئے۔ ان دنوں ایران اور روم دو بڑی سلطنتیں تھیں۔ یہ عظیم سلطنتیں آندھی میں تنکوں کی طرح بکھر گئیں۔ اسلامی دنیا علم کی شمع سے منور ہوئی اور پوری عالم انسانیت کے لیے ایک عدیم المثال سورج کی شکل اختیار کر گئی۔

امتِ مسلمہ کو اپنی تاریخ کے طویل دور میں بہت سے واقعات اور حادثات سے واسطہ پڑا۔ دو سو سال تک یورپ اور امریکہ سے مسلسل صلیبی جنگیں ہوتی رہیں۔ سلطنت عثمانیہ کے خاتمے سے مسلمانوں کا رہا سہا دبدبہ اور اقتدار ختم ہو گیا اور اہل ہند سو سالوں تک انگریزوں سے لڑتے رہے اور پھر بتدریج کمزور ہوتے چلے گئے۔ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ کہیں بھی مسلمانوں کی حکومت قائم نہ رہی۔ حالانکہ جہاں تک مسلم تہذیب کا تعلق ہے تو اسے عہد ماضی میں ایک بڑے مسئلے کا سامنا کرنا۔ وہ مسئلہ ایک طرف تو یہ تھا کہ انسان کی تدریجی ترقی اور انقلاب میں کسی طرح توازن قائم کیا جائے اور دوسری طرف یہ کہ اسلامی فلسفے کے بنیادی عناصر کا اور خود اپنی فکری عملی کامیابیوں کا کس طرح سے تحفظ کیا جائے۔

تہذیب میں تحریر کے استعمال، شہروں کے وجود، سیاسی رود بدل اور پیشہ ورانہ تخصص کے علاوہ ہر طرح کے تکنیکی علوم بھی شامل ہوتے ہیں۔ ماضی میں اسلامی تہذیب و ثقافت انتہائی ترقی یافتہ ہو چکی تھی۔ نہ صرف زبان بلکہ یورپ کی ساری اقوام وضع قطع اور تمدن و معاشرت میں مسلمانوں کی نقل اتارنے کو فخر سمجھنے لگیں تھیں۔ آس پاس کے دوسرے ممالک مثلاً فرانس وغیرہ بھی اس کے اثر سے خالی نہ رہے۔ اس بنا پر مغربی مفکرین کو جن میں رابرٹ بریفالٹ کا نام بھی شامل ہے کہنا پڑا کہ یہ صرف سائنس ہی نہیں جس سے یورپ کے اندر زندگی کی ایک نئی لہر دوڑ گئی بلکہ اسلامی تہذیب و تمدن کے اور بھی متعدد گوناں گوں اثرات ہیں جن سے یورپ میں پہلے پہل زندگی نے آب و تاب حاصل کی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مغربی مفکرین کے ان خیالات سے پتہ چلتا ہے کہ یورپ تہذیب نے بھی اسلامی تہذیب کا اثر قبول کر لیا تھا لیکن مسلمانوں کے باہمی نفاق اور غیروں کی ریشہ دوانیوں اور عیسائی مشنریوں کی تبلیغ اور پیسے کی چمک نے مسلمانوں کو اپنی تہذیب سے دور کر دیا۔ کیونکہ اسلامی تہذیب میں علوم و آداب، فنون لطیفہ، صنائع بدائع، اطوار معاشرت، انداز تمدن اور طرز سیاست بنیادی افکار و عقائد اور اخلاقی تربیت کے علاوہ اجتماعی فائدے پر بڑا زور دیا گیا ہے۔

علم حاصل کرنے کے لیے یہ بھی کہا گیا کہ چین بھی جانا پڑ جائے تو جائیں یعنی حصول علم کے لیے دور دراز علاقوں میں بھی جایا جائے۔ اسی طرح فنون لطیفہ سیکھنے اور سائنسی، تکنیکی اور فنی ایجادات پر بھی اسلام کوئی قدغن نہیں لگاتا۔ اسلام سیاسی زندگی کو اختیار کرنے کی بھی مخالفت نہیں کرتا۔ اسلام کے اخلاقی پہلوؤں کو اپنانے پر بھی بڑا زور دیا گیا ہے۔

مسلمانوں نے اول اول صرف مغرب کی زبان اور وضع قطع اختیار کی اور سمجھا کہ ایمان اور اسلام کا تعلق تو صرف دل سے ہے۔ ظاہری وضع و تراش کو اس میں کیا دخل، لیکن تجربے نے یہ ثابت کیا کہ یہی ایک روتھی جو قلب و دماغ پر چھا گئی اور انگریزیت اور نصرانیت مسلمانوں کے دلوں کی تہہ میں بیٹھ گئی۔

اسی طرح اسلام نے صنف نازک کو اس بات کا پابند کیا کہ وہ اپنی چادر دے۔ اسلام سے دوری اور مغرب کی مادی زندگی کو قبول کرنے کی بڑی وجہ یہ ہے کہ مغرب کی صنعتی ترقی اور دولت نے مسلمانوں کو احساس کمتری میں مبتلا کر دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مغربی افکار ان کے اندر اتنے راسخ ہو گئے کہ اب ترقی و پیش رفت کے لیے اصول ہوں یا فروغ، اخلاق ہوں یا آداب یا قوانین، غرض دنیا کی ہر چیزیں مغرب کی تقلید واجب و لازم سمجھی جاتی ہے۔ مغرب سے آئی ہوئی ہر بات ان کے لیے اہمیت کی حامل ہوتی ہے۔ وہ ہر مغربی نظریے کو قبول کرنا حیات ابدی خیال کرتے ہیں اور مغرب کی پیروی ہی کو متمدن معاشرے کی بنیاد مانتے ہیں۔ مغرب کے پس صرف ان مسائل کا حل موجود ہے جو فکر و قیاس میں آتے ہی لیکن جو مسائل مغرب کے فکر و قیاس میں نہیں تے، ان کا حل ان کے پاس نہیں۔ آج کا انسان جن اہم ترین مسائل سے دوچار ہے ان کا حل صرف اسلامی تہذیب کو اپنا کر ہی تلاش کیا جا سکتا ہے۔

مغرب کے دلدادہ لوگوں کو اس بات کا بھی علم نہیں کہ اگر معاشرے میں اسلامی دستور نافذ ہو جائے تو صحت مند معاشرہ تشکیل پا سکتا ہے۔

2.3- کمیونزم کی ناکامی اور مسلم امہ

(کمیونزم سے مراد ایک ایسا معاشی نظام ہے جس میں ملکیت خصوصاً جائیداد غیر منقولہ اور صنعتی ادارے مشترکہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عوامی ملکیت سمجھے جاتے ہیں کا اس کا اردو مترادف اشتمالیت ہے۔ اشتمالیت ان معنوں میں خاصی قدیم ہے۔ بعض قدیم معاشرے مثلاً اہل میکسیکو اور قدیم جرمنی نوعیت کے اعتبار سے کمیونسٹ تھے اور افلاطون کی کتاب جمہوریت میں بھی اشتمالی معاشرے کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ سر ٹامس مور نے اپنی کتاب یوٹوپیا (Utopia) میں بھی اس کا خاکہ پیش کیا ہے مگر جن معنوں میں آج کل کمیونزم کا تصور قائم ہے اس کی ترویج 1848ء میں کارل مارکس کے اشتمالی منشور اور فریڈک اینگلیس کی تحریروں سے ہوئی۔ مزدوروں کی پہلی انٹرنیشنل انجمن فرانس کے قیام اور یورپ میں سوشل ڈیموکریٹک پارٹیوں کے عروج سے مارکسی اشتمالیت کو پھیلنے میں بڑی مدد ملی۔

1903ء میں اس وقت کمیونزم کے خدوخال زیادہ نمایاں ہوئے جب لینن کے زیر قیادت شدید اور فوری انقلاب پر زور دیا گیا جس کا مقصد سرمایہ داری کو ختم کر کے عالمگیر اشتمالی ریاست کا قیام تھا۔ 1917ء کے روسی انقلاب میں بالشویک برسر اقتدار آئے۔ لینن کی تحریک نے پہلی عالمی جنگ اور روسی اشتمالیوں کی تیسری انٹرنیشنل کانفرنس میں خوب زور پکڑا۔ لینن کے پیرو آئندہ عالمی انقلاب کے پیش نظر مزدور اتحاد کے داعی تھے۔ جس کا منتہائے مقصود مزدوروں کی حکومت اور ریاستی اشتمالیت کا قیام تھا تاکہ بالآخر غیر جماعتی اور غیر ریاستی عالمگیر اشتمالیت کا دور دورہ ان نظریات کی مخالفت بعض اوقات جمہوری ریاستوں میں اشتمالیوں کے قتل عام کی شکل میں ظاہر ہوئی۔ جس میں بعض مرتبہ اشتمالیوں کے علاوہ غیر اشتمالی حریت پسندوں کو بھی زک پہنچی۔ 1924ء میں لینن کی وفات کے بعد سٹالن اور ٹراٹسکی کے مابین اقتدار کی جنگ شروع ہوئی تو ٹراٹسکی کی جلاوطنی اور موت سٹالین کے لیے فتح مندی کا پیغام لائی۔ اس نے روس کو عالمی اشتمالیت کا نمونہ اور مرکز بنا کر پیش کیا۔ 1905ء میں دنیا دو ملکوں جمہوری نظام اور کمیونسٹ نظام میں تقسیم ہوگئی۔ کمیونسٹ نظام نے اگرچہ روس میں جنم لیا تھا لیکن یہ جلد ہی چین، ویت نام اور مشرقی یورپ (البانیہ، بلغاریہ، چیکوسلواکیہ، مشرقی جرمنی (اب جرمنی) یوگوسلاویہ، ہنگری، رومانیہ، پولینڈ کے علاوہ کئی اسلامی ممالک میں بھی پھیل گیا۔ یہ نظام تقریباً 75 برسوں پر محیط تھا۔

اشتراکی روس نے ایک طویل مدت تک اپنے نظریات برآمد کر کے سرمایہ دار اقوام کو خوف میں مبتلا رکھا اور ان کے اقتصادی مفادات پر کاری ضرب لگانے کے لیے مختلف ممالک میں اشتراکی جماعتوں کے ذریعے گوریلا اور تخریب کاری شروع کروادی۔ انہیں وسیع پیمانے پر اسلحہ فراہم کیا۔ اس کے ساتھ پروپیگنڈا محاذ پر شدت پیدا کرکے اور سرخ فوج کی تعداد بڑھا کر سرمایہ دار ممالک کو خوفزدہ کیا جس کے باعث وہ اس بات پر مجبور ہوگئے کہ اپنے وسائل فوجی قوت میں اضافہ کے لیے مختص کردیں۔ سرمایہ دار ممالک تعداد میں زیادہ تھے اور روس کے مقابلے میں ان کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سائنسی وصنعتی ترقی کے لیے مضبوط بنیاد موجود تھی۔ وہ اس تصادم کے باوجود اقتصادی طور پر مستحکم ہو گئے۔ امریکہ نے مشرق بعید میں ویت نام کی جنگ میں الجھ کر اپنے وسائل پر بوجھ ڈالا۔ وہاں سے پسپائی کے بعد اگرچہ امریکہ کو خفت اٹھانا پڑی اور روس نے عالمی سطح پر امریکہ کو مات دی لیکن ایسا کر کے امریکہ نے اپنے وسائل پر بوجھ کم کر لیا اور چند ہی برسوں میں کمی پوری کر کے ملک کو اقتصادی بدحالی کا شکار ہونے سے بچا لیا۔

روس کے صدر بورس یلسن کو اس نظام کے بارے میں بالآخر یہ کہنا پڑا کہ اس نظام کا تجربہ کسی چھوٹے سے ملک میں ہونا چاہیے تھا تاہم کمیونزم ایک متحرک معاشی نظام کی حیثیت سے دنیا میں مار کھا گیا۔ اقتصادی پہلو کے علاوہ اشتراکی نظام تعلیم بھی ناکام ہو گیا۔ کمیونسٹ نظام تعلیم میں اگرچہ کئی اچھے پہلو موجود تھے لیکن اس کے باوجود یہ کمیونزم کے نظریے کا محافظ نہ بن سکا کیونکہ یہ نظام خود اتنا کھوکھلا تھا کہ اس کے لیے سب کچھ قربان کرنے والوں کو بہت جلد پتہ چل گیا کہ ہم نے اپنے لیے خود آہنی پنجرہ تیار کر لیا ہے۔ یوں اس نظریاتی تعلیم کو چلانے کے لیے مطلوبہ افراد کار کی بجائے مخالف افراد کار میسر آئے جنہوں نے جہاں اسی نظام تعلیم سے اشتراکیت کے دشمن تیار کیے وہاں ایک عمومی سستی اور کاہلی کا ماحول پیدا کیا جس سے مسابقت ختم ہو گئی۔ اس طرح اقتصادی نظام کے ساتھ ساتھ تعلیمی نظام بھی ناکام ہو گیا۔

جہاں تک کمیونزم اور امت مسلمہ کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں سوویت یونین نے اس نظام کو اسلامی ممالک تک وسعت دینے کے لیے بھی کافی تگ ودو کی اور وہ خاصی حد تک اپنے مقصد میں کامیاب بھی ہو گیا۔ سوویت یونین نے اسلام کے خلاف داخلی اور خارجی سازشوں کا آغاز اس وقت کیا جب سوویت یونین نے کمیونزم نظام کو اپنایا بھی نہ تھا۔ سوویت یونین جو اس وقت روس کہلاتا تھا، 1710ء میں پہلی مرتبہ ترکی کے ساتھ جنگ میں الجھا۔ دوسری مرتبہ اس نے 1735ء میں ترکی پر حملہ کیا۔ 1791ء میں روس کی ملکہ کیتھرائن نے قلعہ اسماعیل پر قبضہ کر لیا۔ 1828ء میں روس ایک بار پھر ترکی پر حملہ آور ہوا اس مرتبہ اس نے اورنہ پر قبضہ کر لیا۔ بعد ازاں روس نے ایران پر قبضہ کرنا چاہا اور اس ضمن میں اس نے تودہ پارٹی کے نام سے وہاں کمیونسٹ پارٹی کی بنیاد رکھی۔ روس نے کردوں کی حکومت بھی تشکیل دی۔ 1955ء میں سوویت یونین نے مصر کی طرف رخ کیا۔ اس بار اس مقصد یہ تھا کہ عربوں کو کمزور کیا جائے اور وہاں بھی سازشوں کا جال پھیلا کر کمیونزم کی ترویج کی جائے۔ اس دوران سوویت یونین نے جنوبی یمن میں اپنے نظریات کا پرچار کرنے کے لیے 1952ء میں الہدیٰ کے نام سے ایک جریدہ شائع کرنے کا اہتمام کیا جس کے نتیجے میں بہت جلد سوویت یونین کو بحر احمر تک رسائی حاصل ہو گئی۔ 1979ء میں سوویت یونین نے افغانستان کے قدرتی وسائل سے کما حقہ استفادہ کرنے اور گرم پانیوں تک پہنچنے کے لیے افغانستان پر حملہ کر دیا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عراق میں کیمونسٹ پارٹی کا قیام بھی سوویت یونین کی سازشوں کا ایک حصہ تھا۔ 1953ء میں اسٹالن کی موت کے بعد البانیہ کی سیاست میں بڑی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ یہ تبدیلیاں سوویت یونین کی ترمیم پسندانہ پالیسیاں تھیں۔ سوویت یونین کی شہ پر انڈونیشیا میں بھی انڈونیشیا میں بھی کیمونسٹ پارٹی قائم ہوئی۔ اس نے 1926ء میں جاوا میں اور 1927ء میں مغربی سماٹرا میں بغاوت کر دی۔ 1971ء میں سوویت یونین نے بھارت کی فوجی اور اقتصادی امداد کر کے پاکستان کو دولخت کر دیا۔ اسی طرح وسط ایشیا کی اسلامی ریاستوں پر بھی روس نے تقریباً ستر سال تک اپنا تسلط قائم رکھا۔ 1971ء میں سوڈان میں کیمونسٹوں نے بغاوت کر دی جس کے نتیجے میں وہاں کیمونسٹ پارٹی کو غیر قانونی قرار دے دیا گیا۔ سینی گال میں بھی روس نے اپنا اثر ورسوخ بڑھا کر وہاں اشتراکی نظام قائم کر لیا۔ 1949ء میں کیمونسٹ عناصر نے شام میں مسلح افواج میں اپنا رسوخ بڑھا لیا۔ سوویت یونین کی کوششوں سے 1971ء میں لیبیا میں عرب سوشلسٹ پارٹی کا قیام عمل میں آیا۔ 1977ء میں لیبیا کو سوشلسٹ ملک قرار دے دیا گیا۔

2.4- نیو ورلڈ آرڈر اور مسلم دنیا

6 مارچ 1991ء کو وائس آف امریکہ نے اپنے مفادات کے حصول کے لیے نئے عالمی نظام کے خدوخال واضح کیے۔ ان میں اسلامی ممالک کے بارے میں بھی تفصیلات دی گئی تھیں۔ ذیل میں مختصراً ان کا خاکہ پیش کیا جا رہا ہے۔

1- ایران اور ترکی ان عرب ممالک سے مل کر کام کریں جو عراق کے خلاف اتحادیوں کی کارروائیوں کا ایک جزو رہے مثلاً خلیجی ممالک مصر، شام اور مراکش۔

2- ایک فوجی کو ہٹا کر دوسری فوجی طاقت کے سامنے نہ لایا جائے جیسا کہ ایران کے مقابلے میں عراق کو لایا گیا تا کہ محدود عسکری توازن قائم ہو اور کسی عرب ملک یا ترکی، ایران اور ایتھوپیا (اری ٹیریا) کو یہ موقع نہ ملے کہ وہ امن کے لیے چیلنج بن جائے اور امریکی مفادات کو نقصان پہنچانے کی ٹھانے۔

3- خلیجی ممالک میں عسکری دفاعی طاقت کا معیار بلند کرنے کے لیے لازمی بھرتی کا طریقہ رائج کیا جائے تا کہ یہ ممالک اپنے دفاع کے قابل ہو سکیں۔ نیز یہ خیال رکھا جائے کہ انہیں خلیجی ممالک کے پڑوسیوں کے م۔ا۔ پ نہ آنے دیا جائے وہ خلیجی ممالک پر حملہ آور ہو سکیں۔

4- عرب ممالک اور مسلم ممالک (پاکستان، انڈونیشیا اور نائجیریا) کے ساتھ غیر روایتی اسلحہ کی فروخت کی پالیسی اختیار نہ کی جائے تا کہ اس کے اثرات برآمد نہ ہوں جو عراق اور خلیجی ممالک کے بحران میں ہوئے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

5- علاقے کے ممالک کے ہاتھ روایتی اسلحہ بیچنا ضروری ہو تو یہ بات پیش نظر رہے کہ وہ اتنی مقدار میں نہ ہو کہ قومی امن کو خطرہ لاحق ہو جائے۔ اسلحہ بیچنے کے لیے مندرجہ ذیل طریقے اختیار کیے جا سکتے ہیں۔

(الف) کم حرکتی اسلحہ۔

(ب) پارٹس نامکمل ہوں۔

(ج) مغربی عسکری ماہرین (جن کا تعلق پانچ ممالک سے ہو) کی نگرانی میں رہے۔

(د) اسلحہ کی بعض قسمیں بیچی نہ جائیں بلکہ کرائے پر دی جائیں۔

6- مصر اور شام کو ملا کر ایک فوج تشکیل دی جائے۔ غیر عرب مملک مثلاً ایران، ترکی ایتھوپیا (اری ٹیریا) بھی اس میں کسی حد تک شامل ہوں۔ پاکستان اور کچھ افریقی ممالک کی شرکت کا امکان بھی سوچا جا سکتا ہے۔ یہ فوجی اتحادی افواج کی قائم مقام ہو۔

7- خلیج کی دولت کی تقسیم بھی ایک مسئلہ ہے۔

صدام حسین نے بحران کے دوران اسی مسئلے کو اٹھایا ہے۔ عرب عوام کے اندر یہ نعرہ مقبول ہوا ہے لہذا ایک تعمیراتی بینک قائم کیا جائے جس میں خلیجی ممالک اور مغربی ممالک امریکہ، برطانیہ اور فرانس شریک ہوں جو اس بینک کی بنیادی پالیسی وضع کریں اس بینک کی درج ذیل ذمہ داریاں ہوں۔

(الف) امن فورسز کی نگرانی۔

(ب) ان ممالک کے اندر تعمیراتی منصوبے کھولے جائیں جو اتحاد فوجی کے ساتھ شریک رہے ہیں، مثلاً شام، مصر یا وہ ممالک جو امن افواج کا زیادہ بوجھ اٹھائیں گئے۔

(ج) ان غیر عرب ممالک کے اندر بعض ترقیاتی منصوبے جاری کیے جائیں جو علاقے کے امن کے لیے بہت بڑا کردار ادا کریں مثلاً ایران، ترکی اور ایتھوپیا (اری ٹیریا)۔

(د) بعض دیگر عرب ممالک کی تعمیر اور مدد میں حصہ لیا جائے۔ یہ وہ عرب ممالک ہیں جن کا کوئی تشخص نہیں ہے۔ یمن، تیونس، سوڈان اور ان کمزور ملکوں کو جو مدد دی جائے اس کا طریقہ یوں ہو۔

☆ یہ مدد ان ملوں کی نچلی تعمیر کی مدد کے لیے نہ ہو۔

☆ اس مدد سے ان کے سیاسی فیصلوں پر اثر انداز ہوا جا سکے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

☆ یہ ایسے طریقے سے دی جائے کہ پروپیگنڈا کا ایک طوفان برپا ہو اور یہ دولت عوام تک پہنچنے یا کم از کم تقسیم دولت کا نظریہ ختم کیا جا سکے۔

-8 عرب ممالک کے اندر نظام ہائے حکومت تبدیل کیے جائیں مثلاً خلیجی ممالک۔

ان ملکوں میں ابھی تک پرانے روایتی طریقے سے حکومتیں قائم ہیں۔ یہ درست ہے کہ اس طرح کے نظام حکومت کا باقی رہنا امریکی مفاد میں ہے کیونکہ یہ حکومتیں ہمیشہ امریکی فیصلوں کو قبول کرتی رہی ہیں، مگر بایں ہمہ جمہوری حکمرانی کا لبادہ ضروری ہے اور یہ حکومت ان لوگوں کے ہاتھ میں ہو جو مغرب سے پڑھ کر آئے ہیں یا دوسرے لفظوں میں وہ مغرب میں پڑھنے کے قابل ہیں اور اپنے علاقے کی قیادت کے لیے وہ یورپ اور امریکہ کے تجربات پر غور کر سکتے ہیں۔ موجودہ نظام ہائے حکومت امریکی مفادات کی حفاظت پر قادر نہیں رہے۔ یہ کام ان ممالک کے باشندوں کے اندر عوامی شعور بھڑکائے بغیر کیا جائے۔ علاقے کے تہذیبی نقشے میں بھی کچھ تبدیلیاں لانا ضروری ہیں۔ اسی علاقہ میں تعلیم یافتہ لوگوں کی بہت بڑی تعداد پائی جاتی ہے لہٰذا قومی پیمانے کے منصوبے میں ان کو شریک کرنا لازمی ہے۔

2.4.1- دوسرے ممالک

(الف) شام کے عوامی دباؤ کو ایک حد کے اندر رکھنے میں حافظ الاسد کا کردار کسی حد تک پسندیدہ سمجھا جاتا ہے۔ اس نظام حکومت کو مدد دینی چاہیے لیکن یہ خیال رہے کہ حافظ حکومت کو کچھ نہ کچھ مقامی طور پر بھی اور عالمی پیمانے پر قانون کی حکمرانی کا رنگ اختیار کرنا چاہیے اور ساتھ ہی ساتھ بشار الاسد کو علاقے کے اندر خصوصی کردار ادا کرنے کا موقع بھی دیا جائے۔

(ب) حکومت مصر نے درست اور قابل قبول رویہ اختیار کیا ہے مگر یہ حکومت عوامی تحریک کو قابو میں نہیں رکھ سکتی، لہٰذا وہاں مناسب یہ ہے کہ اب کوئی نیا چہرہ لایا جائے۔ موجودہ حکومت نے خلیج کے بارے میں عوامی خواہش کے برعکس موقف اختیار کیا ہے اور اس سے لوگ برہم ہیں۔ آزادی رائے کو دبانے سے جو بحران پیدا ہوتا ہے اس کا علاج بھی ضروری ہے۔ جمال عبدالناصر اور انور سادات کے دور میں آزادی رائے کو دبانے سے الٹے نتائج پیدا ہوئے ہیں۔ اب وہاں جمہوریت کو سانس لینے کا موقع ملنا چاہیے تا کہ سب رنگ آزادی کے ساتھ اپنی سرگرمیاں جاری کریں۔ اسی طریقے سے مصر کے انتہا پسند مسلم بنیاد پرستوں (اخوان المسلمین) کو کچلا جا سکتا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امریکی رپورٹ میں مسئلہ فلسطین کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اس پر ایک الگ مفصل رپورٹ پیش کی جارہی ہے۔ جہاں تک اسلام کے روز افزوں بڑھتے ہوئے شعور اور اس کے فروغ کا تعلق ہے، اس سلسلے میں مندرجہ ذیل باتیں اختیار کی جائیں۔

(الف) فلسطین کی تحریک انتفاضہ (حماس) کو میڈیا میں زیادہ جگہ نہ دی جائے۔

(ب) مسلم عوام کو ایسے مسائل میں مشغول کر دیا جائے جو ان کی طاقت کو ختم کرتے ہیں، مثلاً عورت کے مسئلے پر محمد الغزالی جیسے لوگ نئی نئی بحثیں چھیڑیں۔

(ج) نمبر 8 میں خلیجی حکومتوں میں تبدیلی کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ حکومتیں اسلامی طرز حکومت سے ملتے جلتے سسٹم پر قائم ہے جسے بدلنا نہایت ضروری ہے۔

پیٹرول کے ملک اسلامی عناصر کے ساتھ مندرجہ ذیل معاملہ کریں۔

☆ نظام حکومت کی تبدیلی کے ساتھ بعض شرعی قوانین بھی ختم کر دیئے جائیں۔

☆ اسلام کے نمائندوں (مشائخ) کو ذرائع ابلاغ کی جگہ نہ دی جائے جس سے وہ عوام کے اندر اپنا اثر پیدا کرلیں۔

☆ حکومت کے حساس مناصب تک اسلامی عناصر کو نہ پہنچنے دیا جائے۔ خلیجی ممالک سے وہ عوام کے اندر اپنا اثر پیدا کرلیں۔

☆ کویت میں فلسطینی بڑے با اثر ہو گئے تھے اور پھر انہوں نے عراقیوں کی مدد کی۔ اسلام پسندوں کو تعلیمی اور ابلاغی وسائل تک رسائی ہونی چاہئے۔ اس طریقے سے اسلامی عناصر کو عوام الناس پر اثر انداز ہونے سے روکا جا سکتا ہے۔ مثلاً قطر میں یوسف القرضاوی اور عبدالعزیز عبدالستار بہت اثر ہو گئے ہیں۔ کویت میں بعض عراقی جنہوں نے کویتی شہریت اختیار کر لی تھی بڑے با اثر ہیں۔ یہ عراقی اسلامی تحریک کے درجہ اول کے لیڈر تھے۔ سعودی عرب میں شیخ مناع العقان بھی بڑے آگے بڑھے ہوئے ہیں۔

☆ اسلام پسندوں کو رفاہی اور اصلاحی اداروں میں کام نہ کرنے دیا جائے۔ یہ ادارے اسلام پسندوں کو اپنے اندر لے لیتے ہیں اور پھر دوسرے ملکوں میں جا کر اسلامی سرگرمیوں میں بھی اضافہ کرتے ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

☆ اس بات پر زور دیا جائے کہ خلیج میں عرب اور مسلمان مزدور نہ ہوں۔ مزدور فلپائن، سری لنکا اور تھائی لینڈ سے لیے جائیں۔ ان ممالک میں غیر مسلم رہتے ہیں اور معاشرے کو کھوکھلا کرنے میں ممد و معاون بنتے ہیں۔ نیز خلیجی باشندے بھی انہیں پسند کرتے ہیں۔ اگر کسی اور ملک سے مزدور لینا ہوں تو بہر حال پاکستان اور بنگلہ دیش کے نہ ہوں دوسرے غیر اسلامی ممالک سے دیکھ لیے جائیں۔

☆ ٹی وی اور ریڈیو پروگراموں کا دائرہ وسیع کیا جائے جو تمام علاقے پر محیط ہو۔ نیز علاقے کے نظام تعلیم کے اندر ثقافت عکاس ابلاغی پروگرام بدل دیئے جائیں۔

2.5 -اہم نکات

(1) اسلام دین فطرت ہے۔

(2) اس وقت دنیا میں مسلم ممالک کی تعداد 56 ہے۔

(3) مسلمانوں کا اپنی انفرادیت برقرار رکھنے کا عزم کسی لحاظ سے بھی دوسرے مذاہب یا نظریات سے تعاون کرنے میں کبھی حائل نہیں رہا۔

(4) اسلام سے دوری اور مغرب کی مادی زندگی کو قبول کرنے کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ مغرب کی صنعتی ترقی اور دولت نے مسلمانوں کو احساس کمتری میں مبتلا کر دیا ہے۔

(5) مغرب کے دلدادہ اس بات سے لاعلم ہیں کہ اسلامی دستور نافذ کرنے سے صحت مند معاشرہ تشکیل پا سکتا ہے۔

(6) کمیونزم سے مراد ایسا معاشی نظام ہے جس میں ملکیت خصوصاً جائیداد غیر منقولہ اور صنفی ادارے مشترکہ عوامی ملکیت سمجھے جاتے ہیں۔

(7) 1903ء میں کمیونزم کے خدوخال زیادہ نمایاں ہوئے۔

(8) سوویت یونین کو کمزور کرنے اور کمیونزم کی عمارت کو پاش پاش کرنے میں امریکہ نے اہم کردار ادا کیا۔

(9) عراق میں کمیونسٹ پارٹی کا قیام بھی سوویت یونین کی سازش کا ایک حصہ تھا۔

(10) 1971ء میں لیبیا میں عرب سوشلسٹ پارٹی کا قیام عمل میں آیا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

2.6- خود آزمائی نمبر 2

سوال نمبر 1- اسلامی ممالک کئی فکری مسائل سے دوچار ہیں جن سے ملت اسلامیہ بری طرح متاثر ہوئی ہے اپنے الفاظ میں بحث کریں۔

(1) اسلام اپنے ظہور کے بعد.................صدی میں بہت تیزی سے پھیلا۔

(2) مسلمان تقریباً.................تک دنیا کے ایک بڑے خطے پر حکومت کرتے رہے۔

(3) ترکی میں.................کا خاتمہ بھی مسلمانوں کے زوال کا باعث بنا۔

(4) یورپ اور امریکہ سے مسلسل صلیبی جنگیں.................سوسال تک جاری رہیں۔

(5) 1710ء میں سوویت یونین پہلی مرتبہ.................کے ساتھ جنگ میں الجھا۔

سوال نمبر 2- اسلامی ممالک کئی فکری مسائل سے دوچار ہیں جن سے ملت اسلامیہ بری طرح متاثر ہوئی ہے اپنے الفاظ میں بحث کریں۔

سوال نمبر 3- فکری اسلامی اور لادینی نظریات کے تصادم کا اپنے الفاظ میں خلاصہ بیان کریں۔

سوال نمبر 4- نئے عالمی نظام (نیو ورلڈ آرڈر) کی ان شقوں پر بحث کریں جن سے مستقبل میں ملت اسلامیہ کی سلامتی اور خودمختاری خطرے میں پڑ جانے کا امکان ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

3- مسئلہ کشمیر

3.1- تعارف

کشمیر موجودہ پاکستان کی ثقافت، تہذیب اور روایات کا حصہ رہا ہے۔ کشمیر کا زمینی تعلق بھی چار حوالوں سے شمال میں مری اور ایبٹ آباد اور مشرق میں سیالکوٹ اور پٹھان کوٹ کے ذریعے پاکستان سے منسلک ہے۔ اس خطہ کی آبادی گزشتہ چھ صدیوں سے مسلمان چلی آ رہی ہے۔ پاکستان کے تمام بڑے دریا جن کی گزرگاہ پنجاب ہے بھارت کے ساتھ کشمیر کی سرحد کی لمبائی پچاس میل ہے جب کہ پاکستان کے ساتھ اس کی سرحد 384 میل لمبی ہے اس کے جنوب اور مغرب میں پاکستان، شمالی میں چین اور روس مشرق میں تبت اور جنوب مشرق میں بھارت واقع ہے۔ اس کا رقبہ 84,000 مربع میل اور آبادی ایک کروڑ سے زائد نفوس پر مشتمل ہے۔ کشمیر کا مسئلہ ریڈکلف کے اس ایوارڈ سے پیدا ہوا تھا جس کے تحت گورداسپور کا مسلم اکثریت کا علاقہ بھارت کے حوالے کر دیا گیا۔

3.2- تاریخ پس منظر

14 اگست 1947ء کو جب پاکستان کی آزادانہ خود مختار مملکت کا قیام عمل میں آیا تو انڈی پینڈنس ایکٹ کی دفعہ نمبر 7 کی رو سے تمام ہندوستانی ریاستوں پر جن کی تعداد 562 تھی، تاج برطانیہ کا راج ختم ہو گیا اور مذکورہ ریاستوں کے متعلق تمام معاہدے اور سمجھوتے بھی اسی روز ختم ہو گئے۔ بالفاظ دیگر ہر ریاست کو یہ حق دیا گیا کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق بھارت یا پاکستان سے الحاق کرے، تاہم گورنر جنرل لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے مذکورہ ریاستوں کے حکمرانوں کو مشورہ دیا کہ وہ الحاق کرتے وقت آبادی کے فرقہ وارانہ تناسب عوام کی خواہشات اور متعلقہ ریاست کے جغرافیائی محل وقوع کو بھی مدنظر رکھیں۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے ان سے یہ بھی کہا کہ وہ اپنی ہمسایہ مملکت سے بالکل اسی طرح دامن نہیں چھڑا سکتے جیسے کے وہ اپنی رعایا سے دامن نہیں چھڑا سکتے۔ تین روز بعد ریاست جوناگڑھ حیدر آباد اور ریاست کشمیر کے الحاق کے متعلق دونوں ممالک میں جھگڑا ہو گیا۔ ریاست جوناگڑھ کی آباد میں ہندوؤں کی اکثریت تھی لیکن وہاں کے نواب نے پاکستان کے ساتھ الحاق کر لیا، بھارتی حکومت نے شدید احتجاج کیا اور اسے بھارتی علاقے اور بھارت کی خود مختاری میں بے جا مداخلت قرار دے دیا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھارت کا نقطہ نظر یہ تھا کہ برطانوی بالادستی ختم ہونے رہندوستانی ریاستوں میں اقتدار اعلیٰ وہاں کے عوام کو حاصل ہوگیا ہے اوران حکمرانوں کوعوام کی طرف سے بولنے کا اختیار نہیں ہے۔ چنانچہ اسی دعوے کے تحت بھارت نے جوناگڑھ میں اپنی فوج بھیج کرزبردستی قبضہ کرلیا۔ ریاست حیدرآباد کی پوزیشن اس سے مختلف تھی۔ نظام حیدرآباد کی خود مختار حیثیت قائم تھی۔

نظام حیدرآباد مسئلے کوحل کرنے کی خاطر رائے شماری تک کرانے کے لیے تیار تھا لیکن بھارت نے نظام دکن کو ایسا کرنے کی مہلت نہ دی اوراس کی فوجوں نے جمہوریت کے تمام اصولوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے ستمبر 1948ء میں اس پر قبضہ کرلیا۔

جہاں تک ریاست کشمیر کا تعلق ہے، اس کی پوزیشن بالکل واضح تھی۔ یعنی وہاں کا حکمران، ہندو تھا۔ لیکن تقریباً 80 فیصد آبادی مسلمانوں پر مشتمل تھی۔ ریاست کا علاقہ پاکستان سے ملا ہوا ہے اور سیاسی اقتصادی، جغرافیائی اور دیگر تقاضوں کے مطابق اسے پاکستان سے ملحق ہوجانا چاہیے تھا۔

مہاراجہ کشمیر نے حکومت پاکستان سے معاہدہ کرلیا جس کے مطابق حکومت پاکستان نے ریاست جموں وکشمیر کے متعلق وہ تمام فرائض اور ذمہ داریاں سنبھال لیں جو آزادی سے قبل حکومت ہند کے ذمہ تھیں۔ لیکن بعد کے واقعات سے پتہ چلا کہ یہ محض مہاراجہ کی چال تھی۔ مہاراجہ کا اصل مقصد اپنی رعایا کی خواہشات کے خلاف ریاست کا بھارت سے الحاق تھا اوراسی مقصد کے حصول میں وہ تمام بھارتی رہنما بشمول پنڈت نہرو اور مسٹر گاندھی درپردہ اس کی مدد کررہے تھے۔ کشمیر کے عوام کو جب مہاراجہ کے اس منصوبے کا علم ہوا تو انہوں نے آزادی کے لیے تحریک شروع کردی۔ ڈوگرہ فوج نے اس تحریک کو دبانے کی کوشش کی اوراس کوشش میں اس نے ہر جائز و ناجائز حربہ بھی استعمال کیا۔ مہاراجہ خود اس مہم کی قیادت کررہا تھا۔ چنانچہ عوام نے سردھڑ کی بازی لگا کر مہاراجہ کی افواج کوشکست دے کراسے منتشر کردیا اور آزاد کردہ علاقے کا نظم ونسق 24 اکتوبر 1947ء کو خود سنبھال لیا اورنئی حکومت کا نام آزاد کشمیر رکھا۔ سردار ابراہیم اس کے پہلے صدر بنے۔ 26 اکتوبر 1947ء کومہاراجہ وادی کشمیر سے بھاگ کھڑا ہوا اوراس نے جموں میں پناہ لے لی۔

جموں سے مہاراجہ نے گورنر جنرل ماؤنٹ بیٹن کو خط لکھا جس میں اس نے بھارتی افواج کی اعانت طلب کی اور لکھا کہ چونکہ آئینی طور پر بھارت اس وقت کشمیر میں اپنی فوجیں داخل نہیں کرسکتا جب تک ریاست کشمیر باقاعدہ طور پر بھارت کے ساتھ ملحق نہ ہو۔ چنانچہ وہ بھارت کے ساتھ الحاق کی پیش کش کرتا ہے۔ لہٰذا 27 اکتوبر 1947ء کو بھارت نے اپنی فوج مقبوضہ کشمیر میں بھیج دیں اوراس طرح بھارت کشمیر کے 3/4 حصے پر قابض ہونے میں کامیاب ہوگیا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یکم جنوری 1948ء کو بھارت نے مستغیث کے طور پر سلامتی کونسل میں یہ مسئلہ پیش کیا۔ 16 جنوری 1948ء کو پاکستان نے بھی رجوع کر لیا۔ سلامتی کونسل نے فریقین کی شکایات پر غور کرنے کے بعد اپیل کی کہ وہ کسی ایسے اقدام سے گریز کریں، جس کے باعث صورت حال مزید بگڑ جائے لیکن کسی بھی فیصلے پر پہنچنے سے پہلے ہی بھارت نے ریاست پر قبضہ کر لیا تھا۔ مئی 1948ء میں حکومت پاکستان بھی اپنی افواج کشمیر میں بھیجنے پر مجبور ہو گئی۔ سلامتی کونسل نے اپنے فیصلے میں لکھا کہ ریاست کے الحاق کا فیصلہ آزادانہ اور غیر جانبدارانہ استصواب رائے کے ذریعے ہوگا۔ چنانچہ ریاست میں امن و امان قائم کرنے اور رائے شماری کے انتظامات کے لیے سلامتی کونسل نے ایک کمیشن قائم کیا جسے اقوام متحدہ کا کمیشن برائے ہندو پاک کا نام دیا گیا۔ کمیشن نے طرفین سے طویل تبادلہ خیالات کیا اور بعد میں انہیں جنگ بندی پر آمادہ کر لیا۔

یکم جنوری 1949ء کو ریاست میں جنگ بند ہوگئی اور بھارت اور پاکستان کی حکومتوں کی رضا مندی سے ایڈمرل نمٹز کو ناظم رائے شماری مقرر کیا گیا۔ سات ماہ بعد 27 جولائی 1949ء کو خط متارکہ جنگ کا تعین بھی کر دیا گیا لیکن بھارتی حکومت کے مسلسل انکار کی وجہ سے یہ عارضی سمجھوتہ بھی کامیاب نہ ہو سکا، حالانکہ بھارت کو اپنے وعدے پورے کرنے پر مائل کرنے کے لیے بھرپور کوششیں کی گئی تھیں۔

اس دوران مارچ 1949ء میں اقوام متحدہ کے کمیشن برائے ہندو پاک نے بھارتی اور پاکستانی نمائندوں کی ایک مشترکہ کمیٹی کا اجلاس طلب کیا جس میں اس بات پر اتفاق کیا گیا کہ ریاست سے فوجوں کے انخلاء کے متعلق بھارت اور پاکستان اپنی اپنی تجاویز پیش کریں۔ بھارت نے پہلے تو مزید مہلت مانگی لیکن پھر فیصلہ پر عمل درآمد کرنے سے انکار کر دیا۔ لہٰذا کمیشن نے مذکورہ تجویز پیش کی کہ اقوام متحدہ کی 13 اگست 1948ء اور 5 جنوری 1949ء کی قراردادوں کی توضیح کے سلسلے میں پیدا شدہ اختلافات کو ناظم رائے شماری ایڈمرل نمٹز کے سامنے ثالثی کے لیے پیش کر دیا جائے۔

دسمبر 1949ء میں سلامتی کونسل کے اس وقت کے صدر جنرل میکناٹن نے ریاست جموں و کشمیر سے فوجوں کے انخلاء کے متعلق کچھ تجاویز مرتب کیں۔ لیکن پاکستان نے ان تجاویز کو منظور جب کہ بھارت نے مسترد کر دیا۔ جنوری 1951ء میں دولت مشترکہ کے وزرائے اعظم نے ریاست میں آزادانہ غیر جانبدارانہ فوجی امداد کے حصول، پاکستان کی معاہدہ بغداد اور جنوب مشرقی ایشیا کی رکنیت نے تنازع کشمیر کا سیاسی پس منظر بدل دیا۔

اپریل 1956ء میں پاکستان کی قومی اسمبلی میں مسئلہ کشمیر پر عام بحث ہوئی اور بھارت کی بڑھتی ہوئی ہٹ دھرمی کے پیش نظر پاکستان کے وزیراعظم نے اعلان کیا کہ اب براہ راست گفت و شنید کے ذریعے تنازع کشمیر کے طے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہونے کا کوئی امکان نہیں رہا لہٰذا پاکستان دوبارہ اسے سلامتی کونسل میں پیش کرے گا۔ تاہم وزیراعظم پاکستان جولائی 1956ء میں پنڈت نہرو سے لندن میں ملے۔ لیکن پنڈت نہرو نے اس مسئلہ کو حل کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ نومبر 1956ء میں سلامتی کونسل کے صدر سے درخواست کی گئی کہ وہ مسئلہ کشمیر پر بحث کے لیے کوئی تاریخ مقرر کریں، جس کے مطابق 16 جنوری 1957ء سے 21 فروری 1957ء تک یہ مسئلہ سلامتی کونسل میں زیر بحث رہا اور اس ضمن میں دو قرار دادیں بھی منظور کی گئیں ایک قرار داد میں ریاست کو غیر فوجی علاقہ قرار دینے کا فیصلہ کیا گیا تھا اور دوسری قرار داد میں ریاست میں رائے شماری کا ذکر کیا گیا تھا۔ روسی نمائندے کی طرف سے کشمیر میں رائے شماری کی شدید مخالفت کی گئی۔ فروری 1957ء میں سلامتی کونسل کی چار طاقتی قرار داد کو روس نے ویٹو کر دیا۔

ستمبر 1957ء میں پھر یہ مسئلہ اقوام متحدہ کے زیر بحث آیا اور ڈاکٹر گراہم کو دونوں حکومتوں سے بات چیت کے لیے کہا گیا۔ اپریل 1958ء میں ڈاکٹر گراہم نے سلامتی کونسل سے کہا کہ پاکستان نے ان کی تجاویز کو عملی جامہ پہنانے کو کہا ہے جبکہ بھارت نے انکار کر دیا ہے۔ 2 دسمبر 1957ء کی اقوام متحدہ کی قرار داد کی روشنی میں 12 جنوری 1958ء کو اقوام متحدہ کے نمائندے برائے ہندو پاکستان ڈاکٹر فرینک گراہم نئی دہلی پہنچے تو ان کی آمد پر سیاہ جھنڈیوں کا مظاہرہ کیا گیا اور ''گراہم واپس جاؤ...... کشمیر ہندوستان کا ہے'' کے نعرے لگائے گئے۔ 17 جنوری 1958ء کو ڈاکٹر گراہم نے صدر پاکستان میجر جنرل سکندر مرزا سے کراچی میں تنازع کشمیر پر ابتدائی بات چیت کی۔ 18 جنوری 1958ء کو ڈاکٹر گراہم نے وزیراعظم فیروز خان نون سے مسئلہ کشمیر پر باضابطہ مذاکرات کیے۔ 24 جنوری 1958ء کو ڈاکٹر گراہم اور وزیراعظم فیروز خان نون کے درمیان مسئلہ کشمیر پر پھر دوسرا دور ہوا۔ اس دوران شیخ عبداللہ کو ساڑھے چار سال کے بعد جیل سے رہا کر دیا گیا لیکن اپریل 1958ء میں انہیں پھر گرفتار کر لیا گیا۔

رائے شماری کرانے کے لیے فوجوں کے انخلاء کا فیصلہ کرانے کا کی خاطر اپنی خدمات پیش کیں۔ انہوں نے فریقین کی افواج کی جگہ لینے کے لیے مندرجہ ذیل تین تجاویز پیش کیں۔

(الف) دولت مشترکہ کی فوج جو کہ آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ مہیا کریں۔

(ب) بھارت اور پاکستان کی مشترکہ فوج تیار کی جائے۔

(ج) مقامی باشندوں پر مشتمل فوج جسے ناظم رائے شماری تیار کرے۔

پاکستان نے حسب معمول تینوں تجاویز کو منظور کر لیا مگر بھارت نے صاف انکار کر دیا۔ پھر ڈاکٹر فرینک گراہم کی سفارش پر دونوں ملکوں کے وزرائے اعظم نے براہ راست گفت وشنید کر کے ریاست سے فوجیں نکالنے کے لیے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ماہرین پر مشتمل کمیٹیاں تشکیل دیں۔ اس وقت یہ امید بندھ گئی تھی کہ مسئلہ کشمیر حل ہو جائے گا لیکن اچانک پنڈت نہرو کے اس بیان نے کہ پاکستان امریکہ سے فوجی امداد حاصل کر رہا ہے، مسئلے کو کھٹائی میں ڈال دیا اور اس طرح گفت وشنید کا دروازہ بھی بند ہو گیا۔ بھارتی رہنماؤں نے یہ کہنا بھی شروع کر دیا کہ بھارتی آئین کی رو سے بھارتی حکومت ریاستی حکومتوں کے بغیر مشورہ کیے تنازعہ کشمیر کے متعلق کوئی ایسا فیصلہ کرنے کی مجاز نہیں۔ صدر ایوب خان نے اقتدار سنبھالنے کے بعد پھر اس مسئلے کو زندہ کرنے کی کوشش کی۔ اس ضمن میں انہوں نے جنوری 1962ء میں سلامتی کونسل کا اجلاس بلانے کا مطالبہ کیا۔ یکم فروری 1962ء کو یہ اجلاس منعقد ہوا لیکن جو قرارداد پیش کی گئی اس پر روس نے ویٹو کر دیا۔ 16 جنوری 1963ء کو تنازع کشمیر کے تصفیے کے لیے نئی دہلی میں بین المملکتی مذاکرات کا دوسرا دور ہوا۔ جس کے نتیجے میں بھارت نے کشمیر کو تقسیم کرنے کی تجویز پیش کی۔ وفد کے قائد مسٹر ذوالفقار علی بھٹو نے کہا کہ مسئلہ کشمیر کے تصفیے کے لیے صحیح صورت جموں وکشمیر میں رائے شماری ہے۔ اس سے اگلے روز پاکستان نے کشمیر کی تقسیم کا منصوبہ مسترد کر دیا۔

10 اگست 1965ء کو اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل مسٹر اوتھان نے کشمیر کی صورت حال کو تشویش ناک قرار دیا۔ 11 اگست 1965ء کو صدائے کشمیر ریڈیو نے اعلان کیا کہ مجاہدین آزادی نے سری نگر سے تیس میل دور بارہ مولا کے قریب بھارتی فوج کی ایک پوری بٹالین کا صفایا کر دیا ہے اور اسی علاقے میں ایک بریگیڈ ہیڈ کوارٹر پر حملہ کر کے 40 بھارتی فوجیوں کو ہلاک اور تین سو کو زخمی کر دیا۔ مجاہدین نے نوشہرہ اور کارگل کے علاقوں میں ایک درجن کے قریب پل بھی اڑا دیئے۔ جن کی تباہی سے مختلف علاقوں کا مواصلاتی رابطہ منقطع ہو گیا۔ وادی کے مختلف مقامات پر بھارتی فوج اور مجاہدین کے مابین سخت جھڑپیں ہوئیں۔

انقلابی کونسل نے اعلان کیا کہ اقوام متحدہ کی اس بے عملی اور بے حسی سے تنگ آ کر اب ہم نے آزادی کی جنگ شروع کی۔ صدائے کشمیر ریڈیو نے پاکستان پر بھی نکتہ چینی کی اور کہا کہ ہمیں پاکستان کی وکالت کی ضرورت نہیں۔ ہمیں ایسے وعدوں سے کوئی دلچسپی نہیں۔ 11 اگست 1965ء کو بھارتی وزیر اعظم نے کشمیر کی تشویش ناک صورت حال کے پیش نظر ایک ہنگامی اجلاس بلایا۔ اس میں مقبوضہ کشمیر میں حریت پسندوں کی سرگرمیوں پر قابو پانے کے لیے ہر پہلو پر غور کیا گیا۔

13 اگست 1965ء کو حریت پسندوں نے سری نگر کے ہوائی اڈے اور ریڈیو اسٹیشن پر قبضہ کرنے کے لیے ایک اور بھرپور حملہ کیا جس میں چار بھارتی فوجی شدید زخمی ہوئے۔ اسی روز بھارتی وزیر اعظم لال بہادر شاستری نے پاکستان کو دھمکی دی کہ طاقت کا جواب طاقت سے دیا جائے گا۔ 14 اگست 1965ء کو بھارتی فوجوں نے آزاد کشمیر میں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

داخل ہو کر کارگل کی تین چوکیوں پر زبردستی قبضہ کر لیا اور اس طرح بھارت نے طاقت کے استعمال کی دھمکی کو پورا کر دیا۔

15 اگست 1965ء کو بھارتی فوجوں نے اپنی پے در پے شکستوں کا بدلہ لینے کے لیے کشمیری مسلمانوں کا قتل عام شروع کر دیا۔ بھارتی فوج نے لکڑی کے تین سو مکانوں کو نذر آتش کر دیا۔ 17 اگست 1965ء کو آزاد کشمیر کی اسٹیٹ کونسل کے ایک اجلاس میں ایک قرارداد منظور کی گئی کہ جس میں حکومت پاکستان سے مطالبہ کیا گیا تھا کہ وہ تنگ بندی لائن کے معاہدے کے متعلق اپنے موقف کو تبدیل کرے اور کشمیری عوام کو اس نازک اور فیصلہ کن مرحلہ پر اپنا لائحہ عمل خود طے کرنے کی چھوٹ دے دے۔

21 اگست کو مجاہدین نے ضلع بارہ مولا پر اور 23 اگست کو مسلسل دو روز کی خونریز جنگ کے بعد چھمب پر قبضہ کر لیا۔ 24 اگست کو بھارتی افواج نے کشمیر میں شکست کا بدلہ لینے کے لیے پاکستان کے ایک سرحدی گاؤں اعوان شریف پر اچانک حملہ کر کے شدید مالی اور جانی نقصان پہنچایا۔ بھارتی فوج نے اس حملہ میں بھاری توپیں استعمال کیں۔ 24 اگست 1965ء کو روس نے پاکستان اور بھارت کی حکومت سے کہا کہ وہ دونوں ملکوں کے مابین مصالحتی کردار ادا کرنے کو تیار ہے۔ مجاہدین اور بھارتی افواج کے درمیان یہ جنگ 28 اگست 1965ء تک جاری رہی۔ بعد ازاں 30 اگست کو ٹیٹوال سیکٹر میں پیر سوہادہ پر قبضہ کرنے کے لیے بھارتی فوج نے حملہ کر دیا مگر منہ کی کھائی۔ پھر جنگ کا دائرہ کار بڑھا دیا گیا۔ یکم ستمبر 1965ء کو پاکستان کی افواج نے آزاد کشمیر کی افواج کو بھرپور مدد دے کر چھمب اور دیوا پر قبضہ کر لیا۔ 5 ستمبر تک پاک فوج اکھنور کے نواح میں پہنچ گئی تھی کہ بھارت نے اس محاذ سے توجہ ہٹانے کے لیے 6 ستمبر 1965ء کو لاہور پر حملہ کر دیا اور 22 ستمبر 1965ء تک دونوں ملکوں کے مابین جنگ جاری رہی۔ 13 ستمبر 1965ء کو صدر ایوب نے نیویارک میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی سے خطاب کرتے ہوئے بھارت سے کہا کہ وہ کشمیر کے عوام کو اپنے مستقبل کا فیصلہ کرنے کا حق دے اور پاکستان کے ساتھ اپنے تنازعات کا تصفیہ کرے۔ 1965ء کی پاک بھارت جنگ کے بعد روس کی دعوت پر 4 جنوری 1966ء سے تاشقند میں پاکستان اور بھارت کے سربراہوں کا اجلاس روسی وزیر اعظم مسٹر کوسیگن کی موجودگی میں ہوا جو چھ روز تک جاری رہا اور جس کے نتیجے میں نو نکات پر مشتمل معاہدہ تاشقند 10 جنوری 1966ء کو طے پایا۔ اس معاہدہ میں دونوں ممالک نے اس امر پر اتفاق کیا تھا کہ مسئلہ کشمیر پرامن مذاکرات کے ذریعے حل تلاش کیا جائے گا۔

معاہدہ تاشقند اور بھارت کے درمیان دو روزہ وزارتی کانفرنس کے نتیجے میں یہ امید بندھ گئی کہ اب یہ مسئلہ پرامن طریقے سے حل ہو جائے گا لیکن 1971ء کی پاک بھارت جنگ کی وجہ سے یہ مسئلہ پھر کھٹائی میں پڑ گیا۔ جنگ کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نتیجے میں پاکستان نے پھر چھمب پر قبضہ کر لیا۔ تاہم 1972ء میں معاہدہ شملہ میں طے پایا کہ بھارت اور پاکستان جموں و کشمیر کے تنازعے کا دائمی حل تلاش کرنے کے لیے طاقت کا استعمال کرنے کی بجائے بات چیت کے ذریعے کسی تصفیے پر پہنچنے کی کوشش کریں گے۔ 25 اکتوبر 1978ء کو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے ایک ماہرانہ جائزہ میں جموں وکشمیر کو دنیا کے ان چودہ علاقوں میں شامل کر لیا جن کے عوام طویل عرصہ گزر جانے کے باوجود حق خود ارادیت سے محروم تھے۔ بھارتی نمائندے نے کہا کہ جموں وکشمیر کا فہرست میں شامل کرنا درست نہیں کیونکہ کشمیر بھارت کا لازمی جزو ہے اور قانونی، آئینی اور سیاسی طور پر بھارت میں شامل ہے۔ 6 دسمبر 1978ء کو بھارت کے وزیر خارجہ مسٹر واجپائی نے دھمکی دی کہ پاکستان کشمیر میں حق خود ارادیت کا مطالبہ کر کے آگ سے کھیل رہا ہے۔

جولائی 1985ء میں صدر ضیاء الحق نے کشمیر کو پاکستان کی شہ رگ قرار دیا۔ دریں اثناء 16 جولائی 1989ء کو جب بھارت کے وزیر مسٹر راجیو گاندھی پاکستان کے دورے پر آئے تو انہوں نے کہا کہ یہ مسئلہ استصواب رائے کے ذریعے سے نہیں شملہ معاہدے کے تحت حل کیا جائے گا۔ 21 نومبر 1990ء کو مالے (مالدیپ) میں پانچویں سارک سربراہ کانفرنس میں وزیراعظم میاں محمد نواز شریف اور بھارت کے وزیراعظم مسٹر چندر شیکھر نے مسئلہ کشمیر پر مذاکرات کرنے کے لیے آمادگی کا اظہار کیا۔ 22-23 اگست 1992ء کو پاکستان کے دارالحکومت اسلام آباد میں منعقدہ پہلی بین الاقوامی اسلامی سکالر کانفرنس نے اہل کشمیر کے ساتھ مکمل یک جہتی کا اظہار کیا گیا۔ یکم ستمبر 1992ء کو جکارتہ میں غیر جانبدار ملکوں کے سربراہ اجلاس میں وزیراعظم محمد نواز شریف کی جانب سے کشمیر کا معاملہ اٹھانے پر بھارت نے سخت احتجاج کیا اور اسے بھارت کے اندرونی معاملات میں بے جا مداخلت قرار دیا۔ 2 ستمبر کو وزیراعظم نے جکارتہ میں اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل کو مقبوضہ کشمیر کی تشویش ناک صورت حال سے آگاہ کیا۔ 3 ستمبر 1992ء کو وزیراعظم پاکستان نے بھارتی وزیراعظم نرسمہا راؤ سے کہا کہ وہ مسئلہ کشمیر کو حل کریں۔

4 جنوری 1993ء کو قومی اسمبلی میں امور خارجہ کے وزیر مملکت محمد صدیق خان کانجو نے کہا کہ پاکستان کسی حلقے کی دھمکی یا دباؤ کی پروا کیے بغیر کشمیر جدوجہد کی اخلاقی، سفارتی اور سیاسی حمایت جاری رکھے گا۔ 19 جنوری 1993ء کو امریکی محکمہ خارجہ نے کہا کہ امریکہ کشمیر کو ایک متنازعہ اور مقبوضہ علاقہ تسلیم کرتا ہے اور اسے وہ بھارت کا حصہ نہیں سمجھتا۔ اس بیان پر قائم ہیں کہ امریکہ کو پاکستان کی جانب سے سکھوں اور کشمیریوں کی مدد کی اطلاعات پر تشویش ہے کیونکہ وہ دہشت گردی کرتے ہیں۔ روس کے صدر مسٹر بورس یلسن نے دورہ بھارت کے دوران 28 جنوری 1993ء کو کہا کہ کشمیر بھارت کا اٹوٹ انگ ہے۔ روس مسئلہ کشمیر کے حل کا خواہاں ہے تاکہ بھارت کی جغرافیائی یکجہتی کو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یقینی بنایا جا سکے۔ بھارت کو دفاعی ساز و سامان بھی دیا جائے گا اور اسلحہ کی ٹیکنالوجی بھی۔

اگست 1993ء میں نگران وزیر اعظم مسٹر معین قریشی نے بھارت اور پاکستان کے درمیان کشمیر میں موجودہ کنٹرول لائن کی بنیاد پر تنازع کے حل کے امکان کو مسترد کر دیا۔ 17 جون 1993ء کو جب پاکستانی وفد کی لیڈر بیگم نصرت بھٹو نے ویانا میں کشمیر میں بھارتی مظالم سے پردہ اٹھایا تو بھارتی وفد کے لیڈر نے کہا کہ انسانی حقوق کی کانفرنس کے اجلاس میں وفد ایک دوسرے کے خلاف اشتعال انگیز زبان استعمال نہیں کریں گے لیکن بیگم نصرت بھٹو نے اس کی کوئی پروا نہ کی۔ اس موقع پر انہوں نے کشمیر میں ی بھارتی مظالم کی جو تصویر کھینچی بھارتی نمائندہ اس کا کوئی مثبت جواب نہ دے سکا۔

19 اکتوبر 1993ء کو وزیر اعظم آزاد کشمیر سردار محمد عبدالقیوم خان نے برسلز (بیلجیم) میں یورپی پارلیمان کے سوشلسٹ گروپ کی جانب سے کشمیر پر منعقدہ دو روزہ راؤنڈ ٹیبل کانفرنس کے اختتامی اجلاس سے خطاب کیا۔ اس ضمن میں سردار قیوم نے مسئلہ کشمیر کا پس منظر بیان کرتے ہوئے کہا کہ یہ مسئلہ گزشتہ پچاس برس سے لٹک رہا ہے اور کشمیری عوام اپنے خود ارادیت کے حصول کے لیے مسلسل جدو جہد کر رہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اب وقت آ گیا ہے کہ اس تنازع کا منصفانہ حل نکلے اور کشمیری عوام کے مسائل ختم ہوں۔ انہوں نے مسئلہ کشمیر کے پر امن اور منصفانہ حل کے لیے آٹھ نکاتی لائحہ عمل پیش کیا۔ جس کے مطابق انسانی حقوق کی شدید خلاف ورزیوں کو فی الفور ختم کیا جائے۔ بھارتی افواج آبادیوں سے نکل کر بیرکوں میں چلی جائیں۔ کشمیری باشندوں کو کشمیر میں واپس آنے جانے کی کھلی اجازت دی جائے۔ انسانی حقوق کے لیے کام کرنے والی بین الاقوامی تنظیموں کو مقبوضہ کشمیر میں آنے جانے کی کھلی اجازت دی جائے۔ ریاست جموں و کشمیر کے دونوں حصوں کے شہریوں کے جنگ بندی لائن کے آر پار جانے پر پابندی ختم کی جائے۔ جنگ بندی لائن کے دونوں طرف مسلمہ سیاسی رہنماؤں کو باہمی ملاقات کرنے کی سہولت بہم پہنچائی جائے۔ بھارت اور پاکستان کے مابین مسئلہ کشمیر پر بات چیت ہو، اس میں ریاست کشمیر کے دونوں حصوں کے سیاسی زعما کو شامل کیا جائے۔ کشمیر کے مسئلہ کے حل کے لیے بھارت اور پاکستان کے درمیان جو بات چیت ہو اسے دونوں ملکوں کے مابین اعتماد بحال کرنے کے بہانے پس پشت نہ ڈالا جائے۔

3.3- غیر مشروط مذاکرات کرنے کا فیصلہ

28 اکتوبر 1993ء کو پاکستان نے بھارت سے کہا کہ وہ حضرت بل کا محاصرہ اٹھا لے اور مقبوضہ کشمیر میں فوج

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی نفری میں کمی کرے اور دونوں ممالک کے درمیان کشیدگی کو کم کرنے کے لیے مسئلہ کشمیر پر غیر مشروط مذاکرات کرے، کیونکہ پچھلے چند دنوں سے دونوں ملکوں کے درمیان بھارت کی جانب سے لائن آف کنٹرول پر مسلسل فائرنگ کی وجہ سے کشیدگی بڑھنے کا اندیشہ پیدا ہو گیا ہے۔

یکم نومبر 1993ء کو پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس نے مسئلہ کشمیر پر بحث کے اختتام پر ایک متفقہ طور پر قرارداد منظور کر لی۔ قرارداد بحث کے اختتام پر وزیر خارجہ فاروق لغاری نے پیش کی۔ قرارداد میں مقبوضہ کشمیر میں بڑے پیمانے پر حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ کشمیریوں کو ان کا بین الاقوامی تسلیم شدہ حق، حق خودارادیت دے تاکہ وہ اپنی سیاسی قسمت کا فیصلہ خود کر سکیں۔

24 نومبر 1993ء کو پاکستان اور بھارت نے شملہ معاہدہ کے تحت کشمیر سمیت دوطرفہ امور پر براہ راست مذاکرات شروع کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس مقصد کے لیے پاکستان کے سیکرٹری خارجہ شہریار خان کی دعوت پر بھارتی سیکرٹری خارجہ جے این ڈکشٹ نے یکم سے 3 جنوری 1994ء تک پاکستان کا دورہ کرنے کی دعوت قبول کر لی۔

11 دسمبر 1993ء کو یورپین آرگنائزیشن نے ایک کانفرنس میں جو کہ لندن میں منعقد ہوئی، اقوام متحدہ کے رکن ممالک پر زور دیا کہ وہ مقبوضہ کشمیر میں عوام کو اپنے مستقبل کا فیصلہ کرنے کے لیے اقوام متحدہ کی قراردادوں پر عمل درآمد کرائیں۔ ایک قرارداد میں کہا گیا کہ کشمیر کے بارے میں اقوام متحدہ کی قراردادیں ابھی تک موثر ہیں۔ جن میں کشمیری عوام کو حق خودارادیت سے محروم رکھا گیا ہے۔

23 دسمبر 1993ء کو سرکاری طور پر قائم کردہ کشمیر کمیٹی کے قیام کا اعلان کر دیا گیا۔ اس کے مطابق نوابزادہ نصر اللہ خان اس کے چیئرمین مقرر ہوئے۔

یکم جنوری 1994ء کو بھارتی سیکرٹری امور خارجہ جے این ڈکشٹ نے کہا کہ ہم موجودہ مذاکرات میں مسئلہ کشمیر کے ہر پہلو پر تفصیلی مذاکرات کریں گے۔ پاکستان اور بھارت کے نقطہ نظر میں جو اختلافات ہیں انہیں ہم مذاکرات کے ذریعے کم کرنے کی کوشش کریں گے۔ انہوں نے کہا کہ کشمیری کو متنازعہ علاقہ نہ سمجھنا حقائق سے انکار ہے۔

3 جنوری 1994ء کو مسئلہ کشمیر پر پاک بھارت مذاکرات ناکام ہو گئے۔ ان مذاکرات میں بھارت کے خارجہ سیکرٹری جے این ڈکشٹ اور ان کی مذاکراتی ٹیم نے مسئلہ کشمیر پر اقوام متحدہ کی قراردادوں کا نام تک سننے سے انکار کر دیا۔ بھارتی سیکرٹری خارجہ نے کشمیر میں رائے شماری کرانے سے متعلق اقوام متحدہ کی قراردادوں کو غیر متعلق قرار دیتے ہوئے انہیں فضول دستاویزات قرار دیا جب کہ پاکستان کے خارجہ سیکرٹری شہریار خان نے تسلیم کیا کہ ان

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مذاکرات کے ذریعے مسئلہ کشمیر پر پاک بھارت اختلافات میں رتی بھر بھی کمی نہیں آئی۔ بنیادی مسئلہ پر اختلافات دور کرنے میں کوئی پیش رفت نہیں ہوئی۔ پاکستان نے اگلے راؤنڈ کے لیے شرائط رکھ دیں اور کہا کہ

☆ بھارت مقبوضہ کشمیر سے فوج واپس بلوائے۔

☆ حضرت بل عبادت کے لیے کھول دے۔

☆ نظر بند کشمیریوں کو رہا کرے۔

☆ انسانی حقوق کی صورت حال بہتر بنائے۔

☆ صحافیوں، سفارتکاروں اور انسانی حقوق کی تنظیموں کو مقبوضہ کشمیر جانے کی اجازت دے۔

مشترکہ بیان میں کہا گیا تھا کہ مسئلہ کشمیر کے تمام پہلوؤں پر غور کیا گیا۔ دونوں فریق بنیادی نوعیت کے اختلافات کی موجودگی کو تسلیم کرتے ہیں تاہم مسئلہ کے حل کے لیے مخلصانہ کوششیں جاری رکھنے پر اتفاق رائے ہوگیا۔

5 فروری 1994ء کو حسب سابق پاکستان آزاد کشمیر اور مقبوضہ کشمیر میں مکمل ہڑتال ہوئی۔ پاکستان اور آزاد کشمیر کے عوام نے کشمیریوں سے اپنی مکمل یکجہتی کا اعلان کیا، علاوہ ازیں دنیا کے مختلف شہروں میں بھی احتجاجی مظاہرے ہوئے اور بھارتی مسلمانوں نے بھی پہلی مرتبہ بھارت کے مختلف شہروں میں اپنی حکومت کے خلاف احتجاجی مظاہرے کیے۔ مارچ 1994ء میں کشمیر کے صدر راج کی مدت میں مزید چھ ماہ کی توسیع کر دی گئی۔ ادھر امریکن نائب وزیر خارجہ برائے جنوبی ایشیا امور رابن رافیل نے مسئلہ کشمیر پر سینیٹر ڈین برٹن کے سوالوں کے جواب میں جو بیان دیا اس میں تین نکات بطور خاص قابل ذکر ہیں۔ ان تین نکات کو مسئلہ کشمیر پر امریکہ کی پالیسی کی بنیاد کہا جاتا ہے یعنی

1- کشمیر ایک متنازعہ علاقہ ہے۔

2- کشمیر بھارت کا علاقہ ہے نہ پاکستان کا۔

3- کشمیر کا جو بھی فیصلہ کیا جائے وہ کشمیری عوام کی مرضی کے مطابق ہونا چاہیے۔

3.4- بھارتی وزیراعظم کی جانب سے کشمیر نہ چھوڑنے کا عزم

18 مئی 1994ء کو بھارتی وزیراعظم نرسیما راؤ نے کہا کہ ایٹمی جنگ چھڑ سکتی ہے۔ لیکن کشمیر کو نہیں چھوڑ سکتے۔

15 جولائی کو بھارت نے دوطرفہ مذاکرات کے لیے پاکستان کی پیشکش کو مسترد کر دیا اور الزام عائد کیا کہ پاکستان

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شرطیں لگا کر مذاکرات میں رکاوٹیں ڈال رہا ہے۔ 17 جولائی 1994ء کو چین نے دونوں ملکوں کے مابین ثالثی کی پیشکش کی تاہم 31 جولائی 1994ء کو دونوں ملکوں کے مابین سفارتی ضابطہ عمل پر کاربند رہنے کا سمجھوتہ طے پا گیا۔

15 اگست 1994ء کو بھارت نے آزاد کشمیر کو خالی کرنے کی دھمکی دے دی۔

3.5- اسلامی کانفرنس کی قرارداد

13 دسمبر 1994ء کو مراکش کے شہر کاسابلانکا میں اسلامی ممالک کے وزرائے خارجہ کی کانفرنس میں جو متعدد قراردادیں منظور کی گئی تھیں ان میں جموں و کشمیر کی قرارداد بھی منظور کی گئی تھی۔ اس میں او آئی سی کے سیکرٹری جنرل سے درخواست کی گئی تھی کہ وہ او آئی سی کا ایک تین رکنی جائزہ مشن مقبوضہ کشمیر بھیجے۔ قرارداد میں کشمیری عوام کے بڑے پیمانے پر انسانی حقوق کی مسلسل خلاف ورزیوں کی مذمت کی گئی اور مطالبہ کیا گیا تھا کہ حق خود ارادیت سمیت انسانی حقوق کا احترام کیا جائے۔ مسئلہ کشمیر حل کرنے کے سلسلے میں بامقصد دوطرفہ مذاکرات کے لیے پاکستان کی کوششوں کی بھی حمایت کی گئی اور بھارتی حکومت سے کہا گیا کہ وہ ان کوششوں کا مثبت جواب دے۔ مسئلہ کشمیر کے حل کے سلسلے میں اقوام متحدہ کی قراردادوں اور شملہ سمجھوتے پر عمل درآمد کرنے پر زور دیا گیا۔ اس بات پر افسوس کا اظہار بھی کیا گیا کہ بھارت نے او آئی سی کے مشن کو مقبوضہ کشمیر جانے کی اجازت نہ دی۔

3.6- سانحہ چرار شریف

مئی 1995ء میں چرار شریف میں بھارتی فوج نے چودھویں صدی عیسوی کی خانقاہ کو شدید نقصان پہنچایا۔ چرار شریف کے سانحہ کا علمی حلقوں میں مثبت اثر ہوا اور انہوں نے کشمیر کے تنازع کے حل کے لیے فوری اقدامات کرنے کی ضرورت پر زور دیا تو اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل نے پہلی مرتبہ کہا کہ وہ تنازع کشمیر کے ساتھ تعلق رکھنے والے تمام کاغذات اور دستاویزات پر اپنے سینئر ساتھیوں سے مشورہ کریں گے لیکن اس کی بھی نوبت نہ آئی۔

3.7- مقبوضہ کشمیر کے انتخابات

ستمبر 1996ء میں مقبوضہ کشمیر میں عام انتخابات منعقد ہوئے۔ آل پارٹیز حریت کانفرنس نے انتخابی عمل کو ڈھونگ قرار دیا کیونکہ مقبوضہ کشمیر کی کثیر آبادی نے ان میں عدم دلچسپی کا اظہار کیا۔ یہ انتخابات مسلح افواج کے شدید دباؤ میں منعقد ہوئے۔ اس لیے بھارتی حکومت اپنے مقاصد کے حصول میں ناکام رہی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

3.8- واہگہ سے سری نگر تک انسانی ہاتھوں کی زنجیر

24 اکتوبر 1997ء کو آزاد جموں و کشمیر کا پچاسواں یوم آزادی تھا۔ اس موقع پر کشمیری عوام کے ساتھ اظہار یکجہتی کے طور پر واہگہ سے سری نگر تک انسانی ہاتھوں کی جو زنجیر بنائی گئی اس نے پوری دنیا میں مسئلہ کشمیر کو اجاگر کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ یہ چونکہ اپنی نوعیت کی انوکھی انسانی زنجیر تھی، اس لیے اس کا اندراج گنیز بک آف ورلڈ ریکارڈ میں بھی کیا گیا۔

3.9- کشمیری نمائندوں کو خطاب کا موقع

دسمبر 1997ء میں آٹھویں اسلامی سربراہی کانفرنس تہران میں منعقد ہوئی بھارت کی براہ راست کوششوں کے باوجود کشمیریوں کے نمائندے کو خطاب کا موقع دیا گیا۔ اس سے قبل اسلامی کانفرنس کے کسی اجلاس میں کشمیری نمائندوں کو شرکت دعوت نہ دی گئی تھی۔

اسلامی سربراہی کانفرنس کے آخر روز جو 142 قراردادیں منظور کی گئیں ان میں سے ایک قرارداد میں بھارت پر زور دیا گیا کہ وہ مقبوضہ کشمیر میں نہتے اور بے گناہ کشمیریوں کے خلاف انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کا سلسلہ بند کردے۔

3.10- مسئلہ کشمیر پر مختلف قراردادیں

مئی 1998ء کے دھماکوں کے بعد اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کے پانچ مستقل ارکان اور جی آٹھ ممالک نے پاکستان اور بھارت پر زور دیا کہ وہ مسئلہ کشمیر کے مسئلے و باہمی بات چیت اور پرامن طریقے سے حل کریں۔ سیکرٹری جنرل نے ثالثی کی نہ صرف پیشکش کی بلکہ اپنے نمائندے کو دونوں ملکوں کے ساتھ بات چیت کرنے کے لیے برصغیر بھیجا۔ پاکستان نے اوقام متحدہ کے نمائندے سے اس مسئلے پر مذاکرات کیے، لیکن بھارت نے نہ صرف بات چیت کرنے سے انکار کردیا بلکہ کہا کہ وہ کسی پلیٹ فارم پر بھی پاکستاھ سے مذاکرات نہیں کرے گا۔ 6 جون 1998ء کو اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل نے قرارداد نمبر 1172 منظور کی جس میں کشمیر کے مسئلے کو حل کرنے پر زور دیا گیا اور اسے ایک متنازعہ مسئلہ تسلیم کرلیا گیا۔ جولائی 1998ء میں کولمبو (سری لنکا) میں سارک سربراہوں کی کانفرنس میں بھارتی وزیراعظم اور پاکستانی وزیراعظم نے اس مسئلے پر مذاکرات کیے لیکن یہ مذاکرات نتیجہ خیز ثابت نہ ہوئے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اگست 1998ء میں یہ مسئلہ غیر وابستہ ممالک کی تحریک میں نہ صرف چیئر مین نیلسن منڈیلا نے اٹھایا اور اس کے حل پر زور دیا۔ عالمی برادری اور اقوام متحدہ کے دباؤ کے تحت بھارت نے مذاکرات کے سلسلے میں رضامندی کا اظہار کیا اور اس ضمن میں اکتوبر 1998ء کے وسط میں بھارتی سیکرٹری خارجہ رگوناتھ کی قیادت میں ایک وفد اسلام آباد آیا اور ورکنگ گروپس تشکیل دیے اور بات چیت کے ایجنڈے نیز تاریخوں کے تعین کا کام کیا۔

20 فروری 1999ء کو بھارتی وزیر اعظم اٹل بہاری واجپائی بذریعہ بس لاہور آئے اور انہوں نے پاکستان کے اس کے وقت کے وزیر اعظم میاں محمد نواز شریف سے علاقے کی صورت حال خصوصاً مسئلہ کشمیر پر بھی بات چیت کی۔

مسٹر واجپائی کے دورہ پاکستان کے اختتام پر 21 فروری 1999ء کو جو مشترکہ اعلان جاری ہوا اسے اعلان لاہور کا نام دیا گیا تھا اور اس میں دونوں لیڈروں نے اس عزم کا اظہار کیا کہ

1- وہ خطے میں کشیدگی کو کم کرنے کے لیے اقدامات کریں گے۔

2- وہ تمام مسائل بشمول مسئلہ کشمیر دوطرفہ مذاکرات سے حل کریں گے۔

3- وہ ایک دوسرے کے اندرونی معاملات میں مداخلت نہ کریں گے۔

4- وہ ایٹمی ہتھیاروں کے حادثاتی اور غیر حادثاتی استعمال کو روکنے کے لیے کوششیں کریں گے۔

5- وہ سارک کانفرنس کی قراردادوں کو عملی جامہ پہنائیں گے۔

مئی 11 اور جون 1999ء میں کارگل میں مجاہدین اور بھارتی فوجوں کے مابین جھڑپیں ہوئیں۔ بھارت نے پاکستان پر الزام عائد کیا کہ وہ مجاہدین کو اسلحہ وغیرہ فراہم کر رہا ہے۔ 4 جولائی 1999ء کو واشنگٹن میں امریکی صدر بل کلنٹن کے ساتھ وزیر اعظم پاکستان کے مذاکرات کے نتیجے میں اعلان واشنگٹن جاری ہوا جس کے تحت پاک فوج کو کارگل کے علاقے میں واپس آنا پڑا۔ بھارتی فوج نے موقع کا فائدہ اٹھاتے ہوئے واپس آنے والوں پر گولہ باری کی جس سے تقریباً 500 مسلح افراد نے جام شہادت نوش کیا جس میں پاک فوج کے جوان بھی شامل تھے۔

بھارت نے دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لیے 26 جون 2000ء کو جموں و کشمیر دستور ساز اسمبلی سے کشمیر کی خود مختاری کی قرارداد منظور کرائی۔ یہ قرارداد اسٹیٹ اٹانومی کمیٹی کی سفارشات پر اسمبلی میں پیش کی گئی تھی۔

27 تا 30 جون 2000ء میں اسلامی کانفرنس کی تنظیم کے وزرائے خارجہ کا جو اجلاس ملائیشیا کے دارالحکومت کوالالمپور منعقد ہوا اس میں بھی مسلم امہ نے مسئلہ کشمیر پر متفقہ موقف اختیار کرتے ہوئے بھارت پر زور دیا کہ وہ حقوق

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انسانی کی عالمی تنظیموں کو مقبوضہ کشمیر کا دورہ کرنے کی اجازت دے۔ قرارداد میں جموں و کشمیر میں حقوق انسانی کی وسیع پیمانے پر خلاف ورزیوں کی بھی مذمت کی گئی۔

24 جون 2000ء کو کشمیری حریت کانفرنس کی تنظیم حزب المجاہدین نے یک طرفہ طور پر اعلان جنگ بندی کر دیا۔ لیکن دوسرے ہی روز جہادی کونسل اور دیگر گروپوں نے اعلان بندی کو مسترد کر دیا۔ 30 جولائی 2000ء کو حزب المجاہدین اور بھارتی فوج کے مابین سری نگر میں مذاکرات ہوئے۔ حزب المجاہدین نے اصرار کیا کہ مذاکرات میں پاکستان کو بھی شامل کیا جائے۔ 7 اگست کو مذاکرات کی ناکامی پر حزب المجاہدین نے اعلان جنگ بندی کو ختم کر دیا۔

3.11- جنرل پرویز مشرف کا دورۂ بھارت

23 مئی 2000ء کو بھارتی وزیر اعظم اٹل بہاری واجپائی نے جنرل پرویز مشرف کو دورۂ بھارت اور باہمی مذاکرات کی دعوت دی۔ اس دعوت کی روشنی میں 14 جولائی 2001ء کو صدر پرویز مشرف نئی دہلی پہنچے جہاں سے انہیں آگرہ لے جایا گیا۔ جہاں بھارتی وزیر اعظم سے ان کے مذاکرات ہوئے۔ دونوں طرف کے سفارت کاروں پر مشتمل ٹیموں کے مابین طویل ملاقاتیں اور بحث و تمحیص ہوئی تاکہ مذاکرات کو نتیجہ خیز بنایا جا سکے۔ اس پورے عمل کے دوران بھارتی وزیر خارجہ جسونت سنگھ اور وزیر داخلہ ایل کے ایڈوانی کا رویہ مسلسل سخت رہا۔

12 تا 15 نومبر 2000ء کو دوحا (قطر) میں جو اسلامی سربراہ کانفرنس منعقد ہوئی اس میں بھی مسئلہ کے حل پر زور دیا گیا۔ 2000ء میں جموں و کشمیر کی تاریخ میں ایک ایسا مرحلہ بھی آ گیا جس میں بھارت نے 3 دسمبر کو کنٹرول لائن پر جنگ بندی کا اعلان کر دیا لیکن اعلان بھی عارضی ثابت ہوا اور چند روز کے بعد بھارت نے پھر اپنی سابقہ روش کو اپنا لیا۔

22 دسمبر 2001ء کو سیاچن اور کارگل کے علاقے میں پاک بھارت جھڑپیں ہوئیں۔ پاکستان کے جوابی کارروائی کر کے دشمن کے متعدد بینکر تباہ کر دیئے۔ بھارتی فوج نے حملے میں پہل کی۔

3.12- پوٹا (Prevention of Terrorism Act)

پوٹا کے اس ظالمانہ اور متنازعہ قانون کی منظوری بھارتی پارلیمنٹ نے 26 مارچ 2002ء کو دی۔ انسداد دہشت گردی کے متنازعہ قانون کی منظوری کے لیے بھارتی پارلیمنٹ کا مشترکہ اجلاس بڑا ہنگامہ خیز ہوا۔ یہ بل وزیر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

داخلہ ایل کے ایڈوانی نے پیش کیا۔ حزب اختلاف کے رہنما سونیا گاندھی نے کہا کہ پوٹا کے ذریعے حکومت ایسے سیاسی مخالفین اقلیتوں اور نسلی گروہوں کو دبانا چاہتی ہے جو اپنے بنیادی حقوق کے لیے جدوجہد کر رہے ہیں اور یہ قانون عوام کے لیے دہشت گردی سے بھی خطرناک ثابت ہوگا۔ شیوسینا کے رہنما منوہر جوتش نے کہا کہ سرحد پار مسلم بنیاد پرستوں کی جانب سے ملک کو کمزور کرنے کے لیے پھیلائی جانے والی دہشت گردی کے خاتمے کے پوٹا کا قانون ضروری ہے۔

پوٹا کے اس ظالمانہ قانون کے نفاذ اور پارلیمینٹ سے منظوری کے بعد بھارتی ریاستی حکومت نے ہر اس شخص کو دہشت گرد قرار دینا شروع کر دیا جو اپنے غصب شدہ حقوق کے حصول کے لیے جدوجہد کرتا ہے۔ 9 جون 2002ء کو بھارتی حکومت نے حریت کانفرنس کے سابق چیئرمین علی گیلانی کو بدنام زمانہ قانون پوٹا کے تحت گرفتار کر لیا۔ ان پر مجاہدین کو رقوم فراہم کرنے کا الزام عائد کیا گیا تھا۔ حکومت پاکستان نے بھارت کے اس اقدام کی مذمت کی۔

3.13- اہم نکات

(1) 14 اگست 1947ء میں جب پاکستان کی آزادی کا اعلان کیا گیا تو انڈی پینڈنٹس ایکٹ کی رو سے تمام ہندوستانی ریاستوں پر جن کی تعداد 562 تھی، تاج برطانیہ کا راج ختم ہوگیا۔

(2) ریاست کشمیر میں 80% آبادی مسلمانوں کے لیے ہے۔

(3) 27 اکتوبر 1947ء کو بھارت نے اپنی افواج مقبوضہ کشمیر میں بھیج دیں۔

(4) بھارتی افواج کے بھیجنے کے بعد 3/4 حصے پر قابض ہونے میں کامیاب ہوگیا۔

(5) یکم جنوری 1948ء کو بھارت مستغیث کے طور پر سلامتی کونسل میں پیش ہوگیا۔

(6) 1949ء میں سلامتی کونسل کے اُس وقت کے صدر میکنائن نے ریاست جموں و کشمیر سے فوجوں کے انخلاء کے لیے کچھ تجاویز مرتب کیں۔

(7) 10 اگست 1965 کو اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل مسٹر اوتھان نے کشمیر کی صورتحال کو تشویشناک قرار دیا۔

(8) 14 اگست 1965 کو بھارتی فوجوں نے آزاد کشمیر میں داخل ہوکر کارگل کی تین چوکیوں پر زبردستی قبضہ کر لیا۔

(9) بھارتی فوجوں نے اپنی پے در پے شکستوں کا بدلہ لینے کے لیے نہتے کشمیریوں پر ظلم و جبر کے پہاڑ توڑے۔

(10) یکم ستمبر 1992ء کو جکارتہ میں غیر جانبدار ملکوں کے سربراہ اجلاس میں نواز شریف کی جانب سے کشمیر کا مسئلہ اٹھانے پر بھارت نے سخت احتجاج کیا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

3.14- خود آزمائی نمبر 3

سوال نمبر 1- درست پر نشان لگائیں۔

1- 4 جنوری 1994ء کو قومی اسمبلی میں امور خارجہ کے وزیر مملکت محمد صدیق خان کانجو نے بغیر کسی دھمکی یا دباؤ کی پرواہ کیے بغیر کشمیر کی جدوجہد کی اخلاقی اور سیاسی حمایت جاری رکھنے کی حمایت کی۔

2- مہاراجہ کشمیر نے حکومت پاکستان کے ساتھ معاہدہ جاریہ کیا۔

3- جولائی 1985ء میں صدر ضیاء الحق نے کشمیر کو پاکستان کی شہ رگ قرار دیا۔

4- 1994ء میں وزیراعظم پاکستان نے بھارتی وزیراعظم نرسیماراؤ سے کہا کہ وہ مسئلہ کشمیر کو حل کریں۔

5- روس کے صدر مسٹر بورس یلسن نے دورہ بھارت کے دوران کشمیر کو بھارت کا اٹوٹ انگ کہا۔

سوال نمبر 2- خالی جگہ پُر کریں۔

1- 21 اگست کو ضلع بارہ مولا پر مسلسل خونریز جنگ کے بعد............ پر قبضہ کر لیا۔

2- 24 نومبر 1993ء کو پاکستان اور بھارت نے............ معاہدے کے تحت کشمیر سمیت دو طرفہ امور پر براہ راست مذاکرات شروع کرنے کا فیصلہ کیا۔

3- ستمبر 1996ء میں مقبوضہ کشمیر میں............ منعقد ہوئے۔

4- آٹھویں اسلامی سربراہی کانفرنس............ میں منعقد ہوئی۔

5- آٹھویں سربراہی کانفرنس کے آخری روز............ قراردادیں منظور کی گئیں۔

سوال نمبر 3- وہ کون سی وجوہات جن سے کشمیر پاکستان کا حصہ نہ بن سکا؟ بحث کیں۔

سوال نمبر 4- 1948 تا 1965ء کے مسئلہ کشمیر کے حالات کا اپنے الفاظ میں تجزیہ کریں اور بتائیں کہ پاکستان مسئلہ کشمیر کے حل میں کتنا کامیاب رہا؟

سوال نمبر 5- 1965ء کی جنگ کے بعد پاکستان کی مختلف حکومتوں نے مسئلہ کشمیر کو حل کرانے میں کیا کوششیں کیں؟ تاریخ اور جائزہ پیش کریں۔

سوال نمبر 6- 1947ء سے تا حال رونما ہونے والے حالات وواقعات کا اپنے الفاظ میں خلاصہ تحریر کریں۔

سوال نمبر 7- پوٹا (POTA) سے کیا مراد ہے؟ اس سے جدوجہد آزادی پر کیا اثر پڑا؟ وضاحت کریں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

4- فلسطین (Palestine)

4.1- تعارف

فلسطین جزیرہ نمائے عرب کا ایک اہم حصہ ہے۔ یہ تین مذاہب اسلام، عیسائیت اور یہودیت کے لیے مقدس سرزمین کا درجہ رکھتا ہے۔ 13 ستمبر 1993ء کو واشنگٹن میں اسرائیل اور پی ایل او کے مابین معاہدہ امن کے تحت غزہ کے علاقے اور دریائے اردن کے مغربی کنارے پر واقع علاقہ اریحا کو خودمختاری دے دی گئی۔ پارلیمنٹ کے ارکان کی تعداد 89 ہے۔ مغربی کنارہ 75 فیصد مسلمان غزہ کی پٹی 98 فیصد مسلمان، باقی یہودی اور عیسائی ہیں۔ زراعت میں گندم، جو، مکئی، آلو، زیتون، پھل اور سبزیاں اور صنعت میں ماہی گیری شامل ہیں۔ اس کا رقبہ (1) مغربی کنارہ 2263 مربع میل یا 5660 مربع کلومیٹر (2) غزہ کی پٹی 139 مربع میل یا 360 مربع کلومیٹر۔ آبادی مغربی کنارہ میں 2020298 (بیس لاکھ بیس ہزار دوسو اٹھانوے) غزہ کی پٹی میں 1132063 (گیارہ لاکھ تیس ہزار تریسٹھ) ہے۔ دارالحکومت کا ابھی تک تعین نہیں ہوا تاہم یاسر عرفات نے رملہ میں اپنا ہیڈ کوارٹر قائم کر رکھا ہے۔ دیگر بڑے شہروں میں نابلوس، الخلیل جنین، اریحا وغیرہ معروف ہیں۔ عربی، عبرانی، انگریزی اور فرانسیسی زبانیں بولی جاتی ہیں۔

معاہدے مذکورہ میں اسرائیل نے بیت المقدس کو خالی کرنے کا اشارہ تک نہیں کیا لہٰذا یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ یروشلم جہاں بیت المقدس واقع ہے فلسطینیوں کا دارالحکومت ہوگا۔ یہ تقریباً ایک سو سالہ پرانا مسئلہ ہے۔ تاریخی مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ 1897ء میں تھیوڈر ہرزل کی تحریک پر سب سے پہلے فلسطین کو یہودیوں کی ریاست بنانے کی مہم کا آغاز ہوا۔ بسیل میں منعقدہ پہلی صیہونی کانگریس میں بھی یہودی ریاست کے قیام کا منصوبہ پیش ہوا۔ پہلی جنگ عظیم کے دوران برطانوی حکومت نے عرب ممالک کی امداد اور حمایت حاصل کرنے کی غرض سے شریف مکہ سے گفت و شنید کی۔ شریف مکہ نے دوسرے عرب سرداروں اور حکمرانوں سے مشورہ کرنے کے بعد برطانوی حکومت کو مطلع کیا کہ عرب ممالک برطانوی حکومت کو صرف اسی شکل میں جنگی امداد مہیا کر سکتے ہیں کہ جنگ کے بعد ان کی آزادی اور خودمختاری کا اعلان کرنے کا وعدہ کیا جائے گا۔ برطانوی حکومت نے جنگ جیتنے کے لیے یہ شرط منظور کر لی اور کچھ عرصہ بعد عرب ممالک کی سرحدوں کا تعین بھی کر دیا لیکن فلسطین کو ان علاقوں میں شامل نہ کیا گیا۔ 2 نومبر 1971ء کو برطانیہ کے وزیر خارجہ بالفور نے برطانیہ میں مقیم یہودیوں کی فیڈریشن کو خط لکھا کہ ہزمجیسٹی کی حکومت فلسطین میں یہودی ریاست

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے قیام کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔ یہی مکتوب اعلان بالفور کے نام سے مشہور ہوا۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد برطانیہ کو یہ ذمہ داری سونپی گئی کہ وہ فلسطین کو آزاد خود مختار ریاست میں تبدیل کرنے کے اقدامات کرے۔ چنانچہ اس کے ساتھ ہی فلسطین میں یہودیوں کی آمد شروع ہوگئی تو فلسطین میں یہودیوں کے داخلے سے عربوں اور یہودیوں کے مابین اختلافات کی خلیج حائل ہوگئی تاہم برطانوی حکومت نے یہودیوں اور عرب نمائندوں سے بات چیت کرنے کے بعد قرطاس ابیض شائع کیا، جس میں فلسطین میں صرف پانچ سال تک پندرہ ہزار یہودیوں کے داخلے کا ذکر کیا گیا۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد نازی کیمپوں سے بچے کھچے یہودی بھی فلسطین لائے گئے اس طرح ان کی تعداد دو لاکھ ہوگئی۔

اپریل 1947ء میں یہ مسئلہ اقوام متحدہ میں پیش کیا گیا جنرل اسمبلی نے اسے حل کرنے کے لیے گیارہ رکنی کمیٹی تشکیل دی۔ اس کمیٹی کے قیام کا مقصد فلسطینیوں کے تمام حقوق معلوم کرکے اسمبلی میں ایک مفصل رپورٹ پیش کرنا تھا ارکان کمیٹی کی اکثریت نے فلسطین میں عربوں اور یہودیوں کی دو ریاستوں پر مشتمل ایک کمیٹی قائم کرنے کی سفارش کی۔ کمیٹی کے دوسرے حصے میں کہا گیا تھا کہ فلسطین میں یہودی پناہ گزینوں کی تعداد زیادہ ہوگئی ہے لہٰذا یہودیوں کو فلسطین سے نکال دیا جائے۔

نومبر 1947ء میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے فلسطین کو تین حصوں میں تقسیم کرنے کی سکیم منظور کی اس کے چند ماہ بعد اسرائیل کے قیام کا اعلان کر دیا گیا جس کے نتیجے میں 1949ء، 1956ء، 1967ء اور 1973ء میں عرب اسرائیل جنگیں ہوئیں۔ اس دوران جون 1967ء کی عرب اسرائیل جنگ میں اسرائیل نے عربوں پر فتح حاصل اور اس کے نتیجے میں صحرائے سینا اور شرم الشیخ کی بندرگاہ (مصر) غزہ کی پٹی، یروشلم، بیت اللحم، حبرون قنطرہ (اردن) کے شہروں پر اسرائیل نے قبضہ کرلیا۔ شام کے علاقے جولان کی پہاڑیوں پر بھی اسی اثناء میں اسرائیل کا قبضہ ہوا نیز فلسطین کی تنظیم آزادی کا قیام (1964ء) بھی عمل میں آیا۔

18 مئی 1978ء کو کیمپ ڈیوڈ مصر اور امریکہ کے مابین جو معاہدہ طے پایا اس میں کہا گیا تھا کہ پانچ سالہ مدت کے دوران اردن کے مغربی کنارے والے علاقے اور غزہ کے علاقے کے باشندوں کو موجودہ اسرائیلی فوجی حکومت کی بجائے مکمل خود مختاری اور حکومت خود اختیاری کا حقوق حاصل ہوں گے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اسرائیل نے جارحانہ کارروائیاں جاری رکھیں اور 31 جولائی 1980ء کو یروشلم کو اسرائیل کا دارالحکومت قرار دیا۔ ادھر فلسطین کی تنظیم آزادی نے بھی اپنی سرگرمیاں تیز کردیں۔ جوابی کارروائی کے طور پر جون 1982ء میں اسرائیل نے لبنان میں مقیم فلسطینیوں کے کیمپوں پر شدید حملے کیے اور انہیں لبنان چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

13 ستمبر 1988ء کو غیر جانبدار ممالک کی کانفرنس میں فلسطین کے عوام کی جدوجہد آزادی کی بھرپور تائید اور حمایت کی گئی اور دریائے اردن کے کنارے اور غزہ کی پٹی کے اسرائیلی مقبوضہ علاقے میں نہتے فلسطینیوں کو ہلاک کرنے اور ان پر مظالم ڈھانے اور نوجوانوں کو وسیع پیمانے پر گرفتار کرنے پر اسرائیل کی پر زور مذمت کی گئی۔ نومبر 1988ء میں پی ایل او کے سربراہ یاسر عرفات نے الجزائر میں فلسطینی کونسل کا اجلاس طلب کیا۔ اجلاس میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ فلسطینی قومی کونسل تنازع فلسطین کو حل کرنے کا مطالبہ کرتی ہے کہ سلامتی کونسل کی قرارداد نمبر 244 اور ''قرارداد نمبر 388'' کے مطابق فلسطین کو آزادی دی جائے۔ چنانچہ 10 نومبر 1988ء کو کانفرنس میں ایک جلاوطن فلسطینی ریاست کے قیام کا اعلان کیا گیا۔ جسے پاکستان سمیت 50 سے زائد ممالک نے تسلیم کر لیا۔ اس کانفرنس میں اسرائیل کو بھی تسلیم کرنے کی بات کی گئی تھی۔ 13 دسمبر 1988ء کو یاسر عرفات نے سرائیل کے وجود کو تسلیم کرنے کا اعلان کیا۔ اپریل 1989ء میں اسرائیل کے وزیر اعظم شمیر نے مقبوضہ عرب علاقوں میں انتخابات کے ذریعے ایسے نمائندے منتخب کرنے کی تجویز پیش کی جو بعد میں تل ابیب کے ساتھ مسئلہ فلسطین پر بات چیت کر سکیں۔

8 اکتوبر 1990ء کو اسرائیلی کارروائی سے مسجد اقصیٰ کے علاقے میں فلسطینی شہید اور 50 زخمی ہو گئے۔

30 اکتوبر 1991ء کو میڈرڈ میں مشرق وسطیٰ امن مذاکرات کے نام پر جو ڈرامہ رچایا گیا تھا اس کے نتیجے میں یاسر عرفات اور اسرائیل کے مابین معاہدہ امن طے کرنے پر اتفاق رائے ہو گیا۔ 13 ستمبر 1993ء کو واشنگٹن میں اسرائیل اور یاسر عرفات کے مابین معاہدے کے تحت اسرائیل نے غزہ کی پٹی اور اریحا سے انخلاء شروع کرنا تھا لیکن معاہدے پر عملدرآمد کی جزئیات پر دونوں فریقوں میں اختلافات پیدا ہو گئے۔

21 اپریل 1994ء کو مصر میں اسرائیل اور پی ایل او کی مذاکراتی ٹیموں کے درمیان غزہ کی پٹی اور اریحا میں فلسطینیوں کو سویلین حکومت کے اختیارات کی منتقلی کا سمجھوتہ ہو گیا۔ معاہدے سے فلسطینیوں کے لیے روزمرہ امور چلانے پر موجود درجنوں اختلافات دور ہو گئے۔ مئی 1994ء کو محدود خود مختاری حاصل ہو گئی۔

جولائی 1995ء میں اوسلو معاہدے کے تحت اسرائیل اور فلسطین کے مابین کسی حد تک رسمی تعلقات قائم ہو گئے۔ ستمبر 1995ء میں اسرائیل نے فلسطین کے ساتھ ایک اور معاہدہ کیا جس کی رو سے 1995ء کے اواخر اور 1996ء کے اوائل میں اسرائیل نے الخلیل کے سوا تمام فلسطینی قصبوں سے اپنی فوجیں واپس بلا لیں۔ 20 جنوری 1996ء کو مغربی کنارے رملہ، الخلیل اور غزہ میں فلسطینی قانون ساز کونسل اور صدارت کے لیے انتخابات ہوئے۔ اسرائیل نے 49000 ووٹروں میں سے صرف 5000 پوسٹل بیلٹ کے ذریعے ووٹ ڈالنے کی اجازت دی۔ 88 رکنی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فلسطینی قانون ساز کونسل کے انتخابات کے بعد 12 فروری 1996ء کو یاسر عرفات نے فلسطینی اتھارٹی کے پہلے منتخب صدر کی حیثیت سے حلف اٹھایا۔اپریل 1996ء میں فلسطینی اتھارٹی نے اپنے منشور سے اس دفعہ کو حذف کر دیا کہ اسرائیل کو تباہ و برباد کر دیا جائے گا۔ 23 ستمبر 1996ء کو یہودیوں نے مسجد اقصیٰ کے حرم شریف کی مغربی دیوار کے ساتھ ایک پرانی سرنگ کھول دی جس پر فلسطینیوں نے شدید ردعمل کا اظہار کیا اور وہ سڑکوں پر نکل آئے۔ چنانچہ چار روز تک جھڑپوں کا سلسلہ جاری رہا اور ان میں 73 افراد ہلاک اور سینکڑوں زخمی ہوئے۔ 10 دسمبر 1996ء کو اسرائیل کی وزارت منصوبہ بندی اور تعمیرات نے راس العمود کے علاقے کے قریب 11000 فلسطینی آبادی میں یہودیوں کے 132 گھر تعمیر کرنے کے پہلے منصوبے کی منظوری دی جس سے فریقین کے باہمی تعلقات پھر کشیدہ ہو گئے۔

4.2- معاہدہ امن

ایک عرصہ کے بعد بالآخر فریقین باہم بات چیت پر رضا مند ہو گئے اور اس ضمن میں 15 جنوری 1997ء کو فلسطین اتھارٹی کے صدر یاسر عرفات اور اسرائیلی وزیر اعظم نتین یاہو کے مابین سمجھوتہ طے پایا جسے دوطرفہ نتائج کا حامل قرار دیا گیا اس کی رو سے قرار پایا کہ

1- اسرائیل اور فلسطین کے مابین دریائے اردن کے مغربی حصے الخلیل کا انتظامی کنٹرول فلسطین کے سپرد کر دیا جائے گا۔

2- اسرائیلی فوج الخلیل کا اسی (80) فیصد علاقہ خالی کر دے گی تاہم بقیہ بیس فیصد علاقے پر اسرائیل کا کنٹرول بدستور برقرار رہے گا تاکہ وہاں مقیم 400 اسرائیلی آباد کاروں کو تحفظ فراہم کیا جا سکے۔

3- مغربی کنارے سے اگست 1998ء تک اسرائیلی فوج کا مکمل انخلاء عمل میں آ جائے گا اور اس کے ساتھ ہی اسرائیل سمجھوتے کی توثیق کے چھ ہفتوں کے اندر اندر مغربی کنارے کے دیہی علاقے بھی خالی کر دے گا۔

4- اگست 1998ء تک انخلاء مکمل ہو جائے گا تاہم اس سمجھوتے کا اطلاق یہودی آبادی اور فوجی علاقوں پر نہیں ہوگا۔

5- معاہدے میں مسلمانوں اور یہودیوں کے مابین تصادم کے ممکنہ خطرے کو مدنظر رکھتے ہوئے الخلیل کے علاقوں میں اسرائیل اور فلسطینی فوجیوں کے مشترکہ گشت کی بھی ضمانت دی گئی۔

سمجھوتے میں الخلیل سے اسرائیل کی مکمل واپسی کی کوئی ضمانت فراہم نہ کی گئی اور صرف سینکڑوں یہودی آباد

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کاروں کے لیے ہزاروں اسرائیلی افواج کی تعیناتی دراصل امن کے نام پر صیہونی عمل دخل کو جاری رکھنے کا دوسرا نام تھا۔ مذکورہ بالا سمجھوتے سے معلوم ہوا کہ اسرائیل فلسطین کو طرف محدود خود مختاری دینے کا خواہاں تھا مکمل نہیں۔ تاہم 18 مارچ 1997ء کو اسرائیل نے معاہدہ کے خلاف ورزی کرتے ہوئے اسرائیلی بلڈوزروں سے ایک ہزار فوجیوں کی نگرانی میں یروشلم کے مشرق ہر ہوما (Har HOma) کی متنازعہ بستی جسے عرب جبل ابوغنیم (Jabal Abu Ghanim) بھی کہتے ہیں۔ زمین ہموار کرنا شروع کردی تاکہ تیس ہزار یہودی کی آبادکاری کے منصوبے کو تعمیری شکل دی جاسکے۔ حالانکہ فلسطینی اس علاقے کو مستقبل کی فلسطینی ریاست کے دارالحکومت کا حصہ قرار دیتے ہیں۔

اسرائیل کی ان مبینہ سرگرمیوں کے نتیجے میں 21 مارچ 1997ء کو پہلے الخلیل میں اور پھر 26 مارچ کو رملہ میں طرفین کے مابین جھڑپیں شروع ہوگئیں۔ امریکہ کے صدر بل کلنٹن نے اسی اثناء میں اسرائیل کے وزیراعظم نتین یاہو کو مذاکرات کے لیے واشنگٹن طلب کیا پروگرام کے مطابق اسرائیلی وزیراعظم نتین یاہو نے امریکہ کا دورہ کیا اور صدر بل کلنٹن سے مسئلہ فلسطین پر بات چیت کی لیکن کوئی پیش رفت نہ ہوسکی۔ اس ضمن میں اس مسئلے کو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں بھی 25 اپریل 1997ء کو پیش کیا گیا۔ 34 ووٹ قرارداد کے حق میں اور تین مخالفت میں آئے۔ 11 ممالک نے رائے شماری میں حصہ نہ لیا۔ امریکہ نے اسرائیلی منصوبے کی حمایت کی جبکہ دیگر تمام ارکان نے اسرائیل کی مخالفت کی۔ تاہم اس کے باوجود 29 اپریل 1997ء کو اسرائیل نے آبادکاری کے توسیعی منصوبے کی منظوری دے دی اسرائیلی لیبر پارٹی نے اس کی شدید مخالفت کی اور کہا کہ فلسطینیوں کو اپنی علیحدہ مملکت کے قیام کا حاصل ہے۔

8 اکتوبر کو یاسر عرفات اور نتین یاہو (اسرائیلی وزیراعظم) کے مابین القدس میں مذاکرات ہوئے۔ 23 اکتوبر کو صرف یہودی بستیوں کی تعمیر کے سلسلے میں فلسطین نے بات چیت سے انکار کر دیا جبکہ شدید احتجاج بھی کیا۔ 28 اکتوبر کو جنرل اسمبلی کا ہنگامی اجلاس طلب کیا گیا لیکن اس کا بھی کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہ نکلا۔ 29 نومبر 1997ء کو اسرائیل نے محدود پیمانے پر مغربی کنارے سے انخلاء کی تجویز پیش کی جسے فلسطین نے اگلے روز ہی مسترد کر دیا۔ 20 جنوری 1998ء کو یاسر عرفات اور نتین یاہو کی واشنگٹن میں ملاقات ہوئی تو اسرائیلی وزیراعظم نے امریکی صدر بل کلنٹن سے کہا کہ وہ مغربی کنارے سے فوجیں نکال کر اسرائیل کی سلامتی کو خطرے میں نہیں ڈال سکتے۔

4.3- معاہدے، قراردادیں اور دیگر واقعات

9 جون 1998ء کو اسرائیل کے وزیر داخلہ نے القدس کے مشرق میں واقع جبل زیتون پر چار سال قبل بند یہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے منظور کردہ رہائشی منصوبے کی تکمیل کی منظوری دی۔ یکم جولائی 1998ء کو عرب لیگ نے یروشلم میں توسیع کی اسرائیلی سازش کے خلاف سلامتی کونسل کے اجلاس میں بحث کرنے کے لیے کہا تو امریکہ نے قرارداد پر ویٹو کر دیا۔ 5 جولائی کو مصر اردون اور فلسطینی رہنماؤں نے بیت المقدس کے توسیعی منصوبے کو مسترد کر دیا۔ 12 جولائی 1998ء کو امریکہ نے یہ تجویز دی کہ اسرائیل مغربی کنارے کا صرف دس فیصد علاقہ خالی کر دے۔ 14 جولائی 1998ء کو اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل نے اسرائیل پر زور دیا کہ وہ مقبوضہ بیت المقدس کی حدود میں توسیع کے متنازعہ منصوبے کو ترک کر دے۔

9 دن کے اعصاب شکن مذاکرات کے بعد 23 اکتوبر 1998ء کو امریکہ میں اسرائیلی وزیراعظم نتین یاہو کے لیے امریکہ کے صدر نے اہم کردار ادا کیا۔ اسے وائی ریور میری لینڈ سمجھوتہ بھی کہا جاتا ہے۔

سمجھوتے میں یہ طے پایا کہ

1- فلسطینی اتھارٹی جسے اس وقت (اکتوبر 1998) مغربی کنارے کے تین فیصد حصے پر کنٹرول حاصل تھا۔ اب اس کا کنٹرول بڑھا کر 13 فیصد کر دیا گیا ہے۔

2- مغربی کنارے کا 14.2 فیصد حصے علاقہ مشترکہ کنٹرول میں رہے گا۔

3- بقیہ 72.3 فیصد حصے پر بدستور اسرائیل کا قبضہ رہے گا۔

4- اس وقت فلسطینی اتھارٹی مغربی کنارے کے 27.2 فیصد رقبے پر قابض ہے تاہم اس پر اقتدار اعلیٰ اسرائیل کا ہی ہوگا۔

5- اسرائیل معاہدے کے تحت ایک سو فلسطینیوں کو رہا کرے گا جنہیں بغیر مقدمہ چلائے محبوس رکھا گیا ہے۔

6- اس کے بدلے میں فلسطینی اتھارٹی ان تیس باشندوں کو اسرائیل کے حوالے کرے گی جن کی بطور دہشت گرد اسرائیل نشاندہی کر چکا ہے۔

7- فلسطینی اتھارٹی اپنے منشور میں اس شق کو ختم کر دے گی جس میں اسرائیل کو تباہ کرنے کا ذکر کیا گیا ہے۔

8- فلسطینی اتھارٹی دہشت گردوں کی کارروائیوں کو روکنے کے لیے مناسب اقدامات کرے گی۔

8 دسمبر 1998ء کو اسرائیلی وزیر خارجہ نے دھمکی دی کہ اگر فلسطینی لیڈر یاسر عرفات نے یکطرفہ طور پر آئندہ مئی 1999ء میں آزاد فلسطینی ریاست کا اعلان کیا تو اسرائیل دریائے اردن کے مغربی کنارے کے بیشتر علاقے کو اسرائیل میں ضم کر سکتا ہے۔ 11 دسمبر 1998ء کو اسرائیلی ریاست کو تباہ کرنے کی شق پی ایل او نے اپنے چارٹر سے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حذف کرنے کا اعلان کیا۔

5 اکتوبر 1999ء کو اسرائیل اور فلسطینیوں کے مابین مغربی کنارے اور غزہ کی پٹی کے مابین فلسطینیوں کے لیے محفوظ گزرگاہ کے بارے میں مذاکرات ہوئے اور معاہدہ طے پا گیا۔ اسی روز وزیر اعظم ایہود بارک نے اس معاہدے کی منظوری دی۔ 18 اکتوبر کو 50 عرب قیدیوں کی رہائی کا معاملہ کھٹائی میں پڑنے سے وائی ریور امن سمجھوتہ کھٹائی میں پڑ گیا۔

جون 2000ء میں ملائیشیا کے دارالحکومت کوالالمپور میں اسلامی ممالک کے وزرائے خارجہ کے اجلاس میں فلسطین کے بارے میں ایک قرارداد منظور کی گئی جس میں کہا گیا تھا کہ عالمی برادری خصوصاً امریکہ اور یورپی یونین اسرائیل کی امداد بند کر دیں کیونکہ وہ اس امداد کو مقبوضہ علاقوں میں یہودی بستیوں کی تعمیر پر خرچ کر رہا ہے نیز تمام ممالک سے یہ بھی کہا گیا کہ بیت المقدس دارالحکومت کے ساتھ فلسطین ریاست کا اعلان ہوتے ہی اس کو فوراً تسلیم کر لیا جائے۔ اسی اثناء میں جولائی 2000ء میں امریکہ کے تفریحی مقام پر اسرائیل کے وزیر اعظم ایہود بارک، یاسر عرفات اور امریکی صدر بل کلنٹن کے مابین کیمپ ڈیوڈ میں مذاکرات ہوئے لیکن یہ بھی بے نتیجہ رہے۔

12 اکتوبر 2000ء کو پاکستان نے اقوام متحدہ سے مطالبہ کیا کہ وہ فلسطینیوں کی ہلاکتوں کو ختم کرانے کے لیے فوری اقدامات کرے۔ 18 اکتوبر 2000ء کو اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل نے اسرائیل کی جارحیت کی قرارداد منظور کی۔ وسط اکتوبر 2000ء تک 300 فلسطینی شہید ہو گئے۔ 28 مارچ 2002ء کو عرب لیگ نے اعلان بیروت جاری کیا جس میں سعودی عرب کے امن منصوبے کی منظوری دی گئی۔ 31 مارچ 2002ء کو پہلی بار اسرائیل نے اشارہ دیا کہ محاصرے میں یاسر عرفات کو شہید کر دیا جائے گا اور 6 اپریل 2002ء کو فلسطین کے جنین مہاجر کیمپ میں داخل ہونے والی اسرائیلی فوج نے قتل و غارت گری کے دوران 66 فلسطینیوں کو شہید کر دیا۔ یکم مئی 2002ء کو فلسطینی رہنما یاسر عرفات اسرائیل کے مطلوب چھ فلسطینیوں کو امریکہ اور برطانیہ کے حوالے کرنے کے بدلے مغربی کنارے میں ہیڈ کوارٹر کے محاصرے سے رہائی کا راستہ ہموار ہو گیا۔

6 مئی 2002ء کو بیت اللحم میں حضرت عیسیٰ کی جائے پیدائش کا محاصرہ ختم کرنے پر اسرائیل اور فلسطین اتھارٹی کے مابین معاہدہ طے پایا۔ 9 جولائی کو اسرائیل اور فلسطین کے مابین براہ راست مذاکرات کا از سر نو آغاز ہوا۔ 9 جولائی کو غزہ میں اسرائیلی طیاروں نے 15 فلسطینی شہید کر دیئے۔ جس کے نتیجے میں 23 اگست کو باہمی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مذاکرات پھر ناکام ہوگئے۔ 21 ستمبر کو اسرائیل نے فلسطینی اتھارٹی کے ہیڈکوارٹر کو تباہ کر کے یاسر عرفات کو محصور کر دیا۔ 30 نومبر کو اسرائیل نے شمالی غزہ کے قصبے بیت طیبہ پر قبضہ کرلیا اور مجاہدین کے گھروں کو تباہ کر دیا۔ فروری 2003ء تک اسرائیل کی جنگی سرگرمیوں میں کوئی کمی واقع نہ ہوئی۔

4.4- اہم نکات

(1) فلسطین جزیرہ نما عرب کا ایک بہت اہم حصہ ہے۔

(2) فلسطین کا کل رقبہ مغربی کنارہ 263 مربع میل 55660 مربع کلومیٹر غزہ کی پٹی 139 مربع میل ہے۔

(3) 18 مئی 1978ء کو کیمپ ڈیوڈ میں مصر اور امریکہ کے مابین ایک معاہدے طے پایا کہ مغربی کنارے والے علاقے اسرائیلی فوجی حکومت کے بجائے مکمل خودمختاری اور حکومت خود اختیاری کے حقوق کے حامل ہوں گے۔

(4) 1990ء میں اسرائیلی کاروائیوں سے مسجد اقصیٰ کے علاقے میں بے شمار فلسطینی شہید ہو گئے۔

(5) 1995ء میں اوسلو معاہدے کے تحت اسرائیل اور فلسطین کے مابین کسی حد تک رسمی تعلقات قائم ہوئے۔

4.5- خود آزمائی نمبر 4

سوال نمبر 1- خالی جگہ پُر کریں۔

-1 یروشلم میں توسیع کی .... کے خلاف آواز اٹھانے پر امریکہ نے قرارداد کو ویٹو کر دیا۔

-2 1947ء میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے فلسطین کو .... حصوں میں تقسیم کرنے کی سکیم منظور کی۔

-3 تھیوڈ ہرزل کی تحریک سب سے پہلے فلسطین کو یہودیوں کی .... بنانے کی ایک مہم کا آغاز تھا۔

-4 11 دسمبر 1998ء کو اسرائیلی ریاست کو تباہ کرنے کی مشق کو اپنے .... سے حذف کرنے کا اعلان کیا۔

-5 اسرائیل نے فلسطینی اتھارٹی کے ہیڈکوارٹرز کو تباہ کر کے .... کو محصور کر دیا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سوال نمبر 2- اعلان بالفور کی روشنی میں آزادی فلسطین کے پس منظر اور پیش منظر پر بحث کریں۔

سوال نمبر 3- مسئلہ فلسطین کو حل کرانے میں بین الاقوامی قوتوں کا کیا کردار رہا ہے؟ تبصرہ کریں۔

سوال نمبر 4- آزادی فلسطین سے متعلق مختلف معاہدوں سمجھوتوں اور قراردادوں پر اپنے نقطہ نظر سے بحث کریں۔

سوال نمبر 5- کیا مسئلہ فلسطین کے حل ہونے کے امکانات ہیں؟ اپنا نقطہ نظر واضح کریں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

5- افغانستان

5.1- تعارف

افغانستان ایشیا کا خشکی سے گھرا ہوا ایک اہم ملک ہے۔ اس کے مشرق اور جنوب میں پاکستان، مغرب میں ایران، شمال میں ترکمانستان، تاجکستان، ازبکستان اور شمال مشرقی سرے پر چین واقع ہیں۔ یہ خشکی سے گھرا ہوا ہے اور سمندر تک جانے کے لیے اس ملک کے پاس کوئی راستہ نہیں تاہم اس کی تمام تجارت کراچی (پاکستان) کی بندرگاہ سے ہوتی ہے۔ زیادہ تر علاقہ پہاڑی ہے اس کے قریب کوہ ہندوکش کا سلسلہ ہے جو 16000 فٹ کی بلندی تک جاتا ہے جبکہ مشرق میں یہ 25000 فٹ کی بلندی تک چلا گیا ہے۔ پاکستان اور افغانستان میں باہمی تجارت کا راستہ درہ خیبر ہے۔

اس کا رقبہ 25000 مربع میل یا 647500 مربع کلومیٹر ہے ملک کا 9 فیصد رقبہ چراگاہی نوعیت کا ہے۔ اس کی آبادی دو کروڑ 60 لاکھ نفوس پر مشتمل ہے، جس میں 50 فیصد پشتون، 25 فیصد تاجک، 9 فیصد ازبک، 9 فیصد ہزارہ باشندے ہیں۔ 18 فیصد لوگ شہروں میں رہائش پذیر ہیں۔ فی مربع میل میں 99 افراد رہتے ہیں۔ کابل ملک کا صدر مقام ہے دیگر بڑے شہر ہرات، غزنی، جلال آباد، مزار شریف، قندھار، زابل، غور اور خوست ہیں۔ اسلام ملک کا سرکاری مذہب ہے۔ 99 فیصد آبادی مسلمان ہیں۔ پشتو، دری، فارسی (یہ تاجک اور ہزارہ قبائل بولتے ہیں) اور ازبک زبانیں ہیں۔ شمالی پہاڑ جنگلات سے ڈھکے ہوئے ہیں۔ لکڑی کا یہ ذخیرہ ملکی معیشت کے لیے نہایت اہم کردار ادا کرتا ہے۔ اس ملک کی آب و ہوا بہت خشک ہے اس میں درجہ حرارت انتہا اور بڑے بڑے صحرائی علاقے بھی ہیں۔ صرف پہاڑی دریا مثلاً ہلمند کے دریا فاصلے فاصلے سے زرخیز وادیاں بناتے ہیں دیگر دریاؤں میں آمو اور کابل شامل ہیں۔ افغانی ملک کا سکہ ہے۔ ستمبر 2002ء میں نیا افغان سکہ جاری کیا گیا۔

اگرچہ یہ ایک پہاڑی ملک ہے لیکن اس میں زرخیز وادیاں ہیں جن میں غلہ اور پھل بکثرت پیدا ہوتے ہیں۔ خشک میوہ جات، مکئی، چاول، گندم، تمباکو اور دیگر ہر قسم کے پھل کاشت کیے جاتے ہیں۔ 1979ء سے قبل افغانستان نے گندم کے معاملے میں خود کفالت حاصل کر لی تھی لیکن جنگ کی وجہ سے اسے گندم باہر سے منگوانا پڑی۔ گلہ بانی بھی آمدنی کا ایک اہم ذریعہ ہے۔ معدنیات میں گیس اور کوئلے کے ذخائر پائے جاتے ہیں۔ دیگر معدنی اشیاء میں کوئلہ، نمک، چاندی، تانبا، لوہا، سیسہ اور جست قابل ذکر ہیں ملک کے پہاڑی حصے میں سونے کا انکشاف بھی ہوا ہے۔ صنعتی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اعتبار سے یہ ملک تا حال پسماندہ ہے تاہم یہاں چمڑا، پارچہ فی (اونی) سیمنٹ، فرنیچر، پھلوں کو ڈبوں میں بند کرنے اور چینی تیار کرنے کی صنعتیں ترقی پذیر ہیں۔ قالین سازی کی صنعت بھی روز افزوں ہے۔ دارالحکومت کابل میں سائیکل بنانے کی ایک بڑی فیکٹری بھی ہے۔ پل خمری، جبل السراج، بغلان، گل بہار، قندھا اور کابل اہم صنعتی شہر ہیں۔ 13 نومبر 2001ء کو یہاں طالبان کی حکومت ختم ہوگئی تو 22 دسمبر 2001ء کو حامد کرزئی نے ملک کے سربراہ کا عہدہ سنبھالا۔ نیا آئین نئے تقاضوں کے مطابق مدون کیا جائے گا۔

تعلیمی اعتبار سے یہ ملک بڑا پسماندہ ہے 29 فیصد باشندے خواندہ ہیں۔ 88 فیصد بالغ باشندے سکول کی تعلیم بالکل حاصل نہیں کرتے۔ یہاں کے ہسپتالوں میں 2054 افراد کے ایک بستر ہے جبکہ 4797 آدمیوں کے حصے میں ایک ڈاکٹر آتا ہے۔ یہاں 16 کلومیٹر لمبی ریلوے لائن ہے۔ یہ کشکا سے توارغونڈی تک ہے۔ 2000ء میں ملک میں مسافر کاروں کی تعداد 35000 تھی جبکہ کمرشل گاڑیوں کی تعداد بھی 32000 ہزار ہے۔ سڑکوں کی لمبائی 22 ہزار کلومیٹر ہے۔ آریانا افغان ائرلائنز فضائی سروس ہے۔ یہاں تین بین الاقوامی ہوائی اڈے ہیں۔ افغانستان اسلامی کانفرنس کی تنظیم ایکو، اقوام متحدہ اور غیر جانبدار ممالک کی تحریک کا رکن ہے۔

5.2- تاریخی پس منظر

زمانہ قدیم میں اسے آریانا باختریا کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ عہد وسطیٰ میں اسے خراساں کا نام دیا گیا۔ یہ سرزمین مختلف تہذیبوں کی گہوارا ہے۔ شمالی افغانستان میں زرتشت پیدا ہوا یہاں اس نے پہلے پہل اپنے مذہب کی تبلیغ کی۔ 332 ق م میں سکندر اعظم نے اس پر حملہ کیا اس کے بعد سکندر اعظم کے ایک جرنیل نے گریکو بکٹرین سلطنت کی بنیاد رکھی جو دو صدیوں تک قائم رہی۔ پھر یہاں بدھ مت کا دور دورہ رہا۔ گوتم بدھ کے مجسمے افغانستان میں آج بھی پائے جاتے ہیں۔ تیسرے خلیفہ راشد کے عہد میں افغانستان کو مسلم ریاست میں شامل کیا گیا۔ جب کہ قبل ازیں یہ ایرانی حکومت کا حصہ تھا۔ مسلمانوں کی پہلی فتح کے بعد یہ مسلمانوں کی عملداری میں رہا۔ گیارہویں صدی عیسوی میں سلاطین غزنی اس پر قابض ہوئے۔ پندرھویں صدی عیسوی میں یہ مغلوں کے قبضے میں آیا۔ بیرونی سلطنتیں اور مقامی امیر اٹھارہویں صدی تک ایک دوسرے کے بعد اقتدار حاصل کرتے رہے۔ 1747ء میں اسے ایک خودمختار سلطنت کی حیثیت دی گئی۔ نومبر 1933ء میں شاہ ظاہر افغانستان کے بادشاہ بنے۔ 17 جولائی 1973ء کو ایک فوجی بغاوت نے اسے ایک جمہوری حکومت میں بدل دیا۔ سوویت یونین کے حامی بائیں بازو کے لوگوں نے ایک خونریز بغاوت میں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

1978ء میں اقتدار پر قبضہ کرلیا۔ کمیونسٹ لیڈرزوں نے سوویت یونین کے ساتھ ایک اقتصادی اور فوجی معاہدے پر دستخط کیے۔ سوویت یونین نے دسمبر 1979ء میں کابل پر بھاری تعداد میں فوجیں اور اسلحہ اتارنا شروع کر دیا۔ روسی فوجوں کو کابل کے کمیونسٹوں نے بلایا کیونکہ ان کو کمیونسٹوں کی پشت پناہی حاصل تھی۔ 14 ستمبر 1979ء کو نور محمد ترکئی (جو اپریل 1979ء میں صدر بنے تھے) کو قتل کر دیا گیا اور حفیظ اللہ امین نئے صدر بنے۔ 27 دسمبر 1979ء کو ان کو بھی اقتدار سے محروم کر دیا گیا۔ پھر ببرک کارمل نے اس کی جگہ لی۔ سوویت یونین کی فوجیں پورے ملک کے عوام کے خلاف برسرپیکار ہوگئیں۔ مجاہدین نے پاکستان، ایران سعودی عرب اور امریکہ کی مدد سے گوریلا جنگ شروع کر دی۔ جنگ 9 سال تک جاری رہی بالآخر اپریل 1988ء کو معاہدہ جنیوا طے پایا جس کے تحت روس نے پروگرام کے مطابق 15 فروری 1989ء تک روسی فوجیں مکمل طور پر افغانستان سے نکل گئیں۔ لیکن افغان حکومت اور مجاہدین کے مابین خانہ جنگی شروع ہوگئی۔ مجاہدین نے 23 فروری 1989ء کو پشاور میں جلاوطن حکومت قائم کی۔ بالآخر افغانستان کے صدر نجیب اللہ اپریل 1992ء میں اقتدار چھوڑنے پر آمادہ ہوگئے۔ اپریل 1992ء میں حکومت پاکستان نے پشاور میں ایک امن معاہدہ کا اہتمام کیا۔

28 اپریل 1992ء کو صبغت اللہ مجددی نے افغانستان کے صدر کا عہدہ سنبھالا۔ ان کے عہدہ چھوڑنے پر 28 جون 1992ء کو پروفیسر برہان الدین ربانی نے افغانستان کے عبوری صدر کا عہدہ سنبھالا لیکن اس کے باوجود کابل کے نواح میں شدید لڑائی جاری رہی۔ بالآخر مارچ 1993ء میں اسلام آباد میں معاہدہ امن طے پایا گیا۔ اس دوران پروفیسر برہان الدین ربانی نے 2 جون 1993ء کو دو سال کے لیے افغانستان کے صدر کا عہدہ سنبھالا۔ 29 اپریل 1993ء کو میثاق جلال آباد طے پایا لیکن یہ معاہدہ بھی افغان رہنماؤں کو متحد نہ کر سکا۔ 1993ء کے اختتام پر جنرل دوستم کی ربانی حکومت سے بغاوت کے نتیجے میں کابل ایک بار پھر جنگ کی لپیٹ میں آ گیا۔ 1993ء میں گلبدین حکمت یار افغانستان کے وزیر اعظم بنے اور وہ جنوری 1994ء تک اس عہدے پر فائز رہے۔ 7 مارچ 1993ء کو اسلام آباد میں تمام افغان گروہوں کے مابین معاہدہ امن طے پایا لیکن اس کے باوجود 1993ء اور 1994ء میں حکومتی فوجوں اور مخالفین کے مابین جھڑپوں کا سلسلہ جاری رہا۔ صدر ربانی نے بھارت کے ساتھ قریبی تعلقات قائم کر لیے بھارت بھی ان کی مدد کرتا رہا اور وزیر دفاع احمد شاہ مسعود پاکستان کے خلاف دھمکی آمیز بیانات دیتے رہے۔ اکتوبر 1994ء میں افغانستان میں ''طالبان'' کے نام سے ایک نیا عنصر ابھرا اس نے افغانستان میں فتوحات کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اکتوبر 1995ء میں افغانستان میں رشید دوستم، حکمت یار اور ربانی سے طالبان کی جنگ کارروائیاں شدت اختیار کر گئیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نومبر 1995ء میں فوجیں کابل کے نواح میں پہنچ گئیں۔ جولائی 1996ء میں گلبدین حکمت یار افغانستان کے وزیر اعظم بنے تو انہوں نے ملک میں شرعی قوانین نافذ کر دیئے سینما گھروں کو بند کر دیا، افغان ریڈیو اور ٹیلی ویژن نے غیر اسلامی گانوں اور موسیقی پر پابندی لگا دی۔ 27 ستمبر 1996ء کو طالبان کے سربراہ ملا محمد عمر نے سرکاری فوجوں کو شکست دے کر کابل پر قبضہ کر لیا۔ حکومت کا نظم و نسق سنبھال لیا۔ 24 مئی 1997ء کو حکومت پاکستان اور سعودی عرب نے طالبان کو تسلیم کر لیا جبکہ پوری دنیا نے اسے تسلیم نہ کیا۔ نیز اقوام متحدہ نے بھی اسے تسلیم نہ کیا اور عالمی سطح پر صدر ربانی کو ہی افغانستان کے سربراہ کا درجہ دیا گیا۔ اس دوران 1996ء میں حزب اختلاف کے تین گروپوں نے حکومت کے خلاف ناردن الائنس (شمالی اتحاد) کے نام سے اتحاد قائم کر لیا۔

فروری 1998ء میں تخار کے علاقے میں شدید زلزلہ آیا جس سے کم و بیش 5 ہزار افراد ہلاک ہو گئے۔ 26 اپریل 1998ء کو افغانستان میں خانہ جنگی کو ختم کرنے کے لیے اسلام آباد میں مختلف افغان گروہوں کے مابین مذاکرات ہوئے لیکن 29 مئی کو ان کی ناکامی کا اعلان کر دیا گیا۔ 8 اگست 1998ء کو طالبان نے مزار شریف پر قبضہ کر لیا۔ 13 ستمبر کو انہوں نے بامیان پر بھی اپنی حکومت تسلیم کر لی۔ 11 مارچ 1999ء کو طالبان حکومت اور حزب اختلاف کی قوتوں کے مابین ترکمانستان میں مذاکرات ہوئے تاکہ جاری کے لیے اقدامات کیے جا سکیں۔ 14 مارچ 1999ء کو دونوں دھڑے باہم مل کر حکومت کرنے کے فارمولے پر متفق ہو گئے۔ 16 مئی 1999ء کو طالبان نے صوبہ بامیان کے آخری شہر یا کلانگ پر قبضہ کر لیا۔ اس طرح صوبہ بامیان طالبان کی عملداری میں آ گیا۔

نومبر 1999ء میں اقوام متحدہ نے طالبان پر اقتصادی پابندیاں لگا دیں۔ 17 جنوری 2000ء کو افغانستان کی حکومت نے چیچنیا کو ایک آزاد مختار ملک کی حیثیت سے تسلیم کر لیا۔ 23 مئی 2003ء کو روس نے افغانستان پر حملے کی دھمکی دی۔ 19 دسمبر 2000ء کو اقوام متحدہ نے طالبان پر مزید پابندیاں لگا دیں اور کہا کہ تیس روز کے اندر تربیتی کیمپ بند کیے جائیں اور انہیں بند کر کے اقوام متحدہ سے معائنہ کرایا جائے۔ اسامہ بن لادن اور ان کی تنظیم القاعدہ کے اثاثے منجمد کر دیئے گئے اور عالمی قوانین کی پابندی کرانا لازمی قرار دیا گیا۔

امریکہ نے 11 ستمبر 2001ء کو ورلڈ ٹریڈ سنٹر اور پینٹا گون پر دہشت گردوں کے حملوں کی ذمہ داری اسامہ بن لادن پر ڈال دی اور اپنے ہدف کی تکمیل کے لیے پاکستان اور دیگر نواحی ممالک سے فوجی اڈے حاصل کر لیے اور 7 اکتوبر 2001ء کو اتحادیوں کے ساتھ مل کر طالبان کے اہم ٹھکانوں پر فضائی حملے شروع کر دیئے۔ شمالی اتحاد بھی امریکہ کے ساتھ مل گیا۔ چنانچہ 13 نومبر 2001ء کو شمالی اتحاد نے امریکی فوجی تعاون اور امداد سے کابل پر قبضہ کر لیا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مہذب دنیا کے نزدیک یہ کوئی جنگ نہ تھی کیونکہ جنگ میں دونوں فریق ہر لحاظ سے ہم پلہ ہوتے ہیں اور ان کے پاس برابر کا جنگی ساز و سامان ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود امریکہ نے افغانستان میں جنگ کا بازار گرم کیے رکھا۔ پھر بھی اسے وہاں سے کچھ حاصل نہ ہوا، حالانکہ امریکہ کی طرف سے یہ دعویٰ بھی کیا گیا تھا کہ افغانستان میں دہشت گردوں کے 85 فیصد تربیتی مراکز تباہ کر دیے گئے تھے۔

13 نومبر 2001ء کو اگرچہ امریکہ نے شمالی اتحاد کی ہر قسم کی مدد کر کے افغانستان پر قبضہ کر لیا لیکن وہ پھر بھی اپنا مطلوبہ ہدف پورا نہ کر سکا جبکہ امریکہ اور اس کے اتحادیوں کے طیاروں کی بمباری کے نتیجے میں افغانستان میں دوائیں ناپید ہو گئیں اور لوگوں کے جسموں میں پیوست گولی یا بم کے ذرات نکالنے کا کوئی موثر انتظام نہ کیا جس کے نتیجے میں ہزاروں افراد ناکارہ ہو گئے۔

طالبان کی شکست کے بعد عبوری حکومت کے قیام کے سلسلے میں 27 نومبر 2001ء کو افغان دھڑوں کے مابین مذاکرات کا ایک سلسلہ شروع ہوا۔ 29 نومبر 2001ء کو ظاہر شاہ اور شمالی اتحاد کے مابین شراکت اقتدار کا معاہدہ طے پایا تاہم 5 دسمبر 2001ء کو بون (جرمن) میں افغان حکومت کی سربراہی کے لیے حامد کرزئی کے نام پر اتفاق ہو گیا۔ معاہدے کے تحت 22 دسمبر 2001ء کو حامد کرزئی نے افغانستان کا نظم و نسق سنبھال لیا۔ پاکستان نے جنوری 2002ء میں افغانستان میں اپنا سفارتخانہ قائم کر دیا اور اس کی تعمیر نو کے لیے 100 ملین ڈالر کا عطیہ دینے کا اعلان کیا۔ اسی ماہ ملا عمر طالبان حکومت کے مطابق صوبہ ہلمند سے اپوزیشن فوجوں کا گھیراؤ توڑ کر فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ تاہم اسامہ بن لادن کی موجودگی یا موت کا پتہ نہ چل سکا۔ فروری 2002ء میں افغانستان میں طالبان اور حزب اسلامی پر پابندی لگا دی گئی۔

مارچ 2002ء میں افغان حکومت کے سربراہ حامد کرزئی نے نئے سال کی خوشی میں 300 طالبان قیدی رہا کر دیے۔ اسی ماہ افغانستان میں ہولناک زلزلہ سے 5 ہزار افراد ہلاک ہو گئے اور دس ہزار مکانات گر گئے۔ اپریل 2002ء میں الفتح کے نام سے طالبان تحریک کی تنظیم نو کی گئی۔ 8 جولائی 2002ء کو اسامہ بن لادن کے ساتھی ابو قتادہ کی گرفتاری کا اعلان کیا گیا۔ 5 اگست 2002ء کو جرمن فوجی دستے کی مدد سے کابل ریڈیو سٹیشن نے نشریات شروع کر دیں۔ 17 اگست کو افغان ازبک ملیشیا کے نائب کمانڈر غلام سخی ہاشمی کو مزار شریف میں قتل کر دیا گیا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

22 دسمبر 2002ء کو جرمنی کے شہر بون میں دنیا بھر سے آئے ہوئے 32 وفود کے اجلاس میں افغانستان کی صورت حال پر بحث کی گئی اور اس کی تعمیر نو کے لیے اقدامات پر غور کیا گیا۔ اسی روز افغانستان کے صوبہ ہرات میں تاجک اور پشتون گروہوں کے مابین عارضی جنگ بندی پر اتفاق کیا گیا۔ 17 دسمبر 2002ء کو افغانستان کی تعمیر نو کے سلسلے میں 20 ممالک نے 2003ء کے لیے ایک ارب 70 کروڑ ڈالر کی امداد دینے کا اعلان کیا۔ 22 دسمبر کو افغانستان کے چھ پڑوسی ممالک کے مابین عدم جارحیت کا معاہدہ طے پایا جن میں ایران، پاکستان، افغانستان، ترکمانستان، چین اور افغانستان شامل تھے۔

5.3- اہم نکات

(1) افغانستان ایشیا کا خشکی سے گھرا ہوا ایک اہم ملک ہے۔

(2) افغانستان کے مشرق اور جنوب میں پاکستان اور مغرب میں ایران شمال میں ترکمانستان، ازبکستان اور شمال مشرقی سرے پر چین واقع ہے۔

(3) افغانستان کا رقبہ 250000 مربع کلومیٹر ہے۔

(4) افغانستان کی آبادی دو کروڑ 60 لاکھ نفوس پر مشتمل ہے۔

(5) افغانستان اسلامی کانفرنس کی تنظیم ایکو اقوام متحدہ اور غیر جانبدار ممالک کی تحریک کا رکن ہے۔

(6) 332 ق م میں سکندر اعظم نے اس پر حملہ کیا اور اس کے بعد سکندر اعظم ہی کے ایک جرنیل نے گریکو بکٹرین سلطنت کی بنیاد رکھی۔

(7) 28 اپریل 1992ء کو صبغت اللہ مجددی نے افغانستان کے صدر کا عہدہ سنبھالا۔

(8) 1993ء میں جنرل دوستم کی ربانی حکومت سے بغاوت کے نتیجے میں کابل ایک بار پھر جنگ کی لپیٹ میں آ گیا۔

(9) 27 ستمبر 1996ء کو طالبان کے سربراہ ملا عمر نے سرکاری فوجوں کو شکست دے کر کابل پر قبضہ کر کے حکومت کا نظم و نسق سنبھال لیا۔

(10) 22 دسمبر 2002ء میں جرمنی کے شہر بون میں دنیا کے 32 ممالک کے اجلاس میں افغانستان کی تعمیر نو کے اقدامات پر غور کیا گیا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

5.4- خود آزمائی نمبر 5

سوال نمبر 1- خالی جگہ پُر کریں۔

1- 17 دسمبر 2002ء کو افغانستان کی تعمیر نو کے سلسلے میں .... ما لک نے 2003ء کے لیے ایک ارب..............کروڑ ڈالر کی امداد دینے کا اعلان کیا۔

2- 22 دسمبر 2002ء کو جرمنی کے شہر بون میں دنیا بھر سے آئے ہوئے 32 وفود کے اجلاس میں..............کی صورت حال پر بحث کی۔

3- امریکہ میں پینٹا گون پر دہشت گردوں کے حملوں کی ذمہ داری .... پر ڈال دی گئی۔

4- 17 جنوری 2000ء کو افغان حکومت نے ....کو ایک آزاد اور خود مختار حکومت کی حیثیت سے تسلیم کیا۔

5- 1998ء میں افغانستان میں خانہ جنگی ختم کرنے کے لیے..............میں افغان گروہوں کے درمیان مذاکرات ہوئے۔

سوال نمبر 2- افغانستان کا جغرافیائی اور تاریخی پس منظر کیا ہے؟ پاکستان کی کن معنوں (کن بنیادوں پر) میں افغانستان سے گہری قرابت داری ہے؟ بحث کریں۔

سوال نمبر 3- امریکہ کن وجوہات کی بنا پر افغانستان پر حملہ آور ہوا؟ اس حملہ سے افغانستان پر جو سیاسی، ثقافتی اور اخلاقی اثرات مرتب ہوئے، ان کا جائزہ پیش کریں۔

سوال نمبر 4- تا حال تاریخی پس منظر پر خلاصے کی صورت میں عمومی تبصرہ کریں جو درمیانی شیٹ کے 5 صفحے ہوں۔

سوال نمبر 5- افغانستان میں طالبان اور القاعدہ کا کیا رول رہا؟ تنقیدی انداز میں بیان کریں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

6- عراق (IRAQ)

6.1- تعارف

عراق، مشرق وسطیٰ کا ایک زرخیز ملک ہے یہ جزیرہ نمائے عرب کے شمال میں واقع ہے۔اس کے شمال میں ترکی، مشرق میں ایران، جنوب مشرق میں خلیج فارس مغرب میں اردن اور شام، جنوب میں کویت اور سعودی عرب ہیں۔ یہ شمالاً جنوباً 865 میل رہا اور شرقاً غرباً 775 میل چوڑا ہے۔اس کا پرانا نام میسوپومیمیا ہے۔ایرانی اسے سورستان کہا کرتے ہیں۔اس کا رقبہ 438317 مربع میل ہے۔ایک مربع میل میں 129 افراد آباد ہیں۔عراق کی کل آبادی 2 کروڑ 30 لاکھ کے لگ بھگ ہے۔آبادی میں 75 فیصد عرب، 10 فیصد کرد اور دس فیصد ترک شامل ہیں۔اس کا زیادہ تر حصہ دجلہ اور فرات کی وادی پر مشتمل ہے۔شمال میں پہاڑی علاقہ ہے۔دجلہ اور فرات اہم دریا ہیں۔کردستان اہم پہاڑی سلسلہ ہے۔بغداد ملک کا صدر مقام ہے۔دیگر شہروں میں بصرہ، موصل، کرکوک، نجف، کربلا معلیٰ اور کربلا شامل ہیں۔بغداد دنیا کے قدیم ترین شہروں میں سے ایک ہے اور اب تک آباد چلا آ رہا ہے۔اسے تیسری صدی ق م میں عقاد کے شہنشاہ سرکون نے اپنا پایہ تخت بنایا تھا۔ملک کی آب و ہوا گرم اور خشک ہے۔ساحلی علاقوں کی آب و ہوا مرطوب ہے۔شمالی پہاڑوں پر سردیوں میں بارش ہوتی ہے۔

ملک کا موجودہ آئین 1958ء سے چند ترامیم کے ساتھ نافذ العمل ہے۔نومبر 1969ء اور جولائی 1990ء میں اس میں پھر ترامیم کی گئیں۔یہاں مسلمانوں کی آبادی 95 فیصد ہے۔اس میں سے 60 فیصد شیعہ ہیں۔سنی آبادی کا تناسب 35 فیصد جبکہ عیسائی کل آبادی کا 5 فیصد ہیں۔عربی ملک کی سرکاری زبان ہے۔دیگر زبانوں میں کرد، ترکی اور آسیری زبانیں شامل ہیں۔ملک کے 21 فیصد رقبے پر کاشت ہوتی ہے۔تقریباً 45 فیصد لوگ کھیتی باڑی کے پیشے سے منسلک ہیں۔کل ملکی پیداوار میں زراعت کا حصہ 10.8 فیصد ہے۔دریائے دجلہ اور فرات اس کی زرعی اراضی کو سیراب کرتے ہیں۔50 فیصد زراعت کا انحصار مصنوعی آب پاشی پر ہے۔کپاس، کھجور، جوار، باجرہ، پھل، گنا اور سبزیاں اہم زرعی پیداوار ہیں۔عراق میں کھجوروں کی پیداوار دنیا میں سب سے زیادہ یعنی 80 فیصد ہے۔تقریباً 7 ہزار مربع میل رقبے پر جنگلات پائے جاتے ہیں۔1958ء کی زرعی اصلاحات کے تحت انفرادی ملکیت کی حد 100 ایکڑ نہری اور 2000 ایکڑ بارانی مقرر کی گئی۔تیل عراق کی سب سے بڑی معدن ہے۔اس کے علاوہ لوہا، کروم، تانبا،

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سیسہ، فاسفیٹ، جپسم، گندھک شامل ہیں۔ 1927ء میں کرکوک میں اور 1952ء موصل میں تیل دریافت ہوا۔ دنیا کا چھ فیصد تیل عراق میں ہوتا ہے۔ صنعتی اعتبار سے یہ ملک خودکفیل ہے۔ یہاں تیل صاف کرنے، چمڑا سازی، پارچہ بافی، سیمنٹ، تمباکو، کاغذ، کھاد، گندھک، ادویات، زرعی آلات، برقی آلات، المونیم کی مصنوعات، لوہا، فولاد تیار کرنے کے کارخانے وغیرہ شامل ہیں۔ بصرہ، بغداد، موصل، کرکوک اہم صنعتی مراکز ہیں۔ عراق میں چھ سال کی عمر کے بچوں کو سکولوں میں بھیجنا لازمی ہے۔ یہاں تعلیم کو فروغ دیا جا رہا ہے۔ خواندگی کا تناسب 60 فیصد ہے۔ مردوں کی اوسط عمر 66 برس اور عورتوں کی 68 برس ہے۔ سالانہ شرح اضافہ 3.1 فیصد ہے۔ ایک لاکھ کی آبادی کے لیے 51 ڈاکٹر اور 64 نرسیں ہیں۔ یہاں ریل، موٹر کاروں، ہوائی جہازوں اور بحری جہازوں کے ذریعے آمدورفت ہوتی ہے۔ پکی سڑکوں کی لمبائی 47,400 کلومیٹر ہے۔ ریل کا رابطہ شام اور ترکی کے ساتھ ہے۔ عراقی ایئرویز قومی فضائی ادارہ ہے بغداد، موصل اور بصرہ کے بین الاقوامی ہوائی اڈوں سے دنیا بھر میں پروازیں جاتی ہیں۔ صدام حسین انٹرنیشنل ایئرپورٹ (بغداد) بین الاقوامی ہوائی اڈہ ہے۔ بصرہ اور ام قصر بڑی بندرگاہیں ہیں۔ فا اور خور العامیہ کی جہازی گودیاں آئل ٹینکروں کے لیے مخصوص ہیں۔ یہ ایران عراق جنگ میں تباہ ہوگئی تھیں۔ عراق اقوام متحدہ، عرب لیگ، اسلامی کانفرنس کی تنظیم او پیک جی 77 عرب کوآپریشن کونسل اور اوپیک کا رکن ہے۔

6.2- تاریخی پس منظر

تیسری صدی عیسوی میں جنوبی عرب کے لخمی دریائے فرات کی وادی میں واقع ریاست الحیرۃ کے حکمران تھے۔ 637ء میں حضرت سعد بن ابی وقاص نے ساسانیوں کو قادسیہ کے مقام پر شکست دے کر عراق میں اسلامی سلطنت کی بنیاد رکھی۔ 641ء میں مسلمانوں نے نینوا اور موصل اور 642 میں جنگ نہاوند میں شہنشاہ کو شکست دی۔ 638-639 میں مسلمانوں نے بصرہ اور کوفہ میں فوجی چھاؤنیاں تعمیر کرائیں۔ اکتوبر 749ء میں اموی حکومت کے خاتمے پر عباسی خلفا نے عراق پر حکومت کی 1059ء میں سلجوق حکمران طغرل بیگ نے بغداد فتح کیا۔ 1258ء میں ہلاکو خان کے ہاتھوں بغداد کی تباہی کے باعث عباسی حکومت کا خاتمہ ہوگیا۔ 1401ء میں امیر تیمور نے ایران کے شاہ طہماسپ کو شکست دے کر بغداد پر قبضہ کرلیا۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد 1917ء میں انگریزوں نے اس پر قبضہ کرلیا۔ 1918ء میں اسے ایک علیحدہ قوم کی حیثیت دی گئی۔ جولائی 1921 میں شاہ فیصل نے عوام سے رائے لے کر بادشاہت بحال کی۔ انہوں نے 23 اگست 1921ء کو تاج و تخت سنبھالا۔ جون 1922ء میں عراق کا آئین بنا۔ 18 اکتوبر 1922ء کو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

برطانوی تحویل کو معاہدے کی صورت دی گئی جس کے تحت برطانیہ کو یہ حق دیا گیا کہ وہ بیس سال تک عراق کو انتظامی امور میں مدد دے۔ دفاع، خارجہ امور اور مالیات کے امور انگریزوں کو تفویض کر دیئے گئے۔ عوام نے انگریزوں سے اپنے ملک کو آزاد کرانے کے لیے جدوجہد جاری رکھی جس کے نتیجے میں 22 جنوری 1931ء کو برطانیہ اور عراق کے مابین معاہدہ طے پایا اس طرح 13 اکتوبر 1932ء کو عراق پر انگریزوں کا تسلط ختم ہو گیا۔

شاہ فیصل کے انتقال کے بعد ان کا بیٹا شہزادہ غازی حکمران بنا۔ وہ 14 اپریل 1939ء کو ٹریفک کے حادثہ میں مارا گیا اور فیصل ثانی جن کی عمر صرف 4 سال تھی جانشین بنا دیئے گئے۔ ان کے بالغ ہونے تک ان کے ماموں امیر عبداللہ کو ایجنٹ مقرر کیا گیا۔ وہ 1958ء تک عراق کے بادشاہ رہے۔ 14 جولائی 1958ء کو جنرل عبدالکریم قاسم نے نہ صرف ان کی حکومت کا تختہ الٹ دیا بلکہ شاہ کے ماموں عبداللہ، وزیر اعظم نور السعید کو بھی قتل کر دیا۔ فروری 1963ء میں جنرل عبدالکریم قاسم انقلاب میں مارے گئے اور عبدالسلام عارف صدر بنے۔ وہ بھی 1966ء میں فضائی حادثے میں ہلاک ہو گئے۔ ان کی جگہ ان کے بھائی عبدالرحمٰن عارف صدر بنے۔ جولائی 1968ء میں عبدالرحمٰن عارف کی حکومت کا تختہ الٹ دیا گیا اور مارشل احمد حسن البکر عراق کے صدر بنے۔ 1969ء میں ایران کے ساتھ عراق کا شط العرب کے مسئلے پر جھگڑا کھڑا ہو گیا۔ 1972ء میں عراق اور روس کے مابین 15 سالہ دوستی کا معاہدہ طے پایا جس کے تحت بہت زیادہ تعداد میں روسی اسلحہ عراق آیا۔ 1973ء کی عرب اسرائیل جنگ میں عراق نے شام کی امداد کے لیے اپنی افواج وہاں بھیجیں۔ 1975ء میں عراقی فوج نے کردوں کو شکست دی۔ 16 جولائی 1979ء کو حسن البکر مستعفی ہو گئے تو صدام حسین نے عہدہ صدارت سنبھالا۔ ستمبر 1980ء میں عراق اور ایران کے مابین جنگ چھڑ گئی جو اقوام متحدہ کی کوششوں سے اگست 1988ء میں بند ہو گئی۔ جنگ میں دس لاکھ افراد مارے گئے۔

6.3- خلیج کی جنگ اور عراق

اگست 1990ء میں عراق نے کویت پر قبضہ کر لیا۔ اقوام متحدہ نے عراق کے خلاف قرار داد منظور کی اور 30 اتحادیوں نے امریکیوں کی قیادت میں عراق پر شدید حملے کر کے 1991ء میں کویت کو آزاد کرا لیا۔ اس کے بعد بھی عراق اور امریکہ کے مابین محاذ آرائی کا سلسلہ جاری رہا اور جنوری 1993ء میں ایک بار پھر امریکہ پر حملہ کر دیا۔ امریکی حملوں سے عراق میں بڑی تباہی مچی۔ اگرچہ اتحادیوں کا یہ حملہ اقوام متحدہ کی منظور حاصل کیے بغیر کیا گیا تھا تاہم اقوام متحدہ نے اس کا کوئی نوٹس نہ لیا۔ 19 جنوری 1993ء کو عراق نے جنگ بندی قبول کرتے ہوئے اقوام متحدہ کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تمام شرائط کو تسلیم کر لیا اور کویت کی سرحد سے اپنی تمام فوجی چوکیاں ہٹا لیں جو تنازعہ کا سبب تھیں۔ مئی 1993ء میں عراق اور کویت کے مابین نئی حد بندی قائم کی گئی۔ 19 جون کو امریکہ نے بغداد میں کروز میزائلوں سے حملہ کر کے عراق کے ملٹری انٹیلی جنس کے ہیڈ کوارٹر کو تباہ کر دیا۔

جولائی 1994ء میں روس فرانس اور چین نے مشترکہ طور پر عراق کے خلاف پابندیاں اٹھانے کا مطالبہ کیا۔ ایران، ترکی اور شام نے بھی ان ممالک کا ساتھ دیا۔ 14 اکتوبر 1994ء کو امریکہ اور برطانیہ نے اقوام متحدہ میں ایک قرارداد پیش کی جس میں کہا گیا تھا کہ عراق کو ہدایت کی جائے کہ وہ کویت کی سرحد سے اپنی فوجیں ہٹا لے جسے 16 اکتوبر کو سلامتی کونسل نے منظور کر لیا۔ اس میں عراق کو سنجیدہ نتائج بھگتنے کی بھی دھمکیک دی گئی۔ چنانچہ اس قرارداد کی روشنی میں عراق نے کویت کی سرحد سے اپنی تمام فوج واپس بلا لی اور 10 نومبر 1994ء کو کویت کی آزادی اور خود مختاری کو بھی تسلیم کرنے کا اعلان کر دیا۔

اگرچہ سلامتی کونسل کے 15 ارکان عراق کے اس فیصلے سے خوش ہوئے لیکن امریکہ مطمئن نہ ہوا اور اس نے عراق پر پابندیاں جاری رکھنا ضروری خیال کیا۔ چنانچہ سلامتی کونسل نے روس اور فرانس کی مخالفت کے باوجود اقتصادی پابندیوں کو ان دو شرائط کے ساتھ ختم نہ کیا تھا۔

1- خطرناک ہتھیاروں کے ذخائر مکمل طور پر تباہ کرنا۔

2- اقلیتوں کے ساتھ عراق کے رویے کو بہتر بنانا۔

15 اکتوبر کو صدارتی ریفرنڈم میں صدر صدام حسین 90.96 ووٹ لے کر پھر سات سال کے لیے عراق کے صدر منتخب ہو گئے۔ 20 مئی 1996ء کو عراق اور اقوام متحدہ میں عراق کے لیے تیل کے بدلے خوراک کا ایک مشروط معاہدہ طے پایا لیکن امریکہ نے اس معاہدے کو بھی ناکام بنانے کے لیے یہ شرط عائد کر دی کہ عراقی تیل کی فروخت سے 50 ملین ڈالر ماہانہ کردوں کو بھی دیئے جائیں۔ تاہم اس معاہدے کی رو سے چھ ماہ عراق کو خوراک اور ادویات کی ضروریات پوری کرنے کے سلسلے میں 2 ارب ڈالر کا تیل بیچنے کی اجازت دے دی گئی۔

2 نومبر 1997ء کو عراق نے اقوام متحدہ کے امریکی اہلکاروں کو ملک سے نکال باہر کیا۔ 12 نومبر کو سلامتی کونسل نے اسلحہ پروگرام سے وابستہ عراقیوں کے سفر پر پابندی کی قرارداد منظور کی۔ 13 نومبر کو عراق سے تمام امریکی انسپکٹروں کو ملک سے نکل جانے کا حکم دیا تاہم 20 نومبر کو عراق۔ نے اقوام متحدہ سے امریکی انسپکٹروں کو کام کرنے کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اجازت دے دی۔ 23 نومبر 1997ء کو امریکی حکومت کی جانب سے صدر صدام حسین کے صدارتی محلات کی تلاشی کا مطالبہ کیا۔ اس ضمن میں خلیج تعاون کونسل کے وزرائے خارجہ کے اجلاس میں امریکی مطالبے پر کوئی توجہ نہ دی گئی۔ 21 دسمبر 1997ء کو اقوام متحدہ نے عراق کو تیل کی دگنی مقدار فروخت کرنے کی اجازت دے دی۔ 11 فروری 1998ء کو عراق نے اقوام متحدہ کو تمام صدارتی محلات کے مکمل معائنے کی اجازت دینے کا اعلان کیا۔ 20 فروری 1998ء کو اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل کوفی عنان بغداد پہنچے اور انہوں نے عراقی حکام کے ساتھ ہتھیاروں کے انسپکٹروں کے بارے میں پیدا ہونے والے بحران کے پرامن حل کے لیے بات چیت کی۔ 23 فروری 1998ء کو عراق نے بحران ختم کرنے کے لیے ایک معاہدے پر دستخط کر دیئے۔ جون 1998ء میں اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل نے عراق پر پابندیوں کی مدت میں مزید توسیع کر دی۔

اگست 1998ء میں اقوام متحدہ سے عراق نے ہر قسم کا تعاون ختم کرنے کا اعلان کر دیا کیونکہ اس پر مسلسل زیادتی کی جا رہی تھی۔ 4 نومبر 1998ء کو اقوام متحدہ کے اسلحہ انسپکٹروں سے تعاون ختم کرنے کے بعد عراق پر حملے کے لیے امریکہ اور برطانیہ سلامتی کونسل کی حمایت حاصل کرنے میں ناکام ہو گئے اور چین نے فوجی کارروائی کی قرارداد ویٹو کرنے کی دھمکی دے دی۔ منظور کی گئی قرارداد مذمت میں سلامتی کونسل نے عراقی فیصلے کی مذمت اور اس سے اپنا فیصلہ واپس لینے کا مطالبہ کیا۔ 12 نومبر 1998ء کو اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل نے عراق پر زور دیا کہ وہ ہتھیاروں کے مسئلے پر اقوام متحدہ کے انسپکٹروں سے تعاون کرے۔

ادھر دوحہ (قطر) میں 8 عرب ممالک کے اجلاس کے بعد وزرائے خارجہ نے عراق پر زور دیا کہ ہتھیاروں کے معائنے میں اقوام متحدہ سے تعاون کرے ورنہ فوجی کارروائی کی ذمہ داری اس پر عائد ہوگی۔ 14 نومبر 1998ء کو پھر عراق نے اقوام متحدہ کا مطالبہ تسلیم کرتے ہوئے اسلحہ انسپکٹروں کو دوبارہ کام کرنے کی اجازت دے دی۔ 15 نومبر 1998ء کو عراق پر امریکہ اور برطانیہ کے اتحادیوں کا حملہ وقتی طور پر ٹل گیا کیونکہ عراق نے یہ یقین دہانی کرائی تھی کہ اس نے اقوام متحدہ کی ہتھیاروں کی معائنہ کار جماعت نے تعاون بحال کرنے کے لیے کسی قسم کی شرائط عائد نہیں کی۔ امریکہ نے ابتداء میں عراقی پیش کش کو مشروط سمجھ کر اسے مسترد کر دیا۔ 22 نومبر 1998ء کو عراق اور اسلحہ انسپکٹروں کے مابین پھر تنازع کھڑا ہو گیا۔ امریکہ نے پھر حملے کی دھمکی دی اور کہا کہ وہ صدام حسین کی حکومت کے خاتمے تک اپنی کارروائی جاری رکھے گا۔ 25 نومبر 1998ء کو اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل نے عراق کے ساتھ انسانی ہمدردی کے تحت تیل کے بدلے خوراک کے پروگرام میں مزید چھ ماہ کی توسیع کر دی۔ پندرہ رکنی سلامتی کونسل نے یہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قرارداد متفقہ طور پر منظور کی جس میں آئندہ چھ ماہ کے لیے عراق کو پانچ ارب تینتیس کروڑ ڈالر مالیت کا تیل فروخت کرنے کی اجازت دے دی۔

6.4- اہم نکات

(1) عراق جزیرہ نما عرب کے شمال میں واقع ہے۔

(2) اس کے شمال میں ترکی مشرق میں ایران، جنوب میں خلیج فارس، مغرب میں اُردن اور شام اور جنوب میں کویت اور سعودی عرب ہیں۔

(3) عراق میں ایک مربع میل میں 129 افراد آباد ہیں۔

(4) عراق کی آبادی 2 کروڑ 30 لاکھ کے لگ بھگ ہے۔

(5) عراق کا موجودہ آئین 1958ء سے چند ترامیم کے ساتھ نافذ العمل ہے۔

(6) کل ملکی پیداوار میں زراعت کا حصہ 10.8 فیصد ہے۔

(7) 637 میں حضرت سعد بن ابی وقاص نے ساسانیوں کو قادسیہ کے مقام پر شکست دے کر عراق میں اسلامی سلطنت کی بنیاد رکھی۔

(8) 749ء میں اموی حکومت کے خاتمے پر عباسی خلفاء نے عراق پر حکومت کی۔

(9) 1990ء میں عراق نے کویت پر قبضہ کرلیا۔

(10) 1993ء میں عراق نے جنگ بندی قبول کرتے ہوئے اقوام متحدہ کی تمام شرائط کو تسلیم کرلیا اور کویت کی سرحد سے اپنی فوجی چوکیاں ہٹا دیں۔

6.5- خود آزمائی نمبر 6

سوال نمبر 1- خالی جگہ پُر کریں۔

1- 19 دسمبر 1998ء کو.................. نے عراق پر حملے تیز کردیے۔

2- 17 اپریل 2000ء کو عراق پر اتحادی طیاروں کی بمباری سے..................شہری ہلاک ہوئے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

3- 16 دسمبر 2002ء کو لندن میں عراق کے اپوزیشن رہنماؤں کا .... رکنی اجلاس ختم ہو گیا۔

4- 2003ء میں سعودی عرب نے .... کو پناہ دینے سے انکار کر دیا۔

5- امریکہ اور برطانیہ نے .... کو عراق پر ہوائی حملے روک دیئے۔

سوال نمبر 2- عراق کے تاریخی پس منظر اور بین الاقوامی حیثیت پر تبصرہ کریں۔

سوال نمبر 3- صدام حسین اور امریکی چپقلش نے عراق اور اہل عراق پر کیا دوررس اثرات مرتب کیے؟ تنقیدی جائزہ لیں۔

سوال نمبر 4- عراق پر امریکہ اور اس کے اتحادیوں کی یلغار پر تفصیلی بحث کریں۔

سوال نمبر 5- سقوط بغداد سے عراق کی سیاسی اقتصادی اور ثقافتی خودمختاری پر کس قسم کے اثرات مرتب ہو سکتے ہیں؟ اپنے نقطہ نظر کی وضاحت کریں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

7- ترک جمہوریہ شمالی قبرص

7.1- تعارف

ترک جمہوریہ شمالی قبرص، قبرص کا حصہ تھا لیکن 15 نومبر 1983ء کے اعلان کے تحت اس کے باشندوں نے یکطرفہ طور پر آزادی کا اعلان کر دیا یہ ترکی کے جنوبی ساحل پر یورپ میں واقع ہے اور قبرص کا شمالی حصہ ہے۔ قبرص کے تیس فیصد رقبے پر مشتمل ہے۔ ترکی کے سوا کسی دوسرے ملک نے اسے تسلیم نہیں کیا۔ اس کا رقبہ 1295 مربع میل یا 3355 مربع کلومیٹر پر مشتمل ہے جبکہ آبادی اڑھائی لاکھ نفوس پر مشتمل ہے۔ اس اعتبار سے فی مربع میل میں 148 افراد آباد ہیں۔ قبرص کی کل آبادی کا 18 فیصد ہیں۔ ترک قبرصی باشندوں کی اکثریت سے ان کی آبادی کا تناسب 99 فیصد ہے۔ شمالی نکوسیا ملک کا صدر مقام ہے۔ غازی مگوسا (فاماگستا) ایک اور بڑا شہر ہے۔ یہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ ترکی کو سرکاری زبان کے حیثیت حاصل ہے۔ انگریزی رابطے کی زبان ہے۔ اس کی آب و ہوا سارا سال خوشگوار رہتی ہے۔ بارش کی سالانہ اوسط 100 سینٹی میٹر ہے۔ شمالی قبرص کی اپنی قانون سازی اسمبلی ہے جس کے ارکان کی تعداد 50 ہے۔ ملک میں کثیر الجماعتی نظام نافذ ہے۔ اس کا اپنا ٹرانسپورٹ کا نظام ہے اور طرز حکومت صدراتی ہے۔ ہزاروں موٹر گاڑیاں سڑکوں پر رواں دواں ہیں۔ 1985ء میں ترک قبرصی ایئر لائنز کا قیام عمل میں لایا گیا۔ اس ضمن میں ارکن کے مقام پر بین الاقوامی ہوائی اڈہ تعمیر کیا گیا دوسرا بین الاقوامی ہوئی اڈہ گیکلٹیکل میں ہے۔ کل 14 ہوائی اڈے ہیں۔ فاماگستا اہم بندرگاہ بھی ہے۔ اس کے ذریعے بحری تجارت ہوتی ہے۔ سڑکوں کی لمبائی 10780 کلومیٹر ہے۔

ترشاوہ پھل، آلو اور تمباکو اس کی اہم زرعی پیداوار ہیں۔ اسے اگرچہ متعدد ممالک نے تسلیم نہیں کیا تاہم چند ممالک اس سے تجارت کرتے ہیں۔ اہم برآمدات میں ترشاوہ پھل، آلو، تمباکو جبکہ درآمدات میں مشینیں اور دیگر اشیائے صرف شامل ہیں۔ ترکش لیرا سکے کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ 1989ء میں یہاں 300 ڈاکٹر، تین سٹیٹ ہسپتال اور 4 کلینک تھے۔ 1991ء میں پرائمری میں 19184 طلبہ زیر تعلیم تھے جبکہ ہائی سکولز میں ان کی تعداد 16856 تھی۔ ملک میں چار یونیورسٹیاں اور ٹیچر ٹریننگ کالج بھی ہیں۔ اسے ابھی تک عالمی اداروں نے آزاد حیثیت سے تسلیم نہیں کیا تاہم اسلامی کانفرنس کی تنظیم میں اسے مبصر کا درجہ حاصل ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

7.2- تاریخی پس منظر

1960ء میں قبرص کی آزادی کے بعد ملک میں جو آئین نافذ ہوا اس میں ترک نژاد قبرصی باشندوں کے جائز سیاسی حقوق اور ایک آئینی شق کے مطابق اہم سیاسی امور میں ویٹو کا حق بھی دیا گیا۔ نیز آئین میں یہ شق بھی شامل کر دی گئی کہ مملکت کا سربراہ یونانی قبرصی اور نائب صدر قبرصی ہوگا اور موخر الذکر کو امور خارجہ، دفاع، حفاظتی امور، قانون سازی اور ویٹو کا حق حاصل ہوگا علاوہ ازیں 70 فیصد نمائندے یونانی قبرصی اور تیس فیصد قبرصی ہوں گے۔ اسی نسبت سے مسلح افواج پولیس اور حکومت میں نمائندگی دی جائے گی لیکن اکثریت کی نیت ٹھیک نہ تھی کیونکہ قبرصی رہنما آرچ بشپ میکاریوں نے ترک اقلیت سے متعلق آئین کی دفعات میں تبدیلیاں کرنا چاہیں اس تحریک پر جس کا مقصد اقلیت کی مراعات کو کم کرنا تھا ترکوں میں فوری طور پر ردعمل ہوا چنانچہ دسمبر 1963ء میں ملک بھر میں ہنگامے شروع ہو گئے جن کے نتیجے میں انتہا پسند یونانیوں نے ترک قبرصیوں پر حملے شروع کر دیئے۔ ہزاروں ترکوں جزیرے کے شمالی حصے میں پناہ لینی پڑی۔ مجبوراً ترکی نے دخل اندازی کی چنانچہ 27 دسمبر 1963ء کو یہ مسئلہ سلامتی کونسل میں زیر بحث آیا۔ 18 فروری 1964ء کو اس مسئلے پر دوبارہ بحث ہوئی جس پر ترکی اور قبرص جنگ بندی پر آمادہ ہو گئے۔ دسمبر 1967ء میں تین ماہ کے لیے امن فوج متعین کر دی گئی۔ اگست 1964ء میں پھر فسادات ہوئے جن پر جلد قابو پا لیا گیا۔ 15 جولائی 1974ء تک میکاریوں کی واپس تک گلیفکس نے قائم مقام صدر کے عہدے کے فرائض انجام دیئے۔

قبرص کے بارے میں یونان کے خطرناک عزائم اور یونانی قبرص اکثریت کی جانب سے ترک قبرصیوں کی نسل کشی کے سبب 20 جولائی 1974ء کو دو حملوں کے دوران ترکی کی افواج نے قبرص کے 40 فیصد حصے پر قبضہ کر لیا نتیجے کے طور پر 2 لاکھ قبرصی بے گھر ہو گئے۔ قبرص کے بحران کو اقوام متحدہ میں لے جایا گیا۔ اقوام متحدہ نے یہ قرارداد منظور کی کہ علاقے پر سے تمام غیر ملکی فوجیں چلی جائیں لیکن اس قرارداد پر عمل درآمد نہ ہو سکا۔ یونانی قبرصیوں کے رویے سے تنگ آ کر ترک قبرصیوں نے 13 فروری 1975ء کو رؤف ڈینکٹاش کی قیادت میں ایک خود مختار ترک قبرصی ریاست کے قیام کا اعلان کیا۔ قبرص حکومت نے رؤف ڈینکٹاش سے مذاکرات بھی کئے لیکن یہ بھی نتیجہ خیز ثابت نہ ہوئے۔ 15 نومبر 1983ء کو رؤف ڈینکٹاش نے پارلیمینٹ میں یک طرف طور پر جمہوریہ شمالی قبرص کے نام سے اپنی علیحدہ مملکت کے قیام کا اعلان کیا۔ یونانی قبرص کی حکومت نے اقوام متحدہ کا اجلاس طلب کر لیا صدر روف نے کہا کہ ترک جمہوریہ شمالی قبرص اقوام متحدہ کے منشور پر عمل کرے گی اور غیر جانبدارانہ حکمت عملی اختیار کرے گی۔ اس مسئلے پر ستمبر، اکتوبر اور نومبر میں بھی اقوام متحدہ کے ساتھ بات چیت کے متعدد دور ہوئے لیکن بات چیت ناکام رہی۔ 19 نومبر 1983ء کو اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل نے کہا کہ کسی قبرصی حکومت کو تسلیم نہ کیا جائے۔ قرارداد کے حق میں 13 ووٹ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آئے صرف پاکستان نے مخالفت کی۔ 5 مئی 1975ء کو نئے آئین کا نفاذ ہوا۔ 9 جون 1985ء کو رؤف ڈینکٹاش کو دوبارہ جمہوریہ شمالی قبرص کا صدر منتخب کرلیا گیا۔

29 جون 1989ء کو یونانی قبرص کے صدر جارج ویسلیو اور جمہوریہ ترک قبرص کے صدر رؤف ڈینکٹاش کے مابین مذاکرات ہوئے۔ فریقین نے پرامن طریقے سے اس مسئلے کو حل کرنے پر زور دیا۔ پھر اقوام متحدہ نے قبرصی صدر سے مل کر 24 جولائی 1989ء کی تاریخ برائے مذاکرات منعقد کی جو نہ ترک قبرص کی رضامندی حاصل نہ کی گئی تھی اس لیے مذاکرات نہ ہو سکے۔ 23 اگست 1989ء کو ترک قبرصی پارلیمنٹ کے اجلاس میں یہ قرارداد منظور کی گئی کہ ترک قبرصیوں کے علاقہ اور مساوی حیثیت سے تسلیم کیے بغیر سمجھوتے تک پہنچنا ممکن نہیں تھا۔ 1991ء میں بھی مذاکرات ہوئے جو کسی نتیجے کے بغیر ہی ختم ہو گئے۔

1997ء میں اقوام متحدہ کی زیرنگرانی فریقین کے مابین پھر مذاکرات ہوئے، لیکن یہ بھی نتیجہ خیز نہ رہے۔ 20 اپریل 2000ء کو رؤف ڈینکٹاش کو ایک مرتبہ پھر ترک جمہوریہ شمالی قبرص کا صدر منتخب کرلیا گیا۔ 25 مئی 2001ء کو وزیراعظم درویش ارگلو مستعفی ہو گئے۔ 2002ء میں بھی جمہوریہ قبرص اور ترک جمہوریہ شمالی قبرص میں کوئی تصفیہ نہ ہوسکا۔

7.3- اہم نکات

(1) جمہوریہ شمالی قبرص کا کل رقبہ 1295 مربع میل ہے۔

(2) شمالی قبرص کی اپنی قانون ساز اسمبلی ہے۔

(3) ترشاوہ پھل آلو اور تمباکو اس کی اہم زرعی پیداوار ہیں۔

(4) میکاریوس کی واپسی تک گلیفکس کلیرنڈس نے قائم مقام صدر کے عہدے کے فرائض انجام دیے۔

(5) 1983ء کو رؤف ڈینکٹاش نے پارلیمنٹ میں یک طرفہ طور پر جمہوریہ شمالی قبرص کے نام سے اپنی علیحدہ مملکت کے قیام کا اعلان کیا۔

(6) 19 نومبر 1983ء کو اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل نے کسی قبرصی حکومت کو تسلیم نہ کرنے کا اعلان کیا۔

7.4- خود آزمائی نمبر 7

سوال نمبر 1- شمالی قبرص کے مسلمانوں نے جن وجوہ پر آزاد ریاست قائم کرلی ہے ان پر تاریخ وار تبصرہ کریں۔

سوال نمبر 2- شمالی قبرص کے تاریخی اور جغرافیائی تعارف کا خلاصہ درج کریں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

8- بوسنیا ہرزیگوینا (Bosnia Herzegovina)

8.1- تعارف

یہ جنوب مشرقی ورپ کا ایک مسلمان ملک ہے۔اس کے شمال جنوب اور مغرب میں جمہوریہ کروشیا، سربیا، مانٹی نیگرو، مشرق میں یوگوسلاویہ اور بحیرہ ایڈریاٹک جنوب میں واقع ہیں۔اس کا 50 فیصد رقبہ جنگلات سے گھرا ہوا ہے۔چند ایک پہاڑ بھی ہیں۔اس کی آبادی 3,840,000 نفوس پر مشتمل ہے۔آبادی میں 43 فیصد سلاؤ 31 فیصد سرب اور 17 فیصد کروشیائی لوگ شامل ہیں۔بوسنیا کا رقبہ 19776 مربع میل 51233 مربع کلومیٹر ہے۔اس اعتبار سے فی مربع میل میں 194 بستے ہیں۔ساحل 13 میل لمبا ہے۔سراجیو ملک کا صدر مقام ہے دیگر بڑے شہروں میں بانجالوکا برکو، نرلا جبلا نکا، موزیٹکا، گواروژے اور بہاک ہیں۔مسلمانوں کی اکثریت ہے۔دیگر مذاہب میں عیسائی شامل ہیں۔سربو کروشین ملک کی سرکاری زبان ہے۔ملک کی آب وہوا جنوبی بحیرہ روم اور براعظیم خطوں سے ملتی جلتی ہے۔

شرح پیدائش 8 فیصد سالانہ ہے جو کہ نہ ہونے کے برابر ہے۔اس کا اپنا سکہ ہے جسے دینار کہتے ہیں۔اس کی اہم زرعی پیداوار میں مکئی، پھل، تمباکو، گندم، چنے، مویشی بھیڑیں وغیرہ شامل ہیں۔معدنی اعتبار سے بھی یہ علاقہ اتنا زیادہ پسماندہ نہیں ہے۔یہاں سے بھورا کوئلہ، لگنائٹ، باکسائیٹ، السبطاس، زنک، سیسہ وغیرہ نکالا جاتا ہے۔ان سے اسے اچھی خاصی آمدنی ہوتی ہے اس کی اہم صنعتوں میں کپڑا، غالیچے، تجارتی لکڑی، انجینئرنگ کا سامان اور کیمیائی اشیاء، تیل کی صفائی گاڑیوں کی اسمبلنگ وغیرہ شامل ہیں۔

8.2- تعلیم وصحت اور نظام حکومت

بوسنیا میں تعلیم کی طرف بھرپور توجہ دی جاتی ہے۔یہاں کی یونیورسٹیاں، کالج اور سکول عوام کی بھرپور خدمت میں مصروف ہیں۔یہی وجہ ہے کہ خواندگی کا تناسب 90 فیصد سے زائد ہے۔جہاں تک صحت کا تعلق ہے تو اس جانب بھی بھرپور توجہ دی جارہی ہے۔بوسنیا میں کافی ڈاکٹر ہیں۔اس اعتبار سے 1703 افراد کے حصے میں ایک ڈاکٹر آتا ہے۔اسی طرح ہسپتالوں میں بستروں کی تعداد بھی زیادہ ہے۔تقریباً 30 افراد کے حصے میں ایک بستر آتا ہے۔زچہ وبچہ کی طرف بھی بھرپور توجہ دی جاتی ہے۔یہاں صدارتی طرز حکومت قائم ہے۔پارلیمنٹری اسمبلی دوایوانی ہے۔ایوان نمائندگان کی تعداد 42 اور دارالعوام کی 15 ہے۔پہلا آئین 10 اپریل 1994ء میں نافذ کیا گیا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

8.3- تاریخی پس منظر

بوسنیا ہرزیگووینا کا علاقہ چودہویں صدی عیسوی میں سلطنت عثمانیہ کا حصہ تھا۔ غازی عثمان خان نے اس کی بنیاد رکھی تھی۔ 1398ء میں جنگ کسووہوئی۔ جس میں عثمانی ترکوں نے ہنگری اور آسٹریا کو شکست سے دوچار کر کے کسوو اور بوسنیا پر قبضہ کرلیا۔ اس کے بعد بلغراد بھی عثمانی ترکوں کے قبضے میں آ گیا۔ 1878ء تک یہ ترکوں کے قبضے میں رہا۔ آسٹریا نے روس کی مدد سے عثمانی ترکوں کے خلاف جنگ کر کے اس پر قبضہ کرلیا۔ 1919ء میں جنگ عظیم اول کے اختتام پر ہنگری، سربیا اور یوگوسلاویہ معرض وجود میں آئے۔ آسٹریا کے ٹکڑے ہونے کے بعد سربیا، کروشیا، مانٹی نیگرو اور بوسنیا ہرزیگووینا کا وفاق یوگوسلاویہ کی صورت میں تشکیل پایا۔ جب تک مارشل ٹیٹو زندہ رہے یوگوسلاویہ میں مستحکم حکومت رہی۔ ان کی وفات کے بعد یوگوسلاویہ کے کمیونسٹ نظام میں دراڑیں پیدا ہونا شروع ہوگئیں۔ اس اثناء میں مشرقی یورپ سے کمیونسٹ حکومتوں کا بتدریج خاتمہ ہوتا چلا گیا۔ جون 1991ء میں کروشیا اور سلوانیہ نے بغاوت کر کے انہیں آزاد مملکت قرار دیا۔

15 اکتوبر 1991ء کو بوسنیا کی پارلیمینٹ نے آزادی کا اعلان کر دیا۔ 29 فروری 1992ء کو بوسنیا کی آزادی کو باضابطہ بنانے کے لیے ریفرنڈم کا اعلان ہوا۔ سربوں نے ریفرنڈم کی مخالفت کی اور ہنگامے شروع کر دیئے لیکن پروگرام کے مطابق صدر عالیجاہ عزت بیگوویچ نے ریفرنڈم کروایا، جس کے نتیجے میں 65 فیصد عوام نے آزادی کے حق میں ووٹ دیا۔ 21 مئی 1992ء کو اسے اقوام متحدہ کی رکنیت مل گئی اور کئی ممالک نے اس کی آزادی اور خودمختاری کو تسلیم کرلیا۔ 21 مئی 1992ء کو اسے اقوام متحدہ کی رکنیت مل گئی اور کئی ممالک نے اس کی آزادی اور خودمختاری کو تسلیم کرلیا۔ فوج ہتھیار اور اڈے چونکہ سربیا کے متعصب عیسائیوں کے کنٹرول میں تھے، اس لیے انہوں نے بوسنیا پر یلغار کر دی۔ ادھر بوسنیا میں مقیم سربوں نے خانہ جنگی شروع کر دی جس کے نتیجے میں متعدد علاقوں پر سربوں کا قبضہ ہو گیا جبکہ زیپا، سربری نیکا اور موسٹر تک بوسنیا کی حکومت محدود ہو کر رہ گئی۔ اس دوران 17 اپریل 1992ء کو امریکہ اور یورپی مشترکہ منڈی کے رکن ممالک نے بھی اسے تسلیم کرلیا۔ 1993ء کا سال بھی اہل بوسنیا کے لیے تباہی و بربادی کا سال بنا رہا۔ سال بھر میں اقوام متحدہ کی امن فوج کے مجاہد بوسنیا کے محصور علاقوں میں خوراک اور ادویات پہنچانے کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ ادھر سرب بیگار کیمپوں میں بوسنیائی باشندوں کو بند کر دیا گیا اور مسلم خواتین کی اجتماعی بے حرمتی کو روز کا معمول بنا لیا گیا۔ حالانکہ متعدد بار جنگ بندی کا معاملہ بھی طے پایا تھا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بوسنیا پر سربوں کا ظلم وتشدد آج بھی جاری ہے اور سربوں کے ہاتھوں دو لاکھ سے زائد بوسنیائی باشندے شہید ہو چکے ہیں۔ 25 اپریل 1993ء تا 29 اپریل 1993ء اسلامی وزرائے خارجہ کا جو اجلاس کراچی میں منعقد ہوا اس میں بھی سربوں کے مظالم کی شدید مذمت کی گئی اور سربوں سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ بوسنیا کے علاقوں کو خالی کر دیں۔ مئی 1993ء میں خود ساختہ بوسنیائی سرب پارلیمینٹ نے وانس اوون امن منصوبہ مسترد کر دیا۔ دسمبر 1993ء کے آخری ہفتے میں بوسنیا کی مسلم افواج نے وسطی بوسنیا میں پیش قدمی بھی کی۔ 4 فروری 1994ء کو بوسنیا کی حکومت نے جنگ میں ہلاک ہونے والوں کے جو اعداد و شمار شائع کیے ان کے مطابق جنگ میں 141065 بوسنیائی باشندے ہلاک اور 160000 زخمی ہوئے۔

11 جنوری 1994ء کو برسلز (بلجیئم) میں نیٹو ممالک کی سربراہ کانفرنس میں سراجیوو اور دیگر محفوظ علاقوں کی سلامتی کے لیے یوگوسلاویہ کے خلاف ہوائی حملوں کا سلسلہ شروع کرنے کا فیصلہ کیا تاہم اس کے لیے اقوام متحدہ کی منظوری حاصل کرنا ضروری تھا۔ 3 فروری 1994ء کو اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل نے کروشیاء پر پابندی لگانے کی دھمکی دے دی۔ 11 فروری 1994ء کو سلامتی کونسل نے ہوائی حملوں کی منظوری دے دی۔ چنانچہ 28 فروری 1994ء کو نیٹو میں شامل امریکی فوج کے طیاروں نے سربیا کے چار طیارے مار گرائے۔ 18 مارچ کو واشنگٹن میں کروٹ مسلم فیڈریشن کے قیام کے معاہدے پر دستخط ہوئے۔ یوگوسلاویہ پر نیٹو کی فوجوں کے حملے اس وقت تک جاری رہے جب تک کہ ڈیٹن (اوہایو) میں 21 نومبر 1995ء کو امن معاہدے طے نہ پا گیا۔

معاہدے کے تحت غرب جمہوریہ اور مسلم کروٹ فیڈریشن کے قیام کا اعلان کیا گیا۔ دسمبر 1995ء میں علاقے میں امن قائم کرنے کے لیے اقوام متحدہ کے 60 ہزار فوجی دستے، جن میں 20 ہزار امریکی تھے، تعینات کر دیئے گئے۔ ستمبر 1996ء میں یہاں عام انتخابات منعقد ہوئے جن کے نتیجے میں صدارت تین افراد کے حصے میں آئی۔ جنوری 1997ء میں پارلیمینٹ نے کابینہ کے قیام کی منظوری دی جس میں سربوں اور مسلمانوں کا مشترکہ وزیراعظم ہوگا۔ اکتوبر 1996ء میں بوسنیا اور ہرزے گوینا میں سفارتی تعلقات کا قیام عمل میں آیا۔ اس ضمن میں دونوں ملکوں نے ایک دوسرے کی سرحدوں کا احترام کرنے کا عہد کیا۔ 1999ء میں بوسنیا ہرزے گوینا میں بحالی کے کام کے لیے بین الاقوامی امداد کے منصوبے کے تحت لاکھوں ڈالر بطور امداد مہیا کیے گئے۔

15 جنوری 2000ء کو ہیگ میں بین الاقوامی عدالت کے جنگی ٹریبونل نے بوسنیا کے پانچ کروٹ باشندوں کو مسلمانوں کے قتل عام کا مجرم ٹھہرایا اور انہیں چھ سے پچیس سال قید کی سزا سنائی گئی۔ 2000ء میں نیٹو کی فوج ساٹھ ہزار

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے کم کر کے 20 ہزار کر دی گئی۔ اگست 2000ء میں اقوام متحدہ کی ایک رپورٹ میں بتایا گیا کہ تقریباً 250000 بوسنیائی باشندے اپنے گھروں کو واپس آ گئے ہیں۔ 28 جون 2001ء کو یوگوسلاویہ کے سابق صدر میلاسوچ سلوبوڈن کو ہیگ کی جنگی جرائم کی عدالت میں پیش کیا گیا۔ عدالت نے ان پر فرد جرم عائد کر دی۔ 18 جولائی 2001ء کو سول ڈیموکریٹک پارٹی کے رہنما زلاتکو گامزیجا (Zlatko Gomezija) وزیراعظم کے عہدے پر فائز ہوئے۔ جولائی 2002ء میں بوسنیا، کروشیا اور یوگوسلاویہ کے صدور نے مہاجرین کی واپسی کے سلسلے میں مذاکرات کیے۔

8.4- اہم نکات

(1) بوسنیا ہرزگوینا جنوب مشرق یورپ کا ایک مسلمان ملک ہے۔

(2) بوسنیا کا 50% رقبہ جنگلات سے گھرا ہوا ہے۔

(3) بوسنیا کا صدر مقام سراجیو ہے۔

(4) بوسنیا میں خواندگی کا تناسب 90% ہے اور یہاں پر صدارتی طرز حکومت ہے۔

(5) پارلیمنٹری اسمبلی دو ایوانی ہے اور ایوان نمائندگان کی تعداد 42 ہے۔ بوسنیا کا پہلا آئین 10 اپریل 1994ء میں نافذ کیا گیا۔

(6) 1993ء کا سال بوسنیا کے لیے تباہی و بربادی کا سال بنا رہا اور پورا سال اقوام متحدہ کی امن فوج بوسنیا کے محصور علاقوں میں خوراک اور ادویات پہنچاتے رہے۔

(7) بوسنیا میں آج بھی سرب فوجیں اپنا ظلم و جبر جاری رکھے ہوئے ہیں۔

(8) 2002ء میں بوسنیا، کروشیا اور یوگوسلاویہ کے صدور نے مہاجرین کی واپسی کے سلسلے میں مذاکرات کیے۔

8.5- خود آزمائی نمبر 8

سوال نمبر 1- بوسنیا ہرزیگووینا کے تعارف پر مضمون تحریر کریں۔

سوال نمبر 2- بوسنیا ہرزیگووینا پر ایک نوٹ لکھیں۔

سوال نمبر 3- بوسنیا ہرزیگووینا کی تباہی کے کیا محرکات تھے؟ بحث کریں۔

سوال نمبر 4- بوسنیا ہرزیگووینا کے حالات و واقعات کا خلاصہ بیان کریں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

9- کوسووو کا مسئلہ

9.1- تعارف

کوسووکا کل رقبہ 10908 مربع کلومیٹر ہے۔سابق یوگوسلاویہ میں اس کی حیثیت ایک نیم خودمختار صوبے کی سی تھی۔ جسے (Autonomous Province of Kosovo) کہا جاتا تھا۔ آب و ہوا کانٹی نینٹل ہے اور اہم دریاؤں بیلی (Beli) ڈرم (Srim) اورلبار (Lbar) مشہور ہیں۔اس کی آبادی 22لاکھ نفوس پر مشتمل ہے۔تاریخی اعتبار سے یہ علاقہ قدیم زمانے سے آباد چلا آ رہا ہے اور یہاں سب سے پہلے ڈارآنار (Daranar) کے ایلیون (Illyoion) قبیلے کے آباد ہونے کے آثار ملتے ہیں۔ بعدازاں یہ علاقہ رومی سلطنت کے زیرنگیں رہا اور پھر اسے بازنطینی سلطنت میں ضم کر دیا گیا۔کوسوو کی 13ویں صدی کے اختتام پر عثمانی خلیفہ سلطان مراد نے خودعثمانی لشکر کی قیادت کرکے اس علاقے کو مسلم ریاست میں شامل کیا تھا اور اس معرکہ میں سرب شہنشاہ ہلاک ہوگیا تھا۔مسلم لشکر کی فتح سے یورپ کے قلب میں اسلامی ریاست کی بنیاد پڑی۔کوسوو میں مسلم آبادی کا تناسب 58 فیصد ہے جو آریائی نسل سے تعلق رکھتی ہے۔1912ء میں بلقان کی جنگ میں سربیا نے کوسوو پر قبضہ کرلیا۔دوسری جنگ عظیم میں کوسوو کوسربیا کا حصہ بنادیا گیا۔1968ء میں اسے سربیا سے الگ کرکے خودمختار علاقے کی حیثیت دی گئی۔

اس کا کل رقبہ 11 ہزار مربع کلومیٹر ہے اور دارالحکومت کا نام پرسٹینا ہے۔یہ علاقہ معدنی دولت سے مالا مال ہے اور سربوں کی نظر اس دولت پر ہے۔1991ء کے ریفرنڈم میں 99 فیصد عوام نے آزادی کے حق میں ووٹ دیا تھا۔ یہاں کے مسلمان اسلامی تعلیمات کو مضبوط سے تھامے ہوئے ہیں اور یورپ کے مرکز میں واقع ہونے کے باوجود کوسوو کے کسی گھر میں شراب، خنزیر اور مخلوط محفلوں کا تصور تک نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی کوئی مسلم لڑکی کسی عیسائی لڑکے سے شادی کرنے کا سوچتی ہے۔سرب اب تک (1998) تک 470 بستیاں تباہ کر چکے ہیں۔ لاکھوں مظلوم عوام جنگلوں اور وادیوں میں پناہ گزین ہیں۔ستر مساجد شہید کی جاچکی ہیں۔روس سربوں کی حوصلہ افزائی کررہا ہے۔1389ء سے لےکر 1912ء تک کوسووکا علاقہ سلطنت عثمانیہ کا حصہ رہا۔

9.2- سربیا کے خلاف طاقت کا استعمال

16اکتوبر 1998ءکو اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل کوفی عنان نے سربیا کے خلاف طاقت کے استعمال کا اختیار

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سلامتی کونسل کو دے دیا۔ کوسوو میں جنگ بندی کے بعد 17 اکتوبر 1998ء کو اقوام متحدہ نے خوراک کی تقسیم کا کام شروع کر دیا۔ 25 اکتوبر 1998ء کو اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل نے سربیا سے مطالبہ کیا کہ وہ کوسوو میں مزید لڑائی سے باز رہے اگر ایسا نہ ہوا تو بین الاقوامی مبصرین کی حفاظت کے لیے فوجی اقدام کیا جا سکتا ہے۔ سلامتی کونسل نے 8 گھنٹے کی بات چیت کے بعد صرف کے مقابلے میں 13 ووٹوں سے اس معاہدے کی توسیع کی جس کے ساتھ ہی نیٹو کو بھی اس بات کی اجازت دے دی گئی کہ وہ فضا سے جائزہ لے کر بتائے کہ لڑائی بند ہو گئی یا نہیں۔

مغرب کئی ماہ سے کوسوو کے پرامن حل کے لیے مذاکرات کروا رہا تھا۔ 23 فروری 1991ء کو سترہ روزہ مذاکرات کے بعد اعلان کیا گیا کہ دونوں فریق پرامن معاہدے پر مستقبل میں دستخط کرنے پر راضی ہو گئے ہیں۔ یہ مذاکرات پیرس میں ہوئے۔ پرامن معاہدے کے بارے میں نیٹو نے تجویز کیا کہ کوسوو کو یوگوسلاویہ کے ماتحت

1- تین سال کے عبوری عرصہ کے لیے خود مختاری دے دی جائے۔

2- کوسوو لبریشن آرمی کو غیر مسلح کر دیا جائے گا۔

3- نیٹو کی امن فوج کو کوسوو میں تعینات کیا جائے جو مسلمانوں کے تحفظ کی ضامن ہو گی۔

4- کوسوا کے مستقبل کا فیصلہ بعد میں کیا جائے گا۔

28 اکتوبر 2000ء کو کوسوو میں ہونے والے انتخابات میں ابراہیم رگودا کی ڈیموکریٹک پارٹی آف کوسوو نے واضح اکثریت حاصل کر لی۔ اس کا مقابلہ کوسوو لبریشن آرمی کے چیف ہاشم ساقی کی پارٹی PDK کے ساتھ تھا۔ 4 مارچ 2002ء کو اعتدال پسند البانوی رہنما ابراہیم رگودا کو کوسوو کا پہلا صدر اور بجرام ریکسی کو پہلا وزیراعظم منتخب کر لیا گیا۔ فی الحال 2003ء کو کوسوو کا انتظام اقوام متحدہ کے تحت چلایا جا رہا ہے حالانکہ فروری 2003ء میں اسے خود مختاری دے دینی چاہیے تھی۔

9.3- اہم نکات

(1) کوسوو کا کل رقبہ 10908 مربع کلومیٹر ہے۔

(2) کوسوو دریاؤں کی وجہ سے مشہور ہے اور اس کے اہم دریا بیلی، ڈرم اور لباز بہت مشہور ہیں۔

(3) کوسوو کی آبادی 22 لاکھ نفوس پر مشتمل ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(4) 1912ء میں بلقان کی جنگ میں سربیا نے کوسووو پر قبضہ کر لیا اور 1968ء میں سربیا سے الگ ہو کر ایک خود مختار علاقہ بن گیا۔

(5) 1389ء سے لے کر 1912ء تک کوسووو کا علاقہ سلطنت عثمانیہ کا حصہ رہا۔

9.4- خود آزمائی نمبر 9

سوال نمبر 1- کوسووو کے مسئلہ پر اقوام متحدہ کا کیا کردار رہا ہے؟ وضاحت کریں۔

سوال نمبر 2- کوسووو کے تعارف اور مصائب پر ایک تفصیلی نوٹ لکھیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

10- چیچنیا (شیشان) کی تحریک آزادی

10.1- تعارف

چیچنیا نے وسط ایشیائی ریاستوں کی آزادی کے ساتھ ہی روس سے 1991ء میں اعلان آزادی کر دیا تھا۔ یہ اعلان روسیوں پر بجلی کی طرح گرا۔ روس نے چیچنیا کی تحریک آزادی کو دبانے کے لیے 1992ء میں چیچن مجاہدین کے خلاف مسلح جارحیت کا آغاز کیا۔ جو اب تک (2033ء) تک جاری ہے۔

چیچنیا قفقاز کے پہاڑی علاقے میں روسی فیڈریشن کا ایک حصہ ہے۔ جنوب مشرق میں واقع یہ ملک جارجیا، داغستان، شمالی اشٹینیا اور انگشتیا سے گھرا ہوا ہے۔ یہ ملک معدنی دولت، پٹرولیم اور قدرتی گیس سے مالا مال ہے۔ روس کا ایک بہت بڑا تیل کا ذخیرہ گروزنی کے قریب واقع ہے۔ قدیم جغرافیہ دانوں کی کتابوں میں اسے ایک وسیع ملک کی حیثیت سے پیش کیا گیا تھا۔ چیچنیا کا رقبہ 19,300 مربع کلومیٹر اور آبادی 24 لاکھ نفوس پر مشتمل ہے۔ گروزنی ملک کا دارالحکومت ہے۔ کپاس، گندم، چاول، جو، گنا، پھل، میوے اور سبزیاں یہاں کی اہم زرعی پیداوار ہیں۔ اس کی اہم صنعتوں میں پیٹرو کیمیکل انڈسٹری، لوہے کے کارخانے، ہوائی جہاز کی صنعت، طبّی آلات، بجلی کی مشینیں تیار کرنے کی فیکٹری، تیل صاف کرنے کے کارخانے شامل ہیں۔ سوویت یونین اسے اس لیے آزادی نہیں دیتا کہ وہ یہاں سے اپنی تیل کی 80 فیصد ضروریات کو پورا کرتا ہے۔ یہاں عربی زبان بہت اہم ہے۔ لوگ فارسی بھی بولتے ہیں۔ 90 فیصد باشندے مسلمان ہیں۔

10.2- تاریخی پس منظر

چیچنیا میں 16 ویں صدی عیسوی میں اسلام کی آمد ہوئی۔ 1850 کی دہائی میں اسے روس نے فتح کر لیا۔ 1922ء میں اسے داخلی خود مختاری ملی۔ جبکہ 1936 میں خود مختار جمہوریہ قرار پایا۔ چیچنیا کے مسلمانوں نے اپنی پوری تاریخ میں کبھی روس کے تسلط کو تسلیم نہیں کیا۔ وہ جنگ عظیم اول سے قبل روس کے زار حکمرانوں سے نبرد آزما رہا ہے۔ 1917ء کے اکتوبر کے انقلاب میں روسیوں نے اسے مکمل طور پر اپنی عملداری میں لینا چاہا لیکن اسے بری طرح ناکامی ہوئی۔ دوسری جنگ عظیم میں اہل چیچنیا نے جرمنی کی حمایت کی لیکن سقوط جرمنی کے بعد یا تو چیچن لیڈروں کو قتل کر دیا گیا یا پھر انہیں چیچنیا سے نکال دیا گیا۔ تاہم 1956ء میں گرفتار شدگان کی رہائی عمل میں آئی۔ اکتوبر 1991ء میں روسی فوج

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے ریٹائرڈ جنرل ذاکر دودائیف (Dzhokhar Dudayef) نے ماسکو کی منظوری حاصل کئے بغیر چیچنیا کے صدر منتخب ہونے پر اس کی آزادی کا اعلان کر دیا۔

روسی حکومت نے نومبر 1991ء میں چیچنیا میں ہنگامی حالت کا اعلان کر کے وہاں اپنے فوجی دستے بھیج دیئے۔ چنانچہ 26 نومبر 1996ء کو روسی فوج چیچنیا میں داخل ہو گئی۔ اس کے پاس جدید ترین اسلحہ کے علاوہ 60 بھاری ٹینک بھی تھے۔ دوسری طرف صدر دودائیف کی قیادت میں اسلامی فوجیں بھی صف آراء ہو گئیں اور روسی فوجوں کو زبردست شکست کا سامنا کرنا پڑا کیونکہ اس کے 35 ٹینک تباہ ہو گئے تھے اور باقی پر اسلامی فوجوں کا قبضہ ہو گیا تھا۔ روس کے بہت سے فوجیوں کو قیدی بنا لیا گیا۔

مسئلے کو حل کرنے کے لیے 7 دسمبر 1994ء کو انگلشتیا میں روسی وزیر دفاع اور چیچن صدر کی ملاقات خوشگوار ماحول میں ہوئی اور یہ طے پایا کہ مسئلے کو پر امن طریقے سے حل کیا جائے گا لیکن یہ محض روسیوں کی ایک چال تھی۔ تاہم صدر دودائیف نے روسی فوجی قیدیوں کو روس کے حوالے کر دیا۔ اس موقع پر وزیر دفاع روس نے کہا کہ روس کی جانب سے چیچنیا میں کوئی فوجی مداخلت نہیں ہوگی اور دونوں نے اس بات پر اتفاق کیا کہ یہ ایک سیاسی مسئلہ ہے، للہٰذا اسے بات چیت کے ذریعے حل کیا جائے۔ اس معاہدے کے باوجود 11 دسمبر 1994ء کو فوجی ایکشن شروع ہو گیا جسے پیہم فضائی حملوں کی پشت پناہی حاصل تھی۔

پھر حالات نے اپنا رخ بدلا اور روس نے چیچنیا کے خلاف بھرپور کارروائی کی۔ ایک ہزار ٹینکوں اور چھ سو بھاری ٹینکوں کے ساتھ 80 ہزار روسی فوجیوں اور چیچن مجاہدین کے مابین تین محاذوں سے جنگ شروع ہو گئی۔ چیچنیا کی فوجوں نے انتہائی اہم کردار ادا کیا۔ روس کے صدر کا خیال تھا کہ گروزنی کی تباہی کے بعد اسلامی جمہوریہ چیچنیا پر روس کا قبضہ بحال ہو جائے گا۔ 9 جنوری 1995ء کو روسی فوجیں اپنے جنگی طیاروں اور بھاری ٹینکوں کے ساتھ پھر حرکت میں آ گئیں اور گروزنی پر سخت حملے کئے لیکن دوسری طرف مجاہدین نے بھی پوری شجاعت کے ساتھ ان حملوں کا جواب دیا اور میدان مار لیا۔ سینکڑوں روسی فوجیوں کو گرفتار کر لیا گیا اور تیرہ ہزار سے زائد روسی فوجی ہلاک کر دیئے گئے۔ روسی فوج کے بھاری جنگی ساز و سامان پر بھی ان کا قبضہ ہو گیا۔ اس طرح انہوں نے روس کے کئی جنگی جہازوں کو بھی مار گرایا۔

اس دوران اچانک 14 جون 1995ء کو چیچن گوریلوں نے ایک روسی قصبے بودونوفسک (Budonnovsk) پر فوجی جرنیل شامل بسائیف کی قیادت میں ایک ہسپتال پر حملہ کر کے سینکڑوں روسیوں کو یرغمال بنا لیا۔ تاہم 18 جون 1995ء کو چیچنیا میں ملٹری آپریشن ختم کر دیا گیا۔ 23 جون 1995ء کو فریقین نے خود کو غیر مسلح کرنے کا معاہدہ طے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیا۔30 جولائی 1995ء کو روسی فوجوں کے جزوی انخلاء اور چیچن مجاہدین کو مرحلہ وار غیر مسلح کرنے کا معاہدہ طے پایا، لیکن اس معاہدہ میں بھی چیچنیا کی قسمت کا فیصلہ نہ ہوسکا۔13 دسمبر 1995ء کو امریکہ کے صدر بل کلنٹن نے اعلان کیا کو چیچنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ روس کا داخلی معاملہ ہے۔اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل نے بھی یہی بات دہرائی۔

17 دسمبر 1995ء کو روس کے حمایت چیچن لیڈر دوکوز افلیف نے انتخابات میں کامیابی حاصل کی، لیکن انسانی حقوق کی تنظیموں نے انتخابی نتائج کو تسلیم نہ کیا۔اس بنا پر معاہدوں پر عمل درآمد نہ ہوسکا اور فریقین کے مابین جھڑپوں کا سلسلہ جاری رہا۔6 مارچ 1996ء کو چیچن مجاہدین نے ایک بڑا حملہ کر کے گروزنی کے محاصرے کو توڑ دیا پھر روسی صدر نے جنگ بندی کا حکم دیا۔روسی فوجیوں کا انخلاء بھی شروع ہوگیا۔بقول چیچن مجاہدین روس کی یہ ایک چال تھی۔لہٰذا انہوں نے اپنی گوریلا سرگرمیوں کو جاری رکھا۔21 اپریل 1996ء کو چیچن مجاہدین اور صدر ذاکر دودائیف نے شہادت حاصل کی اس وقت تک چالیس ہزار چیچن مسلمان بھی شہید ہو چکے تھے۔4 مئی 1996ء کو دودائیف کی موت کی افواہ کے بعد زیلم خان کو چیچنیا کا نیا لیڈر مقرر کیا گیا۔

24 مئی 1996ء کو روس کے صدر نے جنگ ختم کرنے کے لیے 27 مئی کو مذاکرات کی تاریخ مقرر کی تاکہ چیچنیا کے مستقبل کے بارے میں کوئی لائحہ عمل تیار کیا جاسکے اور اس کے نتیجے میں 17 ماہ سے جاری جنگ کو ختم کیا جاسکے۔اس ضمن میں چیچنیا کی 20 اپوزیشن پارٹیوں نے روسی صدر یلسن کی جانب سے چیچن لیڈر زیلم خان سے ملاقات کرنے کے اقدام کو سراہا۔

پروگرام کے مطابق 27 مئی 1996ء کو ماسکو میں روس کے صدر بورس یلسن اور چیچن حریت پسند رہنما زیلم خان کے مابین امن مذاکرات کا آغاز ہوا۔اس موقع پر چیچن لیڈروں نے کہا کہ وہ ایک شکست خوردہ لیڈر کی طرح نہیں بلکہ برابری کی سطح پر مذاکرات کر رہے ہیں۔دسمبر 1994ء میں جب چیچنیا کا تنازع پیدا ہوا تھا، دونوں فریقوں کے مابین اس نوعیت کی یہ پہلی ملاقات تھی۔ان دنوں روس میں صدارتی انتخابات ہونا تھے، اس لیے 27 مئی 1996ء کو کریملن (ماسکو) میں صدر بورس یلسن اور صدر چیچنیا زیلم خان کے مابین جنگ بندی کا معاہدہ طے پایا۔اس وقت صدر یلسن کو اپنے صدارتی انتخاب کی فضا ہموار کرنا تھی۔اس کے بعد نظران (Nazran) میں مزید دو جنگ بندی کے معاہدے ہوئے۔یہ سارے معاہدے صدر یلسن کے صدر منتخب ہوتے ہی منسوخ ہوگئے۔

10.3- خودمختاری دینے کا اعلان

29 مئی 1996ء کو روس نے چیچنیا کے مستقبل سے متعلق دستاویز کے ایک مسودے میں بتایا کہ چیچنیا کو رشین

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فیڈریشن کے اندر ایک خود مختار ریاست کی حیثیت دی جائے گی۔۔چیچنیا کو خود مختاری کے وسیع اختیارات حاصل ہوں گے، تاہم اسے مکمل آزادی نہیں ملے گی، جس کا مطالبہ چیچن جانباز 17 ماہ کی جنگ میں کرتے رہے ہیں۔معاہدے کے تحت

1- چیچنیا کو داخلی پالیسیوں پر کنٹرول ہوگا جس میں امن وامان، جمہوریہ کے لیے آئین اور قانون بنانے، بجٹ اور ٹیکسوں کا نفاذ شامل ہے۔

2- چیچنیا کو ایسے بین الاقوامی معاہدے کرنے کا حق ہوگا جن سے روسی آئین یا بین الاقوامی ذمہ داریوں کی خلاف ورزی نہ ہوتی ہو جبکہ روس کو خارجی پالیسی، دفاعی سلامتی، ٹرانسپورٹ اور مواصلات جیسے اہم امور پر کنٹرول حاصل ہوں۔معاہدے کے تحت روس اور چیچن حریت پسند دو ہفتے کے اندر قیدیوں کا تبادلہ شروع کریں گے۔

1- بلاضرورت آگ نہ اگلی جائے۔

2- معالجاتی سپلائی کو اس کے مقام مقصود تک پہنچنے دیا جائے۔

3- سات ہزار روسیوں کو بحافظت نکل جانے دیا جائے۔

10.4- امن معاہدہ اور تصادم

بالآخر 21 اگست 1996ء کو الیگزینڈر البید اور ارسلان مسخاروف کے مابین طے پایا کہ

1- 22 اگست کو جنگ بند کر دی جائے گی۔

2- روسی فوجیں چیچنیا سے بتدریج نکل جائیں گی۔

3- سرحدی چوکیاں قائم کی جائیں گی جن کی نگرانی کے لیے فریقین اپنی اپنی پولیس تعینات کریں گے۔

4- مشترکہ فوجی پولیس کمانڈ قائم کی جائے گی۔

5- یکم اکتوبر 1996ء سے مشترکہ کمیشن کی نگرانی میں روسی فوجوں کی مکمل واپسی اور اسی خطہ میں جرائم وتشدد کی روک تھام کا کام شروع کیا جائے گا۔

6- ایک خصوصی کمیشن تشکیل دیا جائے گا جو معاہدہ کی خلاف ورزیوں کی تحقیق کرے گا۔

7- جیسے جیسے معاہدہ پر عمل درآمد ہوتا جائے گا، مجاہدین چیچنیا اپنے ہتھیار سرکاری تحویل میں جمع کراتے رہیں گے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

31 اگست 1996ء کو فریقین نے اس معاہدے پر دستخط کر دیئے۔ اس سہ صفحاتی معاہدے میں چیچنیا کی خود مختاری کا کوئی براہ راست ذکر نہیں کیا گیا تھا تاہم اس معاہدے کا مثبت پہلو یہ تھا کہ ماسکو حکومت کو چیچنیا کی آزادی کے بارے میں غور کرنے کا پابند بنا دیا گیا۔ معاہدے کے حصہ اول میں کہا گیا تھا کہ:

''روسی فیڈریشن اور جمہوریہ چیچنیا کے باہمی تعلقات کے بنیادی اصولوں کے بارے میں بین الاقوامی اصولوں کے مطابق ایک معاہدہ 31 دسمبر 2001ء تک ہو جانا چاہیے۔'' اس کی تفصیل یہ ہے کہ چیچنیا میں عام انتخابات کے ذریعے فوری طور پر پارلیمانی طرز کی کانگریس آف چیچنیا پیپلز قائم کی جائیگی جس کی نگرانی میں 31 دسمبر 2001ء سے قبل اس سوال پر ریفرنڈم کرایا جائے گا کہ کیا چیچنیائی عوام روس سے خود مختاری چاہتے ہیں؟

جون 2000ء میں ملائیشیا کے دارالحکومت کوالالمپور میں اسلامی کانفرنس کے وزرائے خارجہ کا جو چار روزہ اجلاس منعقد ہوا اس میں چیچنیا کے بارے میں اسلامی کانفرنس کی تنظیم نے صرف اس بات پر اکتفا کیا کہ روس بات چیت کے ذریعے مسئلے کو حل کرے۔

10.5- اہم نکات

(1) چیچنیا نے وسط ایشیائی ریاستوں کے ساتھ روس سے 1991ء میں اعلان آزادی کیا۔

(2) چیچنیا بنیادی طور پر قفقاز کے پہاڑی علاقے میں روسی فیڈریشن کا حصہ ہے۔

(3) چیچنیا اپنے تیل کی 80% ضرورت کو خود پورا کر لیتا ہے۔

(4) چیچنیا میں 16ویں صدی عیسوی میں اسلام کی آمد ہوئی اور 1850ء میں روس نے اس کو فتح کر لیا۔ 1922ء کو اسے داخلی خود مختاری ملی جبکہ 1936ء میں خود مختار جمہوریہ قرار پایا۔

10.6- خود آزمائی نمبر 10

سوال نمبر 1 چیچنیا کا مختصر تعارف تحریر کریں۔

سوال نمبر 2 چیچنیا کی اہم معدنیات اور اجناس کون کونسی ہیں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

11- فلپائن کے مورو مسلمانوں کو درپیش مسائل

11.1- تعارف اور تاریخی پس منظر

فلپائن مجمع الجزائر 7100 جزیروں پر مشتمل ہے۔ یہ جنوب مشرقی ایشیا میں 500 میل یا (800 کلومیٹر) کی دوری پر پھیلے ہوئے ہیں ۔ یہ شمال سے جنوب تک 100 میل (2800 کلومیٹر) اور مغرب سے مشرق تک 650 میل یا 1684 کلومیٹر لمبائی میں ہیں ۔ شمال میں لوزون سے جبکہ جنوب میں منڈانا واقع ہے ۔ منیلا ملک کا دارالحکومت ہے۔

فلپائن کے جنوبی اضلاع میں مسلمانوں کی اکثریت ہے ۔ سرکاری اعداد و شمار کے مطابق جنوب کے 3 صوبوں میں مسلمانوں کی آبادی 50 لاکھ ہے۔ تاہم مسلمانوں کے نزدیک 90 لاکھ کے قریب ہے۔

فلپائن میں 12 ویں صدی عیسوی میں سولو (Sulu) مملکت کے قیام سے دو تین صدیوں قبل اسلام کی روشنی پھیل چکی تھی ۔ یہاں پر اشاعت اسلام ان عرب مبلغین کے ہاتھوں انجام پائی تھی جو چینی باشندوں کے ہمراہ فلپائن پہنچے تھے ۔ 13 ویں صدی عیسوی کے کتبات آج بھی پائے جاتے ہیں۔ ان مبلغین کے علاوہ عرب تاجروں نے بھی اس خطہ میں اسلام کے فروغ کو تقویت پہنچائی ۔ چنانچہ 16 ویں صدی عیسوی میں یہاں پر تین بڑی سلطنتیں قائم ہو چکی تھیں ۔ سلطنت سولو جس میں لوپاہ سگ (Lupah Sag) بسیلان (Basilan) توی توی (Tawi-tawo) پلاون (Plawan) سمبونگن (Sambongan) اور صباح (Sabah) اور دیگر کئی چھوٹے جزیرے شامل تھے۔

سلطنت میگوندانو (Maguindanao) اور سلطنت راجا بوایان (Buyan) موخر الذکر دونوں سلطنتیں منڈاناؤ (Mindanao) میں قائم تھیں ۔ جہاں اس وقت مورو مسلمان بکثرت آباد ہیں ۔ تاہم مسلمانوں کی موجودگی صرف منڈاناؤ تک محدود نہیں تھی بلکہ کئی چھوٹی چھوٹی مسلم ریاستیں فلپائن کے مختلف علاقوں میں قائم تھیں مثلاً راجا راپولا پوکی امارت (Emira to of Match) اور راجا سلیمان کی مملکت امان اللہ ، اسی لفظ امان اللہ کو بعد ازاں مینی لاڈ (Maynilad) اور منیلا بنا دیا گیا جو آج فلپائن کا دارالحکومت ہے۔

1521ء میں ہسپانوی حملہ آوروں سے مورو مسلمانوں کو اپنی بقا کی جنگ لڑنا پڑی ۔ ہسپانوی استعمار نے وسطی اور شمالی فلپائن سے مسلم آثار کو بہ جبر مٹا دیا لیکن منڈاناؤ اور سولو کے مسلمان تین صدیوں تک اس استعمار سے برسر پیکار

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رہے۔ 1896ء میں ان پر ایک نئی افتاد آن پڑی یعنی امریکہ کے صدر مکنیلے (Makinley) نے دو کروڑ ڈالر کے عوض یہ علاقہ خرید لیا اور پھر جبراً اسے فلپائن کا حصہ بنا دیا۔ سولو مسلمان 1912ء تک امریکی استعمار کے سامنے سینہ سپر رہے۔ لیکن 11 مارچ 1915ء کو بنگسا مورو (Bangsamoro) کے سلطان کو خود سپردگی کا اعلان کرنا پڑا جس کے بعد انہیں مسلم فرقہ کا سربراہ تسلیم کر لیا گیا۔ اس کے بعد علم حریت بنگسا مورو مجاہدین نے اٹھا لیا۔

اپریل 1920ء میں امریکی مستعمرین نے سلطنت سولو کے سقوط کا اعلان کر کے بنگسا مورو کو فلپائن میں ضم کر دیا لیکن مسلم جہاد جاری رہا۔ حتیٰ کہ جنگ عظیم کے دوران جب امریکی حکمرانوں نے جاپانیوں کے ڈر سے علاقہ خالی کر دیا تو مسلم مجاہدین نے از خود جاپانیوں سے ٹکر لی لیکن جنگ عظیم اول کے خاتمے پر اسے مغربی طاقتوں نے خود مختار فلپائن کا حصہ قرار دے دیا تھا۔ خود مختار فلپائن کے حصہ بننے کے بعد رومن کیتھولک چرچ نے جنوبی فلپائن کو اسلام سے عاری (De-Islamised) کرنے کی ظالمانہ مہم چھیڑ دی۔ مسلمانوں کو مورو کی کے نام سے پکارا جانے لگا۔ فلپائن کی آزادی کے بعد سے اب (2003ء) 3 لاکھ سے زیادہ مسلمان شہادت کا درجہ پا چکے ہیں۔ بیرون ملک پناہ لینے والوں کی تعداد بھی کئی لاکھ تک ہے۔ 20 لاکھ سے زیادہ فلپائن کے اندر ہی پناہ گزینی کی زندگی گزار رہے ہیں۔ اس عرصے میں 3 لاکھ سے زیادہ گھر نذر آتش کر دیئے گئے۔

11.2- منڈاناؤ لبریشن موومنٹ کا قیام

مورو مسلمانوں نے اپنے اسلامی تشخص کو اجاگر کرنے اور غلامی کا طوق اپنے گلے سے اتار پھینکنے کے لیے 1968ء میں منڈاناؤ لبریشن موومنٹ قائم کیا اور اس کے پرچم تلے از سر نو اپنی جدوجہد کا آغاز کر دیا اسی اثناء میں لیبیا کے صدر نے فریقین کے مابین تریپولی یا طرابلس میں 23 دسمبر 1976ء کو جنگ بندی کا معاہدہ طے کر دیا۔ مگر اس معاہدے پر عمل درآمد نہ ہو سکا۔ آزادی بذریعہ جہاد کی سوچ رکھنے والوں نے مورو اسلامک لبریشن کی بنیاد رکھ دی۔ استاد سلامت ہاشم اس کے سربراہ بنے جبکہ مورو نیشنل لبریشن فرنٹ کی سربراہی نور مسوری کے پاس تھی۔ ازاں بعد ایک تیسری تنظیم بھی سامنے آ گئی۔ جس کی قیادت ابو سیاف کرتے ہیں۔ 12 اپریل 1977ء کو صدر مارکوس نے اعلان کیا کہ قوم پرست رہنما نور مسوری نے فلپائن کے 13 جنوبی صوبوں میں خود مختاری کی پیشکش قبول کر لی ہے۔ 17 اپریل 1977ء کو مسلمانوں کے سب سے بڑے گروپ مورو نیشنل فرنٹ نے ریفرنڈم کا بائیکاٹ کر دیا۔ 13 صوبوں کے ستر لاکھ مسلمانوں سے دس سوالات پوچھے گئے تھے اور ان سے یہ بھی کہا گیا تھا کہ وہ یہ رائے دیں کہ آیا وہ مسلمان خود مختار

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علاقے میں رہنا چاہتے ہیں جو مورو مسلمانوں کے کنٹرول میں ہے یا وحدت چاہتے ہیں۔

جون 1974ء میں کوالا لمپور میں اسلامی کانفرنس کی تنظیم کے ممالک کے وزرائے خارجہ کا اجلاس منعقد ہوا۔ اس میں قرارداد نمبر 18 منظور کی گئی جس میں فلپائن کے مورو علاقوں میں مسلمانوں کی خودمختار فروری 1980ء میں اسلامی کانفرنس نے پھر اس مسئلے کو حل کرنے کی ایک کوشش کی۔ جنوری 1982ء میں کراچی میں اسلامی کانفرنس کی ایک کمیٹی کا اجلاس ہوا جس میں کومت فلپائن سے مطالبہ کیا گیا تھا کہ وہ معاہدہ طرابلس کی پاسداری کرے اور فلپائنی مسلمانوں کے جائز مطالبات تسلیم کرے۔ لیکن فلپائن کے صدر نے اس پر کوئی توجہ مرکوز نہ کی۔ 10 اپریل 1986ء کو مسلمانوں کی منیلا میں جو نمائندہ کانفرنس منعقد ہوئی اس میں صدر اکینو کے سامنے مسلمانان فلپائن کے مطالبات ایک بار پھر وضاحت کے ساتھ رکھے گئے۔ صدر اکینو نے مسلمانوں کو یقین دلایا کہ وہ مسلمانوں کے حقوق کا احترام کریں گی۔

11.3- آزادی کی پہلی منزل

29 اگست 1986ء کو انڈونیشیا کے دارالحکومت جکارتا میں مورو مسلمانوں کو اس وقت آزادی کی پہلی منزل حاصل ہوگئی۔ جب انڈونیشیا کے صدر سہارتو کی کوششوں سے حکومت فلپائن اور مورو مسلمانوں کے مابین 2 ستمبر 1996 کو ایک معاہدے پر دستخط ہوئے۔ صدر راموس ن اس موقع پر کہا کہ جنوبی فلپائن کے 14 مسلم اکثریتی صوبوں کو بتدریج خودمختاری دے دی جائے گی۔ جس کی ابتداء کے لیے علاقہ منڈاناؤ میں خودمختار کونسل برائے امن و ترقی قائم کی جائے گی۔ فلپائن کے عیسائیوں نے اس معاہدے کی مخالفت کی ان کا موقف یہ تھا کہ یہ معاہدہ عملاً بالآخر فلپائن کو دو ٹکڑوں میں تقسیم کر دے گا اور اس علاقے میں ایک اسلامی مملکت کے قیام کی راہ ہموار ہو جائے گی۔ 8 تا 10 فروری 1999ء مورو اسلامک لبریشن فرنٹ اور حکومت فلپائن کے مابین مذاکرات ہوئے جن کے نتیجے میں مورو اسلامیک لبریشن فرنٹ (MILF) کے دو بڑے کیمپوں مگوانکڈاناؤ میں کیمپ ابوبکر اور صوبہ لاناوڈل میں سورین کیمپ شیرٹی کو تسلیم کرلیا گیا۔ یعنی ان دونوں علاقوں میں حکومتی فوجیں داخل نہ ہو جائیں۔

11.4- اہم نکات

(1) فلپائن مجمع الجزائر 7100 جزیروں پر مشتمل ہے اور جنوب مشرقی ایشیا میں 500 میل کی وادی میں پھیلا ہوا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(2) یہاں پر مسلمانوں کی آبادی تقریباً 90 لاکھ کے برابر ہے۔

(3) فلپائن میں سولو مملکت کے قیام سے دو تین صدیوں قبل اسلام کی روشنی پھیل گئی تھی۔

(4) 1977ء میں صدر مارکوس نے قوم پرست رہنما نور مسوری نے فلپائن کے 13 جنوبی صوبوں میں خود مختاری کی پیشکش قبول کر لی۔

(5) 1977ء میں مسلمانوں کے سب سے بڑے گروپ مورو نیشنل فرنٹ نے ریفرنڈم کا بائیکاٹ کیا۔

(6) 29 اگست 1996ء کو انڈونیشیا کے دارالحکومت جکارتہ میں مورو مسلمانوں کو آزادی کی پہلی منزل حاصل ہو گئی۔

11.5- خود آزمائی نمبر 11

سوال نمبر 1- فلپائن کے مورو مسلمانوں کو درپیش مسائل پر ایک تفصیلی نوٹ لکھیں۔

سوال نمبر 2- مورو مسلمانوں کے تاریخ پس منظر اور جانبازی کا تفصیل سے تذکرہ کریں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

13- جوابات

خود آزمائی نمبر 1

سوال نمبر 1- (1) ص (2) ص (3) غ
(4) ص (5) غ

سوال نمبر 2- (1) کراچی (2) 1974ء، لاہور (3) 1905ء، 1908ء
(4) ادارہ (5) ملت بیضا پر ایک عمرانی نظر

سوال نمبر 3 کا جواب یونٹ کے متعلقہ حصے سے تلاش کریں۔

خود آزمائی نمبر 2

سوال نمبر 1- (1) دوسری (2) 6 سو سال (3) خلافت عثمانیہ
(4) 2 (5) ترکی

سوال نمبر 2 تا 4 کے جواب یونٹ کے متعلقہ حصے سے تلاش کریں۔

خود آزمائی نمبر 3

سوال نمبر 1- (1) غلط (2) درست (3) درست
(4) درست (5) درست

سوال نمبر 2- (1) چھمب (2) شملہ (3) عام انتخابات
(4) تہران (5) 142

سوال نمبر 3 تا 7 کے جواب یونٹ کے متعلقہ حصے سے تلاش کریں۔

خود آزمائی نمبر 4

سوال نمبر 1- (1) اسرائیلی سازش (2) تین (3) ریاست
(4) چارٹر (5) یاسر عرفات

سوال نمبر 2 تا 5 کے جواب یونٹ کے متعلقہ حصے سے تلاش کریں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خود آزمائی نمبر 5

سوال نمبر 1- (1) 20 (2) 70 کروڑ ڈالر (3) افغانستان

(4) القاعدہ (5) چیچنیا

سوال نمبر 2 تا 5 کے جواب یونٹ کے متعلقہ حصے سے تلاش کریں۔

خود آزمائی نمبر 6

سوال نمبر 1- (1) امریکہ اور برطانیہ (2) 14 (3) 45

(4) صدر صدام حسین (5) 20 دسمبر

سوال نمبر 2 تا 5 کے جواب یونٹ کے متعلقہ حصے سے تلاش کریں۔

خود آزمائی نمبر 7

سوال نمبر 1 اور 2 کے جواب یونٹ کے متعلقہ حصے سے تلاش کریں۔

خود آزمائی نمبر 8

سوال نمبر 1,2 اور 3 کے جواب یونٹ کے متعلقہ حصے سے تلاش کریں۔

خود آزمائی نمبر 9

سوال نمبر 1 اور 2 کے جواب یونٹ کے متعلقہ حصے سے تلاش کریں۔

خود آزمائی نمبر 10

سوال نمبر 1,2,3,4 اور 5 کے جواب یونٹ کے متعلقہ حصے سے تلاش کریں۔

خود آزمائی نمبر 11

سوال نمبر 1 اور 2 کے جواب یونٹ کے متعلقہ حصے سے تلاش کریں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یونٹ 9

پاکستان کے ہمسایہ ممالک کے ساتھ تعلقات

تحریر: ڈاکٹر افتخار احمد غوری
نظرثانی: مقصود احمد، بادشاہ سردار

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فہرست مضامین

یونٹ کا تعارف ---------- 438

یونٹ کے مقاصد ---------- 438

1 خارجہ پالیسی ---------- 439

-1.1 پاکستان کی خارجہ پالیسی ---------- 439

-1.2 پاکستان کی خارجہ پالیسی کے مقاصد ---------- 440

-1.3 خارجہ پالیسی.........عوامل کی روشنی میں ---------- 441

-1.4 اہم نکات ---------- 441

-1.5 خود آزمائی نمبر 1 ---------- 442

-2 پاک ایران تعلقات ---------- 443

-2.1 پس منظر ---------- 443

-2.2 پہلا دور، 1947-1979ء ---------- 444

-2.3 دوسرا دور، 1979-1989ء ---------- 444

-2.4 اہم نکات ---------- 445

-2.5 خود آزمائی نمبر 2 ---------- 446

-3 پاک افغانستان تعلقات ---------- 447

-3.1 پس منظر ---------- 447

-3.2 ڈیورنڈ لائن ---------- 447

-3.3 پختونستان کا مسئلہ ---------- 447

-3.4 1965ء کی پاک بھارت جنگ کے دوران افغانستان کا رویہ ---------- 449

-3.5 1971ء کی پاک بھارت جنگ کے دوران افغانستان کا رویہ ---------- 449

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

3.6-	افغانستان کی دورخی پالیسی	450
3.7-	افغانستان میں انقلاب 1973ء	450
3.8-	روس کی فوجی مداخلت دسمبر 1979ء	451
3.9-	اہم نکات	452
3.10-	خود آزمائی نمبر 3	453
	پاک بھارت تعلقات	454
4.1-	پس منظر	454
4.2-	قبل از تقسیم دور	454
4.3-	حد بندی میں بے انصافی	454
4.4-	اثاثوں کی تقسیم	455
4.5-	دفاعی اثاثوں کی تقسیم	455
4.6-	متروکہ جائیداد	455
4.7-	اقلیتیں دونوں ممالک میں	456
4.8-	دریائے سندھ کے پانی کا مسئلہ	456
4.9-	ریاستوں کے مسائل	456
4.10-	1965ء میں پاک بھارت جنگ سے قبل کا دور	458
4.11-	1965ء کی جنگ کے بعد پاک بھارت تعلقات اور جنگ 1971ء	459
4.12-	جنتا پارٹی کا دور	460
4.13-	پاک بھارت تعلقات کی نوعیت	461

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

4.14- اہم نکات ---------- 462

4.15- خود آزمائی نمبر 4 ---------- 462

5- پاک چین تعلقات ---------- 464

5.1- پہلا دور 1949-1955ء ---------- 464

5.2- دوسرا دور 1955-1958ء ---------- 465

5.3- مسئلہ کشمیر کے متعلق چین کا کردار ---------- 465

5.4- تیسرا دور 1958-1962ء ---------- 465

5.5- پاک بھارت جنگ 1965ء میں چین کا کردار ---------- 466

5.6- چوتھا دور 1965-1971ء ---------- 467

5.7- پانچواں دور 1977ء تا حال ---------- 467

5.8- خود آزمائی نمبر 5 ---------- 468

6- پاک روس تعلقات ---------- 469

6.1- تمہید ---------- 469

6.2- پہلا دور 1947-1962ء ---------- 469

6.3- دوسرا دور 1962-1971 ---------- 470

6.4- روس بھارت گٹھ جوڑ ---------- 471

6.5- تیسرا دور 1971-1979ء ---------- 472

6.6- چوتھا دور 1979-1988ء ---------- 472

6.7- پانچواں دور، فروری 1989ء تا حال ---------- 473

6.8- اہم نکات ---------- 473

6.9- خود آزمائی نمبر 6 ---------- 474

7- جوابات ---------- 475

8- کتابیات ---------- 476

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یونٹ کا تعارف

پاکستان جنوبی ایشیا کا دوسرا بڑا ملک ہے۔ اس کا رقبہ 310,403 مربع میل اور آبادی 14 کروڑ سے تجاوز کر چکی ہے۔ ملک کے شمال میں چین' جنوب میں بحیرہ عرب' مشرق مین بھارت' شمال مغرب میں افغانستان اور مغرب میں ایران واقع ہے۔

پاکستان 14 اگست 1947ء کو معرض وجود میں آیا۔ قائداعظم محمد علی جناح اس مملکت کے پہلے گورنر جنرل بنے۔ نوزائیدہ مملکت کو بے شمار اندرونی و بیرونی مسائل کا سامنا تھا۔ ان مسائل پر قابو پانے کے لیے حکومت پاکستان نے جو اقدامات کیے' ان میں پڑوسی ممالک سے بہتر تعلقات قائم کرنے کی پالیسی بھی شامل ہے۔ اس یونٹ میں پاکستان کی خارجہ پالیسی کے حوالے سے ہمسایہ ممالک کے ساتھ تعلقات کا ذکر کیا گیا ہے۔

یونٹ کے مقاصد

ہمیں امید ہے کہ اس یونٹ کے مطالعے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے

1- پاکستان کی خارجہ پالیسی کی نوعیت اور مقاصد بیان کر سکیں۔
2- پاک ایران تعلقات کا تجزیہ کر سکیں۔
3- پاک افغانستان تعلقات کا حال اور ماضی کی روشنی میں موازنہ کر سکیں۔
4- پاک بھارت اور پاک روس تعلقات کے نشیب و فراز بیان کر سکیں۔
5- پاک چین تعلقات کے بنیادی عوامل کی وضاحت کر سکیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

1- خارجہ پالیسی

خارجہ پالیسی سے مراد وہ زاویے ہیں جو ہر ملک دوسرے ملک سے اپنی سالمیت، اپنے مفادات اور دیگر مقاصد کے حصول کے لیے رکھتا ہے۔عموماً یہ مقاصد ہر ملک میں علیحدہ نوعیت کے ہوتے ہیں جن کا تعین اس ملک کے جغرافیائی، تاریخی، مذہبی، ثقافتی، معاشی اور نظریاتی عوامل کرتے ہیں۔

کسی ملک کی خارجہ پالیسی جامد نہیں رہ سکتی، بلکہ حالات وواقعات اور تجربات کے ساتھ ساتھ تبدیل ہوتی رہتی ہے لیکن کسی ملک کے بنیادی نظریات ومفادات تبدیل نہیں ہوتے۔لارڈ پالمرسٹون (Lord Palmerstone) کے بقول

''بین الاقوامی تعلقات میں نہ تو کوئی دوست اور نہ ہی کوئی دشمن ہوتا ہے، بلکہ صرف قومی مفاد دائمی ہوتا ہے۔''

جدید سائنسی ترقی انفارمیشن ٹیکنالوجی نے دنیا کے مختلف ممالک کو آپس میں مربوط کر دیا ہے۔دوسرے لفظوں میں پوری دنیا ایک قصبہ بن گئی ہے اب کوئی ملک دوسرے ملک کے حالات سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد خصوصی طور پر بین الاقوامی تعلقات کافی حد تک پیچیدہ ہوگئے۔ایک طرف اقوام متحدہ (UNO) اور دوسری طرف بلاک سسٹم چل نکلا۔گویا تمام ممالک کو بالعموم اور چھوٹے ملکوں کو بالخصوص خارجہ پالیسی میں بہت زیادہ دقت پیش آئی۔

1.1- پاکستان کی خارجہ پالیسی

پاکستان ایک نظریاتی ریاست ہے۔اس کی خارجہ پالیسی بنیادی طور پر نظریہ پاکستان سے مطابقت رکھتی ہے،اس سلسلے میں بابائے قوم قائداعظم محمد علی جناح کے رہنما اصول اولین حیثیت رکھتے ہیں۔آپ نے فرمایا:

''ہماری خارجہ پالیسی دنیا کی تمام قوموں سے دوستی اور خیر سگالی ہے۔ہم کسی ملک قوم کے خلاف جارحانہ عزائم بالکل پسند نہیں کرتے۔ہم قومی اور بین الاقوامی معاملات کے فروغ کے لیے ہر ممکن امداد تعاون کرنے کے لیے تیار ہیں۔پاکستان کبھی بھی دنیا کے مظلوم اور کمزور لوگوں کو امداد دینے اور اقوام متحدہ کے اصولوں کی پابندی کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھے گا۔''

(فروری 1948ء)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

1.2- پاکستان کی خارجہ پالیسی کے مقاصد

پاکستان کی خارجہ پالیسی کے تین اہم مقاصد مندرجہ ذیل ہیں۔

(1) سالمیت پاکستان

(2) نظریاتی پاکستان تحفظ اور نظریہ پاکستان

(3) معاشی ترقی ملک کی

(1) سالمیت پاکستان

کسی بھی ملک کے خارجہ پالیسی کے مقاصد میں ملکی سالمیت کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ یہ وہ مقصد ہے جو تمام ملکوں کے لیے مشترک ہے۔ اسی اولین مقصد کے لیے قومیں آزاد ہوتی ہیں اور ایک علیحدہ خودمختار ملک میں رہنا پسند کرتی ہیں۔ اسی بڑے مقصد کا حصول ملکوں کی بقاء ہے۔ گویا پاکستان کی خارجہ پالیسی کا بھی سب سے بڑا مقصد سالمیت پاکستان ہے۔ دوسرے ملکوں کے لیے اس مقصد کا حصول مشکل اور پیچیدہ مسئلہ نہیں ہے کیوں کہ ان کے وسائل اس قدر زیادہ ہیں کہ وہ آسانی سے اس مقصد کو حاصل کر سکتے ہیں جبکہ پاکستان کے وسائل محدود ہیں اور مسائل لامحدود۔ پاکستان میں آباد لوگوں کی ایک خاصی تعداد کسمپرسی کی زندگی بسر کر رہی ہے اور بھاری اکثریت کا معیار زندگی نہ ہونے کے برابر ہے۔ افلاس، ناخواندگی اور پست معیار زندگی اور بے روزگاری پاکستان کے بڑے مسائل ہیں۔ تاہم پاکستان مجبور ہے کہ سالمیت کو اولین حیثیت دے۔

(2) نظریاتی تحفظ اور نظریہ پاکستان

جہاں ملکی سالمیت خارجہ پالیسی میں مرکزی حیثیت رکھتی ہے وہاں نظریاتی اقدار کی حفاظت کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ قوموں کی ترقی کا راز ان کی نظریاتی ہم آہنگی کے سوا کچھ نہیں اور جو قوم اس اہم اور بنیادی پہلو سے غفلت برتتی ہے ان کا وجود صفحہ ہستی سے جاتا ہے۔ مسلمانوں کو تعلیم دی گئی کہ تمام مسلمان جسم کی مانند ہیں، جسم کے ایک حصے کو تکلیف پہنچے تو سارا جسم درد میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح مسلم دنیا کے کسی ایک بھی مسلمان کا دکھ اس کے دوسرے بھائی کا دکھ ہے اور وہ اس سے لاتعلق نہیں رہ سکتا۔

(3) معاشی ترقی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تحریک پاکستان کے اسباب میں ایک بڑا سبب مسلمانان ہند سے اقتصادی ناانصافیاں بھی تھیں۔ اس لیے دوقومی نظریہ کے درپردہ یہ مقصد بھی تھا کہ مسلمان ایک علیحدہ ریاست حاصل کر کے معاشی ناانصافیوں سے چھٹکارا حاصل کرسکیں۔ چنانچہ پاکستان کی خارجہ پالیسی کا تیسرا بڑا مقصد دوسرے ممالک سے خوشگوار تعلقات استوار کر کے ان کی امداد و تعاون سے پاکستان کی اقتصادی حالت کو مستحکم بنانا ہے۔

1.3- خارجہ پالیسی۔ عوامل کی روشنی میں

ایک وقت ایسا بھی تھا کہ ترقی پذیر ممالک کی خارجہ پالیسی دنیا کی دوعظیم طاقتوں امریکہ اور سوویت یونین کے پاور بلاک میں منقسم تھی اور ترقی پذیر ممالک کی معاشی ضروریات انہیں مجبور کرتی تھیں کہ وہ ان سپر پاورز کے حسب منشا اپنی خارجہ پالیسی کا تعین کریں۔

پاکستان کا بنیادی تشخص اسلامی اور جمہوری ہے۔ خارجہ پالیسی کے حوالے سے بین الاقوامی سطح پر ہمارا رویہ غیر جانب داری کا ہے۔ پاکستان غیر جانب دار ممالک کی تنظیم کا سرگرم رکن ہے۔ ہماری سیاسی اور اقتصادی پالیسیاں نہ تو سرمایہ دارانہ نظام کی نمائندگی کرتی ہیں اور نہ ہی سوشلسٹ نظام کی۔

اپنے اسلامی اور غیر جانب دار تشخص کی وجہ سے پاکستان کو اقوام عالم میں ایک نمایاں اور منفرد مقام حاصل ہے۔ چاہے مسئلہ افغانستان ہو یا مسئلہ فلسطین یا عراق کی جنگ، پاکستان نے اپنی خارجہ پالیسی کے حوالے سے برادر اسلامی ملکوں اور اقوام عالم کے ساتھ اپنے تعلقات اور اپنے موقف کی حامل خارجہ پالیسی کی بدولت عزت وتوقیر حاصل کی ہے۔

اس یونٹ میں پاکستان کی خارجہ پالیسی کے حوالے سے پڑوسی ملکوں، ایران، افغانستان، بھارت، روس اور چین کے ساتھ پاکستان کی خارجہ پالیسی کے حوالے سے تعلقات کا جائزہ لیا جائے گا۔

1.4- اہم نکات

1- خارجہ پالیسی سے مراد زاویے ہیں جو ہر ملک دوسرے ملک سے اپنی سالمیت، اپنے مفادات اور دیگر مقاصد کے حصول کے لیے رکھتا ہے۔

2- پاکستان کی خارجہ پالیسی نظریہ پاکستان سے مطابقت رکھتی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

-3 پاکستان کی خارجہ پالیسی کا سب سے بڑا مقصد سالمیت پاکستان ہے۔

-4 پاکستان کا بنیادی تشخص اسلامی اور جمہوری ہے۔

-5 پاکستان کی خارجہ پالیسی کے تین اہم مقاصد مندرجہ ذیل ہیں۔

(1) سالمیت پاکستان (2) نظریاتی تحفظ اور نظریہ پاکستان (3) ملک کی معاشی ترقی

-1.5 خود آزمائی نمبر 1

سوال نمبر 1- خارجہ پالیسی کی تعریف لکھئے۔

سوال نمبر 2- پاکستان کی خارجہ پالیسی کے چیدہ چیدہ مقاصد بیان کریں۔

سوال نمبر 3- پاکستان کی خارجہ پالیسی کے عوامل کیا ہو سکتے ہیں؟

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

2- پاک ایران تعلقات

2.1- پس منظر

ایران پاکستان کا دوست ہمسایہ برادر ملک ہے۔ یہ پاکستان کے جنوب مغرب میں واقع ہے۔ اس کا رقبہ 636296 مربع میل یا 1648435 مربع کلومیٹر اور آبادی تقریباً سات کروڑ 24 لاکھ یا 72.4 ملین ہے۔ ہمسایہ ہونے کی وجہ سے دونوں ممالک کے درمیان زمانہ قدیم سے گہرے دوستانہ روابط چلے آ رہے ہیں۔

ایران اور پاکستان جغرافیائی اعتبار سے اور سیاسی، معاشی، مذہبی اور نظریاتی طور پر ایک ہی رستے پر گامزن ہیں۔ دونوں ممالک کا ثقافتی ورثہ ایک ہی ہے۔

سولہویں صدی عیسوی میں برصغیر پاک و ہند کے مغل بادشاہوں اور ایران کے صفوی بادشاہوں کے درمیان ثقافتی اور سیاسی رشتے تاریخ دانوں کی گہری نظر میں ہیں اور اس کے دوررس نتائج نمایاں رہے ہیں۔ دونوں ملکوں میں فارسی بطور درباری و علمی زبان غالب رہی۔ اردو، پنجابی، پشتو، بلوچی اور سندھی پر بھی اس کے اثرات نمایاں ہیں۔ ایرانی تہذیب وتمدن کی برصغیر پاک وہند میں ہر دلعزیزی اور سبقت، علماء اور دانشوروں کی آمدورفت اور مشکل وقت میں امداد وتعاون ان تعلقات کے نمایاں خدوخال تھے۔ عوام کے تعلقات اتنے گہرے تھے کہ یہ کہنا ہرگز مبالغہ نہ ہوگا کہ پاکستان اور ایران ایک ہی خطہ زمین پر آباد دو سگے بھائیوں سے بھی زیادہ قوی رشتوں میں مربوط ہیں۔ ایران پہلا ملک ہے جس نے پاکستان کو سب سے پہلے ایک آزاد ملک کی حیثیت سے تسلیم کیا۔

ایران نے ماضی میں پاکستان کے ساتھ صرف لفظی دوستی پر ہی اکتفانہیں کیا بلکہ عملی طور پر بھی آڑے وقت میں پاکستان کی مؤثر امداد کی اور بعض مواقع پر ایران نے بین الاقوامی دباؤ کے باوجود پاکستان کی کھلم کھلا حمایت کا اعلان کیا۔

ایران نے پاکستان کے ساتھ دوستی کو میدان عمل میں بھی اچھی طرح سے نبھایا۔ مئی 1949ء میں پاکستان کے پہلے وزیراعظم لیاقت علی خان نے سرکاری طور پر ایران کا دورہ کیا اور ایران کے ان اقدامات کو سراہا جو اس نے پاکستان کے ساتھ تعلقات استوار کرنے کے لیے کیے جبکہ ہمسایہ ممالک پاکستان کی بقاء کو مشکوک سمجھتے تھے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

2.2- پہلا دور، 1947-1979ء

پاکستان اور ایران کے تعلقات کے حوالے سے پہلا دور 1947 سے 1979ء تک کی مدت پر محیط ہے۔ یہ 32 سالہ دور رضا شاہ پہلوی کا دورِ حکومت ہے۔ اس دور میں درج ذیل پیش رفت ہوئی۔

فروری 1950ء میں دونوں ممالک نے دوستی کے معاہدے پر دستخط کیے اور اپنے سیاسی، سماجی اور اقتصادی مسائل کا حل باہمی تعاون میں ڈھونڈنے کا عزم کیا۔ مارچ 1950ء میں شہنشاہ ایران نے پاکستان کا دورہ کیا جو پاکستان کی نوزائیدہ مملکت کا کسی سربراہ مملکت کا پہلا دورہ تھا جس سے باہمی تعلقات مزید خوشگوار ہو گئے۔

1953ء میں پاکستان اور ایران نے اپنی سرحدوں کی حد بندی کے کام کو مثالی رواداری سے طے کیا اور یہ مسئلہ نہایت خوش اسلوبی سے سرانجام پایا۔ یاد رہے کہ پاکستان ایران سرحد 590 میل یا 950 کلومیٹر لمبی ہے حکومت برطانیہ نے بھی ان سرحدوں کا تعین نہیں کیا تھا جو کہ پاکستان نے کمال رواداری سے کیا اور 360 مربع میل یا 933 کلومیٹر کا رقبہ جو کہ برطانیہ نے ایران سے چھینا تھا اب ایران کو واپس کر دیا گیا۔ ایران پاکستان دوستی محض دو طرفہ تعلقات تک ہی محدود نہ تھی بلکہ بین الاقوامی معاملات میں بھی ان دونوں نے ایک دوسرے کے ساتھ بھرپور تعاون کیا۔ ایران اور پاکستان 1955ء میں معاہدہ بغداد میں شامل ہو گئے تا کہ اپنی فوجی استطاعت بڑھا سکیں۔ 1979ء میں یہ معاہدہ دونوں ممالک کے لیے منفعت بخش نہ رہا تو دونوں نے اکٹھے ہی نیٹو سے علیحدگی اختیار کر لی۔

1964ء میں صدر پاکستان جنرل ایوب خان کی تجویز پر پاکستان اور ایران نے ترکی کے ساتھ مل کر علاقائی تعاون براوے ترقی (RCD) کا معاہدہ کیا۔ اس تنظیم کا سب سے بڑا کارنامہ اس معاہدے کی تشکیل تھا جس کی رو سے کراچی، تہران اور انقرہ کو منسلک کرنے کے لیے پانچ ہزار کلومیٹر سے زائد لمبی سڑک تعمیر کرنا تھا، تینوں ممالک کو بذریعہ ریل ملانا، مشترکہ جہاز رانی کی کمپنی تشکیل دینا اور پاکستان میں قائم ہونے والی کئی صنعتوں میں ایران کی سرمایہ کاری بھی شامل تھی۔

1965ء میں پاک بھارت جنگ میں ایران نے بین الاقوامی دباؤ کے باوجود پاکستان کی دل کھول کر امداد کی مثلاً ایران نے پاکستان کے ہوائی جہازوں کو تیل فراہم کیا۔ علاوہ ازیں پاکستان انٹرنیشنل ایئرویز کے جہازوں کو بھارتی حملوں سے بچانے کے لیے اپنے ہوائی اڈوں میں پناہ دی۔ ایرانی ڈاکٹروں اور نرسوں نے پاکستان میں گرانقدر خدمات سرانجام دیں۔ صدر ایوب خان کے بعد صدر یحییٰ خان کے دور میں بھی پاک ایران

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوستی بدستور رہی۔ اتفاق سے صدر یحییٰ خان کے دور میں شہنشاہ ایران کی رسم تاج پوشی ہوئی اور ایران کی بادشاہت کا اڑھائی ہزار رسالہ جشن منایا گیا۔ پاکستان نے اس جشن میں نمایاں حصہ لیا۔

1969ء میں پہلی اسلامی سربراہی کانفرنس رباط میں منعقد ہوئی جس میں پاکستان کی طرف سے خود صدر یحییٰ خان نے شہنشاہ ایران کو ساتھ لے کر اس میں بہ نفس نفیس شرکت کی۔ اس طرح 1971ء کی پاک بھارت جنگ میں ایران نے پاکستان کی خاطر خواہ مدد کی۔ 14 مئی 1973ء کو صدر پاکستان کے ایران کے سرکاری دورے پر اس بات کا اعادہ کیا گیا کہ دونوں ممالک آزادی کی حفاظت اور ملکی سالمیت کے لیے ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کریں گے۔

2.3- دوسرا دور 1979-1989ء

16 جنوری 1979ء کو ایران میں اسلامی انقلاب برپا ہوا جس میں شہنشاہ ایران کو اپنی جان بچانے کے لیے 16 جنوری 1979، کو ایران سے فرار ہونا پڑا۔ اہل پاکستان نے ایران میں اسلامی انقلاب کا یہ دل سے خیر مقدم کیا۔ اس انقلاب کے پیشوا اور اہل ایران کے روحانی حکمران آیت اللہ روح اللہ خمینی تھے۔ انہوں نے مارچ 1980ء میں انتخابات کروائے اور ملک میں اسلامی جمہوری آئین دیا۔ بادشاہت کا خاتمہ ہوگیا اور ایران اب اسلامی جمہوریہ ایران کہلایا جانے لگا۔ ایران میں انقلاب کی سرکردگی علماء کے ہاتھ میں تھی اور کافی تعداد میں پاکستانی طلباء مشہد اور قم کی دینی درسگاہوں میں تعلیم حاصل کر رہے تھے اس لیے انقلاب کے فوراً بعد پاکستان اور آزاد کشمیر کے علماء نے ایران کا دورہ کیا اور آیت اللہ خمینی کو انقلاب کی کامیابی پر مبارکباد دی۔ ایرانی علماء نے بھی پاکستان کا دورہ کیا۔ 88-1979ء نوسالہ ایران، عراق جنگ کو بند کرانے میں پاکستان نے اہم کردار ادا کیا۔

حکومت پاکستان برادر اسلامی ملک ایران کے ساتھ اپنے تعلقات کو بہت اہمیت دیتی ہے۔ پاکستان اور ایران کے درمیان باہمی مشاورت اور قریبی تعاون کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ محض دس سال میں دونوں ملکوں کے سربراہوں نے کم و بیش بیس مرتبہ ایک دوسرے کے ملک کا سرکاری دورہ کیا۔ ایران نے پاکستان کو 73 کروڑ ڈالر کا قرضہ اور ساڑھے سات کروڑ ڈالر کی منصوبہ جاتی امداد فراہم کی۔ اس عرصہ میں ایران نے پاکستان سے 19 سامان بردار بحری جہازوں کی تعمیر کا سمجھوتہ بھی کیا جس کے تحت فروری 1981 تک کراچی انجینئرنگ اور جہاز سازی کے کارخانے اور جہاز ایران کے حوالے گئے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

2.4- اہم نکات

(1) ایران پاکستان کے جنوب مغرب میں واقع ہے۔

(2) ایران کا رقبہ 636296 مربع میل اور 1648435 مربع کلومیٹر ہے۔

(3) 1949ء میں پاکستان کے پہلے وزیراعظم لیاقت علی خان نے سرکاری طور پر ایران کا دورہ کیا۔

(4) 1971ء کی پاک بھارت جنگ میں ایران نے پاکستان کی خاطر خواہ مدد کی۔

(5) 16 جنوری 1979ء کو ایران میں اسلامی انقلاب برپا ہوا جس میں شہنشاہ ایران کو اپنی جان بچانے کے لیے ایران سے فرار ہونا پڑا۔

2.5- خود آزمائی نمبر 2

سوال نمبر 1- درج ذیل خالی جگہ درست الفاظ سے پر کریں۔

(1) ایران کی آبادی تقریباً ____________ لاکھ ہے۔

(2) 1949ء میں پاکستان کے پہلے وزیراعظم ____________ نے سرکاری طور پر ایران کا دورہ کیا۔

(3) آر سی ڈی کا معاہدہ ____________ سن عیسوی میں عمل میں آئی۔

(4) 1969ء میں پہلی سربراہی کانفرنس ____________ ملک میں ہوئی۔

(5) انقلاب کے بعد ایران کا نیا آئین ____________ سن عیسوی میں نافذ ہوا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

3- پاک افغانستان تعلقات

3.1- پس منظر

افغانستان کی سرحد میں شمال میں وسطی ایشیاء کے نو آزاد ممالک ازبکستان، تاجکستان اور ترکمانستان، مشرق میں چین، مغرب میں ایران اور جنوب میں پاکستان سے ملتی ہیں۔ افغانستان پاکستان کا قریبی ہمسایہ ہے ان دونوں ممالک کی تاریخ مضبوط و مربوط ہے۔ افغانستان کی مشرقی اور جنوبی سرحدیں پاکستان سے ملتی ہیں۔ پاکستان سے ملنے والی سرحد کو ڈیورنڈ لائن کہا جاتا ہے جو 1560 کلومیٹر لمبی ہے۔ اس کے بنیادی عوامل یہ ہیں۔

3.2- ڈیورنڈ لائن

یہ وہ سرحد ہے جو برطانوی دور میں حکومت افغانستان اور برطانیہ کے درمیان کافی گفت وشنید کے بعد طے ہوئی تھی۔ برطانوی حکومت کی خواہش تھی کہ برطانوی ہند پر مکمل قبضے کے بعد افغانستان کو بھی اپنے کنٹرول میں لے آئے لیکن پے در پے خوفناک ناکامیوں کے بعد یہ منصوبہ ترک کر دیا گیا اور بہتری اسی میں سمجھی گئی کہ وہ برصغیر پر اپنا آہنی شکنجہ جکڑے رکھے اور افغانستان کے ساتھ اپنی سرحدیں منجمد کر دے۔ چنانچہ برطانوی وزیر خارجہ Sir Motemer Durand نے افغانستان کے ساتھ اسی سلسلے میں مذاکرات کیے اور 1893ء میں امیر عبدالرحمن والئی افغانستان کے ساتھ سمجھوتہ طے پایا جس کی رو سے سرحدی لائن قائم کر دی گئی جسے آج تک ڈیورنڈ لائن کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہی سرحدی لائن ظہور پاکستان کے وقت افغانستان کی سرحد تھی، جسے بین الاقوامی قوانین کی رو سے بھی تسلیم کیا جاتا ہے۔ دوسری جنگ عظیم 45-1939ء کے دوران عام طور پر یہ تاثر پایا جانے لگا کہ انگریز ہندوستان سے جلد چلے جائیں گے۔ اس وقت ظاہر شاہ (73-1933ء) والئی افغانستان نے اس سمجھوتے کی تنسیخ کا مطالبہ کر دیا لیکن برطانوی حکومت نے اسے مسترد کر دیا۔ دوسری جنگ عظیم (45-1935ء) کے خاتمے سے لے کر ظہور پاکستان تک افغانستان اس معاملے میں بالکل خاموش رہا۔

3.3- پختونستان کا مسئلہ

جوں ہی پاکستان ظہور آیا تو ہندو کانگریس نے اپنی ناکامی کا بدلہ لینے کے لیے افغانوں کو اپنا آلہ کار بنایا کہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نوزائیدہ پاکستان قائم نہیں رہ سکے گا اور جلد ہی ختم ہو جائے گا۔ دوسرے یہ کہ پشتو بولنے والے ایک ہی قوم ہوتے ہیں۔ لہٰذا یہ قبائلی لوگ جو سب پختون ہیں انہیں اپنی ریاست یعنی پختونستان بنانا چاہیئے۔ ہندو کانگریس کے بھڑکانے کی وجہ سے اور سرگرم عملی امداد سے افغانستان نے یہ موقع غنیمت جانا کہ پختونستان کے مطالبے کو سیاسی رنگ دیا جائے لہٰذا افغانستان نے سرکاری طور پر 1949ء میں ڈیورنڈ لائن کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا چنانچہ افغانستان وہ پہلا اسلامی ملک ہے جس نے پاکستان کی اقوام متحدہ کی رکنیت کے خلاف اکیلا ووٹ ڈالا تھا۔ پاکستان نے افغانستان کے مطالبات کو رد کر دیا۔ پاکستان کا یہ مؤقف تھا کہ اگر وہ ڈیورنڈ لائن جیسی بین الاقوامی تسلیم شدہ سرحد پر از سر نو بات چیت کرنے پر آمادہ ہو جائے تو یہ ایک ایسی مثال قائم ہو جائے گی جس سے ایشیائی ممالک غیر محفوظ ہو جائیں گے۔ علاوہ ازیں طرفین کو ایک جنگ عظیم سے دوچار ہونے کا امکان ہے۔ انگریزوں اور دوسری نو آبادیاتی طاقتوں کے ایشیا سے چلے جانے کے بعد ان کی تعین شدہ سرحدوں کو ہمیشہ تسلیم کیا گیا ہے جبکہ پاکستان کے سلسلے میں اسے بے سبب وجہ تنازعہ بنایا گیا ہے۔

دوسرا مسئلہ پختونستان کا تھا۔ افغانستان کا یہ مؤقف ہے کہ ڈیورنڈ لائن نے پختونوں کو ایک دوسرے سے جدا کر دیا ہے ان کے علاقے کو برطانوی ہند میں زبردستی شامل کیا گیا تھا حالانکہ انہی علاقوں پر گزشتہ زمانے میں کابل کی حکومت رہی تھی۔ اس کے جواب میں پاکستان کا یہ مؤقف ہے کہ افغانستان انگریزوں کے زمانے میں تو انہیں اپنے مطالبے کی معقولیت کے متعلق قائل نہ کر سکا اور خاموش رہا اور اب پاکستان بننے کے بعد یہ مطالبہ از سر نو کیوں جاگ اٹھا ہے۔ برطانوی ہند میں رہنے والے پختونوں نے آزادرائے شماری کے ذریعے پاکستان میں شمولیت اختیار کی ہے۔ اگر لسانی اور نسلی بنیادوں پر تقسیم کے اصول کو تسلیم کیا جائے تو کوئی ملک صحیح و سالم نہ رہ سکے گا خود افغانستان کئی ٹکڑوں میں بٹ جائے گا۔ پھر افغانستان کا یہ کہنا کہ زمانہ گزشتہ میں اس کی حکمرانی برطانوی ہند کے پختونوں والے علاقے میں رہی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ مفروضہ چند سالوں کے لیے صحیح ہے حقیقتاً دہلی کی حکمرانی کابل پر صدیوں سے رہی ہے۔ کیا اس حقیقت سے انکار کیا جا سکتا ہے کہ وہ پختون جو حکومت کابل کے زیر نگیں مفلسی، ناداری اور جہالت میں جکڑے ہوئے ہیں اور وہ پختون جو پاکستان کے حفاظت میں ہیں، زراعت، صنعت، ٹرانسپورٹ، تعلیم طب وغیرہ کی سہولتوں سے مالا مال ہیں، ان کا معیار زندگی کابل کے زیر نگیں پختونوں سے کہیں زیادہ بلند ہے۔ کیا اب وہ کابل کے زیر نگیں ہونا پسند کریں گے؟ جوں جوں وقت گزرتا گیا ان اعتراضات کی نامعقولیت عیاں ہوتی گئی لیکن کابل ریڈیو نے اپنا معاندانہ پروپیگنڈا جاری رکھا اور پاکستان کے خلاف زہر اگلنے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ پاکستان کی حکومت نے اس زہریلے پروپیگنڈے کا مقابلہ ہمیشہ رواداری اور فراخدلی سے کیا۔ افغانستان جیسے مفلس ملک کو جس کی اپنی کوئی بندرگاہ نہیں ہے اس کی برآمدات ارسال کرنے کے لیے کراچی کی بندرگاہ سے تمام سہولتیں مہیا کی جاتی ہیں۔ افغانستان کے ساتھ اپنی تجارت پر مبادلے کا کنٹرول نہیں لگایا گیا۔ افغانستان میں وارد ہونے والا مال سیلز ٹیکس سے مستثنیٰ ہے۔ پاکستان افغانستان سے خشک پھل درآمد کرتا ہے۔ افغانستان کی بیرونی تجارت پاکستان کے راستے سے ہی ہوتی ہے۔

ان سہولتوں کے باوجود افغانستان کا رویہ ہمیشہ منفی رہا ہے پاکستان، افغانستان کے مسلمان ملک ہونے کی وجہ سے اس کے ساتھ اچھے تعلقات رکھنے پر مجبور ہے کیونکہ پاکستان کی بنیاد رنگ، نسل یا قوم پر نہیں بلکہ پاکستان صرف اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا ہے لیکن جب پاکستان کے سفارتی تعلقات افغانستان سے ختم ہو گئے تو راہداری، کی سہولتیں بھی ختم کر دی گئیں۔ اس پر افغانستان نے روس کے ساتھ راہداری کا معاہدہ کر لیا اور روسی مشیروں اور ماہرین کو خوش آمدید کہا۔

پاکستان میں ون یونٹ کے نفاذ نے پختونستان کے تخیل کی نفی کر دی جس سے افغانستان کو سخت کوفت ہوئی کیونکہ اس طرح صوبہ سرحد ایک ہی صوبے مغربی پاکستان کا حصہ بن گیا۔

3.4- 1965ء کی پاک بھارت جنگ کے دوران افغانستان کا رویہ

قیام پاکستان سے ہی افغانستان پاکستان کے خلاف ایک اعصابی جنگ لڑ رہا ہے۔ 1965ء میں جب بھارت نے پاکستان پر اچانک حملہ کر دیا تو بھارت کے خلاف تمام فوجی سرگرمیاں تیز ہو گئیں۔ وہ سرحدیں جو افغانستان سے ملتی تھیں وہاں پر پاکستانی فوجیں برائے نام تھیں اگر اس وقت افغانستان پاکستان پر پیچھے سے اچانک حملہ کر دیتا تو ایک خطرناک دھچکے کا باعث ہوتا لیکن شاہ ظاہر شاہ والئی افغانستان نے سخت غیر جانبداری کی حکمت عملی کو اپنایا اور پاکستان کے خلاف لشکر کشی سے انکار کیا۔ اس لیے صدر ایوب خان نے گہرے جذباتی انداز میں ظاہر شاہ کا شکریہ ادا کیا۔

3.5- 1971ء کی پاک بھارت جنگ کے دوران افغانستان کا رویہ

جنگ 1971ء کے بدترین دور میں افغانستان نے پاکستان کے داخلی معاملات میں عدم مداخلت کا واشگاف اعلان کیا۔ اگر افغانستان چاہتا تو پیٹھ پر حملہ کر کے قیامت ڈھا سکتا تھا لیکن صد آفرین اس نے ایسا ہرگز نہ کیا۔ اس نے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صحیح برادرانہ روش اختیار کیے رکھی بلکہ ان کی مساجد میں پاکستان کی فتح کے لیے دعائیں مانگی گئیں۔ ریڈیو نشریات میں پاکستان کی کھلم کھلا حمایت کی جس پر اس وقت کے صدر ذوالفقار علی بھٹو نے خود کابل جا کر والئی افغانستان ظاہر شاہ کا شکریہ ادا کیا۔ اس طرح بظاہر پاکستان کے افغانستان کے ساتھ تعلقات بہتر ہونا شروع ہو گئے۔

3.6- افغانستان کی دورخی پالیسی

ایک طرف ظاہر شاہ پاکستان کے ساتھ اخوت اور برادری کا اظہار کر رہے تھے لیکن دوسری طرف کابل ریڈیو کے ذریعے پختونستان کے قیام اور پاکستان میں چار قومیتوں کے حق میں پروپیگنڈہ ہو رہا تھا۔ شاید اس لیے کہ بعض طاقتیں پاک افغان اتحاد کو اپنے مفاد میں خطرہ سمجھتی تھیں اور انہوں نے حکومت کو ایسا کرنے پر مجبور کر دیا تاکہ پاکستان کے اتحاد اور سالمیت کو پاش پاش کیا جا سکے۔ حکومت افغانستان کو یہ معلوم ہونا چاہیئے تھا کہ یہ پختونستان اور چار قومیتوں کے حق میں تہذیبی و معاشرتی پروپیگنڈا خود اس کے بہترین مفاد میں نہیں کیونکہ اس کے اپنے ملک میں کم از کم تین لسانی اور نسلی وحدتیں اس کے لیے کسی وقت بھی مصیبت برپا کر سکتی تھیں۔

3.7- افغانستان میں انقلاب 1973ء

ظاہر شاہ نے چالیس سال افغانستان میں حکومت کی۔ اس کا جھکاؤ روس کی طرف بہت زیادہ تھا اور ملک میں کافی بے اطمینانی تھی۔ سردار داؤد خان نے 1973ء میں بادشاہت کا خاتمہ کر دیا اور ملک کو جمہوریہ قرار دے کر افغانستان کی خارجہ پالیسی میں خاص تبدیلیاں کیں۔ وہ اسلامی ملکوں میں ہونے والی اقتصادی تبدیلیوں اور اسلامی تشخص کے ابھرتے ہوئے خطرے کو پسند نہیں کرتے تھے۔ سردار داؤد خان کا رویہ ہمیشہ پاکستان کے خلاف رہا تھا، لیکن اب صدر جمہوریہ افغانستان بن کر پاکستان سے دوستی کا خواہاں تھا اور روس کی بجائے مغربی ممالک سے دوستی چاہتا تھا۔ اس حکمت عملی نے روس کو چونکا دیا اور اس کے حامیوں نے ایک خونیں انقلاب برپا کیا۔ سردار داؤد اور اس کے تمام خاندان کو قتل کر دیا گیا اور اس طرح روس نواز گروپ برسر اقتدار آ گیا۔ نور محمد ترکئی صدر بن گیا۔ اس نے افغانستان میں روس کے مخالف زمینداروں، علماء، تاجروں وغیرہ کا قتل عام کیا۔ کچھ لوگ پناہ گزین بن کر پاکستان میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے یا اسلامی جمہوریہ ایران چلے گئے۔ حکومت بہت ہی عارضی ثابت ہوئی۔ اس کا بھی تختہ الٹ دیا گیا۔ حفیظ اللہ امین صدر افغانستان بن گئے وہ بھی جلد نکالے گئے۔ اقتدار ببرک کارمل کے ہاتھ آیا اور ببرک کارمل کی معزولی کے بعد ڈاکٹر نجیب اللہ افغانستان کے صدر بنے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

3.8- روس کی فوجی مداخلت 1979ء

سوویت یونین نے اپنے حامیوں کی مدد کے لیے کثیر تعداد میں روسی افواج افغانستان میں بھیج دیں جن کی تعداد بعد میں ایک لاکھ پندرہ ہزار تک پہنچ گئی۔ جدید ترین اسلحہ سے لیس روسی فوج نے افغانستان میں دہشت زدگی کا دور شروع کر دیا۔ روس کی اس مداخلت سے پڑوسی ممالک (پاکستان، چین اور ایران) میں تشویش کی لہر دوڑ گئی۔ یورپ اور امریکہ کی ڈپلومیسی حرکت میں آ گئی۔ دنیا کے تقریباً تمام ممالک (ماسوائے بھارت) نے روسی مداخلت کی سخت مذمت کی لیکن روس دنیا کی رائے عامہ سے بے نیاز ہو کر توسیع پسندی کی حکمت عملی پر گامزن ہو گی۔ اس نے اقوام عالم کی افغانستان سے روسی فوج کے انخلاء کی درخواست کو حقارت سے ٹھکرا دیا۔

ادھر افغان مجاہدین نے روسی بربریت اور ببرک کارمل کی انتظامیہ کے خلاف جان کی بازی لگا دی۔ افغان مجاہدین کی فوجی کاروائیاں تاریخ کے صفحات پر سنہری حروف سے لکھنے کے قابل ہیں۔ انہوں نے روس جیسی سپر طاقت کا نہایت بہادری اور جانفروشی کے ساتھ مقابلہ کیا۔ روسی فوج جدید اور مہلک ترین اسلحہ سے لیس ہونے کے باوجود افغانستان کے پہاڑی محل وقوع میں افغان مجاہدین کا مقابلہ نہ کر سکی۔ نو سال کی لڑائی میں تقریباً 12 لاکھ افغانیوں نے جام شہادت نوش کیا اور تقریباً پچاس لاکھ افغان باشندے جن میں بچے، بوڑھے، مرد اور عورتیں بھی شامل ہیں، نے اپنے ملک سے بھاگ کر پاکستان اور ایران میں پناہ لی۔ ان دونوں ممالک نے اسلامی اخوت کے جذبے کے تحت پناہ دی۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق پاکستان نے ان افغان پناہ گزینوں پر 555 ملین ڈالر سالانہ خرچ کیے جس کا نصف پاکستان جیسا غریب ملک خود برداشت کرتا رہا اور باقی رقم کے لیے مغربی ممالک مثلاً جاپان اور چین بھی ہاتھ بٹا رہے تھے۔ پاکستان کا اتنی کثیر تعداد میں افغانوں کو پناہ دینا افغان انتظامیہ کے لیے ہزیمت کا باعث بنا چنانچہ آخر الذکر کی اعانت سے پاکستان میں توڑ پھوڑ اور بم کے دھماکے ہوئے جس کے نتیجے میں پاکستان کو بے شمار جانی و مالی نقصان اٹھانا پڑا۔ جسے اس نے نہایت استقلال اور پامردی سے برداشت کیا جس کے نتیجے میں اب افغان مہاجرین کی اپنے وطن میں باعزت واپسی ہو گئی ہے۔ جنیوا سمجھوتہ 1988ء کی رو سے روسی فوجیں افغانستان سے نکل چکی ہیں۔

چونکہ مجاہدین افغانستان میں روسی فوج کی موجودگی اور روس نواز حکومت ہونے کے باعث جنیوا معاہدے کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتے تھے ور وہ اس معاہدے میں شامل نہیں تھے اس لیے انہوں نے لڑائی جاری رکھی اور صدر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نجیب اللہ کی جانب سے حکومت میں شرکت کی دعوت کو مسترد کر دیا اور کسی بھی ایسی حکومت میں شامل ہونے سے انکار کر دیا جس میں کمیونسٹ موجود ہوں۔ مارچ 1990ء میں نجیب اللہ کا تختہ الٹنے کی کوشش ناکامی سے دوچار ہوئی۔ نجیب اللہ نے افغانستان پر اپنا کنٹرول قائم رکھنے کے لیے روس سے مزید اسلحہ، خوراک اور ایندھن کا حصول جاری رکھا لیکن تمام افغانستان مجاہدین کی حمایت میں متحد ہو گیا۔ آخر کار 1991ء کے آخر میں روس اور امریکہ نے افغان حکومت اور مجاہدین کی امداد کے خاتمے کے معاہدے پر دستخط کر دیے۔ 1992ء میں مجاہدین نے کابل کے گرد گھیرا تنگ کر دیا۔ ازبک رہنما رشید دوستم کے ساتھ چھوڑ دینے سے نجیب اللہ حکومت ختم ہو گئی۔

اقوام متحدہ کے ایماء پر جرمنی کے شہر بون میں چار افغان دھڑوں کے مذاکرات کے نتیجے میں 5 دسمبر 2001ء کو یک نگران حکومت کے قیام کا فیصلہ کیا گیا۔ جون 2002ء میں ایک افغان لویہ جرگہ میں پشتون لیڈر حامد کرزئی کو افغانستان کا صدر منتخب کر لیا گیا۔ طالبان حکومت کے خاتمے کے بعد افغانستان میں جرائم کی شرح میں بہت زیادہ اضافہ ہوا ہے۔ منشیات کی پیداوار حکومت کے کنٹرول سے باہر ہو گئی ہے اور بدامنی کا دور دورہ ہے۔ طالبان کی قیادت روپوش ہے لیکن غیر ملکی فوجوں کے خلاف طالبان کی چھاپہ مار کارروائیاں اس حد تک بڑھ گئی ہیں کہ اب افغانستان کے بیشتر حصے پر پھر سے طالبان کا قبضہ ہو گیا ہے۔

3.9- اہم نکات

(1) پاکستان اور افغانستان میں برادرانہ تعلقات قائم ہیں۔

(2) 1955ء اور 1961ء میں دونوں ممالک کے تعلقات سرد مہری کا شکار رہے ہیں۔

(3) 1970ء میں دونوں ممالک کے درمیان تعلقات کو فروغ حاصل ہوا اور باہمی تجارت میں اضافہ ہوا۔

(4) 1979ء میں افغانستان پر روس کے جارحانہ حملے کی پاکستان نے شدید مخالفت کی اور اس سلسلے میں اسلامی وزرائے خارجہ کی کانفرنس (منعقدہ اسلام آباد) کی میزبانی 1980ء میں پاکستان نے کی۔ پاکستان نے افغان جہاد میں افغانستان کی ہر ممکن اخلاقی مدد کی اور ہر عالمی فورم پر مسئلہ افغانستان کو اٹھایا۔

(5) 23 دسمبر 2002ء کو پاکستان سمیت چھ ممالک نے کابل میں افغان عوام کے تحفظ اور افغانستان میں عدم مداخلت کے معاہدے پر دستخط کیے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(7) 27 دسمبر 2002ء کو ترکمانستان کے دارالحکومت اشک آباد میں پاکستان افغانستان اور ترکمانستان کے مابین گیس پائپ لائن بچھانے کے معاہدے پر دستخط کیے گئے اس منصوبے پر تین ارب بیس کروڑ ڈالر لاگت آئے گی۔

(8) پاکستان افغانستان میں غیر جانبدارانہ اور وسیع البنیاد حکومت کے قیام کا حامی ہے۔

3.10- خود آزمائی نمبر 3

سوال نمبر 1- روسی مداخلت سے افغانستان میں جو صورتحال پیدا ہوئی اس کا ناقدانہ جائزہ لیں۔

سوال نمبر 2- افغانستان میں روسی مداخلت کے پاکستان پر کیا اثرات مرتب ہوئے؟ تحریر کریں۔

سوال نمبر 3- پاکستان کے بارے میں افغان پالیسی کو وضاحت سے بیان کریں۔

سوال نمبر 4- خالی جگہ پر کریں۔

(1) پاکستان سے ملنے والی سرحد کو ________ کہتے ہیں۔

(2) ڈیورنڈ لائن نے پختونوں کو ایک دوسرے سے ________ کر دیا ہے۔

(3) پاکستان میں ________ نے پختونستان کے تخیل کی نفی کر دی۔

(4) سردار داؤد خان نے ________ میں بادشاہت کا خاتمہ کر دیا۔

(5) 1998ء میں ________ نے کینیا اور تنزانیہ میں امریکی سفارت خانے پر بم دھماکوں کا الزام طالبان حکومت پر عائد کیا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

4- پاک بھارت تعلقات

4.1- پس منظر

تقسیم برصغیر سے پہلے کانگریس اور مسلم لیگ کی نظریاتی جنگ جاری رہی۔ اس اعصابی اور نظریاتی جنگ کا نتیجہ قیام پاکستان کی شکل میں برآمد ہوا۔ بھارت چونکہ قیام پاکستان کا انتہائی مخالف تھا لیکن اسے اپنی مرضی کے خلاف پاکستان کے وجود کو طوعاً و کرہاً تسلیم کرنا ہی پڑا۔ اس سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ یہ سب کچھ بھارت نے ذہنی تحفظات کے تحت ہی تسلیم کیا۔ کانگریسی رہنما پاکستان کو مذہبی جنون کی پیداوار سمجھتے تھے اور پاکستان کے قیام اور ترقی کو دقیانوسیت اور تخریبی عناصر کی ترقی سمجھتے تھے' یا پھر وہ پاکستان کو برطانیہ کا پٹھو سمجھتے تھے اور قیام پاکستان کو بھارت کے پلڑے کے برابر لانے کی کوشش کو اپنے خلاف سازش سمجھتے تھے۔ قیام پاکستان کے بعد حکومت پاکستان کی اسلامی بلاک کے ساتھ دوستی کی کوششوں کو بھارت اپنے خلاف مضبوط محاذ بنانے کی ایک کوشش خیال کرتا تھا۔ پاک چین دوستی ہو یا پاک امریکہ دوستی، اس قسم کا کوئی بھی معاہدہ بھارت کی نظروں میں کھٹکتا رہا۔

پاک بھارت تعلقات کی تاریخ دراصل بدعہدی اور عداوت کی طویل داستان ہے جس کی وجہ سے ان دونوں ملکوں میں تین بار جنگ بھی ہو چکی ہے۔ اس پس منظر کو ذہن میں رکھتے ہوئے ہم پاک بھارت تعلقات کا مطالعہ کرتے ہیں۔

4.2- قبل از تقسیم دور

نوزائیدہ مملکت پاکستان کو قیام کے وقت ہی بے تحاشا مسائل سے دوچار کیا گیا جس کا مختصر ذکر ضروری ہے۔ ہندو مسلم فسادات تو آزادی سے تین سال پہلے ہی شروع ہو چکے تھے۔ جوں جوں آزادی کے دن نزدیک آتے گئے ان فسادات کی شدت بڑھتی گئی چنانچہ 10 لاکھ کے قریب مسلمان شہید ہو گئے اور 60 لاکھ سے زائد مسلمانوں کو بھارت سے جبراً نکال کر پاکستان میں لٹے پٹے قافلوں کی شکل میں دھکیل دیا گیا۔ مقصد یہ تھا کہ اس نوزائیدہ سلطنت کو لاتعداد اقتصادی مسائل سے دوچار کیا جائے۔

4.3- حد بندی میں بے انصافی

ریڈکلف ایوارڈ کا بنیادی مقصد ہندوستان اور پاکستان کی سرحدوں کا تعین اکثریت آبادی کی بنیاد پر کرنا تھا،

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یعنی مسلم اکثریت والے علاقے پاکستان کے لیے مختص کرنا تھے لیکن یہ ایوارڈ منصفانہ نہیں تھا بلکہ سیاسی ایوارڈ تھا اور پاکستان کے لیے بعدازاں علاقائی قتل ثابت ہوا۔ گورداسپور کا مسلم اکثریت والا ضلع بھارت کو دے دیا گیا تاکہ بھارت اور کشمیر کے الحاق کو آسان بنایا جا سکے۔ اس سے پاکستان کو شدید نقصان پہنچا اور گورداسپور ضلع کے مسلمان مجبوراً اپنا سب کچھ لٹا کر پاکستان میں پناہ گزین ہوئے۔ اس طرح حد بندی میں پاکستان کے ساتھ بے انصافی کی گئی۔

4.4- اثاثوں کی تقسیم

تقسیم برصغیر کے وقت برطانوی ہند کی کرنسی تقریباً چار ہزار ملین تھی اور پاکستان کا حصہ ایک ہزار کروڑ بنتا تھا۔ ہندوستان نے یہ حصہ دینے سے انکار کیا تاکہ پاک حکومت کا روزمرہ کا کاروبار خسارے کا شکار ہو جائے۔ بڑی مشکل اور سخت تگ ودو کے بعد مبلغ ساتھ سو ملین روپے اقساط میں ملا اور باقی ماندہ آج تک نہیں ملا۔

4.5- دفاعی اثاثوں کی تقسیم

جوائنٹ ڈیفنس کونسل کا مقصد ہندو پاک میں فوجوں اور فوجی اثاثوں کی منصفانہ تقسیم تھی لیکن قیام پاکستان کے فوراً بعد جوائنٹ ڈیفنس کونسل کو ختم کر دیا گیا اور ہندوستان نے پاکستان کا حصہ دینے سے انکار کر دیا۔ باہمی تصفیہ کے مطابق پاکستان کو 160 ڈیفنس سٹورز حصے میں ملنا تھے لیکن بہت ہی کم حصہ ملا اور وہ بھی فرسودہ اور ٹوٹا پھوٹا سامان تھا۔ پاکستان کے حصے میں کوئی اسلحہ ساز فیکٹری نہ آئی نہ کوئی تجربہ گاہ ملی، جہاں وہ اپنا بنایا ہوا اسلحہ ٹیسٹ کر سکے۔ ٹیلی گراف کے سٹورز بھارت نے تمام اپنے پاس رکھ لیے اور پاکستان کو باوجود احتجاج کے کچھ نہ دیا۔ بدقسمتی سے برٹش انڈین آرمی میں کوئی پوری سالم مسلم بٹالین نہ تھی حالانکہ ہندوؤں اور گورکھوں کی سالم بٹالین تھیں۔ اس طرح فوجی نفری بھی ٹکڑوں میں ملی۔

4.6- متروکہ جائیداد

دونوں ممالک کے لوگوں نے جب ترک وطن کیا تو اپنی زرعی اور شہری جائیداد کو چھوڑ کر چلے گئے۔ فیصلہ یہ ہوا کہ اس چھوڑی ہوئی جائیداد پر دونوں ممالک کے تارکین آباد کیے جائیں لیکن ہندوستان سے آنے والے مہاجرین کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ غیر مسلموں کی متروکہ جائیداد ان کے لیے ناکافی ثابت ہوئی۔ اس مسئلے نے دونوں ممالک کے تعلقات مزید کشیدہ کر دیئے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

4.7- اقلیتیں دونوں ممالک میں

اگرچہ دونوں ممالک کے لوگوں نے خاص تعداد میں نقل مکانی کی لیکن پھر بھی 47 ملین مسلمان بھارت میں رہ گئے اور 12 ملین ہندو مشرقی پاکستان میں رہ گئے۔ان اقلیتوں کی وجہ سے مزید کشیدگی بڑھی۔

4.8- دریائے سندھ کے پانی کا مسئلہ

یہ مسئلہ ریڈکلف ایوارڈ کی بے انصافیوں کی وجہ سے پیدا ہوا۔ جس نے سرحدوں کا تعین نہایت ہی بے انصافی سے ہندوستان کے حق میں کیا اور پاکستان کا گلا گھونٹنے کی کوشش کی۔ دریائے سندھ اور اس کے معاون دریا شمال میں برفانی پہاڑوں سے نکلتے ہیں اور سارا سال موسم کے اثرات کی وجہ سے پانی میں تبدیل ہوتے رہتے ہیں اور آبپاشی کے کام آتے ہیں۔ انگریز حکومت نے آبپاشی کے نظام میں کمال کی منصوبہ بندی کی تھی لیکن سرحدوں کی غیر منصفانہ تقسیم سے آبپاشی کا نظام بھی بری طرح متاثر ہوا۔ پاکستان کو سیراب کرنے والی بہت سی نہروں کے ہیڈ ورکس بھارت میں رہ گئے جس کی وجہ سے بھارت بغیر کسی حیل وحجت کے پانی بند کر سکتا تھا۔ ریڈکلف کمیشن کو یقین دلایا گیا کہ بھارت متبادل بندوبست ہونے تک نہروں کے نظام میں کوئی ردوبدل نہیں کرے گا لیکن بھارت نے 1948ء میں دیپالپور اور سنٹرل دوآب کی نہروں کا پانی بند کر دیا جس سے لاکھوں پاکستانی کسان مفلسی اور بھوک کا شکار ہو گئے۔ 1951ء میں عالمی بنک نے اس مسئلے پر غور کیا اور طویل مذاکرات کے بعد 1960ء میں طرفین میں سمجھوتہ کرایا، جس کی رو سے یہ طے پایا کہ پنجاب کے تین مشرقی دریاؤں کا پانی بھارت کی ملکیت ہے لیکن وہ اگلے دس سال کے لیے پاکستان کو پانی مہیا کرتا رہے گا جب تک پاکستان کوئی اور متبادل انتظام نہ کر لے۔ پاکستان کے تین مغربی دریاؤں کے پانی پر حق کو تسلیم کر لیا گیا لیکن کشمیر میں بھارت ان دریاؤں کا کچھ پانی استعمال کرے گا تاکہ بجلی اور پانی کے وسائل کو نقصان نہ پہنچے۔ انڈس ڈیولپمنٹ فنڈ قائم کیا گیا جس میں بھارت 174 ملین ڈالر دے گا اور بقیہ رقم کینیڈا، جرمنی، برطانیہ، آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ ادا کریں گے۔

4.9- ریاستوں کے مسائل

یہ مسئلہ دونوں ممالک کے درمیان مستقل جھگڑا بن چکا ہے۔ تقسیم ہند کے وقت برطانوی ہند میں 567 ریاستیں تھیں انگریزوں کے چلے جانے کے بعد قانونی طور پر یہ ریاستیں خودمختار بنتی تھیں لیکن وائسرائے لارڈ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ماؤنٹ بیٹن نے انہیں نصیحت کی کہ وہ اپنے محل وقوع کو مدنظر رکھتے ہوئے بھارت یا پاکستان کے ساتھ الحاق کرلیں اور ایسا کرنے میں اپنی رعایا کے احساسات کا خیال رکھیں۔ اگست 1947ء میں تمام ریاستیں (سوائے جوناگڑھ، حیدرآباد اور کشمیر) اپنے محل وقوع کے مطابق دونوں ملکوں سے الحاق کرچکی تھیں۔

جوناگڑھ

گجرات کاٹھیاوار میں واقع یہ چھوٹی سی جزیرہ نما ریاست ایک مسلمان نواب کی تھی۔ اس کی 70 فیصد رعایا ہندو تھی۔ اس کے حکمران نے پاکستان سے الحاق کرلیا لیکن بھارت نے بزور شمشیر اس علاقے کو اپنے ملک میں ضم کرلیا۔

حیدرآباد

اس کی 80 فیصد آبادی ہندو لیکن حکمران مسلمان تھا اور ان کی خواہش تھی کہ اس کا پاکستان سے الحاق کیا جائے یا پھر اسے آزاد رکھا جائے۔ اس نے بھارت کے ساتھ ایک سال کا عبوری معاہدہ بھی کیا۔ بھارت نے معاشی بائیکاٹ اور فوجوں کو داخل کر کے عبوری معاہدے کی خلاف ورزی کی اور ستمبر 1948ء میں پوری ریاست بھارت کے قبضے میں آ گئی۔

کشمیر

پاکستان کے شمال میں واقع ریاست جموں وکشمیر میں واضح اکثریت مسلمانوں کی تھی اور حکمران ہندو تھا اس ریاست کا بیرونی دنیا سے تعلق پاکستان کی گزرگاہوں کے ذریعے سے تھا۔ صدیوں سے کشمیر کی پاکستان سے تہذیبی، معاشی، معاشرتی اور مذہبی یکسانیت رہی ہے لیکن اس کے راجہ نے بھارت کے ساتھ الحاق کرلیا۔ جس پر ریاست میں ہندو مسلم فسادات شروع ہوئے۔ راجہ کی فوج اور جنگجو ہندو جماعتوں نے مسلم کشمیریوں کا قتل عام کیا اور بہت سے لوگوں کو نکال کر پاکستان جانے پر مجبور کردیا۔ مسلم قبائلی لوگ لشکر لے کر کشمیریوں کی مدد کو پہنچ گئے۔ ادھر بھارت کی فوجیں راجہ کشمیر کی مدد کے لیے آ گئیں۔ بالآخر سلامتی کونسل نے جنوری 1949ء کی قرارداد کے تحت جنگ بندی تو کرادی لیکن ریاست سے غیر ملکی فوجوں بالخصوص ہندوستان کی افواج کا اخراج نہ کراسکی۔ آزاد اور غیر جانبدارانہ رائے شماری جس کا وعدہ بھارت نے ببانگ دہل کیا آج تک ایفاء نہ ہوا۔ کشمیر کا مسئلہ پاکستان کے لیے شدید تشویشناک ہے۔

مندرجہ بالا مسائل کے علاوہ یہ بھی زیر قلم لانا ضروری ہے کہ نوزائیدہ مملکت کی مشکلات کو بڑھانے کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیے اس کا متعلقہ سرکاری دفاتر کا ریکارڈ ہندوستان نے یا تو ضائع کر دیا یا دینے سے انکار کیا۔ لازمی سامان مثلاً کوئلہ کی فراہمی پر مکمل پابندی لگا دی۔ پختونستان کے حامیوں کی سرعام حمایت کی۔ کشمیر پر بذریعہ چور دروازہ قبضہ کیا گیا۔ اس صریحاً دشمنی کی وجہ سے پاکستان کی خارجہ پالیسی کا محور ہمیشہ بھارت ہی رہا ہے۔ پاکستان کی خارجہ پالیسی کا آغاز اور اختتام پاکستان کو بھارت کے توسیع پسند عزائم سے بچانا اور ہر قیمت پر اپنی سرحدوں کی حفاظت کرنا ہے۔ خصوصاً وہ سرحدیں جو بھارت سے ملتی ہیں۔ پاکستان جب سے عالمی نقشے پر ظہور پذیر ہوا ہے اسے ہمیشہ اپنی سلامتی کی فکر دامن گیر رہی ہے بین الاقوامی سیاسیات میں پاکستان کی اہمیت کو کم کرنے کے لیے گھیرا ڈالنے کی حکمت عملی اختیار کی گئی۔ بھارت نے اپنی نام نہاد غیر جانبداری کی حکمت عملی دراصل اس علاقے میں لیڈری حاصل کرنے کے لیے اختیار کی ہے۔ مسلم ممالک کی حوصلہ شکنی کی گئی کہ وہ پاکستان کی کم از کم مدد کریں۔ امریکہ سے اقتصادی مدد اور روس سے فوجی مدد حاصل کی گئی تاکہ بھارت کا رتبہ بین الاقوامی دنیا سے بلند ہو جائے اور پاکستان کو کمتر خیال کیا جائے۔

4.10- 1965ء کی پاک بھارت جنگ سے قبل کا دور

بھارت کی زبردست جنگی تیاریوں نے پاکستان کو بھی چوکنا رہنے پر مجبور کر دیا۔ چنانچہ وہ معاہدہ بغداد جو کہ بعد میں سینٹو اور سیٹو کا ممبر بن گیا تاکہ بھارت کی روز افزوں جنگی تیاریوں سے نپٹنے کے لیے جنگی سامان حاصل کر سکے۔ روس سینٹو معاہدے کا سخت مخالف تھا اس لیے وہ پاکستان کے مزید مخالف ہو گیا اور اس نے بھارت کی دل کھول کر فوجی امداد کرنا شروع کر دی۔ 1962ء کی چین بھارت جنگ نے بھارت کو بہت رسوا کیا چنانچہ روس نے اس کی جنگی امداد میں بے تحاشا اضافہ کر دیا اور امریکہ نے بھی اس کی اقتصادی مدد بہت زیادہ کی۔ بھارت کی غیر جانبدارانہ پالیسی ایک شاطرانہ چال تھی۔ وہ غیر جانبدار رہ کر امریکہ اور روس دونوں سے امداد لے رہا تھا کیونکہ بھارت اگر پاکستان کی طرح کسی ایک معاہدے میں شامل ہو جاتا تو دوسرا بلاک ہرگز اسے کوئی مدد نہ دیتا۔ غیر جانبدار بن کر بھارت دونوں سپر طاقتوں سے بے انتہا فوجی اور اقتصادی امداد لیتا رہا۔

ہندوستان کا پاکستان سے سلوک کھلم کھلا دشمنی پر مبنی تھا اس کا نصب العین اسے قیام کے فوراً بعد ہی ختم کر دینا تھا۔ اس لیے اس نے طے شدہ سمجھوتے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے پاکستان کے مالی اثاثے روک لیے۔ پاکستان کو اس کے حصے کا فوجی سامان دینے سے انکار کر دیا اور پھر مسئلہ کشمیر میں الجھا دیا۔ جب 1949ء میں جنگ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بندی ہوئی تو پاکستان کو 500 میل لمبی سرحد کی نگرانی کرنا پڑ گئی۔ ہندوستان کا رویہ متشددانہ رہا جس کی وجہ سے پاکستان اپنے محدود وسائل عوام کی بہتری پر صرف کرنے کی بجائے فوجی تیاریوں میں لگانے پر مجبور ہو گیا۔ ہندوستان کے خوف کی وجہ سے ہی پاکستان بغداد پیکٹ، بعد ازاں سینٹو اور پھر سیٹو (SEATO) کا ممبر بنا۔ روس ان دونوں معاہدوں عہد ناموں سے سخت نفرت کرتا تھا کیونکہ اس کے خیال میں مغربی طاقتوں نے یہ عہد نامے اس کا گھیراؤ کرنے کے لیے کیے تھے۔

بھارت نے اسی اثناء میں پاکستان کو جنگ نہ کرنے کا عہد نامہ (Nor War Packet) کرنے کی ترغیب دی تھی تا کہ باہمی تجارت کو فروغ ہو اور دونوں ممالک کے لوگ آپس میں ثقافتی لین دین کر سکیں اور پرانی دشمنی آہستہ آہستہ خود بخود ختم ہو جائے۔ پاکستان نے اس پیش کش کو قبول نہ کیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جب تک بنیادی مسئلوں کا منصفانہ فیصلہ نہ ہو جائے' اچھے تعلقات پیدا نہیں ہو سکتے۔

4.11- 1965ء کی جنگ کے بعد کے پاک بھارت تعلقات اور جنگ 1971ء

عام طور پر جنگ کے بعد نتائج ظہور میں آتے ہیں لیکن 1965ء کی جنگ کے بعد حالات میں کوئی تبدیلی واقع نہ ہوئی۔ نہ مسئلہ کشمیر حل ہوا نہ اس میں کوئی فرق پڑا اور نہ ہی سرحدی تنازعات طے ہوئے۔ اس جنگ کا ایک مہلک نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ بھارت نے 1965ء کی جنگ میں اپنی ہزیمت کا بدلہ لینے کے لیے زور شور سے جنگی تیاریاں شروع کر دیں۔ بھارت کا یہ جواز کہ جنگی تیاریاں چین کے خلاف ہیں' پاکستان نے ہر قیمت پر تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ چین اور بھارت کا محل وقوع ایسا ہے کہ جب کبھی بھی ان کا تصادم ہو گا وہ ہمالیہ کے بلند پہاڑوں پر ہو گا جہاں پر بحری بیڑے، پیرا شوٹ ڈویژن اور طیارے کام نہیں آ سکتے جبکہ بھارتی فوج کے پاس ان اشیاء کی بہتات ہے۔ درحقیقت یہ سب جنگی تیاریاں پاکستان کے خلاف تھیں اور ساتھ ہی بھارت نے اعلان کر دیا کہ کشمیر بھارت کا اٹوٹ انگ ہے اور پاکستان کا اس میں کوئی دخل نہیں اور کشمیریوں پر ظلم و ستم کی انتہا کر دی۔ اس اثناء میں بھارت نے ''گنگا'' نامی طیارے کے اغواء کا کھیل رچایا، جس کے نتیجے میں بھارت نے پاکستان کی پروازوں کا مشرقی پاکستان پہنچنے کے لیے ہندوستان سے گزرنا ممنوع قرار دے دیا۔ اب جنگ ان دونوں ممالک کے مابین ناگزیر نظر آ رہی تھی۔ صرف اس فیصلے کا انتظار کرنا تھا کہ اب کی بار بھارت جنگ کس جگہ سے کھولے۔ کشمیر میں محاذ جنگ کھولنا بھارت کے مفاد میں نہیں تھا کیونکہ کشمیری عوام کی ہمدردیاں پاکستان کے ساتھ تھیں جو کہ بھارتی فوج کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیے مشکلات پیدا کرسکتی تھیں۔ مغربی محاذ پر محاذ جنگ کھولنے کا بھارت کو کڑوا تجربہ ہوا تھا اور 1965ء کی تلخ یادیں ابھی معدوم نہیں ہوئی تھیں۔ اس لیے محاذ جنگ مشرقی پاکستان میں کھولا گیا۔ شیخ مجیب الرحمٰن نے اپنے چھ نکاتی پروگرام کے ذریعے مغربی پاکستان کے خلاف سخت نفرت پھیلائی ہوئی تھی۔ بھارتی پروپیگنڈہ زوروں پر تھا اور مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے رجحان کی حوصلہ افزائی کرتا تھا۔ شیخ مجیب کا چھ نکاتی پروگرام گویا علیحدگی کا پروانہ تھا۔ چنانچہ حکومت پاکستان نے لیگل فریم آرڈر جاری کر کے چھ نکاتی پروگرام کو مسترد کر دیا۔ بھارت نے شیخ مجیب کی کھلم کھلا پیٹھ ٹھونکی اور اب بھارت پاکستان جنگ ناگزیر ہوگئی۔

بھارت نے روس سے فوجی امداد کا سمجھوتہ کرلیا جس کی رو سے اس نے بھارت پر حملہ کی صورت میں امداد کا حتمی وعدہ کیا۔ سوال یہ ہے کہ بھارت جو کہ پاکستان سے چار گنا طاقتور ہے اسے پاکستان سے کیا ڈر تھا جو یہ فوجی سمجھوتہ ناگزیر ہوگیا تھا۔ دراصل روس اس سمجھوتے کے ذریعے وہ کچھ حاصل کرسکتا تھا جو وہ تمام برصغیر کی فتح سے بھی نہیں حاصل کرسکتا تھا۔ روس کی دیرینہ خواہش بحر ہند پر پورا غلبہ، چین کو ہزیمت دینے کے لیے بہترین اڈوں کی فراہمی اور برصغیر پاک و ہند پر برتری کا نفاذ وغیرہ تھی۔ ان حالات میں ہندوستان کی فوجی برتری اور مشرقی پاکستانیوں کی غداری کا ایک ہی قدرتی نتیجہ نکلنا تھا اور وہ یہ کہ مشرقی پاکستان مغربی پاکستان سے کٹ گیا۔ شیخ مجیب کی عوامی لیگ بھارت کی پروردہ تھی اور اس نے مشرقی پاکستانیوں کو کامیابی سے گمراہ کیا کہ مغربی پاکستان ان کا استحصال کر رہے ہیں لیکن مشرقی پاکستان کی علیحدگی نے اس کو اقتصادی طور پر مفلوج کر دیا۔

بالآخر 1971ء کی جنگ کا نتیجہ شملہ سمجھوتہ کی صورت میں نکلا، جس میں طرفین نے ایک دوسرے کے ساتھ صلح و آشتی سے رہنے کا عہد کیا۔

4.12- جنتا پارٹی کا دور

بھارت کے 1977ء کے انتخابات نے سیاست کا پانسہ پلٹ دیا۔ کانگریس پارٹی جس کی پاکستان دشمنی ضرب المثل تھی اب ہار گئی اور جنتا پارٹی کامیاب ہوگئی جس کے لیڈر مرارجی ڈیسائی ہندوستان کے وزیراعظم بنے۔ اس دور میں بھارت نے کچھ تعاون کا مظاہرہ کیا اور اگر یہ حکومت کچھ دیر رہتی تو شاید دونوں ملکوں کے تعلقات بہتر ہو جاتے، لیکن پھر سیاست نے پانسہ پلٹا اور کانگریس پارٹی برسر اقتدار آگئی اور پاک بھارت تعلقات پرانی ڈگر پر چلنے لگے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

4.13- پاک بھارت تعلقات کی نوعیت

پاکستانی عوام میں اکثر یہ تاثر پایا جاتا ہے کہ بھارت ہم پر جلد یا بدیر حملہ ضرور کرے گا۔ حکومت پاکستان یہ تاثر دیتی ہے کہ ہماری دفاعی حیثیت مضبوط ہے اور ہم ہر خطرے کا مقابلہ کر سکتے ہیں جبکہ بھارت کے عوام پاکستان سے کوئی خطرہ محسوس نہیں کرتے لیکن بھارتی حکومت مسلسل پر چار کرتی ہے کہ پاکستان جارح ملک ہے اور ہم پر حملے کرنے میں پہل کرے گا۔ بھارتی حکومت کا وقتاً فوقتاً پاکستان کو دھمکیاں دینے کا مقصد پاکستانی عوام میں بددلی پھیلانا ہے۔ بھارتی حکومت کا پاکستان کو بار بار جارح کہنے کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھارتی عوام کو ڈرا کر اپنی پوزیشن مضبوط کر لے۔ پاکستان کے خیر سگالی کے جذبے کو بھارت حکومت شک کی نظروں سے دیکھتی ہے لیکن بھارت کی دھمکیوں کا جواب پاکستان خفگی سے نہیں دیتا اور پرامن طریقے سے مسائل کا حل چاہتا ہے۔ بہر حال یہ حقیقت ہے کہ پاکستانی عوام پاکستان کی بقاء کے لیے ہر قسم کی قربانی دینے کے لیے تیار ہیں۔

بھارت برصغیر میں اپنی برتری کے لیے بے چین ہے اور پاکستان ہی اس کے راستے میں رکاوٹ ہے۔ پاکستان اپنے تحفظ کے لیے جنگی تیاریاں کرتا ہے تو بھارت طوفان کھڑا کر دیتا ہے۔ پاکستان کو ملنے والی فوجی امداد کو اپنی سلامتی کے لیے خطرہ قرار دیتا ہے۔ پاکستان میں برقی قوت کی کمی ہے اسی لیے ایٹمی توانائی سے اسے پورا کیا جا رہا ہے جس پر بھارت بہت زیادہ شور مچاتا ہے۔ بھارت پاکستان کا دوستی کا ہاتھ جھٹکتا رہتا ہے لیکن بھارت کا یہ رویہ پاکستان جیسے آزاد اور خود مختار ملک کو اپنے دفاع، سلامتی اور آزادی کے جذبے سے محروم نہیں کر سکتا۔ آج کل پاک بھارت کے مابین باہمی دوستی اور خیر سگالی کے تعلقات استوار کرنے کا بہت غلغلہ ہے۔ بھارتی وزیر اعظم نے ایک بیان میں پاکستان کے ساتھ مذاکرات پر رضامندی کا اظہار بھی کیا ہے۔ دوستانہ وفود کی آمدورفت، کرکٹ میچ، جشن بہاراں میں بھارتی باشندوں اور ہولی میں پاکستانی مندوبین کی شرکت، ادیبوں، صحافیوں اور دانشوروں کی باہمی ملاقاتیں غرضیکہ ہر طرف دوستی کے نغمے پھوٹ پڑے ہیں۔

مارچ 2000ء میں 41 بھارتی خواتین امن بس لے کر پاکستان آئی تھیں۔ یہ باہمی دوستی کا آغاز تھا۔ اس طرح پاکستان سے 64 خواتین دو امن بسوں میں بھارت گئیں۔ امن کی جدوجہد کے نتیجے میں فضائی اور بری راستے کھول دیئے گئے۔ کھوکھرا پار سرحدیں کھولنے اور فری سروس چلانے جیسی تجاویز زیر غور ہیں۔ یہاں تک کہ ویزے کی پابندیاں نرم کرنے کی تجاویز بھی پیش کی جا رہی ہیں۔ بھارت پاکستان سے کنفیڈریشن اور مشترکہ کرنسی کی باتیں کر رہا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے دوسری طرف سفیروں کے تبادلے، ہوائی اور بری سفر کے علاوہ کرکٹ ڈپلومیسی کو بھی فروغ مل رہا ہے۔
پاکستان کی قیادت سے توقع کی جا سکتی ہے کہ مستقبل میں بھارت سے تعلقات میں بہتری کی صورت پیدا ہوگی۔ دونوں ممالک سارک ممالک اور غیر جانبدار تنظیم کے سرگرم اراکین ہیں اور جنوری 2003ء میں پاکستان میں منعقد ہونے والی بارہویں سارک سربراہ کانفرنس میں دونوں ممالک کے سربراہان نے جس گرمجوشی سے حصہ لیا اس سے توقع کی جاتی ہے کہ دونوں ممالک کی خارجہ پالیسی میں مستقبل میں مثبت تبدیلی نمودار ہوگی جو دونوں ممالک کے عوام کے لیے خوش آئند ہوگی۔

4.14- اہم نکات

1- تقسیم برصغیر سے پہلے کانگریس اور مسلم لیگ کی نظریاتی جنگ جاری رہی اور انہیں اعصابی اور نظریاتی جنگ کا نتیجہ قیام پاکستان کی شکل میں برآمد ہوا۔
2- ریڈکلف ایوارڈ کا بنیادی مقصد ہندوستان اور پاکستان کی سرحدوں کا تعین اکثریت آبادی کی بنیاد پر کرنا تھا۔
3- دریائے سندھ کے پانی کا مسئلہ ریڈکلف ایوارڈ کی بے انصافیوں کی وجہ سے پیدا ہوا جس نے سرحدوں کا تعین نہایت بے انصافی سے ہندوستان کے حق میں کیا۔
4- 1971ء کی جنگ کا نتیجہ شملہ سمجھوتے کی صورت میں نکلا جس میں طرفین نے ایک دوسرے کے ساتھ صلح و آشتی سے رہنے کا عہد کیا۔
5- پاکستانی عوام پاکستان کی بقاء کے لیے ہر قسم کی قربانی دینے کے لیے تیار ہیں۔

4.15- خود آزمائی نمبر 4

سوال نمبر 1- خالی جگہ پر کریں۔

1- روس .... معاہدے کا سخت مخالف تھا۔
2- جب 1949ء میں جنگ بندی ہوئی تو پاکستان کو .... میل لمبی سرحد کی نگرانی کرنا پڑ گئی۔
3- مارچ 2000ء میں .... خواتین امن بس لے کر پاکستان آئی تھیں۔
4- 1948ء میں .... اور .... دوآب کی نہروں کا پانی بند کر دیا جس سے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لاکھوں پاکستانی مفلسی اور بھوک کا شکار ہو گئے۔

-5 جوائنٹ ڈیفنس کونسل کا مقصد ہندو پاک میں..................اور..................کی منصفانہ تقسیم تھی۔

سوال نمبر 2- بھارت نے قیام پاکستان کے وقت کون سے مسائل پاکستان کے لیے پیدا کیے؟ مختصر وضاحت کیجئے۔

سوال نمبر 3- پاک بھارت تعلقات کا تاریخی جائزہ لیجیے۔

سوال نمبر 4- ریڈکلف ایوارڈ نے بالآخر پاک بھارت تعلقات پر کیا اثرات مرتب کئے؟

سوال نمبر 5- 1971ء کی پاک بھارت جنگ کی وجوہات بیان کیجئے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

5- پاک چین تعلقات

5.1- پہلا دور 1955ء...... 1949ء

پاکستان کے چین کے ساتھ مثالی تعلقات ہیں۔ چین اشتراکیت انقلاب کے بعد 1949ء میں ایک آزاد ملک کی حیثیت سے قائم ہوا اور پاکستان نے اسے تین ماہ کے کم عرصے میں ہی تسلیم کر لیا۔ چین کا 1949ء میں ایک اشتراکی ملک کی حیثیت سے ابھرنا مغربی طاقتوں کے لیے ایک حادثہ سے کم نہ تھا۔

خان لیاقت علی خان وزیر اعظم پاکستان کا جھکاؤ ہمیشہ مغرب کی طرف رہا تھا' پھر بھی انہوں نے چین کو آزاد ملک تسلیم کرنے میں اتنی تیزی سے کام کیا اور اپنے مغربی دوستوں کی خفگی کی پرواہ نہ کی۔ اس سے پاکستان کی آزادانہ خارجہ پالیسی کی عکاسی ہوتی ہے۔ چین جیسے عظیم ملک سے تعلقات قائم رکھنے میں پاکستان کو اپنے تجارتی مقاصد کا حصول بھی مقصود تھا۔ انہی دنوں برطانیہ نے مالی مشکلات کے مدنظر اپنے پاؤنڈ کی قیمت کم کر دی تھی اور بھارت نے اپنے پیسے کی قیمت کم کر دی تھی لیکن پاکستان نے اپنے پیسے کو کم کرنے سے انکار کر دیا جس پر 1952ء میں بھارت نے پاکستان کے ساتھ تجارتی لین دین ختم کر دیا اور کوئلہ کی برآمد بند کر دی جس سے پاکستان کے ریلوے انجن چلتے تھے۔ چین نے پاکستان کی یہ ساری کمی پوری کر دی اور خام روئی اور پٹ سن کے بدلے پاکستان کو کوئلہ فراہم کر دیا۔ پاکستان کی سیٹو اور سینٹو معاہدات میں شمولیت کو اچھا نہ جاننے کے باوجود چین نے پاکستان کی مذمت نہ کی۔

1955ء کی بنڈونگ کانفرنس میں محمد علی بوگرہ وزیر اعظم پاکستان نے چو این لائی وزیر اعظم چین کو واشگاف الفاظ میں بتایا کہ ہماری مندرجہ بالا دو معاہدوں میں شمولیت صرف بھارت کی دہشت کی وجہ سے ہے لیکن اگر مغربی طاقتیں ان معاہدوں کی وجہ سے ہم سے کوئی ایسا مفاد لینا چاہیں جس سے چین کو نقصان پہنچتا ہو تو ہم یہ ہرگز نہ ہونے دیں گے۔ وزیر اعظم بھارت پنڈت جواہر لال نہرو نے بنڈونگ کانفرنس میں پاکستان کی ان دونوں فوجی معاہدوں میں شمولیت کے خلاف خوب پرچار کیا اور پوری کوشش کی کہ ممبران کو پاکستان کے خلاف کیا جائے لیکن محمد علی بوگرہ اور جنرل رضا کی ڈپلومیٹک بصیرت کے آگے یہ پراپیگنڈہ ناکام ہو گیا۔ چین نے پاکستان کے مؤقف کو صحیح تسلیم کیا اور پاک چین تعلقات بدستور خوشگوار رہے۔ یہیں سے بھارت اور چین کے تعلقات میں سرد مہری شروع ہوئی اور ہندی چینی بھائی بھائی والا ولولہ سرد سے سرد ہوتا گیا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

5.2- دوسرا دور 1958ء 1955ء

یہ دور پاکستان میں حکومتوں کی عدم استحکامی کا دور رہا ہے جس سے پاکستان کی سیاسی اور بین الاقوامی پوزیشن کو دھچکا لگا۔ اگست 1955ء میں محمد علی بوگرہ کی حکومت ختم ہوگئی اور چوہدری محمد علی وزارت عظمٰی پر فائز ہوئے لیکن ان کی حکومت اگست 1956ء میں ختم ہوگئی اور حسین شہید سہروردی وزیراعظم پاکستان ہوئے۔ انہوں نے بارہ دن کے لیے چین کا سرکاری دورہ کیا اس کے جواب میں وزیراعظم چین چو این لائی نے بھی دسمبر 1956ء میں پاکستان کا دورہ کیا۔

5.3- مسئلہ کشمیر کے متعلق چین کا کردار

روس کے وزیراعظم خروشیف نے ہندوستان میں واضح الفاظ میں مسئلہ کشمیر کے متعلق بھارت کی حمایت کی تھی لیکن چین کا رویہ اس سلسلہ میں ہمیشہ ہمدردانہ رہا ہے۔ چوہدری محمد علی وزیراعظم پاکستان اپنی علالت کی وجہ سے دورۂ چین نہ کرسکے اس لیے انہوں نے سولہ پاکستانی اخبارنویسوں پر مشتمل ایک وفد چین کے دورہ کے لیے بھیجا۔ وزیراعظم چو این لائی نے اس وفد کے سامنے مسئلہ کشمیر پر پاکستان کی پرزور حمایت کی۔

5.4- تیسرا دور 1962ء 1958ء

اکتوبر 1958ء میں فوجی انقلاب کے بعد جنرل ایوب خان نے پاکستان کی عنان حکومت سنبھالی۔ انہوں نے اپنے دور کے پہلے دو سالوں میں مغرب کی خوشنودی حاصل کرنے کی پوری کوشش کی۔ اسی دور میں پاکستان تبت کے معاملے میں چین کی مخالفت کررہا تھا اور چین کو اقوام متحدہ میں نمائندگی کے خلاف ووٹ بھی دیا تھا جس کے نتیجہ کے طور پر حکومت چین اور اس کے اخباروں نے پاکستان میں امریکی میزائل، بحری تنصیبات اور پاکستان مغرب نواز پالیسیوں کو آڑے ہاتھوں لیا تھا اور پاک چین کشیدگی عروج پر پہنچنے لگی تھی۔ انہی دنوں بھارت چین جھڑپیں سرحدی علاقوں پر اکثر ہورہی تھیں۔ پھر گلگت اور ہنزا پر چینی جہازوں نے پھرنا شروع کردیا، اس پر ارباب اختیار کو احساس ہوا کہ چین کے ساتھ خوشگوار تعلقات بنانے ہی میں سلامتی ہے اور چین کے ساتھ غیر وضاحت شدہ سرحدوں کی بناء پر کشیدگی میں اضافہ ہوسکتا ہے۔ ان وجوہات کی بناء پر حکومت پاکستان نے چین کے ساتھ سرحدی تنازعہ حل کرنے کی مخلصانہ کوشش کی۔ پاکستان کو بخوبی اندازہ ہوگیا کہ چین کی اقوام متحدہ میں مخالفت آئندہ نہیں کرنی چاہیئے اور سینٹو اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سیٹو کی ممبری اس پر ایک دھبے کی طرح ہیں جن کا فائدہ کم اور نقصان زیادہ ہے' چنانچہ صدر ایوب خان کا جولائی 1961ء والا بیان پاکستان کی آزاد خارجہ پالیسی کی عکاسی کرتا ہے یعنی پاکستان سنٹو اور سیٹو کا رکن ہونے کے باوجود مغربی طاقتوں کا آلہ کار نہیں ہے اور کمیونسٹ قیادت روز افزوں مستحکم ہو رہی ہے اور مغربی طاقتوں کی اجارہ داری زوال پذیر ہے۔

جون 1962ء میں پاکستان میں مارشل لاء کی حکومت ختم ہوگئی اور صدر ایوب خان کی نئی کابینہ میں محمد علی بوگرہ جو کہ پاک چین تعلقات کے ماہر تھے اب وزیر خارجہ بن گئے اور انہوں نے جنرل رضا کو چین میں پاکستان کا سفیر مقرر کیا اور پاک چین دوستی کی ایک نئی فضا پیدا ہوگئی اور کچھ گفت وشنید کے بعد چین کے ساتھ سرحدوں کے متعلق سمجھوتہ طے پایا۔ اس سمجھوتے پر دستخط کرنے کے لیے محمد علی بوگرہ چین جانے ہی والے تھے کہ 23 جنوری 1963ء کو ان کا انتقال ہوگیا۔ بعد ازاں نئے وزیر خارجہ ذوالفقار علی بھٹو نے وہاں جا کر سمجھوتہ پر دستخط کیے۔ اس سمجھوتہ کی وجہ سے پاکستان کو 750 مربع میل کا رقبہ ملا۔

چین سے سرحدوں کے تصفیہ کا سمجھوتہ پاک چین دوستی مستحکم کرنے میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے اور اس سے دونوں قوموں کا آپس میں رسوخ اور وثوق بڑھ گیا۔ اس سمجھوتے کے فوراً بعد چین اور پاکستان کے درمیان رابطہ بذریعہ ہوائی سروس شروع ہوگیا۔ پی آئی اے کو جاپان جانے کے لیے چین کا راستہ سستا پڑتا تھا اور جاپان براستہ ہانگ کانگ مہنگا پڑتا تھا۔ چین والوں نے پی آئی اے کی یہ درخواست فوراً منظور کر لی۔

اس سمجھوتے سے چین اور پاکستان دونوں کو فائدہ پہنچا۔ پاکستان نے تمام بین الاقوامی کانفرنسوں میں چین کے مؤقف کی حمایت شروع کر دی۔ سینٹو اور سیٹو کے اجتماعات میں پاکستان نے صاف صاف اعلان کیا کہ چین بھارت جنگ 1962ء میں بھارت نے پہل کی تھی۔

5.5- پاک بھارت جنگ 1965ء میں چین کا کردار

امریکہ کی مدد سے تیسرا پنجسالہ منصوبہ 70-1965ء شروع ہوا تھا لیکن پاک بھارت جنگ شروع ہوتے ہی امریکہ نے امداد بند کر دی اور اس منصوبے کو ناکام بنانے کے درپے ہوگیا جو کہ چین کی مدد سے بچ گیا۔

مشرقی پاکستان کا علاقہ بھارت کی زد میں تھا اور بھارت اس پر آسانی سے ضرب لگا سکتا تھا لیکن پاک چین دوستی کی وجہ سے بھارت ایسا نہ کر سکا اور مغربی پاکستان میں بھارت کو عبرتناک شکست ہوئی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اعلان تاشقند میں روسیوں کے نرغے میں آ جانا ایک ایسی سیاسی غلطی تھی جس کے نتیجے میں جو کچھ جیتا وہ تاشقند کی میز پر ہار دیا گیا۔

5.6- چوتھا دور 1971ء 1965ء

1965ء میں پاک بھارت جنگ کے بعد پاک چین دوستی کا چوتھا دور شروع ہوتا ہے اب جبکہ چین کی اہمیت بہت بڑھ گئی تو امریکہ بھی چین سے دوستی کا خواہاں ہوا۔ امریکی وزیر خارجہ ڈاکٹر ہنری کسنجر خفیہ طور پر براستہ اسلام آباد پیکنگ گئے اور چین امریکہ 21 سالہ مخاصمت ختم کرانے میں پاکستان نے اہم کردار ادا کیا۔

1971ء میں چین اقوام متحدہ کا ممبر بن گیا اور دنیا جانتی ہے کہ اس سلسلے میں پاکستان نے اہم کردار ادا کیا۔

1971ء میں پاک بھارت جنگ کے بعد ذوالفقار علی بھٹو کے دورِ حکومت میں پاک چین تعلقات بہت مستحکم ہوئے۔

5.7- پانچواں دور 1977ء تا حال

درہ خنجراب کا افتتاح پاک چین دوستی کا ایک سنگِ میل ہے، اس راستے سے دونوں ملکوں کے عوام کی آمدورفت آسان ہوگئی۔ پاک چین دوستی کی گہرائی کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ نہ صرف ان دونوں ممالک کے اعلیٰ عہدیداروں نے باہمی دورے کثیر تعداد میں کیے، بلکہ عوام بھی پیچھے نہ رہے۔ صنعت کار، فنکار، تاجر، ماہرین تعلیم، سائنس دان بھی ایک دوسرے کے ملک میں بکثرت آتے جاتے ہیں۔

افغانستان کے سلسلے میں بھی چین نے پاکستان کے مؤقف کی پرزور حمایت کی اور کہا کہ روسی فوجیں افغانستان سے نکل جائیں۔ چین نے تیس لاکھ افغان مہاجرین کی مسلسل میزبانی کرنے پر پاکستان کی کوششوں کو سراہا۔ چینی ٹیکنالوجی کی پاکستان میں درآمد سے بہت فائدہ پہنچ رہا ہے۔ گدو تھرمل پاور سٹیشن چین کی مدد سے مکمل ہوا ہے۔

باہمی تجارت میں اتنا اضافہ ہوا ہے کہ 1983ء میں دوطرفہ تجارت 260 ملین امریکی ڈالر تک پہنچ گئی۔ پاکستان چین کو روئی، کپڑا، خام مال اور تجارتی جہاز فراہم کرتا ہے اور چین پاکستان کو صنعتی سامان، کیمیکلز، مشینیں وغیرہ بھیجتا ہے۔ پاکستان شیشہ، اینٹیں اور شوگر بنانے کے شیٹ چین سے خریدتا ہے جبکہ پاکستان اپنا خام مال مثلاً خام لوہا اور کھاد بھیج رہا ہے۔

ثقافتی سطح پر بھی تعاون بڑھ رہا ہے پاکستانی فنون چینی نوجوانوں میں ہردلعزیز اور چینی فنکار بھی پاکستان آ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کر پاکستانیوں کو اپنے فن سے محظوظ کرتے ہیں۔

5.8- خود آزمائی نمبر 5

سوال نمبر 1- خالی جگہ پر کریں۔

1- چین کا 1949ء میں ایک اشتراکی ملک کی حیثیت سے ابھرنا.................. کے لیے ایک حادثہ سے کم نہ تھا۔

2- جنرل ایوب خان نے پاکستان کی حکومت............ میں سنبھالی۔

3- اعلان تاشقند میں روسیوں کے نرغے میں آ جانا ایک ایسی سیاسی غلطی تھی جس کے نتیجے میں جو کچھ جیتا وہ............... پر ہار دیا گیا۔

4- 1983ء میں دوطرفہ تجارت.................. ملین امریکی ڈالر تک پہنچ گئی۔

5- امریکہ کی مدد سے.............. سالانہ منصوبہ 70-1965ء میں شروع ہوا تھا لیکن بھارت جنگ کی وجہ سے.............. نے امداد بند کر دی۔

سوال نمبر 2۔ درج ذیل میں صحیح اور غلط بیان کی نشاندہی کریں۔

1- 1952ء میں بھارت نے پاکستان کو کوئلہ کی برآمد بند کر دی۔ صحیح غلط

2- 1963ء کے پاک چین معاہدے سے پاکستان کو 750 مربع میل کا رقبہ ملا۔ صحیح غلط

3- اعلان تاشقند 1966ء میں ہوا۔ صحیح غلط

4- 1973ء میں چین اقوام متحدہ کا رکن بنا۔ صحیح غلط

5- درۂ خنجراب پاکستان اور افغانستان کو ملاتا ہے۔ صحیح غلط

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

6- پاک روس تعلقات

6.1- تمہید

دوسری جنگ عظیم کے بعد روس ایک بڑی طاقت بن کر ابھرا لیکن 1949ء تک بین الاقوامی سیاست میں امریکہ کی سربراہی رہی۔ جب 1949ء میں روس نے ایٹم بم کا تجربہ کیا تو وہ عالمی طاقتوں میں شمار ہونے لگا۔ امریکہ یورپ میں کمیونزم کے پھیلاؤ کا سخت مخالف تھا اور اس کو روکنے کے لیے (North Atlantic Treaty Organization) جسے عام طور پر عہد نامہ (NATO) کہا جاتا ہے اپریل 1949ء میں ظہور میں آیا۔ یہ معاہدہ کمیونزم کو یورپ میں پھیلنے سے روکنے کے لیے عمل میں لایا گیا تھا۔ روس جو کہ اب ایٹمی طاقت بن چکا تھا اس نے NATO کے جواب میں وارسا پیکٹ جس کا مقصد مشرقی یورپ میں روس کے اثر و رسوخ کو بڑھانا تھا۔ یہ پیکٹ دراصل ایک علیحدہ کمیونسٹ عالمی نظام تھا۔

1948ء میں چین بھی عالمی طاقت بن کر ابھرا۔ روس نے اس نئے کمیونسٹ ملک کو خوش آمدید کہا اور کامریڈ سٹالن کے زیر تحت روس کی حکمت عملی چین کے ساتھ خوشگوار تعلقات قائم رکھنا رہی۔ کامریڈ سٹالن کی وفات 1953ء کے بعد خروف شیف کی پالیسی چین کے ساتھ متشددانہ تھی اور اس وقت سے روس چین تعلقات میں بگاڑ شروع ہو گیا۔ چین کو نیچا دکھانے کے لیے روس اور امریکہ نے بھارت کی لامحدود فوجی و اقتصادی مدد کی۔ اس تمہید کے بعد ہم روس پاک تعلقات کا جائزہ لیتے ہیں۔

6.2- پہلا دور 1962ء 1947ء

قیام پاکستان کے فوراً بعد سے ہی پاک روس تعلقات کی تاریخ کا آغاز ہوتا ہے دونوں ممالک کے باہمی تعلقات نشیب و فراز سے گزرتے ہوئے مختلف مراحل میں داخل ہوئے پاکستان نے اپنی غیر جانبدارانہ اور عدم مداخلت کی پالیسی کو پیش نظر رکھتے ہوئے پاک روس تعلقات کو استوار کرنے کے حوالے سے اپنا کردار ادا کیا۔

سوویت یونین کے ٹوٹ جانے سے پہلے روس ایک بڑا ملک تھا جس کی سرحدیں بہت دور تک پھیلی ہوئی تھیں بلکہ ایک ایسا ملک تھا جس نے ایشیا اور یورپ کا گھیراؤ کیا ہوا تھا۔ روس کی دیرینہ خواہش تھی کہ برصغیر پاک و

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہند کے لامحدود وسائل سے فائدہ اٹھائے۔ اب جبکہ یہاں پر دو آزاد حکومتیں پاکستان و بھارت قائم ہو چکی ہیں تو روس کی خواہش اور بھی تیز ہوگئی کہ برصغیر پاک و ہند میں اپنا اثر و رسوخ بڑھائے اور ان ممالک سے اپنی طاقت کا لوہا منوائے چنانچہ وزیر اعظم پاکستان لیاقت علی خان کو دورۂ روس کی دعوت دی گئی۔ اس کے بعد امریکہ نے بھی خان لیاقت علی خان کا دورۂ امریکہ کی دعوت دی جس کو فوراً قبول کر لیا گیا اور دورۂ روس کو معرضِ التوا میں ڈال دیا گیا۔ اکثر محققین کا خیال ہے کہ دورۂ روس کو قبول نہ کرنا خان لیاقت علی خان کی ایک مہلک سیاسی غلطی تھی جس کے نتائج بعد ازاں ظاہر ہوئے۔

یہ کہنا کہ روس کمیونسٹ ملک ہے اور پاکستان جیسا نظریاتی ملک اس سے گہرے تعلقات نہیں رکھ سکتا، ایک کمزور دلیل ہے۔ چین بھی کمیونسٹ ملک ہے جس کی دوستی پر ہم فخر محسوس کرتے ہیں۔ روس کو ٹھکرانے کا نتیجہ یہ ہوا کہ روس ہمیں امریکہ کا طفیلی سمجھنے لگا۔ 1954ء میں SEATO کی اور 1955ء میں CENTO کی تشکیل ہوئی۔ پاکستان ان دونوں عہد ناموں کا ممبر بن گیا۔ مجبوری یہ تھی کہ بھارت سے بچنے کے لیے ہمیں کسی قابل اعتماد مربی اور فوجی امداد کی اشد ضرورت تھی۔ ان عہد ناموں سے ہمیں فوجی امداد تو مل گئی لیکن روس کی خطرناک مخاصمت ہم نے مول لے لی۔ ابھی تک روس نے مسئلہ کشمیر پر غیر جانبدار اختیار کی ہوئی تھی لیکن جوں ہی ہم نے بغداد پیکٹ بعد ازاں سینٹو کی ممبری اختیار کی تو روس نے علی اعلان کہنا شروع کر دیا کہ کشمیر بھارت کا اٹوٹ انگ ہے اور وہاں پر استصواب رائے کی کوئی ضرورت نہیں۔ سلامتی کونسل میں جب بھی کوئی قرارداد پاکستان کے حق میں پیش ہوئی، روس نے اسے ویٹو کر دیا۔ ان عہد ناموں میں شرکت کا بالآخر پاکستان کو کوئی فائدہ نہ پہنچا کیونکہ 1962ء میں چین بھارت جنگ کے بعد امریکہ نے بہت وسیع پیمانے پر بھارت کو فوجی امداد دینی شروع کر دی اور روس نے چین کے خلاف بھارت کی فوجی امداد میں زبردست اضافہ کر دیا۔ سیاسی و مالی امداد کے علاوہ فنی تعلیم میں بھی بہت مدد کی۔ بھارت کو طیارہ سازی میں مدد دی اور ایٹمی ری ایکٹر مہیا کیے۔ پاکستان کی خارجہ حکمت عملی کی اس ناکامی کی وجہ سے بھارت کے خوفناک عزائم پاکستان کے خلاف روز افزوں بڑھتے گئے۔

6.3- دوسرا دور 1971ء 1962ء

صدر ایوب نے عنانِ حکومت سنبھالتے ہی خارجہ پالیسی کو درست کرنے کی کوشش کی یعنی ہمسایہ ممالک بھارت، روس اور چین کے ساتھ تعلقات استوار کرنا اور خاص طور پر بھارت سے تعلقات استوار کرنا آسان کام نہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھا۔ چین کے ساتھ تعلقات درست کرنے کی سعی کی گئی۔ نیز صدر ایوب نے روس کی طرف اپنی حکمت عملی کو مرکوز کر دیا تاکہ روس کے ساتھ رابطہ قائم کر کے مشترکہ مفادات کو ترقی دینے کی کوشش کی جائے۔ اس حکمت عملی کے تحت روس کے ساتھ سفارتی معاہدے ہوئے۔ بالآخر روس کے ساتھ پہلا براہ راست تعلق اپریل 1965ء یعنی قیام پاکستان کے 18 سال بعد قائم ہوا اور صدر ایوب نے دورۂ روس کیا اور گزشتہ غلط فہمیاں دور کرنے کی سعی کی۔ صدر ایوب کے تجزیہ کے مطابق بھارت کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ پاکستان تنہا ہو جائے اور خود تمام دنیا سے فوجی مدد لے کر پاکستان کو مٹانے کی کوشش کرے۔ اس دورے کا اصل مقصد روس کے ساتھ ٹوٹے ہوئے رشتے کو جوڑنا تھا۔ پاکستان اور روس کی ہمسائیگی ایک جغرافیائی حقیقت ہے۔ اس دورے کے تقریباً 6 ماہ بعد ستمبر 1965ء میں پاک بھارت جنگ چھڑ گئی۔ روس عملی طور پر خاموش رہا لیکن جنگ کے خاتمے کے بعد روس نے اپنا سیاسی کردار ادا کیا، طرفین کو تاشقند بلایا اور سمجھوتہ کرا دیا۔ سمجھوتے کی رو سے پاکستان نے سترہ دن کی جنگ میں جو کچھ جیتا تھا، ہار دیا۔ پاکستان کے مسائل ویسے کے ویسے رہے۔ معاہدۂ تاشقند کی پاکستان میں مخالفت ہوئی اور صدر ایوب کا زوال شروع ہوا۔ اس وقت کے وزیر خارجہ ذوالفقار علی بھٹو ایک سیاسی قوت بن کر ابھرنا شروع ہوئے۔ آغا محمد یحییٰ خان کے دور میں روس سے تعلقات بہتر بنانے کی کوشش کی گئی اور روس کا ایک بار پھر دورہ کیا گیا۔ (20 جون سے 26 جون 1971ء) روس نے پاکستان کی سالمیت کا یقین دلایا اور اقتصادی امداد کی پیش کش کی۔ 9 اگست 1971ء کو روس بھارت فوجی سمجھوتہ ہو گیا جس سے پاکستان کا شک یقین میں بدل گیا۔ 1971ء کی جنگ میں بھارت کا کردار روس کے اشارے کے تابع تھا۔ جس کے نتیجے میں بنگلہ دیش وجود میں آیا۔ روس نے سب سے پہلے بنگلہ دیش کو تسلیم کیا۔ روس کے اس کردار سے پاکستان کی حکمت عملی کا تعین واضح ہو گیا یعنی روس کے ساتھ ظاہری تعلقات خراب نہ ہونے پائیں لیکن روس کو خوش کرنے کی کوشش میں پاک چین دوستی کو ہرگز نقصان نہ پہنچنے دیا جائے۔

6.4- روس بھارت گٹھ جوڑ

بھارت نے تو شروع سے ہی پاکستان کو ذہنی تحفظات کے تحت تسلیم کیا تھا۔ اس کے نام نہاد ماہرین کے مطابق پاکستان اقتصادی اور صنعتی طور پر بہت کمزور ہے اس لیے چند روز کا مہمان ہے اور مجبوراً اسے ہندوستان کے زیر سایہ رہنا ہوگا۔ پاکستان کا قیام مسلم دنیا کے لیے حوصلہ افزا تھا۔ اس کی خارجہ پالیسی مسلم ممالک سے دوستی پر مبنی تھی جس سے اس کا وقار بہت بڑھا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پاکستان جس ملک سے دوستی کرتا بھارت اسے اپنے لیے خطرہ سمجھتا۔ پاک چین دوستی کے نام سے ہی اسے چڑ تھی۔ ایک طرف پاکستان امریکیوں کا حلیف بن گیا، دوسری طرف چین سے بہتر تعلقات استوار کیے۔

بھارت نے چین سے جنگ کے بعد روس سے جنگی معاہدہ کر لیا۔ اس طرح 1971ء میں بھرپور اعصابی جنگ کے بعد بھارت نے مشرقی پاکستان پر حملہ کر دیا اور روس کا اعلیٰ فوجی وفد دہلی میں آ کر بیٹھ گیا تاکہ تمام جنگی کارروائیاں اس کی زیر نگرانی پاکستان کے خلاف کی جائیں۔ یہ وفد سقوطِ ڈھاکہ تک بھارت میں رہا تاکہ مشرقی پاکستان کا خاتمہ کیا جا سکے۔ اس لیے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ بنگلہ دیش کو بنانے میں بھارت کو روس کی شہ حاصل تھی۔

6.5- تیسرا دور 1979ء...... 1971ء

اس دور میں پاک روس تعلقات مجموعی طور پر سرد مہری کا شکار رہے۔

6.6- چوتھا دور 1988ء...... 1979ء

1979ء میں روس نے افغانستان میں اپنی فوج داخل کر دی تاکہ اس کی کٹھ پتلی حکومت پھلے پھولے۔ یہ پاکستان کے لیے سنگین خطرہ تھا۔ عالم اسلام اور غیر جانبدار ممالک نے روس پر زور دیا کہ وہ اس جارحیت سے باز آ جائے لیکن بے سود۔ افغانستان سے کم و بیش بتیس لاکھ مہاجرین نے پاکستان میں پناہ لی اور تقریباً بیس لاکھ نے ایران میں پناہ لی۔ افغان مجاہدین نے باوجود بے سروسامانی کے روس جیسی عظیم طاقت کا بے جگری سے مقابلہ کیا۔

روس کی پالیسی رہی کہ بھارت کی زیادہ سے زیادہ فوجی امداد سے اسے اس قابل بنایا جائے کہ چین اور پاکستان کو زیر کرنے کے لیے استعمال ہو سکے اور پھر بحر ہند تک رسائی حاصل کی جائے۔ ایک طرف روس پاکستان کو توڑنے کے لیے ہر قسم کے حربے استعمال کر رہا تھا تو دوسری طرف پاکستان کو اقتصادی امداد بھی مہیا کر رہا تھا۔ کراچی میں سٹیل مل، ٹریکٹر پلانٹ اور گدو کا تھرمل بجلی گھر روس کی امداد کے مرہونِ منت ہیں۔ افغانستان پر حملے کے نتیجے میں پاک روس تعلقات مزید خراب ہوئے۔ روس کی نام نہاد کابل حکومت پاکستانی علاقے میں تخریبی کارروائیاں کرواتی رہی ہے اور سرحدوں کی خلاف ورزی بھی سینکڑوں بار کر چکی ہے لیکن پاکستان کی حکومت نے صبر و تحمل کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ پاکستان پھر بھی روس سے بہتر تعلقات کا خواہاں رہا۔

افغانستان جیسے مشکل پہاڑی ملک پر حملہ کر کے اور نو سال کی مسلسل اور مہنگی جنگ سے روس منزلِ مقصود تک

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہیں پہنچا اور کٹھ پتلی کابل حکومت کو مستحکم کرنے میں ناکام رہا۔ روس عظیم طاقت ہونے کے باوجود افغانستان می قدم نہ جما سکا اور جنیوا سمجھوتہ اپریل 1988ء کے تحت افغانستان سے تمام فوجیں نکالنے پر مجبور ہو گیا۔ افغانستان پر حملہ کرنے سے روس کی بین الاقوامی شہرت کو بہت زیادہ نقصان پہنچا ہے۔

6.7- پانچواں دور فروری 1989ء تا حال

فروری 1989ء سے روسی افواج افغانستان سے نکل چکی ہیں۔ امید کی جاتی ہے کہ روسی افواج کے انخلاء اور افغانستان میں نمائندہ حکومت کے قیام سے پاک روس تعلقات میں بہتری پیدا ہوگی۔ 10 فروری 1989ء تک افغانستان سے روسی فوج نکل چکی تھی Union Treaty نہ ہونے کی وجہ سے دسمبر 1991ء میں سوویت یونین ٹوٹ گیا اور روسی فیڈریشن کا قیام عمل میں آیا۔ 11 جنوری 1992ء کو روس نے اعلان کیا کہ وہ پاکستان کو SU27 اور Mig29 فراہم کرے گا۔ لیکن 29 جنوری کو صدر ریلسن نے بھارت کے دورے پر پاکستان کو طیاروں کی فراہمی کی تردید کر دی۔ اپریل 1999ء میں وزیر اعظم پاکستان نے ماسکو کا دورہ کیا تو روس کے صدر بورس یلسن نے کہا کہ ''آئیں ماضی کو دفن کر دیں''، لیکن اس دور میں کوئی خاص پیش رفت نہ ہو سکی۔

حکومت پاکستان اب بھی روس سے بہتر تعلقات کی خواہاں ہے۔ فروری 2003ء میں صدر پاکستان جنرل پرویز مشرف نے روس کا دورہ کیا تو انہوں نے کہا کہ اس خطے کا امن مسئلہ کشمیر کے پر امن حل میں مضمر ہے جو بھارت جان بوجھ کر حل نہیں کرنا چاہتا۔ ماسکو کو چاہیئے کہ وہ اپنا کردار ادا کرے تاکہ مسئلہ حل ہو۔ روسی صدر ولادمیر پوٹن نے (Schanghai Cooperation Organization)SCO میں پاکستان کو شامل ہونے کی خواہش ظاہر کی جس کا مرکزی کردار چین ہے تاکہ عالمی دہشت گردی سے نمٹا جا سکے۔ صدر پاکستان کے اس دورے میں روس کی 300 سے بھی زائد کمپنیوں نے پاکستان میں سرمایہ کاری کی خواہش ظاہر کی۔ دونوں ملکوں میں تجارت کی کل آمدنی 2002ء میں تقریباً 60 ملین ڈالر تھی۔ امید کی جاتی ہے کہ مستقبل میں پاکستان اور روس اپنی خارجہ پالیسی کے حوالے سے بنیادی تبدیلیاں لا کر خیر سگالی کے جذبات کو فروغ دیں گے اور باہمی تعاون میں پیش رفت ہوگی۔

6.8- اہم نکات

(1) امریکہ یورپ میں کمیونزم کا سخت مخالف تھا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(2) سوویت یونین کے ٹوٹ جانے سے پہلے روس ایک بڑا ملک تھا جس کی سرحدیں بہت دور تک پھیلی ہوئی تھیں۔

(3) روس کمیونسٹ ملک ہے اور پاکستان جیسا نظریاتی ملک اس سے گہرے تعلقات نہیں رکھ سکتا۔

(4) صدر ایوب نے عنان حکومت سنبھالتے ہی خارجہ پالیسی کو درست کرنے کی کوشش کی۔

(5) 1971ء میں بھرپور اعصابی جنگ کے بعد بھارت نے مشرقی پاکستان پر حملہ کر دیا اور روس کا اعلیٰ فوجی وفد دہلی میں آ کر بیٹھ گیا تاکہ تمام جنگی کارروائیاں اس کی زیر نگرانی پاکستان کے خلاف کی جائیں۔

6.9- خود آزمائی نمبر 6

سوال نمبر 1۔ درج ذیل بیانات میں صحیح اور غلط کی نشاندہی کریں۔

1- نیٹو 1949ء میں ظہور میں آیا۔	صحیح	غلط
2- 1954ء میں سیٹو کی تشکیل ہوئی۔	صحیح	غلط
3- 1965ء میں پہلی بار پاکستانی سربراہ نے روس کا دورہ کیا۔	صحیح	غلط
4- 1979ء میں روس نے افغانستان میں اپنی فوج داخل کی۔	صحیح	غلط

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

7- جوابات

خود آزمائی نمبر 1

سوال نمبر 1، 2 اور 3 کے جواب یونٹ کے متعلقہ حصے سے تلاش کریں۔

خود آزمائی نمبر 2

سوال نمبر 1- (1) 3 کروڑ 81 لاکھ (2) لیاقت علی خان (3) 1964ء
(4) رباط (5) 1980ء

خود آزمائی نمبر 3

سوال نمبر 1، 2 اور 3 کے جواب یونٹ کے متعلقہ حصے سے تلاش کریں۔

سوال نمبر 4- (1) ڈیورنڈ لائن (2) جدا (3) ون یونٹ
(4) 1973ء (5) امریکہ

خود آزمائی نمبر 4

سوال نمبر 1- (1) سینٹو (2) 500 (3) بھارتی
(4) دیپالپور اور سنٹرل (5) فوجوں اور فوجی اثاثوں

سوال نمبر 2 تا 5 کے جوابات یونٹ کے متعلقہ حصے سے تلاش کریں۔

خود آزمائی نمبر 5

سوال نمبر 1- (1) مغربی طاقتوں (2) اکتوبر 1958ء (3) تاشقند کی میز
(4) 260 ملین (5) تیسرا پنجسالہ منصوبہ، امریکہ

سوال نمبر 2- (1) صحیح (2) صحیح (3) غلط
(4) غلط (5) غلط

خود آزمائی نمبر 6

سوال نمبر 1- (1) صحیح (2) صحیح (3) صحیح (4) صحیح

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

8- کتابیات

1- احمد شجاع پاشا' افغانستان ایک قوم کا المیہ' سنگ میل پبلیکیشنز' لاہور

2- زیڈ اے سلہری' مسئلہ افغانستان' جنگ پبلشرز' لاہور

3- ستار طاہر' سیاست و نظریات' کلاسیک' لاہور

4- زاہد حسین انجم' پاکستان کی خارجہ پالیسی' نیو بک پیلس' اردو بازار' لاہور

5- عرفان صدیقی' جنرل اختر عبدالرحمٰن (سوانح)' جنگ پبلشرز' لاہور' 1990ء

6- انٹرنیٹ سے بھی خاطر خواہ استفادہ کیا گیا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ